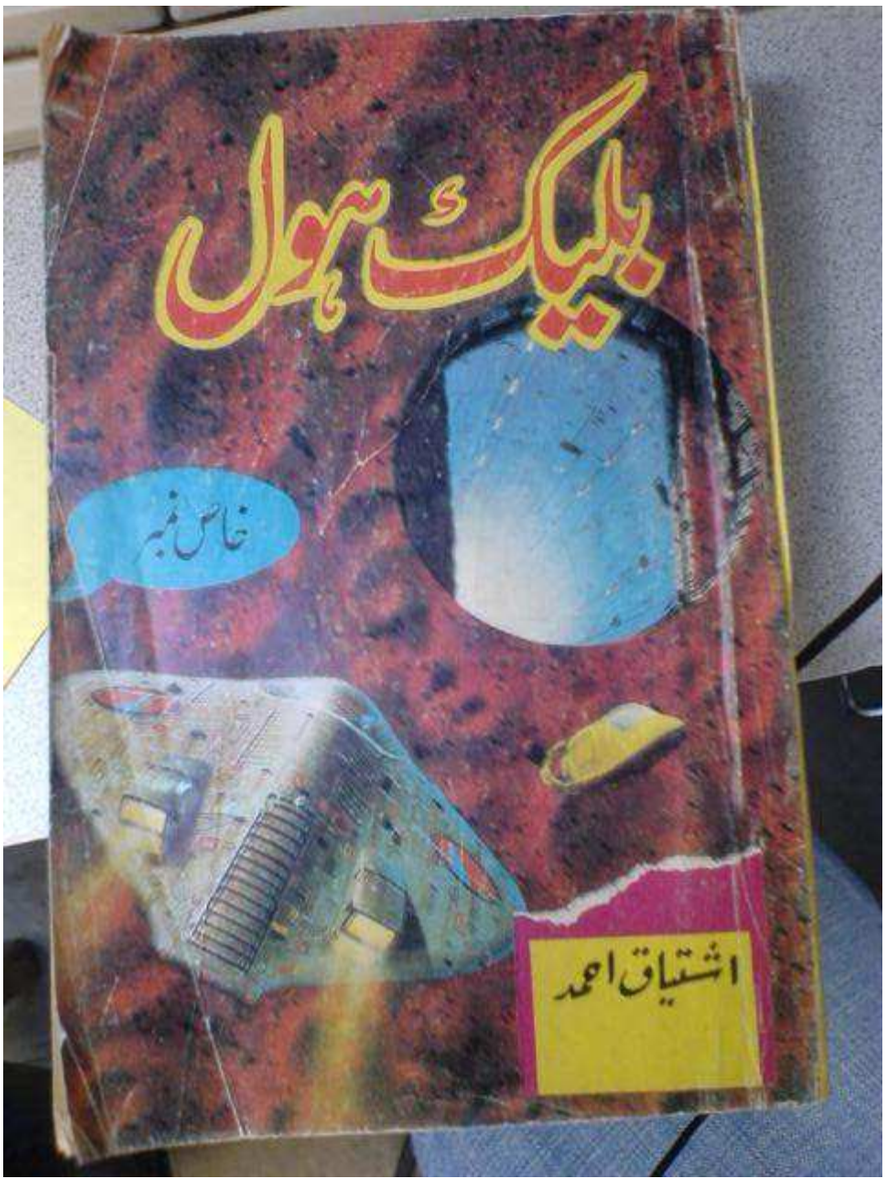
بلیک ہول
خاص نمبر
اشتیاق احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید
آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا
اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

43 واں خاص نمبر

سیریز
623

ایک تہلکہ خیز خاص نمبر

بلیک ہول

اشتیاق احمد

جواب کا جواب

"ہمارے ملک سے ایک شہر کو اغوا کر لیا گیا ہے"۔

"جی کیا فرمایا آپ نے... شاید آپ کچھ غلط کہہ گئے... پھر سے کہئے"۔ محمود بوکھلا اٹھا۔

اجنبی نے ابھی چند منٹ پہلے ان کے دروازے کی گھنٹی بجائی تھی... اس سے پہلے ان میں بہت زور شور سے بحث ہو رہی تھی... بحث اس بات پر ہو رہی تھی کہ گرمی کی یہ چھٹیاں کیسے گزاری جائیں۔

"انہیں گزارنے کی ضرورت ہی کیا ہے، خود بخود گزر جائیں گی"۔ فاروق کی آواز ابھری اور بیگم جمشید مسکرا دیں، وہ اگرچہ باورچی خانے میں تھیں... لیکن صحن میں کھلنے والی کھڑکی کے ذریعے ان کی ایک ایک بات سن رہی تھیں۔

"امی جان! آپ کو کس بات پر ہنسی آئی"۔ محمود کا منہ کھڑکی کی طرف گھوم گیا۔

"فاروق کی بات پر... ویسے بات ہے بالکل ٹھیک... آخر اس بحث میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے کہ یہ چھٹیاں کیسے گزاری جائیں...

ہم انہیں گزاریں یا نہ گزاریں... یہ خود بخود گزر جائیں گی"۔

"چلیے... میں اپنے سوال میں تھوڑی سی تبدیلی کیے لیتا ہوں... اور اب سوال اس طرح کرتا ہوں"۔ محمود نے کہنا چاہا، لیکن اسی وقت فاروق بول اٹھا۔

"نہ بھئی... تبدیلی کرنا ہے تو پوری کرو... تھوڑی سی تبدیلی سے ہمارے ہاں کام نہیں چلے گا... کیوں فرزانہ"۔

"کچھ کہہ نہیں سکتی... کیونکہ کام چلنے کی بھی کیا بات ہے... چلے کو بغیر کسی تبدیلی کے بھی چل سکتا ہے... پھر اس میں تھوڑی تبدیلی اور پوری تبدیلی کی کیا بحث"۔ فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لیجئے ہو گئی... تم اور میرا ساتھ دو... ہو نہیں سکتا"۔ فاروق نے پاؤں پٹخے۔

"اتنا پہلے ہونے کی ضرورت نہیں... چلو میرا ساتھ دو... اور پوری تبدیلی کرو... ہاں محمود... تھوڑی سی تبدیلی کے بجائے تم اپنے سوال میں پوری تبدیلی کرو... مطلب یہ پورا سوال ہی بدل ڈالو"۔ فرزانہ نے کہہ دیا۔

"یہ... یہ... یہ کیسے ممکن ہے؟"

"کیوں... کیوں... کیوں... ممکن ہونے کو اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہو سکتا"۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"بات ہے گرمیوں کی چھٹیوں کی... اب جملے میں گرمیوں

چھٹیوں کے الفاظ تو آئیں گے ہی آخر... اب ان کے بجائے سردیوں کے دن تو لگانے سے رہا"۔

"بھئی جلے بھنے کیوں جا رہے ہو... اس کی ترکیب بھی میں بتائے دیتا ہوں"۔ فاروق شوخ انداز میں مسکرایا۔

"بہت خوب فاروق... یہ ہوئی نا بات... چلو شاباش... بتاؤ"۔

"اپنی شاباش اپنے پاس رکھو... مجھے نہیں چاہیے تمہاری شاباش"۔ فاروق جل گیا۔

"یہ کیا بات ہوئی... تمہیں شاباش سے اللہ واسطے کا بیر ہے کیا... یا پھر شاباش سے آج کل تمہاری لڑائی ہو گئی ہے"۔ محمود نے گھبرا کر کہا۔

"یہ مجھ سے چھوٹی ہے... چھوٹے بڑوں کو شاباش نہیں دیا کرتے"۔ فاروق نے منہ پھاڑ کر کہا۔

"اوہ ہاں! اصول کی بات ہے... محمود... تم اسے شاباش کی بجائے کچھ اور دے دو"۔ فرزانہ نے گویا اسے مشورہ دیا۔

"دیکھا... دیکھا امی جان... یہ دونوں میرا مذاق اڑانے پر تل گئے ہیں نا"۔ فاروق چلایا۔

"دیکھا نہیں... صرف سنا... اس لیے کہ میرا منہ اس وقت چولہے کی طرف ہے۔ وہ ہنسیں۔

"لیجئے... آپ بھی ان کا ساتھ دینے پر اتر آئیں"۔ فاروق بولا۔

"منہ نہیں تو... میں اتری تو نہیں... نہ ہی چڑھی ہوں... جو
کھڑی تھی... وہیں ہوں"۔ انہوں نے بوکھلا کر اپنے آپ کو دیکھا۔
"ابا جان! اب آپ غسل خانے سے آ ہی جائیں... اس لیے
میرے خلاف محاذ قائم ہو گیا ہے اور اب آپ ہی مجھے ان سب
بچائیں گے"۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔
"کیا ہے... کیوں چلا رہے ہو... میں ایک بہت ضروری
سوچ رہا ہوں"۔
"جی... کیا مطلب... آپ غسل کر رہے ہیں... یا اندر
حل کر رہے ہیں"۔
"پتا نہیں کیا بات ہے... جب میں غسل کرنے لگتا ہوں
میرے دماغ میں خیالات کی بھرمار ہو جاتی ہے... وہ وہ باتیں ذہن
آتی ہیں... جو غسل خانے سے باہر نہیں آتیں"۔
"لیکن آپ غسل کرتے وقت باتیں کیسے کر رہے ہیں... یہ
منع ہے... یعنی نہاتے وقت آدمی باتیں نہیں کر سکتا"۔
"اس وقت میں نہا چکا ہوں اور کپڑے پہن چکا ہوں... باہر
ی والا تھا کہ تمہارا جملہ کانوں میں آ پڑا"۔ ان الفاظ کے ساتھ
غسل خانے کا دروازہ کھل گیا اور انسپکٹر جمشید انہیں بالکل تیار کر
نظر آئے۔
"آپ تو واقعی پروگرام کے مطابق باہر جانے کے لیے بالکل

بلکہ سو فیصد تیار ہیں"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
"کک... کون سے پروگرام کے مطابق... میں نے تو کوئی
پروگرام نہیں بنا رکھا باہر جانے کا"۔
"آپ نے نہیں... ہم نے"۔ فاروق نے فوراً کہا۔
"تم نے پروگرام بنا رکھا ہے... کیا... کب... اور کیسے"۔ وہ
بوکھلا اٹھے۔
"بنا نہیں رکھا... بنا رہے ہیں... اور ان شاء اللہ آپ کی مدد
سے بہت جلد بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے"۔
"سوال یہ ہے ابا جان... کہ اس بار گرمیوں کی چھٹیاں کہاں
گزاری جائیں"۔
"جواب یہ ہے کہ ناشتے کا وقت ہے اور مجھے بھوک لگی ہے"۔
انہوں نے بوکھلا کر کہا۔
"جواب پسند آیا اور اس جواب کا جواب یہ ہے کہ ناشتا بالکل
تیار ہے... یہ لیجیے... حاضر ہے"۔ بیگم جمشید نے باہر آتے ہوئے کہا۔
"بھئی واہ... آج تو بہت زبردست خوشبو ہے... سنو بھئی...
ناشتے تک کوئی بات نہیں ہو گی"۔ انسپکٹر جمشید نے
"لل... لیکن... ناشتے کے فوراً بعد تو آپ دفتر کے لیے اٹھ
کھڑے ہوں گے اور دروازے کی طرف چل پڑیں گے"۔
"میں اس کے علاوہ کر بھی کیا سکتا ہوں"۔ انہوں نے کندھے

اچکائے۔
"اس طرح ہمارا مسئلہ درمیان میں رہ جائے گا... لہٰذا یہ بات
ناشتے کے دوران ہو سکتی ہے"۔
"لیکن تم جانتے ہو... میں ناشتے کے دوران باتیں کرنے کا عادی
نہیں"۔ انہوں نے منہ بنایا۔
"مطلب یہ... آپ دراصل کنی کترا رہے ہیں"۔
"اچھا تو پھر اس کی ایک صورت ہے... ناشتا بعد میں پہلے
بات... ہاں کہوں... تمہیں کیا کہنا ہے تم یہ بات طے کرنا چاہتے ہو کہ
اس بار گرمیوں کی چھٹیاں کہاں گزاری جائیں' اس کا بہترین جواب یہ
ہے کہ یہیں گزاری جائیں... اور کچھ... کیا اب میں ناشتا شروع کر
سکتا ہوں"۔
"جی نہیں... اب آپ بات کرنے کی اجازت دے چکے ہیں...
اور ابھی ہم نے اپنی بات نہیں کی... ہمارے شہر میں تو گرمی بہت ہوتی
ہے... جب کہ گرمیوں کی چھٹیوں کا مزا کسی پرفضا شہر میں آتا ہے...
لیکن اس بار ہم کسی ایسے شہر میں جانا چاہتے ہیں... جہاں پہلے کبھی نہ
گئے ہوں"۔
"اچھی بات ہے... ٹھنڈا چلے جاؤ... لیکن میں نہیں جا سکتا...
مجھے دفتر سے چھٹیاں نہیں مل سکیں گی... آج کل غیر ملکی عناصر نے
بہت سر اٹھا رکھا ہے... ان کی پکڑ دھکڑ میں تمام دن گزر جاتا ہے اور

پکڑ دھکڑ مکمل نہیں ہوتی"۔
"آپ کے بغیر تو مزا نہیں آئے گا"۔
"کیوں نہیں آئے گا... جب کہ میں اسے تم لوگوں کے ساتھ
بھیج رہا ہوں"۔
"کسے؟" وہ ایک ساتھ بولے۔
"مزے کو... اور کسے"۔
"اب آپ بھی مذاق پر اتر آئے"۔ فاروق بولا۔
"یار کیا اتر آئے اتر آئے لگا رکھی ہے... تم چڑھ آئے بھی تو
کہ سکتے ہو... مثلاً آپ بھی مذاق پر چڑھ آئے... آپ بھی آج بھوکا
مارنے پر چڑھ آئے... آپ بھی آج..."
"بس بس... کافی ہے"۔ فاروق نے گھبرا کر محمود کے منہ پر ہاتھ
رکھ دیا۔
"آپ نے کیا نام لیا ابا جان... ٹھنڈا"۔
"ٹھنڈا نہیں... گرم... سنا ہے... وہ شہر بہت گرم ہے' نام ہے
ٹھنڈا"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"لیکن ہم کسی گرم شہر میں جا کر کیا کریں گے... گرمی کے لیے
تو ہمارا اپنا شہر کافی ہے"۔
"ایک تو تم میں یہ بہت بری عادت ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے برا
سا منہ بنایا۔

"وہ کون ہے۔ ذرا وضاحت تو کر دیں"۔ محمود جلدی سے بولا۔ فاروق نے اسے تیز نظروں سے گھورا اور بولا۔

"اور محمود میں بھی کوئی نہ کوئی بہت بری بات ضرور ہو گی۔ فرزانہ بھی بتا دیجئے گا"۔

"اس کی بات بعد میں آئے گی۔ پہلے تم سن لو۔ تم بات کو فوراً بہت جلد سمجھتے ہو"۔

"جی ہاں بالکل! یہ بات تو فاروق میں واقعی ہے"۔ فرزانہ خوش ہو گئی۔

"میں نے گری کا لفظ اور معنوں میں بولا تھا۔ سنا ہے۔ وہاں کے لوگ بہت گرم مزاج ہیں۔ بات بات پر لڑنے مرنے پر تل جاتے ہیں۔ لیکن شہر اس قدر پرفضا ہے کہ کیا بتاؤں"۔

"کیا آپ وہاں جا چکے ہیں؟"

"نہیں۔ ایک دوست نے بتایا تھا' اس کے بارے میں"۔

"تب پھر آپ بھی چلیں ہاں ساتھ"۔

"نہیں۔ تم اپنے انکل کو ساتھ لے جا سکتے ہو۔ میں نہیں جا سکوں گا۔ ہاں فرصت مل گئی تو بعد میں آ جاؤں گا"۔

"بہت بہت شکریہ۔ اتنا بھی بہت ہے۔ تو پھر اب ہم انکل خان رحمان اور پروفیسر انکل سے بات کر لیں"۔

"ہاں ضرور۔ لیکن پہلے ناشتا"۔ وہ مسکرائے۔

"لو ہاں۔ واقعی۔ پہلے ناشتا۔

جونہی وہ ناشتے سے فارغ ہوئے۔ انسپکٹر جمشید نے دفتر کی راہ لی۔ اور وہ فون کی طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ محمود نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے شوکی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"وہ۔ وہ۔ وہ شہر اغوا ہو گیا"۔

☆○☆

چند لمحے تک وہ سوچتے رہے کہ شوکی نے کیا کہا ہے۔ پھر محمود نے پرسکون آواز میں کہا۔

"شوکی یہ تم ہی ہو؟"

"ہپ۔ پتا نہیں"۔ دوسری طرف سے اس کی آواز سنائی دی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟" محمود کا منہ بن گیا۔

"پتا نہیں"۔ شوکی بولا۔

"اچھا تو پھر۔ جب تمہیں کسی چیز کا پتا ہی نہیں تو فون کرنے کی کیا ضرورت تھی"۔

"پتا نہیں"۔ شوکی نے فوراً کہا۔

"سمجھ گیا۔ اچھا یہ بتاؤ۔ تم بات کون سے شہر کی کر رہے ہو۔ اور یہ شہر کب سے اغوا ہونے لگے۔ کیا ہو گیا ہے۔ آج کل

کے شہروں کو۔ اس میں جواب طلب بات یہ ہے کہ شہر شہریوں سمیت ہوا ہے یا ان کے بغیر اور اگر ان کے بغیر اغوا ہوا ہے تو پھر شہری ہے کس شہر میں ہیں"۔

"میرے پاس ان سوالات کے جوابات نہیں ہیں۔ مجھے تو صرف ایک بات معلوم ہے۔ اور وہ یہ کہ شہر اغوا ہو گیا ہے"۔

"تم اپنے ہوش میں نہیں لگتے شوکی۔ خیر کوئی بات نہیں۔ ہوتا ہے ایسا بھی کبھی"۔

"کیا ہوتا ہے کبھی کبھی"۔ شوکی نے گنگنانے کے انداز میں کہا۔

"یار تم عجیب ہو۔ شہر اغوا ہو گیا ہے اور تم گنگنا رہے ہو"۔ محمود نے جھنا کر کہا۔

"یہ جوابی گنگناہٹ ہے"۔ شوکی نے بھی جھنا کر کہا۔

"جوابی گنگناہٹ۔ کیا مطلب"۔

"تم نے بھی یہ الفاظ گنگنا کر کہے تھے۔ ہوتا ہے ایسا بھی کبھی"۔

"اچھا خیر۔ بات کیا ہے؟"

"پیلا تو ہے"۔

"یار تم فون رفعت کو دو۔ معلوم ہوتا ہے۔ آج کی تاریخ میں تم ڈھنگ کی بات کر ہی نہیں سکتے"۔

"کیں۔ آج کیا تاریخ ہے"۔ شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ تو اس وقت مجھے بھی یاد نہیں۔ تم رفعت سے بات کراؤ۔ تاریخ بھی اس سے پوچھ لو"۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔ وہ فوراً بولا اور پھر رفعت کی آواز سنائی دی۔

"اس میں کوئی شک نہیں محمود۔ شہر کا اغوا ہو گیا ہے"۔

"کیوں مذاق کرتی ہو۔ پہلے ہی شوکی بہت بور کر چکا ہے"۔

"اچھی بات ہے۔ بہت جلد تمہیں اس خبر پر یقین آ جائے گا"۔

"ارے تو وضاحت بھی تو کرو نا۔ کبھی شہر بھی اغوا ہوتے ہیں"۔

"سائنس کا دور ہے۔ پتا نہیں ابھی کیا کچھ اغوا ہو گا"۔

"جب تک تم تفصیل نہیں سناؤ گی۔ اس وقت تک"۔

عین اس وقت لائن کٹ گئی۔ محمود گھبرا گیا۔ اس نے فوراً شوکی کے نمبر ملائے۔ لیکن لائن بالکل خاموش تھی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا ہوا؟"

"لائن کٹی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی زبردست گڑبڑ ہے اس طرف۔ اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

"پھر اب کیا کریں؟"

"کرنا کرانا کیا ہے۔ صبر کر لیتے ہیں"۔ فاروق نے مشورہ دیا۔

"میرا خیال ہے... ہم یہ خبر ابا جان کو سنا دیں پہلے"۔ فرزانہ نے کہا۔

"بات معقول ہے... شوکی نے اگر یہ الفاظ کہے ہیں تو بلاوجہ نہیں... اس کی وجہ ضرور ہو گی"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"بالکل ٹھیک"۔ دونوں ایک ساتھ بولے۔

دفتر کے نمبر ملائے گئے... فوراً اکرام کی آواز سنائی دی۔

"ابا جان کو فون دیں... محمود بات کر رہا ہوں"۔

"ہم سب پریشان ہیں"۔ اکرام بولا۔

"جی... کیا مطلب... آپ سب پریشان ہیں... لیکن کس لیے"۔

"ابا جان کو فون دیں"۔

"ابھی تک انسپکٹر صاحب نہیں پہنچے"۔

محمود نے فوراً گھڑی پر نظر ڈالی... نو بج کر ایک منٹ ہوا تھا... انسپکٹر جمشید ٹھیک نو بجے اپنی کرسی پر موجود ہوتے تھے... ان کا یہ برسوں کا معمول تھا اور اس میں کبھی فرق نہیں آتا تھا... انہیں اگر دفتر نہ آنا ہوتا تو دفتر میں پہلے سے اطلاع ہوتی تھی... اور آج چونکہ اطلاع نہیں تھی... اس لیے انہیں ٹھیک نو بجے دفتر میں ہونا چاہیے تھا اور وہ نہیں تھے... اسی لیے سب لوگ پریشان تھے... اور اب چاروں بھی پریشان ہو گئے... کیونکہ انسپکٹر جمشید ٹھیک وقت پر دفتر

لیے روانہ ہوئے تھے۔

"اچھی بات ہے... میں چند منٹ بعد فون کروں گا"۔

"ہاں ٹھیک ہے... ویسے ایک گاڑی دفتر سے گھر کے راستے کو روانہ کی جا رہی ہے... تاکہ معلوم ہو سکے... راستے میں کہاں گڑبڑ ہوئی ہے"۔

"پھر کیا خیال ہے... کیا ہم بھی گھر سے ان کی تلاش میں نکلیں"۔

"فی الحال اس کی ضرورت نہیں... ہو سکتا ہے، یہ کوئی چال ہو اور تم لوگوں کے گھر سے نکلنے کے بعد یہاں کوئی واردات ہو جائے"۔ اکرام نے جلدی جلدی کہا۔

"اوہ اچھا"۔ اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

عین اس وقت فون کی گھنٹی بجی... اور ساتھ ہی دروازے کی گھنٹی بجی... ان کے کان کھڑے ہو گئے... فاروق کے ہاتھ فون کی طرف بڑھے اور محمود اٹھ کر دروازے کی طرف چلا۔

☆○☆

کرتا دھرتا

شوکی نے اس اجنبی کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا... گرد جسم پر سرخ لباس تھا... اور لباس مٹی سے لبریز تھا... یوں لگتا تھا بہت دور کا سفر پیدل طے کر کے آیا ہو... اس نے شوکی اور باقی سب کو غور سے دیکھا پھر اپنی ٹوپی اتار کر اس زور سے جھاڑی کہ گرد ہی گرد پھیل گئی۔

"آپ کیا چاہتے ہیں... گرد پھیلانا"۔ شوکی نے جل بھن کر کہا۔

"نہیں... یہ اس شہر کی گرد ہے جو اغوا ہو گیا ہے"۔

"کیا کہا... کون اغوا ہو گیا ہے۔

"شہر... میرا شہر... اس شہر میں میرے بیوی بچے بھی تھے"۔

"او بھائی... کیوں بے پر کی اڑا رہے ہیں... کوئی بچہ اغوا ہو سکتا ہے... جہاز اغوا ہو سکتا ہے... ٹرین اغوا ہو سکتی ہے... لیکن بھلا شہر بھی کبھی اغوا ہوتے ہیں... صاف صاف کہئے... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"یہی کہ میرا شہر اغوا ہو گیا ہے"۔

"اچھا آپ آرام سے بیٹھیں... ٹھنڈا پانی پئیں... ہوش و حواس ٹھکانے آ لیں... پھر ہم آپ سے پوچھیں گے کہ ہوا کیا ہے"۔

اجنبی نے انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھا اور سر جھٹک کر رہ گیا... اخلاق اس کے لیے پانی کا گلاس لے آیا... ایسے میں اندرونی دروازے پر دستک ہوئی اور شوکی کی والدہ کی دبی آواز سنائی دی۔

"شوکی! تم کسی کام کے بھی ہو یا بالکل نکمے ہو"۔

کچن فوراً دروازے پر پہنچا۔

"نہیں امی جان! ہم بالکل نکمے نہیں ہیں... کسی حد تک کام کے بھی ہیں... آپ حکم کریں"۔

"اپنی خالہ کے ہاں سے ذرا ایک... کمرہ مانگ لاؤ... آج ہمارے ہاں مہمان آ رہے ہیں"۔

"جج... جی... کیا فرمایا... کیا مانگ لائیں"۔ آفتاب نے گڑبڑا کر کہا۔

"کمرہ... میں کوئی فارسی نہیں بول رہی ہوں"۔ انہوں نے جھلا کر کہا۔

"امی جان... آپ کمرہ کہہ رہی ہیں... ہم نے سنا ہے اور سمجھا ہے... لیکن کمرہ کوئی کس طرح لا سکتا ہے"۔

"محمود کو فون کرو۔۔۔ یہ کام بگڑ جائے گا"۔

"کیا مطلب"۔ وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"تم نے ہی تو بتایا تھا۔۔۔ ان کے کوئی دوست ہیں سی پی الٹمیٹ۔ ان کا دوست کوئی جن ہے۔۔۔ وہ ذرا اس جن کو سی پی الٹمیٹ سے اوپر لے کر ادھر بھیج دیں۔۔۔ بس ہم اس سے صرف ایک کمرہ اٹھوائیں گے اور کوئی کام نہیں لیں گے۔۔۔ یہ وعدہ رہا"۔

"اب ہم سمجھے۔۔۔ آپ تو بہت دور کی کوڑی لائیں۔۔۔ خیر ہم ذرا اپنے مہمان سے فارغ ہو لیں۔۔۔ پھر آپ کے مہمانوں کے لیے کچھ کریں گے"۔

"کوئی کیس ہے کیا؟" وہ فوراً بولیں۔

"کچھ کہہ نہیں سکتے۔۔۔ تیل دیکھیں۔۔۔ تیل کی دھار دیکھیں"۔

"دونوں چیزیں ختم ہیں۔۔۔ بازار سے لا دینا"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"کون سی دونوں چیزیں"۔ آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تیل اور تیل کی دھار"۔

"لیکن بازار سے صرف تیل ملے گا۔۔۔ دھار آپ کو خود بنانا ہو گی"۔

"اچھا خیر بنا لوں گی۔۔۔ اور ہاں کم معاوضے پر بات نہ کرنا۔ اب تم بہت مشہور و معروف بن چکے ہو۔۔۔ تمہاری شہرت پر لگا کر چاروں

طرف اڑ چکی ہے"۔

"آپ فکر نہ کریں۔۔۔ ہم پورا پورا معاوضہ لیں گے"۔

اور انہوں نے اندرونی دروازہ کھٹ سے بند کر دیا' ادھر انہی پانی پینے کے بعد کئی لمبے لمبے سانس لے چکا تھا۔۔۔ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہاں! اب آپ اطمینان سے بتائیں۔۔۔ کیا ہوا ہے؟"

"میں اپنے شہر سے باہر کاروبار کے سلسلے میں گیا ہوا تھا۔۔۔ میرے شہر کا نام ٹھٹا ہے۔۔۔ کاروبار سے واپس لوٹا جب گاڑی سے اترا تو وہاں بے شمار لوگ ایک کھلے میدان میں جمع تھے۔۔۔ سب کے سب حیران پریشان تھے۔۔۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔۔۔ ان میں کچھ جانے پہچانے لوگ بھی تھے۔۔۔ میں نے ایک سے پوچھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ آپ سب لوگ یہاں کیوں جمع ہیں' آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"ہم بھی آپ کی طرح گاڑی سے اترے ہیں۔۔۔ یہ سٹیشن کی عمارت دیکھ رہے ہیں"۔

"ہاں! دیکھ رہا ہوں"۔

"اس عمارت کے اس طرف دیکھیں۔۔۔ کچھ نظر آ رہا ہے"۔

"ارے۔۔۔ شہر کہاں گیا؟"

"یہی ہم ایک دوسرے سے کہہ رہے ہیں۔۔۔ آخر ہمارا شہر کہاں

گیا ہے۔۔۔ شہر کی جگہ کھلا میدان کیوں نظر آ رہا ہے' ہمارے گھر کہاں گئے؟۔۔۔ بیوی بچے کہاں گئے؟۔۔۔ شہر کے سب لوگ کہاں ہیں؟۔۔۔ یہ سب لوگ تو وہ ہیں جو آپ کی طرح گاڑی سے اترے ہیں"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔۔۔ کیا میں پاگل ہو چکا ہوں۔۔۔ یا میں خواب دیکھ رہا ہوں"۔ میں نے چیخ کر کہا۔

"ہم سب بھی یہی سوچ رہے ہیں"۔

"کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔۔۔ ہم پاگلوں کی طرح اس میدان میں ادھر ادھر بھاگے دوڑے۔۔۔ زمین میں کوئی گڑھا بھی نہیں تھا۔۔۔ کہ ہم کہہ سکتے۔۔۔ پہلے زمانوں کی طرح یہ شہر زمین میں دھنس گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس طرح بھی عذاب دیتے رہتے ہیں۔۔۔ قرآن و احادیث سے یہ باتیں ہمیں معلوم ہوئی ہیں۔۔۔ اللہ جب کسی قوم پر ناراض ہوتے ہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیتے ہیں' پانی میں غرق کر دیتے ہیں یا ان پر پہاڑ گرا دیتے ہیں۔۔۔ زلزلوں سے تباہ کر دیتے ہیں۔ لیکن وہاں شہر کے دھنسنے کے کوئی آثار نہیں تھے۔۔۔ یہ تو بالکل ایسا لگ تھا۔۔۔ جیسے پورا کا پورا شہر ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔۔۔ لیکن یہ ناممکن بات تھی۔۔۔ اب سب لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ طے کیا کہ آس پاس کے شہروں میں چلتے ہیں۔۔۔ حکومت کے لوگوں کو یہ بات بتاتے ہیں۔۔۔ اپنے عزیزوں' رشتے داروں کو بتاتے ہیں۔۔۔ اور اس طرح ہم وہاں سے چلے آئے۔۔۔ میں نے اپنے عزیزوں اور رشتے داروں

بتایا۔۔۔ سرکاری افسروں کو یہ بات بتائی۔۔۔ آس پاس کے شہروں میں کھلبلی مچ گئی۔۔۔ خوف کی لہر دوڑ گئی۔۔۔ کیونکہ اگر ایک شہر غائب ہو سکتا تھا۔۔۔ تو دوسرا بھی تو ہو سکتا تھا۔۔۔ آس پاس کے شہروں نے اور حکومت کے لوگوں نے خوب بھاگ دوڑ کی۔۔۔ لیکن شہر کا کہیں سراغ نہ ملا۔۔۔ ایسے میں مجھے آپ لوگوں کا خیال آیا۔۔۔ اور میں آپ کی طرف چلا آیا۔۔۔ وہاں ابھی وہی افراتفری کا عالم ہے۔۔۔ اور اب تو یہ خبر سارے ملک میں پھیل جائے گی۔۔۔ ابھی تک تو افسران نے اس خوفناک اور ہولناک ترین خبر کو چھپائے رکھا ہے"۔

"یہ کب کا واقعہ ہے۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ آپ ٹرین سے کب اترے تھے"۔

"کل اسی وقت"۔

"گویا چوبیس گھنٹے ہو گئے اور شہر کا ابھی تک کوئی سراغ نہیں مل سکا"۔

"نہیں"۔ اس نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم یہ کیس لینے کے لیے تیار ہیں"۔ آفتاب نے کہا۔

"کیا کہا۔۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا"۔ شوکی نے اسے گھورا۔

"کیوں بھائی جان۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ ہمارا کام تو یہی ہے"۔

"ارے بھئی۔۔۔ پورا ایک شہر غائب ہوا ہے۔۔۔ بھلا ہم کس طرح

اس کو تلاش کر سکتے ہیں"۔ شوکی نے منہ بنایا۔

"کیوں نہیں تلاش کر سکتے۔۔۔ آخر ہم سراغ رساں ہیں"۔

"لیکن اس کیس کا ہمیں معاوضہ کون دے گا؟"

"وہ تمام شہری۔۔۔ جو پریشان ہیں۔۔۔ ادھر ادھر بھاگ دوڑ رہے ہیں"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم آپ کے ساتھ اس سٹیشن تک چلیں گے۔۔۔ جس کے سامنے وہ شہر آباد تھا۔۔۔ کیا نام بتایا آپ نے"۔

"ٹنڈا"۔ اس نے کہا۔

"بہت عجیب نام ہے"۔

"شہر دراصل ایک ٹنڈے آدمی نے بسایا تھا۔۔۔ وہ بہت دولت مند تھا۔۔۔ بس اس کے نام پر ٹنڈا نام پڑ گیا۔۔۔ تو آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں"۔

"ہاں! یہ تو کرنا ہو گا"۔

"آفتاب پھر سوچ لو۔۔۔ یہ کیس ہمارے بس کا نہیں"۔ شوکی نے گویا اسے خبردار کیا۔

"بھائی جان اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔۔۔ پہلے آنکھوں سے دیکھ تو لیں۔۔۔ ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ ایسا کوئی واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔۔۔ یہ صاحب گپ چھوڑ رہے ہیں اور ہمیں کسی اور کام کے لیے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔۔۔ وہاں چل کر یہ معافی مانگیں گے اور

اصل بات بتائیں گے۔۔۔ اس وقت ہم اپنا معاوضہ ان سے طے کر لیں گے"۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔۔۔ تب تو بہت خوب آفتاب"۔

اجنبی نے بھی یہ باتیں سنی تھیں۔۔۔ لیکن وہ خاموش رہا۔۔۔ اور پھر وہ ایک پرائیویٹ کار کے ذریعے بارہ گھنٹے کے سفر کے بعد اس اسٹیشن کے سامنے پہنچے۔۔۔ وہاں اب ہزارہا لوگ موجود تھے۔۔۔ غالباً آس پاس کے لوگ خبر سن کر اس طرف آتے جا رہے تھے۔

"یہ دیکھیے۔۔۔ یہاں تھا ہمارا شہر"۔

"اف مالک۔۔۔ آپ تو واقعی سچ بول رہے ہیں"۔

"اور نہیں تو کیا"۔ اس نے جل کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اس وقت یہاں بہت لوگ ہیں۔۔۔ ہم رات کے وقت یہاں آ کر جائزہ لیں گے اور آپ کے شہر کا سراغ لگائیں گے۔۔۔ آپ تب تک ہمارے معاوضے کی بات شہریوں سے کر لیں۔۔۔ تمام شہری بھی اگر ایک ایک ہزار روپے دینے کا وعدہ کریں تو ہمارا معاوضہ پورا ہو جائے گا"۔

"ایک ایک ہزار دینا ان کے لیے کیا مشکل ہے۔۔۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔ لیکن اب آپ جائیں گے کہاں"۔

"نزدیک ہی کسی شہر میں۔۔۔ کسی ہوٹل میں قیام کریں گے"۔

"تو پھر ہوٹل تک میں خود پہنچا آتا ہوں"۔

"یہ اور اچھی بات ہے"۔

وہ اس کے ساتھ نزدیکی شہر پہنچے۔۔۔ وہ صاف ستھرا اور چھوٹا سا شہر تھا۔۔۔ لیکن شہر کی رونق اجڑ چکی تھی۔۔۔ لوگوں کے چہروں پر خوف ہی خوف تھا۔۔۔ شاید ان کا خیال تھا کہ اب ان کے شہر کی باری آنے والی ہے۔۔۔ لہٰذا وہ دور دراز کے شہروں کا رخ کر رہے تھے اور یہ شہر خالی خالی لگ رہا تھا۔۔۔ ایک ہی دن میں اتنا بے رونق ہو گیا تھا۔

"وہ رہا سامنے اسلامی ہوٹل"۔ اس نے کہا۔

"اسلامی ہوٹل۔۔۔ بھئی واہ۔۔۔ نام تو خوب ہے۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ آپ نے اپنا نام تو اب تک نہیں بتایا"۔

"میں نثار خالد ہوں"۔

اور وہ ہوٹل میں داخل ہو گئے۔۔۔ کاؤنٹر پر ایک نوجوان آدمی اداس کھڑا تھا۔۔۔ انہیں اندر داخل ہوتے دیکھ کر چونکا۔۔۔ شاید ان حالات میں کسی گاہک کے آنے کی کوئی امید نہیں رہ گئی تھی۔۔۔ ہوٹل بھی بالکل خالی تھا۔

"کوئی کمرہ مل سکے گا"۔

"کوئی کیا۔۔۔ یہاں تو سارا ہوٹل خالی ہو چکا ہے۔۔۔ سوائے آپ کے اور اس کے"۔

"اس کے۔۔۔ کون اس کے۔۔۔ یہ کیا نام ہوا" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"ایک مسافر ابھی تک ہوٹل میں موجود ہے۔۔۔ بس وہ نہیں گیا۔۔۔ باقی سب جا چکے ہیں۔۔۔ یا پھر آپ ہیں۔۔۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔۔۔ اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ ساتھ والا شہر غائب ہو گیا ہے۔۔۔ اور اس شہر کی باری بھی آ سکتی ہے"۔

"دلیر آدمی معلوم ہوتا ہے"۔ شوکی مسکرایا۔

"ہاں صاحب یہ بات تو خیر ہے۔۔۔ دلیر تو وہ بہت ہے"۔

"اچھا آپ ہمیں ان کے ساتھ والا کمرہ دے دیں، ہم ایک کمرے میں ہی گزارا کر لیں گے"۔

"آپ سے کرایا ایک کمرے کا لیا جائے گا۔۔۔ رہ لیں چاہے آپ دس کمروں میں"۔

"جی۔۔۔ ہم پانچ افراد دس کمروں میں۔۔۔ یعنی ہر آدمی دو کمروں میں رہے گا۔۔۔ آدھا ایک کمرے میں آدھا دوسرے کمرے میں"۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ اچھا خیر۔۔۔ یہ ہے آپ کا کمرہ پہلی منزل پر کمرہ نمبر ۱۹"۔

"اور وہ صاحب؟"

"وہ کمرہ نمبر ۲۰ میں ہیں"۔

عین اس وقت ہوٹل کے دروازے پر کوئی آ کر رکا۔۔۔ انہوں نے یہ بات صرف محسوس کی تھی، کیونکہ ان کے رخ تو کاؤنٹر کی طرف

تھے۔ انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ پھر انہوں نے کاؤنٹر کلرک کی آنکھوں میں خوف کے آثار دیکھے۔

"کیا ہوا آپ کو"۔

"آ گئے۔ اس شہر کے کرتا دھرتا"۔

"کرتا دھرتا۔ کیا مطلب؟" شوکی نے کہا اور سب دروازے کی طرف مڑے۔ انہوں نے چند غنڈوں کو اندر کی طرف بڑھتے دیکھا۔ کلرک کا لرزتا ہاتھ دراز کی طرف گیا اور پھر اس نے چند سرخ سرخ نوٹ گن کر ان کی طرف بڑھا دیئے۔

"سمجھ دار آدمی ہو"۔ ان میں سے جو سب سے آگے تھا اس نے وہ نوٹ اس کے ہاتھ سے لے لیے۔ پھر ان پانچوں پر ایک نظر ڈالی۔

"یہ کون لوگ ہیں؟"

"مسافر ہیں۔ ابھی ابھی آئے ہیں"۔

"اس وقت تو شہر سے لوگ جا رہے ہیں اور یہ آ رہے ہیں"۔

"جی بس۔ کیا بتائیں۔ تقدیر گھیر کر لے آئی ہے۔ جا جائیں گے ہم بھی ایک آدھ دن تک واپس"۔ شوکی نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔ ایسے میں غنڈے کی نظر نثار خالد پر پڑی۔

"ہائیں۔ یہ۔ تم ہو باجوہ"۔

نثار خالد چونک اٹھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف پھیل گیا۔

"باجوہ۔ کون باجوہ۔ میرا نام نثار خالد ہے"۔

"ہاں ہاں! نثار خالد باجوہ۔ تمہارا پورا نام یہی ہے۔ لیکن تم پندرہ سال بعد نظر آئے ہو۔ کہاں رہے اتنے دن تک؟"

"آپ کو ضرور غلط فہمی ہو گئی ہے۔ میں تو آپ کو نہیں جانتا"۔

"یار یہ کیا کہہ رہا ہے"۔ غنڈا اپنے ساتھیوں کی طرف مڑا۔

"یہ کہہ رہا ہے۔ یہ ہمیں نہیں جانتا۔ جب کہ یہ دس سال تک ہمارے ساتھ رہا ہے۔ اس کام میں اس نے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ غنڈہ ٹیکس وصول کرنے میں اس کا جواب نہیں تھا۔ کسی انسان کو قتل کر دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اچھے اچھے غنڈوں کی چٹنی بنا دیتا تھا۔ اور اب کیسے بھیگی بلی بنا کھڑا ہے۔ چلو باجوہ۔ ہمارے ساتھ۔ پہلے ہم تمہاری کہانی سنیں گے۔ پھر تمہیں پندرہ سال کی رپورٹ سنائیں گے۔ اس کے بعد ہم پھر سے یہ کاروبار شروع کریں گے"۔

"نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ میں وہ باجوہ نہیں۔ جو تم سمجھ رہے ہو"۔

"کیا تم نثار خالد نہیں ہو؟" غنڈے نے تلملا کر کہا۔

"ہاں۔ میرا نام یہی ہے۔ لیکن میرے نام کے ساتھ باجوہ نہیں لگا ہوا۔ نہ میں باجوہ ہوں۔ آپ کو ضرور خوش فہمی ہو گئی

ہے"۔

"خوش فہمی نہیں۔ ایسے موقعوں پر غلط فہمی کا لفظ بولا جاتا ہے"۔ شوکی بول اٹھا۔

انہوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ شاید وہ انہیں بھول ہی گئے تھے۔

"کیا یہ تمہارے ساتھ ہیں باجوہ"۔

"ہاں نن نہیں۔ ارے۔ تم نے مجھے پھر باجوہ کہا"۔ وہ بھنا اٹھا۔

"ہم ثابت کر سکتے ہیں۔ کہ تم ہی ہمارے پرانے دوست نثار خالد باجوہ ہو۔ اور اس کا پہلا ثبوت۔ کیا تمہارے دائیں کندھے پر ایک سیاہ ابھرا ہوا تل نہیں ہے"۔

"نن نہیں"۔ نثار خالد ہکلایا۔

"اگر نہیں ہے۔ تو کندھے پر سے کپڑے ہٹا کر دکھا دو"۔

"نن نہیں"۔ نثار خالد گھبرا گیا۔

"بھئی نثار خالد صاحب! اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے۔ جب آپ وہ خالد نثار نہیں ہیں تو کندھے پر سے قمیص سرکا دیں"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"نن نہیں"۔ وہ چلایا۔

"اب تو پھر کپڑا ہٹایا جائے گا۔ پکڑ لو اس کو۔ اب یہ وہ باجوہ

نہیں ہے۔ شریف باجوہ ہو گیا ہے"۔

"نن نہیں۔ نہیں۔ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ ورنہ" اس بار اس کا لہجہ سرد ہو گیا"۔

"ورنہ تم کیا کر لو گے۔ مارو گے ہم سب کو۔ لو مارو"۔

اچانک نثار خالد کا ہاتھ اٹھ گیا۔ اس کا بھرپور مکا غنڈے کی ٹھوڑی پر لگا' وہ دوسری طرف الٹ گیا اور ساکت رہ گیا۔

وہ سب دھک سے رہ گئے۔ پھر باقی غنڈوں نے اسے گھیر لیا اور لگے اس پر تابڑ توڑ حملے کرنے۔ ان کی لاتوں اور گھونسوں سے خود کو اچھل کود کر کے بچاتے ہوئے اس نے ان کے بھی لاتیں اور گھونسے رسید کرنے شروع کیے۔ اور یہ صرف تین منٹ بعد وہ سب لمبے لیٹ چکے تھے۔ شوکی برادرز اب اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے اور وہ ان کے سامنے اس طرح کھڑا تھا جیسے کوئی بھاری غلطی کر بیٹھا ہو۔

"مم۔ معافی چاہتا ہوں"۔ اس کے ہونٹ ہلے۔

"لیکن کس بات کی"۔ شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ کو میری وجہ سے پریشانی ہوئی۔ لیکن اس میں آپ کا کیا قصور"۔

"آیئے جناب! میں آپ کو کمرہ نمبر ۱۱ میں لے چلتا ہوں"۔

"اوہ ہاں۔ چلیے"۔ نثار خالد چونکا۔

وہ سب ایک برآمدے کر کے کمرہ نمبر ۱۱ کے سامنے پہنچ گئے۔ دائیں طرف انہیں کمرہ نمبر نظر آیا۔ اس کا دروازہ بند تھا۔

"یہ ہے آپ کا کمرہ"۔

"آپ نے کرایہ تو طے کیا ہی نہیں"۔

"اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ آپ جو دیں گے۔۔۔ لے لوں گا"۔

"بلے ٹھیک ہے"۔

کلرک چلا گیا۔۔۔ وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔ شوکی برادرز اب بھی اسے عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"اس طرح کیوں دیکھ رہے ہیں؟" اس نے مسکرا کر کہا۔

"آپ نثار خالد باجوہ ہیں"۔

"نہیں۔۔۔ صرف نثار خالد"۔

"کیا آپ ہماری ایک خواہش پوری کریں گے"۔

"کک۔۔۔ کون سی خواہش"۔

"اپنے دائیں کندھے سے کپڑے ہٹا کر دکھا دیں"۔

"لو اور سنو۔۔۔ ارے بھئی۔۔۔ ان غنڈوں کو وہم ہوا تھا"۔

"تب آپ کو کپڑا ہٹا کر دکھانے پر کیا اعتراض ہے"۔

"لیکن اس کی ضرورت بھی کیا ہے""۔

"ہمارے خیال میں ضرورت ہے"۔

"سوری! میں ایسا نہیں کروں گا"۔ وہ بھی اڑ گیا۔

"تب ہم یہ کیس ہاتھ میں نہیں لیں گے"۔

"یہ آپ صرف مجھ سے نہیں۔۔۔ پورے شہر سے دشمنی کریں گے۔۔۔ یہ کیس آپ کو میں نہیں پورا شہر سونپ رہا ہے"۔

"لیکن آپ یہ کیوں نہیں بتا دیتے کہ آپ کے کندھے پر تل ہے یا نہیں"۔

"دیکھو بھئی۔۔۔ تمہارا تو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ تم کیوں بلاوجہ الجھن مول لیتے ہو"۔ اس نے اکتا کر کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ اب تو آپ کو یہ بتانا ہو گا۔۔۔ کیا آپ وہی باجوہ ہیں۔۔۔ جو پندرہ سال پہلے غنڈہ ٹیکس وصول کیا کرتا تھا اور پندرہ سال سے وہ غائب تھا"۔

"نہیں! میں وہ باجوہ نہیں ہوں۔۔۔ ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی تھی"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"اگر ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی تھی تو آپ کندھا دکھا دیتے۔۔۔ مار پیٹ کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں دوسروں کو سبق سکھا دینے کا عادی ہوں"۔

"ہم ان حالات میں اس کیس کو ہاتھ میں نہیں لے سکتے"۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ دھک سے رہ گیا۔

"ہم بھی اپنی مرضی کے مالک ہیں"۔

"اگر تم نے انکار کیا تو میں تم لوگوں کا بھی وہی حال کروں گا۔۔۔

جو ان غنڈوں کا کیا ہے"۔

"نہیں۔۔۔ نہیں"۔ شوکی ہکلایا۔

"آپ عجیب آدمی ہیں۔۔۔ ہمیں اتنی دور سے لائے اور اب غنڈوں کی گردی پر اتر آئے"۔ آفتاب بوکھلا اٹھا۔

عین اس لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔

☆○☆

قبضہ

دروازے کی گھنٹی بجی۔۔۔ آفتاب، آصف اور فرحت چونک اٹھے۔۔۔ تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"اندازہ لگاؤ"۔ آصف پٹ سے بولا۔

"کس بات کا؟" فرحت نے منہ بنایا۔

"پہلے اس بات کا اندازہ لگاؤ۔۔۔ کہ آصف کس بات کا اندازہ لگوانا چاہتا ہے"۔

"حد ہو گئی یعنی کہ"۔ آصف نے جھلا کر کہا۔

"ارے تو بتاؤ نا۔۔۔ آخر ہم کس بات کا اندازہ لگائیں اور کیوں لگائیں اندازہ۔۔۔ کیا آج کا دن اندازے لگانے کا دن ہے۔۔۔ کہیں تم پر اندازے لگانے اور لگوانے کا بھوت تو نہیں سوار ہو گیا"۔ آفتاب جلدی جلدی بولا۔

"توبہ ہے تم سے"۔ فرحت نے جل کر کہا۔

"ہاں ضرور کیوں نہیں۔۔۔ توبہ ہے مجھ سے۔۔۔ میں کب کہتا ہوں۔۔۔ توبہ ہے تم سے"۔ آفتاب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

اسی وقت دوبارہ گھنٹی بجی۔۔۔ وہ پھر چونکے۔

"اچھا بس۔۔۔ میں جا رہا ہوں۔۔۔ دروازہ کھولنے۔۔۔ لگا چکے تم تو اندازہ۔۔۔ میں صرف یہ اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ یہ گھنٹی دوست گھنٹی ہے یا دشمن گھنٹی"۔

"اس سے تو دوستی کی بو آ رہی ہے۔۔۔ تمہیں سنگھائی نہیں دی"۔ آفتاب مسکرایا۔

"کیا کہا۔۔۔ سنگھائی نہیں دی"۔

"ہاں! اگر سنائی نہیں دی کہا جا سکتا ہے۔۔۔ دکھائی نہیں دی کہا جا سکتا ہے۔۔۔ تو سنگھائی نہیں دی کیوں نہیں کہا جا سکتا"۔

"ہاں! بات معقول ہے"۔ فرحت نے فوراً تائید کر دی۔

اس وقت تک آصف دروازے پر پہنچ چکا تھا۔۔۔ اس نے ایک جھلائی ہوئی نظر ان دونوں پر ڈالی۔۔۔ اور دروازہ کھول دیا۔۔۔ حالانکہ اصولی طور پر اسے پوچھنا چاہیے تھا۔۔۔ کون ہے۔۔۔ دروازہ کھلتے ہی اس کی نظر ایک ادھیڑ عمر خوش پوش انسان پر پڑی۔

"معاف کیجئے گا۔۔۔ یہ انسپکٹر کامران مرزا کا گھر ہے"۔

"معاف کیا"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا"۔

"دیا تو ہے۔۔۔ معاف کیا"۔

"یہ تو نصف بات کا جواب ہو گیا۔۔۔ اور بقیہ نصف کا جواب"۔

"اگر یہ گھر انسپکٹر کامران مرزا کا نہ ہوتا تو پھر میں ہرگز نہ کہتا۔۔۔ معاف کیا"۔

"اوہ اوہ۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ واہ صاحب زادے۔۔۔ شاندار"۔

"تعریف رہنے دیں۔۔۔ بات بتائیں"۔

"بھئی دوست ہیں ہم۔۔۔ کامران مرزا صاحب کے۔۔۔ کیا وہ اس وقت گھر پر نہیں ہیں"۔

"جی نہیں۔۔۔ ابھی دفتر سے نہیں لوٹے۔۔۔ چند منٹ تک آ جائیں گے۔۔۔ آپ اندر تشریف لے آئیں۔۔۔ ہم آپ کے لیے چائے لے آتے ہیں۔۔۔ ابھی آپ چائے کا ایک کپ خالی نہیں کر پائیں گے کہ وہ آ جائیں گے"۔

"یہ دعویٰ تو خیر آپ کا غلط ثابت ہو جائے گا"۔ اجنبی نے فوراً کہا۔

"کون سا دعویٰ؟"

"یہ کہ میں ابھی صرف ایک کپ پی سکوں گا کہ وہ آ جائیں گے"۔

"تو پھر آپ کا دعویٰ اس دعویٰ کے جواب میں کیا ہے"۔

"اگر چائے فوراً آ گئی تو میں تین چار کپ پی جاؤں گا۔۔۔ تب کہیں وہ آئیں گے"۔

"آپ ٹھنڈی چائے کی بات کر رہے ہیں"۔

"نہیں۔۔۔ تیز گرم چائے کی"۔ وہ مسکرائے۔

"آیئے آیئے۔۔۔ ہم بزرگوں سے شرطیں نہیں لگاتے۔۔۔ ہمیں منع کر رکھا ہے ابا جان نے۔۔۔ ورنہ آج آپ سے شرط ضرور لگاتے"۔

"بھئی بغیر کسی بار جیت کے تو لگا سکتے ہیں۔۔۔ ایسی شرط تو منع نہیں ہے"۔

"ہاں! یہ بھی ہے۔۔۔ خیر شرط رہی۔۔۔ ہمارا دعویٰ ہے۔۔۔ آپ تیز گرم چائے کا ایک کپ نہیں پی سکیں گے"۔

"او کے۔۔۔ لیکن چائے آنے میں دیر نہیں ہونی چاہیے"۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ اس لیے کہ چائے تو پہلے ہی بالکل تیار رکھی ہے"۔

آصف انہیں ڈرائنگ روم میں لے آیا۔۔۔ آفتاب فوراً چائے کی ٹرے اٹھا لایا۔۔۔ فرحت بہت غور سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ شاید اندازہ لگانے کی کوشش میں تھی کہ وہ دوست ہے یا دشمن۔۔۔ کس ارادے سے آیا ہے یا بد ارادے سے۔

ادھر اس نے چائے انڈیلی اور ایک سانس میں کپ چڑھا گیا۔ وہ دھک سے رہ گئے۔۔۔ اس قدر گرم چائے ایک سانس میں پیتے کم بار انہوں نے کسی کو دیکھا تھا۔۔۔ اس وقت تک وہ دوسرا کپ انڈیل چکا تھا۔۔۔ دوسرے کپ کا بھی وہی انجام ہوا۔۔۔ اور اس نے تیسرا کپ انڈیلا۔۔۔ اب وہ ساکت بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔۔۔ بولنا بھول گئے۔

تھے۔۔۔ بلکہ ان کی سٹی گم ہو چکی تھی۔۔۔ اور اسے تلاش کرنے انہیں کافی مشکل نظر آ رہا تھا۔

پانچویں کپ کے بعد کہیں جا کر دروازے کی گھنٹی بجی۔۔۔ اور وہ چھٹا کپ ہاتھ میں اٹھا چکا تھا۔۔۔ دروازہ کھلنے سے پہلے چھٹا کپ صاف تھا۔۔۔ آصف نے دروازہ کھولا تو انسپکٹر کامران مرزا کو اس چہرے پر ہوائیاں اڑتی نظر آئیں۔

"خیریت"۔

"ہماری سٹی گم ہو گئی ہے انکل۔۔۔ اس کو تلاش کر رہے ہیں"۔

"اچھا! ملنے پر اطلاع دینا۔۔۔ ویسے آج صبح تم نے منہ نہیں دھویا تھا شاید"۔

"یہ بات آپ کیسے کہہ سکتے ہیں"۔ آصف کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دھونے سے منہ پر ہوائیاں ذرا صاف نظر نہیں آتیں۔۔۔ اور اگر چہرے پر ہلکا سا میک اپ کر لیا جائے تو ہوائیاں اور مدھم ہو جاتی ہیں"۔

"آپ کا اندازہ درست نہیں۔۔۔ میں نے منہ ضرور دھویا تھا۔۔۔ لیکن ایک منٹ میں تیز گرم چائے کے چھے کپ پیتے میں نے پہلی بار کسی کو دیکھا ہے"۔

"ارے۔۔۔ سجاد عرفانی"۔ وہ چلائے۔

"جی... کیا مطلب... مجھے کیوں کو آپ سجاد عرفانی کہہ رہے ہیں"۔

"نہیں مجھے کپ پینے والا... سجاد عرفانی کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا... میرا بچپن کا دوست... وہ بچپن سے ہی تیز گرم چائے پینے کا عادی تھا... کہاں ہے وہ"۔

"جی ڈرائنگ روم میں ساتویں کپ سے انصاف کر رہے ہیں"۔

"للہ... اب آٹھواں جا رہا ہے"۔ آفتاب کی آواز لہرائی۔

"فوراً بار مان لو... ورنہ گھر سے چائے کا پیکٹ صاف ہو جائے گا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارے! یہ آواز تو میرے بچپن کے دوست کامران مرزا کی ہے"۔ ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"تو کیا آپ جوانی کے دوست کامران مرزا سے ملنے آئے تھے"۔ فرحت بولی۔

اور وہ مسکرا دیے۔

"پہلا جملہ ہے... جو پسند آیا"۔ وہ بولے۔

"ٹھیک... کون سا جملہ"۔ فرحت بوکھلا اٹھی۔

"السلام علیکم"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"وعلیکم السلام"۔

دونوں دوست گرم جوشی سے ملے... پھر بیٹھ گئے... چائے کا دور شروع ہوا... بچپن کی باتیں دہرائی گئیں... تینوں بہت دلچسپی سے ان باتوں کو سن رہے اور حیران ہو رہے تھے کہ ان کا بچپن کیسا تھا... خاص طور پر انسپکٹر کامران مرزا کی باتیں تو بہت حیرت انگیز تھیں... مثلاً ایک واقعہ سجاد عرفانی نے یاد کرنے کے انداز میں سنایا کہ ایک بار ایک مکان میں آگ لگ گئی... آگ نچلے حصے میں لگی تھی اور اس کی اوپر والی منزل میں چند بچے پھنس گئے تھے... چنانچہ انسپکٹر کامران مرزا اوپر چڑھ کر ان بچوں کو نکال لائے تھے... جب کہ وہاں کھڑے بڑی عمر کے لوگ بھی یہ جرات نہ کر سکے تھے... اس قسم کے اور بہت سے واقعات انہوں نے سنائے... دوسری طرف انسپکٹر کامران مرزا سجاد عرفانی کے بچپن کے واقعات سنا رہے تھے... وہ دراصل سائنس کے تجربات کا شوق جنون کی حد تک رکھتے تھے... قیمتی سے قیمتی کھلونے خرید کر لاتے اور انہیں کھول کر دیکھتے کہ وہ کس طرح چلتے ہیں اور والد صاحب بہت چیخا کرتے کہ لو صاحب زادے نے آج پھر سو روپے کا کھلونا برباد کر دیا... آخر بچپن کی کہانیوں کا دور ختم ہوا اور وہ حال تک آ گئے۔

"اب سناؤ... یہ اس قدر مدت بعد میری یاد کس طرح آ گئی... اور تم رہے کہاں؟"

"سائنس میں ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد میں دنیا کے جھمیلوں سے دور دراز ایک شہر کے کنارے ایک تجربہ گاہ بنا کر رہنے لگا ہوں... بس

وہاں دن رات تجربات کرتا رہتا ہوں... اللہ کی عبادت کرتا ہوں اور اس کی کاری گری سے اندازے لگا کر ایجادات کرتا ہوں... جو ملک اور قوم کے کام آتی ہیں"۔

"لیکن میں نے کسی ایجاد پر تمہارا نام نہیں پڑھا"۔

"میں نے نام کمانا کبھی پسند نہیں کیا، گمنام رہ کر اپنی ایجاد حکومت کو بھیج دیتا ہوں... ایجادات کے شعبے میں اگر تم پتہ چلاؤ گے تو وہ بتائیں گے کہ ایک گمنام سائنس دان نے اس وقت تک انہیں سو کے قریب چیزیں ایجاد کر کے بھیجی ہیں... جن سے اس وقت ملک فائدہ اٹھا رہا ہے... مثلاً دھوپ سے چلنے والی چند مشینیں... جن سے بجلی اور گیس کا خرچ بالکل بچ گیا ہے"۔

"اوہ ہاں! ایسی مشینوں کے بارے میں میں نے سنا ہے"۔

"لیکن میرے دوست... اس وقت میں تمہارے پاس ایک پریشانی لے کر آیا ہوں"۔

"کیا مطلب... پریشانی"۔

"ہاں! پریشانی... نہ سمجھ میں آنے والی پریشانی... اور وہ یہ کہ میری تجربہ گاہ اب میری نہیں رہی"۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اس پر کسی اور نے قبضہ کر لیا ہے"۔

"میں سمجھا نہیں... وہ کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا... وہ کون ہے... اس نے سامنے آئے بغیر قبضہ کیا ہے"۔

"یار سجاد عرفانی... کہیں تمہارے دماغ کو کچھ ہو تو نہیں گیا"۔

"نہیں... میرا دماغ بالکل درست ہے... میں بالکل ٹھیک ہوں... میری پریشانی کا حل اگر مجھے وہاں سے مل جاتا تو کبھی تمہیں پریشان کرنے نہ آتا"۔

"میں سمجھا نہیں... اچھا خیر... تم تفصیل سناؤ"۔

اب آفتاب، آصف اور فرحت کے بھی کان کھڑے ہو چکے تھے... کیونکہ معاملہ جاسوسی ہو گیا تھا۔

"میں مثال کے طور پر بتاتا ہوں... فرض کیا... تمہاری کار ہے... بالکل درست حالت میں ہے... لیکن وہ تمہارا حکم نہ مانے... تو"۔

"میرا حکم نہ مانے... کیا مطلب؟"

"تم کار میں بیٹھ کر کار چلانا چاہو اور کار نہ چلے تو جب کہ تمہارا مستری تمہیں بتائے کہ کار بالکل درست ہے... اس میں کوئی خرابی نہیں ہے... تم اپنے گھر کا گیس کا چولھا جلاؤ اور وہ نہ جلے جب کہ گیس کے چولھوں کا مستری بتائے کہ چولھا بالکل ٹھیک ہے... اور گیس بھی موجود ہے بلکہ جب وہ چولھا جلائے تو جل جائے... لیکن جب تم جلاؤ تو وہ خس ہو... یہی حال اگر میری تجربہ گاہ کے آلات کا ہو جائے

تو تمہارے احساسات کیا ہوں گے.... کیا تم اپنے آپ کو پاگل ہوتا
محسوس نہیں کرو گے"۔

"بات معقول ہے.... یہ تو واقعی پاگل کر دینے والی بات ہے"۔

"اسی لیے میں نے کہا تھا.... میری تجربہ گاہ پر کسی نے قبضہ کر لیا
ہے.... شیطانی قبضہ"۔

"شش.... شیطانی قبضہ.... بھئی واہ.... یہ تو کسی ناول کا نام ہو
سکتا ہے"۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن تم فاروق نہیں ہو"۔

"تو پھر.... اس سے کیا فرق پڑتا ہے.... ایک بات کہہ دی ہے
ناولوں کے نام تجویز کرنے کا فاروق نے ٹھیکا لے رکھا ہے"۔ آفتاب
جل گیا۔

"یہ کیا بات شروع ہو گئی"۔ سجاد عرفانی کے لہجے میں حیرت
تھی۔

"یہ اور بات ہے.... پھر بتا دیں گے.... پہلے آپ اپنی بات تم
کر لیں"۔

"میں اپنی کہہ چکا.... اور کیا کہوں.... میری تجربہ گاہ میں
میری مرضی نہیں چلتی.... میں آلات سے کچھ کام لینا چاہتا ہوں
آلات کرتے کچھ اور ہیں.... اس سے زیادہ حیرت اور خوف کی بات
کیا ہو گی.... یہ تم سوچو"۔

"مسئلہ بہت سنگین ہے.... لیکن تم میرے پاس کیوں آئے....
تمہیں تو کسی بڑے سائنس دان کے پاس جانا چاہیے تھا"۔

"اوہ ہاں! میں نے یہ بھی سوچا تھا.... لیکن تمام سائنس دان مجھ
سے جلتے ہیں.... جلتے ہیں"۔

"میرا خیال ہے.... تم سب کا نام نہ لو' اس لیے کہ میں یقین
سے کہہ سکتا ہوں کہ کچھ ایسے سائنس دان بھی ضرور ہیں.... جو آپ
سے نہیں جلتے ہوں گے.... بلکہ تم تو گمنام رہ کر کام کر رہے ہو.... تم
سے کوئی کیوں جلے گا"۔

"گمنامی کی حالت میں بھی لوگ جلتے ہیں"۔

"تو جلا کریں.... آپ اپنا کام کرتے رہیں اور یہ بتائیں.... آپ
ہم سے کیا چاہتے ہیں"۔

"اس سائنس دان کا سراغ لگاؤ.... جس نے میری تجربہ گاہ پر
قبضہ کیا ہے"۔

"اسی لیے میں نے کہا ہے نا کہ کسی سائنس دان کی خدمات
حاصل کرو.... یہ کام سراغرسانی کا نہیں.... سائنس دانی کا ہے"۔

"جی نہیں.... یہ کام آپ اور صرف آپ کا ہے.... کرنا ہے
کریں.... نہیں تو میں انسپکٹر جمشید کے پاس چلا جاؤں گا' وہ بھی تو میرے
بچپن کے دوست ہیں"۔

"اوہو اچھا.... یہ بات بھی ہے.... تب تو خیر.... ہمیں یہ کام کرنا

ہی ہو گا.... ہم صبح تمہارے ساتھ چلیں گے.... کیا خیال ہے"۔

"بالکل ٹھیک"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"تجربہ گاہ میں کل کتنے آدمی کام کرتے ہیں"۔

"پانچ آدمی"۔ انہوں نے کہا۔

"ان میں سے کسی پر آپ کو شک ہے"۔

"نہیں.... وہ میرے بہت پرانے ملازم ہیں"۔

"پرانے ملازم بھی بعض اوقات مجرم ثابت ہو جاتے ہیں"۔

"یہ دیکھنا تمہارا کام ہے.... میں تو ایسا نہیں محسوس کرتا"۔

"اچھا ٹھیک ہے.... ہم دیکھیں گے.... تم فکر نہ کرو.... اب
آرام کرو.... ہم سفر کی تیاری کرتے ہیں"۔

"واہ.... دوست ہو تو تم جیسا"۔

"اپنی جیب کی چیزیں نکال کر میز پر رکھ دو"۔ انسپکٹر کامران مرزا
اچانک سرد آواز میں بولے۔

"کیا مطلب؟" وہ اچھل پڑے۔

"یہ.... یہ آپ نے کیا کہا انکل"۔ فرحت کانپ گئی۔

"میں نے ان سے کہا ہے.... جیب کی چیزیں نکال کر میز پر رکھ
دیں.... اب تک انہوں نے ایسا کیا نہیں.... یہ چیز انہیں مجرم ثابت
کرتی ہے.... ہو سکتا ہے.... یہ میرے دوست سجاد عرفانی کے میک اپ
میں کوئی دشمن ہو"۔

"نن نہیں.... میں دشمن نہیں ہوں.... یہ رہیں میری چیزیں"۔
یہ کہہ کر اس نے تمام چیزیں اکٹھی کر دیں.... ان چیزوں میں ایک
چیز کو دیکھتے ہی وہ چاروں زور سے اچھلے.... ان کے منہ حیرت سے کھل
گئے۔

☆○☆

کس کا اغوا

محمود نے دروازہ کھولا تو ایک اجنبی پر نظر پڑی۔۔۔ اس نے
دروازہ کھلنے کے فوراً بعد یہ الفاظ کہے۔
"ہمارے ملک سے ایک شہر کو اغوا کر لیا گیا ہے"۔
"کیا۔۔۔ کیا فرمایا آپ نے۔۔۔ شہر کو اغوا کر لیا گیا ہے۔۔۔ ا
آپ بھی مذاق کریں گے ہم سے"۔
"مذاق اور میں۔۔۔ وہ بھی تم سے ارے میاں جاؤ"۔ اجنبی
خالص لکھنوی انداز میں ہاتھ نچایا۔
"جاؤں کہاں۔۔۔ میں تو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا ہوں
آپ کو جہاں جانا ہو جائیں"۔
"جا تو چکا ہوں۔۔۔ یعنی یہاں آ تو چکا ہوں۔۔۔ مجھے یہیں
تھا"۔
"لیکن میں نے جانے کی بات کی ہے۔۔۔ آپ کو جہاں جانا
جائیں۔۔۔ ہمیں پریشان نہ کریں۔۔۔ ہم ان دنوں کسی جاسوسی جھمیلے
پڑنا نہیں چاہتے۔۔۔ اس لیے کہ گرمیوں کی چھٹیاں ہیں اور ہم

خوبصورت سیر کا پروگرام بنا رہے ہیں"۔
"آپ کو سیر کے پروگراموں کی پڑی ہے۔۔۔ وہ بھی خوبصورت سیر
کے پروگرام کی۔۔۔ لاحول ولا۔۔۔ ارے میاں جاؤ"۔ اس نے جھنجلا کر کہا
اور ساتھ ہی ہاتھ نچایا۔
"اچھا جا رہا ہوں"۔ یہ کہہ کر محمود نے کھٹ سے دروازہ بند کر
دیا اور اندر کی طرف مڑا۔۔۔ اندر فاروق فون پر کسی سے الجھا ہوا تھا۔۔۔
وہ کہہ رہا تھا۔
"میرا دماغ نہ چاٹیں۔۔۔ ہمارے گھر میں شہد ختم ہو چکا ہے۔۔۔
آج ابا جان آتے ہوئے لے کر آئیں گے نا پھر چاٹ لیجیے گا کیا کہا۔۔۔
میرا نہیں۔۔۔ آپ کا دماغ الٹ گیا ہے۔۔۔ آپ خود تو اپنی بات پر یقین
کر نہیں رہے۔۔۔ آخر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ فلاں شہر اغوا ہو
گیا ہے۔۔۔ جی کیا فرمایا۔۔۔ آ کر دیکھ لیں۔۔۔ شہر کا نام کیا بتایا آپ نے۔۔۔
کیا۔۔۔ ٹنڈا"۔
وہ چلا اٹھا۔۔۔ ادھر محمود دھک سے رہ گیا۔۔۔ دروازے پر اس
نے یہی خبر تو سنی تھی۔۔۔ فاروق فون پر یہی خبر سن رہا تھا۔۔۔ شوکی پہلے
ہی انہیں یہ خبر سنا چکا تھا۔۔۔ وہ تیزی سے مڑا اور دروازہ پھر سے کھول
دیا۔۔۔ اجنبی وہاں بت بنا کھڑا تھا۔
"ارے میاں جاؤ"۔ اس نے اسے دیکھ کر ہاتھ نچایا۔
"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ چلا جاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر محمود نے دروازہ

بند کیے بغیر اندر کا رخ کیا۔۔۔ اور سچ مچ اندر چلا گیا۔۔۔ اجنبی ارے
ارے کرتا رہ گیا۔۔۔ یہاں تک کہ اس نے پھر گھنٹی بجا دی۔۔۔ وہ واپس
مڑا اور جھلا کر بولا۔
"آپ کیا ہے جناب! آپ خود تو مجھے بار بار کہہ رہے ہیں کہ
ارے میاں جاؤ۔۔۔ ارے میاں جاؤ۔۔۔ اول تو میں میاں نہیں۔۔۔ نہ میرا
ہوں۔۔۔ پھر بھی آپ کے کہنے پر چلا گیا ہوں۔۔۔ تو آپ نے پھر سے گھنٹی
بجا دی ہے۔۔۔ مہربانی فرما کر اب نہ بجائیے گا۔۔۔ ناراض ہو جائے گی"۔
"کیا۔۔۔ کون ناراض ہو جائے گی"۔ اجنبی نے بوکھلا کر پوچھا۔
"گھنٹی اور کون۔۔۔ ناراض ہونے کے لیے یہاں اور ہے
کون۔۔۔ ارے ہاں۔۔۔ آپ یوں کیوں نہیں کرتے۔۔۔ کہ ہمارے
ڈرائنگ روم میں تشریف لے آرام رکھیے۔۔۔ مم۔۔۔ میرا مطلب ہے
آرام سے تشریف رکھیے۔۔۔ وہاں بیٹھ کر پرسکون ہو کر چائے پیجیے
جب آپ کے اوسان بجا ہو جائیں تو پھر اپنی رام کہانی سنائیے گا"۔
"واہ۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ آپ کے منہ میں گھی شکر"۔
"مم۔۔۔ میرے منہ میں گھی شکر۔۔۔ نن نہیں تو"۔ محمود
بوکھلا کر اپنے منہ کو ٹٹول ڈالا۔
"میں نے محاورۃً کہا ہے۔۔۔ ورنہ آج کل گھی شکر کہاں
ہے۔۔۔ اب تو بناسپتی گھی اور سفید چینی کا زمانہ ہے"۔ اس نے
بھری۔

"ہمارے ہاں ملتا ہے۔۔۔ آپ اندر آ جائیں"۔
"آپ کا مطلب ہے۔۔۔ آپ کے ہاں دیسی گھی اور دیسی شکر
ملتے ہیں"۔
"ہاں ملتے ہیں۔۔۔ روزانہ آتے رہتے ہیں۔۔۔ آپس میں باتیں بھی
کرتے ہیں۔۔۔ بالکل آپ جیسی باتیں۔۔۔ پرانے زمانے کی باتیں۔۔۔ کہتے
ہیں۔۔۔ وہ بھی کیا زمانہ تھا۔۔۔ جب لوگ ہمیں بہت ذوق اور شوق سے
کھایا کرتے تھے۔۔۔ اب کوئی پوچھتا تک نہیں۔۔۔ حالانکہ ان کا یہ
گلہ۔۔۔ ان کی یہ شکایت سو فیصد غلط ہے۔۔۔ لوگ پوچھیں تو تب نا۔۔۔
جب یہ چیزیں ملتی ہوں"۔
"بات معقول ہے"۔
"لیکن کون سی۔۔۔ پہلے والی یا دوسری"۔
"دونوں۔۔۔ دونوں"۔ اس نے فوراً کہا۔
"آپ نے ایک دونوں کی فضول خرچی کی۔۔۔ ایک سے بھی کام
چل سکتا تھا"۔
"آپ بڑے وہ ہیں۔۔۔ بات پر بات مارتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔
اچھا بابا میں اندر آ گیا۔۔۔ اب لے چلیے مجھے اپنے ڈرائنگ روم تک"۔
ادھر فاروق جھلا کر ریسیور رکھ چکا تھا۔۔۔ لیکن گھنٹی پھر بج رہی
تھی۔۔۔ اس نے تلملا کر ریسیور اٹھایا تو ایک اور آواز سنائی دی
"ہیلو مالک"۔

"ہی نہیں۔۔۔ یہ اف مالک کا گھر نہیں ہے"۔ فاروق نے جھلا کر کہا۔

"ارے ارے۔۔۔ بیٹے تو۔۔۔ ناراض کیوں ہوتے ہیں"۔

"میں آپ کو کیوں بتاؤں کہ ناراض کیوں ہوتا ہوں۔۔۔ ہوتا ہوں بس"۔

"فاروق۔۔۔ ریسیور فرزانہ کو دے دو۔۔۔ یہ تم سے بہتر طور پر بات کرے گی اور تم مہمان کے لیے چائے لے آؤ۔۔۔ اس لیے کہ یہ ہمیں شہر کے اغوا ہونے کی کہانی سنانے آئے ہیں۔۔۔ وہ کہانی جو شوکی فون پر نہیں سنا سکے۔ جو کوئی اور فون پر نہیں بتا سکتے۔۔۔ وہ کہانی ہمیں یہ سنائیں گے"۔

"اوہ! تب تو میں بھی فون پر اپنا دماغ نہیں چٹواؤں گی"۔ فرزانہ جلدی سے بولی۔

"تب پھر ریسیور آف کر دو"۔

"نہیں۔۔۔ یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔۔۔ کوئی اہم فون بھی آ سکتا ہے۔۔۔ تمہارے ابا جان ابھی تک دفتر نہیں پہنچے۔۔۔ ان کا فون بھی آ سکتا ہے"۔

"وہ تو خیر موبائل پر بھی کر لیں گے۔۔۔ خیر دوسروں کے لیے فون کے دروازے بند نہیں کرنے چاہئیں۔۔۔ اس لیے اب فون کی ذمہ داری آپ سنبھالیں"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ایسے معلوم ہوتا ہے۔۔۔ آج کا دن بہت گرم ہے"۔

"ادھر ٹھنڈا بھی گرم ہے۔۔۔ ابا جان بتا رہے تھے"۔ فرزانہ نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"کک۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ ٹھنڈا۔۔۔ گویا آپ تک پہلے ہی خبر پہنچ چکی ہے"۔

"ہت۔۔۔ تو آپ بھی ٹھنڈے کی بات کرنے آئے ہیں"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"ہاں! وہی تو اغوا ہوا ہے۔۔۔ میں بھی ٹھنڈا کا شہری ہوں۔۔۔ میرا گھر۔۔۔ میری بیوی۔۔۔ میرے بچے۔۔۔ سب نہ جانے کہاں ہیں۔۔۔ اس لیے کہ پورا شہر غائب ہے"۔

"یہ ضرور کسی بلیک میلر کی کارستانی ہے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ بلیک میلر کسی پورے شہر کو کیسے اغوا کر سکتا ہے"۔

"یہ بعد کی بات ہے۔۔۔ ویسے ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ بلیک میلر سائنس دان بھی ہو"۔ فاروق نے کہا۔

"بہت خوب فاروق۔۔۔ تمہاری یہ بات دل کو لگی ہے"۔

"لگی ہے نا۔۔۔ میں بھی حیران تھا میری باتیں اب تمہارے دل کو

کیوں نہیں لگتیں۔۔۔ پہلے تو بہت لگا کرتی تھیں"۔

"پہلے آپ تفصیل بتائیں"۔

"ارے میاں جانے۔۔۔ کیا خاک تفصیل بتاؤں۔۔۔ میں شہر سے باہر کاروبار کے لیے گیا ہوا تھا۔۔۔ تین دن بعد واپس لوٹا۔۔۔ سٹیشن پر اترا تو شہر کی جگہ کھلا میدان تھا اور مجھ جیسے وہاں کئی سو آدمی حیران پریشان کھڑے تھے۔۔۔ وہ سب یہی کہہ رہے تھے۔۔۔ شہر کا اغوا ہو گیا ہے۔۔۔ اب میں تفصیل کیا بتاؤں۔۔۔ میں نے وہاں کھڑے رہ کر پریشان ہونا مناسب نہ سمجھا۔۔۔ گاڑی کا ٹکٹ لیا اور یہاں چلا آیا۔۔۔ کیونکہ پورے ملک میں آپ لوگ ہی ہیں۔۔۔ جو اس شہر کو۔۔۔ بے چارے غریب شہر کو تلاش کر کے واپس وہاں لا سکتے ہیں"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ اب ہمیں پورے شہر کی تلاش میں نکلنا ہو گا۔۔۔ اور اسے واپس بھی لانا ہو گا"۔

"ہاں بالکل"۔ اجنبی نے خوش ہو کر کہا۔

"فرزانہ۔۔۔ تم ذرا دفتر فون کرو"۔

"اوہ ہاں اچھا"۔ فرزانہ چونکی۔

"پھر موبائل پر اس نے دفتر فون کیا۔۔۔ دوسرے فون پر تو بیگم جمشید اور نوری باتیں کر رہی تھیں۔۔۔ اور کہہ رہی تھیں"۔

"ہاں ہاں۔۔۔ ہمیں اطلاعات مل چکی ہیں۔۔۔ آپ لوگ فکر نہ کریں"۔ وہ بوکھلا اٹھا۔

"ان سے کم خوفناک باتیں آج کی تاریخ میں تو ہو نہیں سکیں گی

کریں۔۔۔ ہم بہت جلد آپ کے شہر کو تلاش کر لیں گے۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ تلاش کر سکے تو۔۔۔ تو خود اس شہر میں جا کر رہنا شروع کر دیں گے"۔

ان کے جھلائے ہوئے جواب پر ان کی ہنسی نکل گئی۔۔۔ ادھر دفتر سے رابطہ قائم ہو گیا اور اکرام کی آواز سنائی دی۔

"ہاں انکل۔۔۔ ابا جان پہنچے یا نہیں"۔

"نہیں۔۔۔ آئی جی صاحب نے فوراً آپ لوگوں کو طلب کیا ہے۔ پروفیسر داؤد صاحب اور خان رحمان صاحب کو بھی وہ فون کر چکے ہیں۔۔۔ آپ لوگ وقت ضائع کیے بغیر چلے آئیں"۔

"بہت بہتر۔۔۔ کیا کوئی خاص گڑبڑ ہے"۔

"اس سے بڑی گڑبڑ اور کیا ہو گی کہ ایک شہر اغوا ہو گیا ہے"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ شاید آج ہم اس خبر کے علاوہ اور کوئی خبر نہ سن سکیں گے۔۔۔ لیکن ابا جان کہاں چلے گئے"۔

"یہ بات بھی کم حیرت کی نہیں ہے"۔ اکرام ہنسا۔

"ہائیں انکل۔۔۔ آپ ان حالات میں ہنس رہے ہیں"۔

"رونے سے بھی تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔۔۔ لہٰذا کیوں نہ ہنس ہی لیا جائے"۔

"اللہ سے ڈریں انکل۔۔۔ اگر ہمارا شہر بھی اغوا ہو گیا تو"۔

"ہٹ نہیں۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔ اس قدر خوفناک باتیں تو نہ

اکمل"۔

"اچھا میں۔۔۔ تم آجاؤ"۔

فون بند کر کے وہ اجنبی کی طرف مڑے۔۔۔ سب لوگوں کو

"ہمارے دفتر میں یہ خبر پہنچی تھی کہ اب کیا کیا جائے۔۔۔ فوراً

وہاں بلایا گیا ہے۔۔۔ تاکہ سوچا جا سکے کہ اب کیا کیا جائے۔

اجازت چاہتے ہیں۔۔۔ آپ آرام کریں۔۔۔ جب تک ٹھہرنا چاہیں

یہاں ٹھہرے رہیں"۔

"نہیں۔۔۔ میرے بھائی کا گھر ہے اس شہر میں۔۔۔ میں اس

پاس جا کے ٹھہروں گا۔۔۔ آپ لوگوں کو تو صرف اطلاع دینے آیا تھا

"ٹھیک ہے۔۔۔ شکریہ۔۔۔ اطلاع مل گئی۔۔۔ آپ جانا چاہیں پارٹی ترتیب دی جائے۔۔۔ جس میں ہر قسم کے ماہرین موجود

شوق سے جا سکتے ہیں۔۔۔ جونہی آپ کا شہر ملا۔۔۔ کیونکہ اگر وہ شہر خدانہ کرے زمین

نہیں۔۔۔ سب کو خود بخود اطلاع مل جائے گی۔۔۔ ویسے آپ کا یہاں دھنس گیا ہے۔۔۔ تو اس کا سراغ یہ آسانی سے لگا سکیں گے۔۔۔ شہر

ہے۔۔۔ ہم نے اب تک آپ کا نام نہیں پوچھا"۔

ے ساتھ کچھ اور ہوا ہے تو سائنس دانوں کا ایک گروہ اس پارٹی میں

"میں انوار بری ہوں"۔

ہل کیا جا رہا ہے۔۔۔ جن کے انچارج پروفیسر داؤد ہوں گے۔۔۔ اس

"شکریہ انوار بری صاحب"۔

وح سراغرسانوں کا ایک گروہ جائے گا۔۔۔ اس کے انچارج انسپکٹر جمشید

وہ چلا گیا اور انہوں نے دفتر کا رخ کیا۔۔۔ اصل پریشانی

تھے۔۔۔ لیکن وہ غائب ہیں۔۔۔ ان کی جگہ اب کیا کیا جائے"۔

اپنے والد کی تھی۔۔۔ آخر وہ دفتر کیوں نہیں پہنچے تھے۔۔۔ یہ ایک

"انسپکٹر کامران مرزا صاحب کو بلا لیتے ہیں"۔ محمود نے فوراً کہا۔

سوال تھا۔۔۔ اور اس سوال کا جواب انہیں معلوم نہیں تھا

"میرے ذہن میں بھی یہی بات آئی ہے۔۔۔ اور شوکی بردارز کو

سراغرسانی کے میٹنگ روم میں اس وقت بھی بڑے آفیسر موجود

یہاں خان رحمان اور پروفیسر داؤد بھی تھے۔۔۔ ان سب کے چہروں پر

قرعی کے آثار تھے۔۔۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے۔۔۔ آئی جی

"آؤ بھئی آؤ۔۔۔ تمہارا ہی انتظار تھا۔۔۔ آج تو جمشید نے کمال کر

"ایسا کمال کرنے کے وہ عادی تو نہیں ہیں"۔ فاروق بولا۔

اور سب کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ٹیڈا کے بارے میں خود تم سن چکے ہو گے"۔

"جی ہاں بالکل"۔

"ہم سب اسی سلسلے میں یہاں جمع ہوئے ہیں۔۔۔ تجویز یہ ہے کہ

بھی بلا لیتے ہیں۔۔۔ کیا خیال ہے"۔

"بہت مناسب"۔

"تو پھر پہلے ان لوگوں سے رابطہ کر لیا جائے"۔

فون پر رابطہ کرنے کی کوشش شروع ہوئی۔۔۔ لیکن دو

پارٹیوں سے رابطہ نہ ہو سکا۔۔۔ انہیں بتایا گیا۔۔۔ وہ غائب ہیں۔۔۔ ا

وہ حیران رہ گئے۔

"اب کیا کریں؟"

"اب آپ فرمائیں"۔ پروفیسر بولے

"میرا خیال ہے۔۔۔ میں ساتھ چلتا ہوں۔۔۔ اکرام کو بھی لے

ہیں"۔ آئی جی بولے

"واہ۔۔۔ اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے"۔

"تو پھر۔۔۔ پہلے ہم فہرست بنا لیں"۔

آئی جی صاحب سب لوگوں کے نام لکھنے لگے۔۔۔ باقی لوگ

مگر ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔۔۔ سنسنی کی ایک لہر تھی۔۔۔

لوگوں کے جسموں میں پھیل گئی تھی۔۔۔ اس سے زیادہ حیران کن

شاید انہیں پیش نہیں آیا تھا۔

ایسے میں میٹنگ روم کا دروازہ کھلا۔۔۔ کئی نظریں دروا

طرف اٹھ گئیں۔۔۔ پھر چند آوازیں ابھریں۔

"ارے۔۔۔ ارے"۔

اب باقی لوگوں نے بھی دروازے کی طرف دیکھا اور پھر وہ سب

حیرت زدہ رہ گئے۔۔۔ محمود، فاروق، فرزانہ، خان رحمان اور پروفیسر داؤد تو

بری طرح اچھل پڑے۔

☆○☆

نہیں ہاں نہیں

دستک کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔۔۔ نثار خالد کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔۔۔ وہ جلدی سے بولا۔

"میں دیکھتا ہوں"۔

پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔۔۔ باہر ایک جنگلی سا آدمی کھڑا تھا۔۔۔ اس کے چہرے پر حیرت اور الجھن تھی۔۔۔ دروازہ کھلتے ہی وہ اندر آگیا۔

"کہاں گھسے چلے آرہے ہیں"۔ نثار خالد نے جھلا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں جناب۔۔۔ یہاں کون سی عورتیں ہیں۔۔۔ میں نے جھگڑے کی آواز سنی تو اندر آگیا۔۔۔ آپ کا آپس میں کوئی جھگڑا ہے کیا"۔

"جی نہیں۔۔۔ کوئی جھگڑا نہیں ہے۔۔۔ ہم تو یونہی آپس میں باتیں کر رہے تھے"۔

"اوہ اچھا خیر"۔

"غلط کہ رہے ہیں جناب! یہ ہمیں مارنا پیٹنا چاہتے ہیں۔۔۔ پہلے بیٹھے مجھ سے۔۔۔ یقین نہیں تو نیچے جا کر دیکھ لو۔۔۔ کاؤنٹر کلرک سے

ہمیں ہمارے شہر سے یہاں لائے اور اب دھمکیاں دینے پر اتر آئے ہیں۔۔۔ شاید آپ ساتھ والے کمرے میں رہتے ہیں۔۔۔ اور آپ نے ان کی دھمکیوں کی آواز سنی ہو گی"۔

"ہاں یقیناً۔۔۔ اب یہ آپ کو دھمکیاں نہیں دے سکیں گے، فکر نہ کریں"۔

"اے۔۔۔ تم کون ہو۔۔۔ چلتے پھرتے نظر آؤ"۔ نثار خالد نے سرد آواز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ اس قدر سرد آواز میں تو بات نہ کرو"۔ اجنبی نے لرز کر کہا۔

"ہاہا۔۔۔ یہ تمہارا حمایتی تو ایک ہی دھمکی میں ڈر گیا"۔

"کک۔۔۔ کیوں جناب۔۔۔ کیا آپ ڈر گئے ہیں؟"

"نن نہیں تو۔۔۔ میں اور اس سے ڈروں گا۔۔۔ مجھ سے تو اچھے اچھے ڈرتے ہیں"۔ اس نے کانپ کر کہا۔

"ہاہاہا۔۔۔ کانپ بھی رہے ہو۔۔۔ اور ڈر بھی نہیں رہے۔۔۔ کاش تم نے ہال میں لڑائی کا منظر دیکھا ہوتا"۔ نثار خالد نے بلند آواز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہال میں لڑائی کا منظر۔۔۔ کیا مطلب؟"

"چند غنڈوں نے مجھ سے جھگڑا مول لے لیا تھا۔۔۔ ہاتھ پیر تڑوا دیئے مجھ سے۔۔۔ یقین نہیں تو نیچے جا کر دیکھ لو۔۔۔ کاؤنٹر کلرک سے

تفصیل پوچھ لینا"۔

"اچھا!" یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف مڑا۔

"ارے ارے جناب۔۔۔ یہ کیا' آپ جا رہے ہیں"۔

"ہاں! یہ دیکھنے جا رہا ہوں کہ ہال میں انہوں نے کیا کیا ہے"۔

"نہ جایئے۔۔۔ یہیں ٹھہریے۔۔۔ ورنہ یہ صاحب ہمیں پریشان کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں"۔

"لیکن یہ دیکھنا بھی تو بہت ضروری ہے کہ ہال میں انہوں نے کیا کیا ہے"۔

"یہ درست کہہ رہے ہیں۔۔۔ انہوں نے واقعی کئی غنڈوں کی چھٹی بنا دی تھی"۔

"کہاں ہے۔۔۔ وہ"۔ اس نے فوراً کہا۔

"کون۔۔۔ کیا؟" شوکی بول پڑا۔

"چٹنی"۔ اس نے کہا۔

"اوہو۔۔۔ آپ سمجھے نہیں۔۔۔ میں نے محاورۃً کہا ہے"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ وہ جو ہم بچپن میں سکول میں پڑھا کرتے تھے" اس نے چونک کر کہا۔

"ہاں ہاں۔۔۔ وہی"۔ شوکی فوراً بولا۔

"میں ابھی آتا ہوں۔۔۔ تم فکر نہ کرو"۔

یہ کہہ کر اجنبی فوراً نکل گیا۔۔۔ نثار خالد نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"اب یہ نہیں آئے گا۔۔۔ ہال کا منظر دیکھ کر یہ کہاں آنے کی ہمت کرے گا"۔

"خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ اللہ مالک ہے۔۔۔ جس نے اسے یہاں بھیجا تھا۔۔۔ وہ ہماری مدد کے لیے کسی اور کو بھی تو بھیج سکتا ہے۔۔۔ افسوس تو آپ پر ہے۔۔۔ ہمیں اتنی دور سے یہاں لائے اور اب رعب جھاڑ رہے ہیں۔۔۔ یہ رعب وہیں جھاڑا ہوتا نا۔۔۔ پھر دیکھتے ہم۔۔۔ آپ ہمیں کیسے یہاں تک لاتے"۔

"لانے کو میں اب بھی تم لوگوں کو وہیں سے لا سکتا ہوں' لیکن اس طرح وقت برباد ہو گا"۔

"اب کون سا آباد ہو رہا ہے۔۔۔ آپ اپنے کندھے سے کپڑا سرکا کر دکھا دیں۔۔۔ ہم آپ کا شہر آپ کو تلاش کر دیں گے"۔

"گولی مارو شہر کو"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"ہائیں ہائیں۔۔۔ آپ تو شہر کے لیے بہت پریشان تھے"۔

"ہاں تھا اور ہوں۔۔۔ لیکن کندھے سے کپڑا نہیں ہٹاؤں گا"۔

"تو پھر ہم یہیں سے اپنے شہر واپس جائیں گے۔۔۔ اور اس کیس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے"۔

"کیس تو خیر تم لوگوں کو حل کرنا ہو گا"۔ وہ مسکرایا۔

"زبردستی؟" شوکی نے اسے گھورا۔

"ہاں زبردستی۔۔۔ ورنہ میں مار مار کر تم لوگوں کا بھرکس نکال دوں

گا جس طرح میں نے ان غنڈوں کی چٹنی بنائی ہے نا۔۔۔ تمہاری بھی
دھنائی کر دوں گا"۔
"دیکھئے۔۔۔ آپ ہمیں ڈرانے کی کوشش نہ کریں۔۔۔ اگر ہم ڈر
گئے تو کام خراب ہو جائے گا"۔ آفتاب نے واقعی ڈرے ڈرے سے
انداز میں کہا۔
"کام کس طرح خراب ہو جائے گا۔ اس نے منہ بنایا۔
عین اس وقت دروازے پر دستک ہوئی۔۔۔ وہ چونک اٹھے۔
"یہ اب کون آگیا؟" نثار خالد نے چونک کر کہا۔
"تمہارا کوئی اور مددگار۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا"۔
"کوئی پروا نہیں۔۔۔ کھول دو دروازہ' دیکھ لوں گا اسے بھی"۔ وہ
غرایا۔
شوکی نے تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔۔۔ انہوں نے
دیکھا۔۔۔ دروازے میں وہی جنگلی کھڑا تھا۔
"ارے! یہ تو وہی ہے"۔ شوکی بول اٹھا۔
"کیا۔۔۔ وہی جنگلی۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ اس میں اتنی ہمت کہ یہ
حال دیکھ کر بھی اوپر آگیا"۔
"تو پھر۔۔۔ اور کیا کرتا؟" جنگلی بولا۔
"ارے بے وقوف۔۔۔ بھاگ جاتے۔۔۔ جان بچ جاتی"۔
"تو اب کیا ہو گیا ہے جان کو۔۔۔ بچی ہوئی تو ہے"۔ اس

لہجے میں حیرت تھی۔
جنگلی اندر آگیا۔
"آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں"۔ ایسے میں شوکی نے درخواست
کی۔
"کیسے۔۔۔ بات کیا ہے"۔
"یہ صاحب ہمیں ہمارے شہر سے لائے ہیں۔۔۔ کیس حل کرانے
کے لیے۔۔۔ لیکن اب یہ ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں"۔
"کیوں بھئی۔۔۔ تم دھمکیاں کیوں دے رہے ہو"۔ جنگلی نے
حیران ہو کر کہا۔
"اب آپ کو کس طرح سمجھائیں۔۔۔ پتا نہیں آپ ہماری بات
سمجھ سکیں گے یا نہیں"۔
"کوشش کر دیکھیں"۔ جنگلی مسکرایا۔
شوکی نے ساری بات بتا دی۔۔۔ آخر میں وہ بولا۔
"اب اگر یہ جرائم پیشہ رہے ہیں تو ہم ان کے لیے کام نہیں کر
سکتے۔۔۔ اس صورت میں ہم اپنے شہر واپس جائیں گے۔۔۔ جب کہ یہ
زبردستی کام لینا چاہتے ہیں"۔
"کیوں بھئی۔۔۔ اگر آپ کے کندھے پر نشان نہیں ہے۔۔۔ تو آپ
ان لوگوں کو کندھا دکھا کیوں نہیں دیتے"۔
"نہیں۔۔۔ میں کندھا نہیں دکھاؤں گا۔ [illegible]

گا۔ یہ سراغ لگاتا ہو گا کہ شہر کہاں چلا گیا"۔
"میں نے آپ نے جنگلی صاحب"۔ شوکی نے ہنسا کر کہا۔
"آپ نے میرا کیا نام لیا"۔ جنگلی نے بوکھلا کر کہا۔
"جنگلی صاحب"۔ اس نے فوراً کہا۔
"اگر آپ مجھے جنگلی صاحب نہ کہنے کا وعدہ کریں تو میں آپ کی
مدد کر سکتا ہوں"۔
"کیا کہا۔۔۔ آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔۔۔ آپ تو اکیلے ہیں اور
اتنے ڈیل ڈول والے بھی نہیں ہیں"۔
"تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔۔۔ یہ بھی تو اکیلے ہیں۔۔۔ اور ڈیل
ڈول کے بڑے نہیں ہیں"۔ جنگلی مسکرایا۔
"تو کیا آپ نے ہال میں وہ چٹنی نہیں دیکھی۔۔۔ جو انہوں نے
پانچ آدمیوں کی بنائی تھی"۔
"دیکھی ہے۔۔۔ ان میں سے ایک کی تو ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ
گئی ہے۔۔۔ ابھی تک پولیس بھی نہیں پہنچی۔۔۔ ورنہ ان صاحب کو ابھی
پولیس ہی گرفتار کرے گی"
"پولیس۔۔۔ پولیس تو میرے نزدیک آنے کی کوشش نہیں کرے
گی۔۔۔ یوں بھی اس وقت پولیس کو گم شدہ شہر کی پڑی ہے۔۔۔ آخر
پولیس والوں کے بھی تو گھر تھے اس شہر میں"۔
"اوہ ہاں"۔

"اور یہ شہر تو یوں بھی خالی ہو رہا ہے۔۔۔ کون یہاں کسی کے
لیے آئے گا۔۔۔ تم جنگلی کوئی کہاں سے ٹپک پڑے۔۔۔ کیا تمہارا اس شہر
میں کوئی رشتے دار نہیں ہے"۔ نثار خالد نے جھلا کر کہا۔
"نہیں۔۔۔ میرا اس شہر میں کوئی نہیں ہے"۔ اس نے منہ بنایا۔
"اچھا اب تم چلتے پھرتے نظر آنا۔۔۔ ورنہ"۔ اس نے گویا دھمکی
دی۔
"لیکن ان لوگوں کو میری مدد کی ضرورت ہے۔۔۔ یہ بے چارے
بہت ڈرے اور سہمے ہوئے ہیں"۔
"ارے تو تم۔۔۔ ان کی مدد کرو گے"۔ نثار خالد چلایا۔
"اگر انہوں نے کہا تو۔۔۔ ورنہ نہیں"۔ اس نے منہ بنایا۔
"بچائیے۔۔۔ ہمیں اس ظالم آدمی سے۔۔۔ ورنہ یہ تو ہمیں پیس کر
رکھ دے گا"۔
"آپ نے مجھے مدد کے بلایا۔۔۔ تو میں آپ کے ضرور کام آؤں
گا"۔ وہ اندر آگیا۔
"ارے کیا واقعی؟"
"ہاں۔۔۔ دروازہ اندر سے بند کر لیں"۔
"اے دماغ تو نہیں چل گیا"۔
"وہ اب تمہارا چلے گا"۔
"ارے تم نے دروازہ بند نہیں کیا"۔

"اوہ کی ہاں اچھا نہیں"۔

"ہاں کہا۔۔۔ اچھا نہیں"۔ جنگلی نے آنکھیں نکالیں۔

"یہ لیجئے۔۔۔ کر دیا بند"۔ شوکی نے فوراً کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

ابھی وقت نثار خالد کے وحشیانہ انداز میں جنگلی پر چھلانگ لگا

اور منہ کے بل فرش پر گرا۔۔۔ جنگلی دوسرے کونے میں کھڑا نظر آیا۔

شوکی برادرز حیرت زدہ رہ گئے۔۔۔ ساتھ ہی انہوں نے پرجوش انداز میں

نعرہ لگایا۔

"وہ مارا"۔

نثار خالد دوبارہ اٹھا اور ایک بار پھر دوڑ کر حملہ آور ہوا۔ اس

اس بار وہ دیوار سے جا ٹکرایا۔۔۔ اور اس کا سر پھٹنے کی آواز

دی۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ تو زخمی ہو گیا"۔

"اس انداز میں لڑنے والے زخمی نہیں ہوں گے تو کیا

ہوں گے"۔

"اب۔۔۔ اب کیا ہو گا"۔

"ہونا کیا ہے۔۔۔ اس پر حملہ میں نے نہیں کیا، اس نے کیا

ہے"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"اوہو۔۔۔ مطلب۔۔۔ یہ کہ اب ہم کیا کریں"۔ آفتاب نے

کر کہا۔

سب سے پہلے تو ہم اس کے دائیں کندھے سے کپڑا ہٹا کر

دیکھتے ہیں۔۔۔ جس بنا پر یہ سارا جھگڑا ہوا ہے"۔ شوکی فوراً بولا۔

"اوہ ہاں۔۔۔ بالکل ٹھیک"۔ جنگلی خوش ہو کر بولا۔

شوکی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے۔۔۔ تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہے ہو"۔

"مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا ہے"۔ شوکی نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"خدا کا شکر کرو۔۔۔ غریب سا احساس نہیں ہوا"۔ جنگلی ہنسا۔

"حد ہو گئی۔۔۔ ارے بھئی پہلے یہ تو پوچھ لیں کہ احساس کیا ہوا ہے"۔ آفتاب نے گھبرا کر کہا۔

"ارے ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ اچھا تو کیا بات ہو رہی تھی۔۔۔ مم۔۔۔ میں بھول گیا"۔ وہ گڑبڑا گیا۔

"آپ آدمی ہیں یا"۔ شوکی کہتے کہتے رک گیا۔

"نہیں میں آدمی نہیں۔۔۔ جنگلی ہوں"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"یوں تو خیر۔۔۔ جنگلی بھی آدمی ہی ہوتے ہیں"۔ شوکی مسکرایا۔

"ہوتے ہوں گے۔۔۔ لیکن اس پائے کے نہیں ہوتے۔۔۔ جس کے ہونے چاہئیں"۔

"اب بس کریں۔۔۔ اور ایکٹنگ نہ کریں۔۔۔ ویسے السلام علیکم"۔

شوکی نے شوخ آواز میں کہا۔

"ہائیں۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی یعنی کہ۔۔۔ اب بس کریں۔۔۔ اور ایکٹنگ نہ کریں۔۔۔ ویسے السلام علیکم"۔ آفتاب کے لہجے میں ملا کی حیرت در آئی۔

"تم بھی کہو السلام علیکم"۔ شوکی نے فوراً کہا۔

"السلام علیکم جناب"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

"تت۔۔۔ تو کیا ہم بھی کہیں"۔

"ہاں کوئی حرج نہیں"۔ شوکی نے فوراً کہا۔

"السلام علیکم جناب"۔ اخلاق اور اشفاق نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے۔۔۔ ہوٹل کے کلرک کو بلا کر لاؤں"۔

"یہ تو کرنا ہو گا"۔

شوکی نے نیچے کی طرف دوڑ لگا دی۔

"آپ۔۔۔ کون۔۔۔ ہیں۔۔۔ جناب"۔ آفتاب نے ٹکڑے ٹکڑے توڑے۔

"میں۔۔۔ آپ۔۔۔ لوگوں۔۔۔ کا۔۔۔ دوست۔۔۔ ہوں"۔ اس نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"یہ بات تو ثابت شدہ ہے"۔ آفتاب نے کہا۔

"تو پھر غیر ثابت شدہ بات کون سی ہے"۔

"پتا نہیں۔۔۔ کوئی تو ہو گی"۔

"شاید ہم بے کار باتیں کرنے پر تل گئے ہیں"۔ اشفاق نے برا سا منہ بنایا۔

"تو یہ اپنا نام کیوں نہیں بتا دیتے"۔ آفتاب نے جھنجلا کر کہا۔

"بھئی مرضی ان کی۔۔۔ ہم کون ہوتے ہیں۔۔۔ ان کا نام پوچھنے والے۔۔۔ کیوں جناب! ٹھیک کہا نا میں نے"۔ اشفاق نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں!" وہ مسکرایا۔

"آپ نے کیا کہا۔۔۔ نہیں۔۔۔ مطلب یہ کہ میں نے ٹھیک نہیں کہا"۔ اشفاق کے لہجے میں حیرت تھی"۔

"ہاں!" وہ بولا۔

"اب اس ہاں کا کیا مطلب ہے۔۔۔ یعنی میں نے ٹھیک نہیں کہا"۔

"بالکل"۔

"آپ شاید بہت مختصر بات کرنے کے عادی ہیں"۔

"درست"۔ اس نے کہا۔

اسی وقت قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔ شوکی کلرک کے ساتھ آتا نظر آیا۔۔۔ جونہی اس کی نظر بے ہوش نثار خالد پر پڑی۔۔۔ وہ زور سے اچھلا۔۔۔ اس کی آنکھوں میں اس قدر خوف سما گیا کہ وہ بھی خوف

ہیرا

"میز پر الٹی جانے والی چیزوں میں وہ چیز جسے دیکھ کر وہ چونکے تھے۔ سب سے نمایاں تھی۔۔۔ وہ ایک بڑا سا ہیرا تھا۔۔۔ نیلے رنگ کا۔۔۔ اس میں سے نیلگوں شعاعیں اس طرح نکل رہی تھیں۔۔۔ جیسے وہ کوئی ننھی سی ٹارچ ہو

"یہ ہیرا آپ کو کہاں سے ملا؟" انسپکٹر کامران مرزا نے سرسراتی آواز میں پوچھا۔

"اس ہیرے کی کہانی بہت عجیب ہے"۔

"ہم وہ کہانی سننا پسند کریں گے"۔

"کیا فائدہ۔۔۔ اس ہیرے کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں"۔

"اوہو۔۔۔ اس کے باوجود ہم کہانی سنیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے بھنا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔ تجربہ گاہ میں ابھی حالات بگڑے نہیں تھے۔۔۔ آلات میرے کنٹرول میں تھے کہ ایک دن ایک ماتحت میرے پاس دوڑ کر آیا۔۔۔ اور اس نے بتایا کہ

ذہن ہوئے بغیر رہ سکے۔ لہجے میں اس کے ہونٹ چلے
"اف مالک۔۔۔ یہ آپ نے کیا کیا۔ اب ہیرا ہو گیا کھلا
میں تبدیل ہو جائے گا"۔
کلرک دھاڑا۔ اس کے لہجے میں حد درجے خوف تھا۔
☆○☆

کارن گیس بنانے والی ایک مشن کام نہیں کر رہی۔۔۔ اس میں کوئی چیز
پھنس گئی ہے"۔
میں اس کے ساتھ اس مشین کے پاس پہنچا۔۔۔ اس کا معائنہ
کیا۔۔۔ وہ واقعی پھنس گئی تھی۔۔۔ لہٰذا اس کو کھولنا پڑا۔۔۔ اس میں سے
یہ ہیرا ملا۔۔۔ اب چونکہ ہیرا کاربن سے ہی بنتا ہے۔۔۔ لہٰذا میں نے
خیال کیا کہ کسی طرح اس مشین میں گیس پھنس گئی اور اس نے ہیرے
کی شکل اختیار کر لی۔۔۔ جب میں نے وہ ہیرا نکال لیا۔۔۔ تو مشین درست
کام کرنے لگی۔۔۔ اس کے بعد وہ نہیں پھنسی البتہ۔۔۔ باقی تمام مشینوں
نے کام کرنا بند کر دیا"۔
"اور یہ ہیرا آپ نے جیب میں رکھ لیا"۔
"ہاں اور کیا کرتا۔۔۔ بہت خوبصورت ہے۔۔۔ ضرور بہت قیمتی
ہو گا۔۔۔ لیکن مجھے دولت کا لالچ نہیں' اس لیے کسی جوہری کو یہ
دکھایا"۔
"خوب! یہ ہیرا میرے پاس رہے گا۔۔۔ اپنی تجربہ گاہ فون کر
معلوم کریں۔۔۔ آلات اب کام کر رہے ہیں یا نہیں"۔
"نہیں کر رہے"۔ اس نے کہا۔
"تمہیں کچھ معلوم نہیں۔۔۔ فون کرو"۔ وہ غرائے۔
سجاد عرفانی ڈر گیا اور فوراً نمبر ملانے لگا۔۔۔ جلد ہی آواز سنائی
اس نے اپنا تعارف کرایا اور پھر تجربہ گاہ کے بارے میں پوچھا۔

"وہی حال ہے۔۔۔ جو پہلے تھا"۔
"آلات کو چلا کر دیکھو"۔ اس نے کہا۔
"او کے سر"۔ دوسری طرف سے کہا گیا اور چند منٹ بعد آواز
پھر سنائی دی۔
"آلات اسی طرح جام ہیں۔۔۔ بالکل کام نہیں کر رہے"۔
"او کے۔۔۔ ہم آ رہے ہیں۔۔۔ تم فکر نہ کرو"۔ سجاد عرفانی نے
کہا اور فون بند کر دیا۔
"آلات بدستور بند ہیں"۔
"میرا اندازہ غلط ثابت ہو گیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"کون سا اندازہ؟" آفتاب چونکا۔
"بلکہ ایک نہیں۔۔۔ میرے دو اندازے آج غلط ثابت ہو
گئے"۔
"آپ کے اندازے اور غلط ثابت ہو گئے۔۔۔ وہ بھی دو عدد"۔
فرحت نے بوکھلا کر کہا۔
"ہاں! میرا پہلا اندازہ یہ تھا کہ یہ حضرت سجاد عرفانی نہیں
ہیں۔۔۔ بلکہ یہ سجاد عرفانی کے میک اپ میں کوئی اور ہیں۔۔۔ لیکن بچپن
کی باتیں سن کر اور میری چند باتوں کے جواب میں جو باتیں انہوں نے
بتائیں۔۔۔ وہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اصل سجاد عرفانی ہیں۔۔۔ دوسرا
اندازہ ہیرے کے بارے میں غلط ثابت ہوا"۔

"وہ اندازہ کیا تھا؟" آفتاب نے پوچھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ سجاد عرفانی کے کسی دشمن نے اس ہیرے کے ذریعے تجربہ گاہ کو جام کیا ہے اور یہ دراصل ہیرا نہیں۔۔۔ کوئی آلہ ہے۔۔۔ لیکن جب مجھے پتا چلا کہ اس ہیرے کے نہ ہوتے ہوئے بھی آلات کام نہیں کر رہے تو میں نے جان لیا۔۔۔ میرا یہ اندازہ بھی غلط ہے"۔

"لیکن ابا جان۔۔۔ ہو سکتا ہے آپ کا یہ اندازہ غلط نہ ہو۔۔۔ اور یہ ہیرا واقعی کوئی آلہ ہو۔۔۔ پیغام رسانی کا آلہ۔۔۔ یا تجربہ گاہ میں ہونے والی گفتگو سننے کا آلہ"۔

"اوہ ہاں! اس پر بھی غور کیا جائے گا اور میں اپنے چند سائنس دان دوستوں سے اس آلے کو چیک کراؤں گا"۔

"ضرور۔۔۔ میں تو خود یہی چاہتا ہوں۔۔۔ ویسے اس ہیرے نے مجھے بھی الجھن میں ڈالا ہوا ہے"۔

"چلو اچھا ہے۔۔۔ اس بہانے ہم ایک الجھن دور کر لیں گے"۔

"لیکن انکل۔۔۔ سب سے پہلے آپ اس کو کسی جوہری سے کیوں نہ چیک نہیں کرا لیتے"۔ فرحت نے کہا۔

"ہیرے اس طرح نہیں بنا کرتے۔۔۔ کوئلہ مدتوں پہاڑوں کے نیچے دبا رہتا ہے تو ہیرا بنتا ہے۔۔۔ اس مشین میں کاربن سے ہیرا کیسے طرح بن گیا"۔

"پھر۔۔۔ آپ جیسے مناسب سمجھتے ہیں، کریں"۔ فرحت نے کندھے اچکائے۔

اور وہ ہیرا لے کر چلے گئے۔۔۔ وہ سجاد عرفانی کے ساتھ گھر میں رہ گئے۔۔۔ اپنی اپنی جگہ وہ سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔۔۔ ایسے میں سجاد عرفانی کی آواز ان کے کانوں میں آئی۔

"ایسا لگتا ہے۔۔۔ جیسے میں اب سجاد عرفانی نہیں رہوں گا۔۔۔ تبدیل ہو جاؤں گا۔۔۔ کک۔۔۔ کہیں میں انسپکٹر کامران مرزا نہ بن جاؤں۔۔۔ اور وہ سجاد عرفانی نہ بن جائیں"۔ انداز کھویا کھویا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انکل"۔

"میں ایسا محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا ہو گا بھی"۔ اس کے ہونٹ ہلے۔

"آپ کی تجربہ گاہ کے ملازم کیا محسوس کرتے ہیں؟" ایسے میں فرحت نے پوچھا۔

"وہی۔۔۔ جو میں محسوس کرتا ہوں۔۔۔ ان کا خیال بھی یہی ہے کہ تجربہ گاہ پر کسی شیطانی طاقت کا قبضہ ہو گیا ہے۔۔۔ تبھی تو آلات کام نہیں کر رہے"۔

"آلات میں کوئی خرابی نہ ہو گئی ہو"۔

"خرابی کسی ایک آلے میں ہو سکتی ہے۔۔۔ یا دو آلات میں۔۔۔ سب کے سب آلات ایک ہی وقت میں کیسے خراب ہو سکتے ہیں"۔

ہوں۔۔۔ کہیں یہ اس صدی کا سب سے انوکھا واقعہ نہ بن جائے"۔

"میری تجربہ گاہ اگر دارالحکومت میں ہوتی تو اس وقت شاید سارے شہر میں کھلبلی مچی ہوتی۔۔۔ لیکن تجربہ گاہ دور دراز ایک چھوٹے سے شہر کے کنارے بنائے گئی ہے نا۔۔۔ اس لیے لوگوں کو فوری طور پر اس تبدیلی کا پتا نہیں چلے گا"۔

"خیر۔۔۔ آپ آرام کریں۔۔۔ ہمیں بھی سفر کی تیاری کرنا ہے۔ اب انکل کے آنے پر ہی ہم سفر شروع کر سکیں گے"۔

"ٹھیک ہے"۔

وہ اٹھ گئے۔۔۔ پھر دو گھنٹے بعد انسپکٹر کامران مرزا کی واپسی ہوئی۔۔۔ ان کے چہرے پر حد درجے سنجیدگی تھی۔

"خیر تو ہے۔۔۔ ہیرے کا کیا رہا؟"

"وہ۔۔۔ وہ ہیرا نہیں ہے۔۔۔ کوئی آلہ ہے۔۔۔ لیکن کیا ہے۔ ہمارے سائنس دان نہیں جان سکے"۔

"اوہ۔۔۔ اوہ"۔ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔۔۔ پروفیسر عرفانی بھی دھک سے رہ گئے۔

"تب پھر۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ یہ آلہ اس مشین میں بوجھ کر پھنسایا گیا تھا"۔

"ہاں! اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کام آپ کی تجربہ گاہ میں کس

کیا؟"

"ان کے پانچ ملازمین میں سے ایک نے"۔

"نن نہیں۔۔۔ ان میں سے کوئی غدار نہیں ہے"۔

"بعض اوقات غداری مجبوری کی بنا پر بھی کی جاتی ہے۔۔۔ مثلاً آپ کے ملازم کے کسی بچے کو کوئی اغوا کر لے اور اسے اس قسم کا کام کرنے پر مجبور کرے۔۔۔ اولاد کو بچانے کے لیے کوئی ایسا کر سکتا ہے"۔

"اوہ ہاں۔۔۔ ایسی کوئی بات ہو سکتی ہے۔۔۔ تو پھر کب چلنا ہے"۔

"صبح سویرے"۔

"ارے ہاں! تھوڑی دیر پہلے انکل سجاد عرفانی کو محسوس ہو رہا تھا۔۔۔ جیسے وہ بدل جائیں گے۔۔۔ سجاد عرفانی سے انسپکٹر کامران مرزا بن جائیں گے اور آپ سجاد عرفانی بن جائیں گے"۔

"مم۔۔۔ میں بن جاؤں گا۔۔۔ سجاد عرفانی۔۔۔ لیکن میں تو ایسی کوئی بات محسوس نہیں کر رہا"۔

"یہ ایسا محسوس کر رہے تھے"۔ آفتاب نے کہا۔

"کیا آپ اب بھی ایسا محسوس کر رہے ہیں"۔

"نن نہیں۔۔۔ بس چند لمحوں کے لیے ایسا محسوس ہوا تھا۔۔۔ اب تو میں خود کو سجاد عرفانی ہی محسوس کر رہا ہوں"۔ انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"خیر۔۔۔ دیکھتے ہیں۔۔۔ پتا نہیں کیا چکر ہے"۔ وہ بولے۔

"دوسرے دن ان کا سفر شروع ہوا۔ انہیں ہوائی جہاز
ذریعے سجاد عرفانی کے شہر تک جانا تھا۔ ایئرپورٹ پر پروفیسر سجاد
کی کار ڈرائیور سمیت موجود تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر کار ان کے
لے گیا۔

"السلام علیکم پروفیسر صاحب۔ اور آپ حضرات کو بھی"
نے کہا۔

"وعلیکم السلام"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"شاکر۔ کیا حالات ہیں؟"

"وہی جو آپ چھوڑ کر گئے تھے"۔

"اس کا مطلب ہے۔ تجربہ گاہ کے حالات اب بھی کام
رہے"۔

"جی ہاں۔ بالکل"۔ اس نے کہا۔

"خیر اپنا رحم فرمائے"۔

اور پھر وہ کار میں بیٹھ کر تجربہ گاہ پہنچ گئے۔

"پہلے تو آپ تسلی کر لیں۔ کہیں حالات کام تو نہیں
گئے"۔

"اگر ایسا ہوتا۔۔۔ تو یہ لوگ فوراً پتا کر جاتے"۔ سجاد
سادہ انداز میں کہا۔

انہوں نے حالات کو چیک کیا۔ لیکن وہ بالکل جام تھے۔ انہوں
نے بھی میں سر ہلا دیا۔

"اب مجھے وہ مشین دکھائیے۔ جس میں سے ہیرا نکلا تھا اور
اس مشین پر جو ملازم کام کرتا ہے اسے بھی بلائیں"۔

"آیئے"۔ انہوں نے کہا اور انہیں اس مشین کے پاس لے
آئے۔ ساتھ ہی انہوں نے کہا۔

"شاکر۔ تم ادھر آؤ"۔

انہوں نے دیکھا۔ وہ ایک نوجوان اور بچا بچا سا تھا۔ انسپکٹر
کامران مرزا پہلے تو اس مشین کا جائزہ لیتے رہے۔ وہ اس قسم کی تھی
کہ اس میں کوئی آسانی سے پہنچ سکتا تھا۔ صرف اوپر سے گرانے کی
ضرورت تھی۔

"مسٹر شاکر۔ آپ کو وہ ہیرا کس نے دیا تھا"۔

"جی مجھے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔ وہ دھک سے رہ گیا۔

"تو وہ ہیرا آپ نے اس مشین میں نہیں گرایا تھا"۔

"جی نہیں۔ بالکل نہیں"۔

"تجربہ گاہ میں اس دن کوئی اجنبی آیا تھا"۔

"جی نہیں"۔ وہ بکلایا۔

"تب پھر ان چاروں میں سے کسی ایک نے یہ کام کیا ہو گا۔
کیونکہ باہر سے تو کوئی آیا نہیں تھا اور خود پروفیسر سجاد عرفانی کو یہ کام

کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے"۔

"میں کیا کہہ سکتا ہوں"۔

"آپ پانچوں ایک ایک کاغذ پر اپنا اپنا نام لکھ کر دے دیں"۔

"اس سے کیا ہو گا"۔ سجاد عرفانی نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ بس دیکھتے جائیں۔۔۔ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو
جائے گا"۔ وہ مسکرائے۔

"ان پانچوں کے رنگ اڑے اڑے تھے۔۔۔ آخر کار انہوں نے
الگ الگ کاغذ پر نام لکھ کر ان کی طرف بڑھا دیئے۔۔۔ انہوں نے کاغذ
لے کر دستخطوں کو غور سے دیکھا۔۔۔ پھر بولے۔

"مسٹر شاکر ہی مجرم ہیں"۔

"جی۔۔۔ کیا مطلب؟" شاکر زور سے اچھلا۔

"آپ نے ہی وہ ہیرا اس مشین میں ڈالا تھا۔۔۔ اب
بتائیں۔۔۔ آپ کو ہیرا کس نے دیا تھا"۔

"آخر آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ہیرا میں نے مشین میں
تھا۔۔۔ وہ بھی کسی سے لے کر"۔

"اپنے تجربے کی بنا پر۔۔۔ اگر میرا اندازہ غلط ثابت ہو گیا تو
سراغرسانی کا پیشہ چھوڑ دوں گا"۔

"نہیں جناب۔۔۔ میں نے ہیرا مشین میں نہیں ڈالا تھا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ ثبوت سنو۔۔۔ میں نے آپ پانچوں
ایک کاغذ پر اپنا نام لکھنے کے لیے کہا تھا نا"۔

"جی ہاں! بالکل کہا تھا اور ہم نے نام لکھ کر آپ کو دیئے
ہیں"۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ اس معاملے کا تعلق ہیرا مشین میں رکھنے سے
کوئی ہو سکتا ہے بھلا؟" انہوں نے پوچھا۔

"تعلق تو نہیں ہو سکتا"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"تب پھر میں نے آپ لوگوں کے نام کیوں لکھوائے۔۔۔ نام لکھتے
وقت یہ سوال ذہن میں گونجا تھا"۔

انہوں نے سر ہلا دیئے۔

"اب جس کا ہیرا رکھنے نہ رکھنے سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔۔۔
اس نے فوراً اس خیال کے جواب میں اپنے آپ سے کہا ہو گا۔۔۔ مجھے
کیا۔۔۔ جب میرا اس معاملے سے تعلق ہی نہیں۔۔۔ اور اس نے اپنے
بالکل درست دستخط کر دیئے۔۔۔ لیکن جس کا تعلق تھا۔۔۔ وہ دستخط کرتے
وقت گھبرا گیا اور یہ گھبراہٹ اس کے دستخط میں بھی صاف نظر آتی
ہے۔۔۔ بلکہ اس نے دستخط بھی درست طور پر نہیں کیے۔۔۔ نہ وہ کر
سکا۔۔۔ پروفیسر صاحب۔۔۔ ان کی فائلیں نکلوائیں۔۔۔ یا ایسے کاغذات جن
پر ان کے دستخط ہوں"۔

"اوہ اچھا"۔ پروفیسر سجاد عرفانی نے چونک کر کہا۔

اور پھر ان کی فائلیں لائی گئیں۔۔۔ ان سے ان کاغذات پر دستخط

ملائے گئے... باقی چار کے دستخط بالکل درست تھے... لیکن شاکر کے دستخط گڑبڑ تھے... انسپکٹر کامران مرزا نے مسکراتے ہوئے دونوں دستخط پروفیسر صاحب کے سامنے رکھ دیے۔

"آپ خود دیکھ لیں... آخر اس پر گھبراہٹ کیوں طاری ہو گئی تھی... جب کہ اس نے ہیرا نہیں رکھا تھا"۔

"حیرت انگیز انسپکٹر کامران مرزا' اس طرح کسی مجرم کو پکڑنا آپ ہی کا کام ہے... اب شاکر تم کیا کہتے ہو... اپنا جرم قبول کرتے ہو یا اب بھی تمہارے پاس کہنے کے لیے کچھ ہے"۔

"میرے پاس ایک چیز ہے"۔ اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور پھر اس کا ہاتھ جیب میں ہی رہ گیا۔

"تم نے جیب میں گوند کی شیشی تو نہیں الٹ لی تھی... ہاتھ جیب سے واپس نہیں آیا"۔ آفتاب کی شوخ آواز گونجی۔

"بے چارہ اس کی تلاش کر رہا ہے"۔ انہوں نے فرحت کی آواز سنی۔

سب نے فرحت کی طرف دیکھا اور زور سے چونکے۔

☆○☆

سفر واپسی

دروازے پر انسپکٹر جمشید کھڑے تھے... ان کے چہرے پر نہ تو حیرت کے آثار تھے... نہ گھبراہٹ کے اور نہ پریشانی کے... البتہ چہرے پر سوالیہ انداز ضرور تھا۔

"آپ لوگ یہاں موجود ہیں... یہ بات مجھے بابا فضل نے بتائی... لیکن اس میٹنگ کا پروگرام کب بنا اور کیا میں اس میں شامل نہیں ہوں"۔

"اس سے پہلے انسپکٹر جمشید... آپ یہ بتائیں... آپ اس وقت تک تھے کہاں؟" آئی جی نے جھلا کر کہا۔

"اس وقت تک... کیا مطلب سر... میں تو بالکل درست وقت پر دفتر پہنچا ہوں"۔

"درست وقت پر... یہ ایک اور رہی... اپنی گھڑی دیکھی ہے"۔

"ہاں سر... کیوں نہیں... میری عادت ہے... دفتر میں داخل ہوتے وقت گھڑی ضرور دیکھتا ہوں... میں اپنے وقت پر دفتر داخل ہوا

تھا... اس وقت نو بج کر ایک منٹ ہو رہا ہے"۔ انہوں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔

"آج ضرور تمہیں کچھ ہو گیا ہے جمشید... میرے دفتر میں کلاک پر نظر ڈالو"۔ آئی جی بولے۔

انہوں نے کلاک پر نظر ڈالی... نو بج کر پچپن منٹ ہو رہے تھے... گویا وہ ایک گھنٹے کے قریب دیر سے دفتر میں داخل ہوئے تھے۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... سر... میری گھڑی غلط نہیں ہو سکتی... یہ رک نہیں سکتی... جب کہ چل رہی ہے... ہاں اس وقت رکی ہوئی ہوتی تو میں یہ کہتا کہ گھڑی خراب ہے... میں اپنے بالکل درست وقت پر گھر سے چلا ہوں... محمود... ذرا ڈرائیور کو بلا کر لانا... اس سے کہنا مت"۔

"جی بہتر"۔ محمود نے کہا اور کھوئے کھوئے انداز میں باہر چلا گیا۔

"ڈرائیور کو کیوں بلایا ہے جمشید"۔

"یہ دیکھنے کے لیے کہ اس کی گھڑی میں کیا وقت ہوا ہے... اس کا رجسٹر آپ کو یہ بھی بتائے گا کہ ہم کتنے کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے اپنے دفتر میں آئے ہیں... اس لیے کہ کل جب وہ مجھے گھر چھوڑ کر گیا تھا تو اس نے کلومیٹر نوٹ کیے تھے... میرے گھر سے وہ اپنے سائیکل پر جاتا ہے... کیونکہ میں نے نہ تو خود ذاتی کام کے لیے سرکاری

جیپ کبھی استعمال کی ہے اور نہ ڈرائیور کو کرنے دیتا ہوں... شام جب وہ جیپ گھڑی کر کے گیا تو رجسٹر پر کلومیٹر نوٹ کیے تھے... اب گھر سے یہاں تک کے دیکھ لیتے ہیں... ہم نے کتنے کلومیٹر طے کیے ہیں... روزانہ پورے نو کلومیٹر رجسٹر پر درج ہوتے ہیں... اگر آج بھی اتنے ہی درج ہوئے ہیں اور ڈرائیور کی گھڑی بھی نو بج کر چند منٹ بتا رہی ہے تو آپ کیا کہیں گے"۔

"پھر ہم کہیں گے... یہ اپنی نوعیت کا انوکھا ہی واقعہ ہے... کیونکہ جمشید... اس وقت پورے ملک کی گھڑیاں دس بجا رہی ہیں... ریڈیو آن کرو بھئی ذرا"۔

دفتر کے ملازم نے کمرے میں رکھا ریڈیو فوراً آن کر دیا... اسی وقت ریڈیو پر اعلان کیا گیا۔

"اس وقت صبح کے ٹھیک دس بجے ہیں... اب آپ خبریں سنیں"۔

اور اس نے ریڈیو بند کر دیا... انسپکٹر جمشید کے چہرے پر حیرت کی بجلی چمکی... ان سب نے اس بجلی کو چمکتے صاف دیکھا... انہوں نے حیرت کے عالم میں اپنی گھڑی پر دیکھا' ان کی گھڑی اس وقت ۹ بج کر پانچ منٹ بتا رہی تھی... انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں جناب! میری گھڑی بھی غلط نہیں ہے"۔

اسی وقت محمود' ڈرائیور کے ساتھ اندر داخل ہوا... اس کے

چہرے پر حیرت اور الجھن تھی۔۔۔ کیونکہ اس طرح اسے پہلے کبھی نہیں
بلایا گیا تھا۔

"جمال خان۔۔۔ آپ کی گھڑی پر کیا وقت ہے؟"

"جی۔۔۔ گھڑی پر"۔ اس نے حیران ہو کر کہا اور پھر گھڑی دیکھ
بولا۔

"نو بج کر پانچ منٹ سر"۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"ایک منٹ انسپکٹر جمشید۔۔۔ جمال خان۔۔۔ آپ بتائیں۔۔۔
انسپکٹر جمشید کے گھر کتنے بجے پہنچے تھے"۔

"ٹھیک پونے نو بجے سر۔۔۔ یہ میرا برسوں کا معمول ہے
صاحب بالکل تیار ملتے ہیں، یہ ان کا ہمیشہ کا معمول ہے۔۔۔ میں
گاڑی نکالی۔۔۔ رجسٹر میں وقت اور تاریخ درج کی اور اسی وقت صاحب
گاڑی میں بیٹھ گئے اور ہم اپنے بالکل درست وقت پر یعنی نو بجے
ایک منٹ پر دفتر میں داخل ہو گئے، صاحب اتر کر اپنے کمرے کی
بیٹھ گئے۔۔۔ میں جیپ کو اس کی جگہ پر لے گیا"۔ اس نے جلدی
کہا۔

اب کمرے میں موجود سب لوگوں کے منہ مارے حیرت کے
گئے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ کیا راستے میں آپ کہیں

نہیں"۔

"جی نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ بات کیا ہے سر"۔ ڈرائیور نے
پریشان ہو کر کہا۔

"کلاک پر وقت دیکھیں"۔ آئی جی بولے۔

جمال خان نے کلاک کی طرف دیکھا۔۔۔ اب وہاں دس بج کر پانچ
منٹ ہو چکے تھے۔۔۔ اور ان دونوں کی گھڑیوں پر نو بج کر دس منٹ ہو
رہے تھے۔۔۔ گویا ان کی اور باقی تمام کی گھڑیوں میں ۵۵ منٹ کا فرق
تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا جناب۔۔۔ میں کچھ سمجھا نہیں"۔

"سمجھا تو اس وقت ہم میں سے کوئی بھی نہیں۔۔۔ خیر آپ بھی
یہیں بیٹھ جائیں۔۔۔ اور ہماری باتیں سنتے رہیں، شاید آپ درمیان میں
کوئی کام کی بات بتا سکیں۔۔۔ کیا خیال ہے انسپکٹر جمشید"۔

"ٹھیک ہے سر"۔ وہ فوراً بولے۔

جمال خان بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا، چند لمحے تک خاموشی رہی
پھر انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہ معاملہ حد درجے انوکھا ہے۔۔۔
لیکن ایک کیس میں ہم اس قسم کے حالات میں گھر چکے ہیں۔۔۔ لیکن وہ
معاملہ برموڈا ٹرائی اینگل سے تعلق رکھتا تھا جب کہ یہاں کوئی برموڈا
نہیں ہے۔۔۔ میں گھر سے یہاں تک اپنی گھڑی اور اپنے ڈرائیور کی گھڑی

کے مطابق وقت پر پہنچا۔۔۔ لیکن آپ سب کی گھڑیاں بتا رہی ہیں
میں پچپن منٹ دیر سے یہاں پہنچا، اس کا مطلب ہے۔۔۔ میری
ڈرائیور کی زندگی کے پچپن منٹ کہاں گئے۔۔۔ راستے میں ہم کہیں
نہیں۔۔۔ ہم نے رک کر کوئی کام نہیں کیا۔۔۔ اگر ایسا ہوتا تو ہماری
گھڑیاں ہمیں بتاتیں۔۔۔ لیکن ہماری گھڑیاں اس بات کی تصدیق کر
ہیں کہ ہم کہیں نہیں رکے۔۔۔ اب سوال یہ ہے کہ ہماری زندگی کے
پچپن منٹ کہاں گئے؟"

"یہ سوال اپنی جگہ بہت انوکھا ہے لیکن جمشید۔۔۔ اس سے
کہیں زیادہ۔۔۔ ایک انوکھی خبر سننے کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔ تم نے ٹنڈا ہوئے
کا بھی نام سنا ہے؟"

"جی۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ میں نے تو شاید آج ہی
بچوں کے سامنے اس شہر کا نام لیا بھی ہے۔۔۔ کیونکہ وہ ایک تفریحی
ہے اور وہ سیر کا پروگرام بنا رہے تھے۔۔۔ سو میں نے انہیں مشورہ دیا
کہ ٹنڈا چلے جائیں۔۔۔ میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ میں نہیں
سکوں گا۔۔۔ کیونکہ آج کل دفتر میں بہت مصروف ہوں"۔

"بہت خوب! یہ اچھی بات ہے کہ۔۔۔ تم اس شہر کے بارے میں
جانتے ہو"۔

"اس شہر سے متعلق کیا خبر ہے سر"۔ وہ پریشان ہو گئے۔

"ایسی خبر۔۔۔ جس کے سننے کی کبھی امید نہیں کی جا سکتی"۔

"کیا مطلب؟" ان کے منہ سے نکلا۔

"مطلب یہ کہ وہ شہر غائب ہو گیا ہے"۔ آئی جی بولے۔

لیکن یہ دیکھ کر ان سب کی حیرت اور بڑھ گئی کہ انسپکٹر جمشید یہ
سن کر اچھلے نہیں تھے۔۔۔ نہ ان کے چہرے پر حیرت کے آثار نظر
آئے تھے۔

"کیا یہ خبر تم پہلے بھی سن چکے ہو جمشید"۔

"نہیں سر۔۔۔ یہ بات نہیں"۔

"تب پھر۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ تم سن کر حیرت زدہ کیوں نہیں
ہوئے"۔

"میری زندگی کے پچپن منٹ اگر غائب ہو سکتے ہیں تو شہر بھی
غائب کیا جا سکتا ہے۔۔۔ مجھے ایک بار پھر برموڈا کا نام لینا پڑ رہا ہے۔۔۔ یہ
بچوں کے سامنے اس شہر کا نام لیا بھی ہے۔۔۔ کیونکہ وہ ایک تفریحی
بالکل ایسے ہی حالات ہیں۔۔۔ اس کیس میں پورے کے پورے بحری
اور ہوائی جہاز غائب ہو گئے تھے۔۔۔ اور وقت کا مسئلہ بھی بالکل ایسا ہی
تھا۔۔۔ لیکن وہ جہاز تو برموڈا سے گزر رہے تھے۔۔۔ میں اور جمال خان تو
اپنے شہر کی سڑک سے گزر کر آئے ہیں۔۔۔ اور ٹنڈا بھی سمندر سے
بہت دور ہے۔۔۔ اس کا بھی برموڈا سے کوئی واسطہ نہیں۔۔۔ پھر یہ سب
کیا ہے؟"

"ظاہر ہے جمشید ہم سب اسی لیے یہاں جمع ہوئے ہیں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ پہلے تو ملنے والی خبروں کی تفصیل بتائیں۔۔۔

پھر ہم سوچیں گے کہ کیا کیا جائے"۔

انہیں اس وقت تک ملنے والی تمام خبریں سنائی گئیں.... وہ غو
سے سنتے رہے.... یہاں تک کہ خبریں ختم ہو گئیں اور کمرے میں
خاموشی چھا گئی۔

"ٹھیک ہے.... میں اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں چلا جا
ہوں.... لیکن اس بار کا کیس کوئی عام کیس نہیں ہے.... میں تو ا
زندگی کے بچپن منٹ گم کر بیٹھا ہوں.... کل یا پرسوں اگر شہر اپنی
واپس آ جاتا ہے.... تو وہ لوگ بھی آ کر یہی کہیں گے کہ"۔ وہ کہتے
رک گئے۔

"کک.... کیا کہیں گے" آئی جی صاحب دھک سے رہ گئے

"یہ کہ ہماری زندگی کے یہ دو دن کہاں گئے.... کیونکہ جہ
لوٹیں گے تو ان کے کیلنڈروں پر تاریخوں اور گھڑیوں پر وقت
گا۔ باقی ملک کے کیلنڈر کچھ اور بتا رہے ہوں گے۔

"اس.... اس کا مطلب ہے.... شہر واپس آ جائے گا"۔

"ہاں بالکل آ جائے گا.... مجھے یقین ہے.... اور ہم ناک
مارتے رہ جائیں گے"۔

"تب پھر.... تم.... کیا چاہتے ہو جمشید؟" آئی جی صاحب
پریشان ہو کر کہا۔

"پتا نہیں! میں کیا چاہتا ہوں.... ابھی تک سمجھ نہیں

ارے ہاں.... میں چاہتا ہوں.... اس کا آغاز کرنے سے پہلے ہی انسپکٹر
کامران مرزا اور شوکی برادرز یہاں موجود ہوں"۔

"چلو ٹھیک ہے.... انہیں ابھی فون کر دیتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے"۔

آئی جی صاحب نے دونوں پارٹیوں سے رابطہ کرنے کا حکم دیا....
سلسلہ ہوتے ہی انہیں بتایا گیا کہ وہ موجود نہیں ہیں' لیکن جونہی وہ
لوٹے یا انہوں نے فون وغیرہ کے ذریعے رابطہ کیا تو پیغام دے دیا جائے
گا"۔

"خیر کوئی بات نہیں.... ہم فوری طور پر ٹنڈا جا رہے ہیں.... ان
لوگوں کی طرف سے کوئی فون آئے تو انہیں یہی بتا دیا جائے.... ہم ٹنڈا
کے نزدیک ترین شہر میں ملیں گے.... کیونکہ ٹنڈا تو اس وقت ہے ہی
نہیں"۔

"بالکل ٹھیک"۔ آئی جی صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"میٹنگ ختم ہو گئی.... اب وہ دفتر میں رہ کر کیا کرتے.... فوراً گھر
کا رخ کیا.... جلد ہی سب تیار ہو کر انسپکٹر جمشید کے گھر آ گئے اور یہاں
سے ایک پرائیویٹ جہاز کے ذریعے ٹنڈا سے نزدیک ترین شہر میں
اترے.... لیکن اس وقت رات ہو چلی تھی.... چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ
رات کسی ہوٹل میں بسر کی جائے.... صبح ٹنڈا کا رخ کریں گے۔

"تھوڑی دیر بعد وہ ایک ہوٹل میں داخل ہو رہے تھے.... لیکن

ہاں میں انہیں عجیب منظر نظر آیا.... کاؤنٹر پر کوئی نہیں تھا.... ہوٹل کے
ہال میں میزیں اور کرسیاں الٹی پڑی تھیں.... کئی جگہ خون بھی نظر
آیا.... ہال میں بھی کوئی آدمی نہیں تھا۔

"یہ عجیب ہوٹل ہے"۔ انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"یہ عجیب ہوٹل ہے"۔ محمود بولا۔

"شاید یہاں کوئی ہنگامہ ہوا ہے"۔ محمود بولا۔

"ہاں.... لیکن کوئی تو ہونا چاہیے تھا"۔

"ہاں.... اس وقت انہیں اوپر سے کچھ آوازیں آتی سنائی دیں۔

"اوپر کچھ لوگ ہیں.... کیا خیال ہے.... ہم یہیں ٹھہر کر ان کا
انتظار کریں.... یا اوپر چلیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوپر ہی چلتے ہیں"۔ فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہمیں اس وقت دروازے پر چند غنڈے نمودار ہوئے.... ان کے
ہاتھوں میں لمبے لمبے خنجر تھے.... ایک کے ہاتھ میں بڑا سا پستول بھی تھا

"یہاں تو وہ نہیں ہیں.... اور یہ کون لوگ ہیں؟"

"یہ.... یہ تو شاید مسافر ہیں.... باقی وہ ضرور اوپر ہو گا.... وہ
لوگوں اور ایک لڑکی کے ساتھ ہوٹل میں آیا تھا.... ہم نے باقی کو
پکڑا تو پھر گیا اور ہماری ٹھکائی کر دی"۔ ان میں سے ایک نے کہا
کے سر پر پٹی بندھی تھی۔

"تم فکر نہ کرو.... اب ہم اس کی ٹھکائی کریں گے تو یاد ہی
گا اور اسے اٹھا کر باس کے پاس لے جائیں گے"۔

"اسی لیے تو ہم آپ کے پاس دوڑے آئے تھے استاد"۔

"تم نے اچھا کیا.... لیکن یاد رکھو کہ یہ اچھا نہیں کیا.... اس
کی پٹائی بتا کر آنے تو بات بھی تھی.... آہ"۔ اس نے کہا تھے استاد کہا
گیا تھا' پستول اسی کے ہاتھ میں تھا.... جب وہ ان کے نزدیک سے
گزرنے لگے تو رک گئے.... استاد نے نظر بھر کر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ لوگ مسافر ہیں"۔

"ہاں جناب!" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"آپ کسی اور.... مگر نہیں.... آج تو پورا شہر خالی ہونے کو
ہے.... کسی ہوٹل میں لوگ نہیں ملیں گے.... آپ کیسے آ گئے یہاں....
لوگ تو یہاں سے بھاگ رہے ہیں"۔

"ہم آنے پر مجبور تھے"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مجبوری تھی.... کیا ٹنڈا کے غائب ہونے کی خبریں آپ
لوگوں تک نہیں پہنچیں"۔

"یہی خبر تو ہمارے یہاں آنے کا سبب بنی ہے"۔

"کیا مطلب؟" استاد نے چونک کر کہا۔

"پہلے آپ بتائیں.... یہ یہاں کیا ہنگامہ ہو رہا ہے.... اور
یہاں.... اور اب آپ لوگ یہ اتنے بڑے بڑے خنجر کیوں اٹھائے
ہوئے یہاں آئے ہیں"۔

"ہمارے ساتھیوں کو یہاں ایک شخص نے مارا پیٹا ہے.... ہم

اس سے بدلہ لینے کے لیے آئے ہیں"۔

"لیکن کیوں مارا گیا ہے۔۔۔ ان کا قصور کیا تھا"۔

"کوئی بات نہیں تھی۔۔۔ بس بلاوجہ جھگڑا کر بیٹھا وہ شخص
اب اس شہر میں گھوڈادا کے علاوہ چلتی کس کی ہے کہ اس کے خلاف
کوئی بیٹھ دے۔۔۔ لہٰذا بدلہ نہ لیا تو گھوڈادا کا رعب خاک میں مل
گا اور اس شخص کی دھاک بیٹھ جائے گی۔۔۔ یہ ہے مسئلہ"۔

"تو آپ لوگ گھوڈادا کے آدمی ہیں۔۔۔ وہ باس ہے آپ کا"

"ہاں بالکل"۔ استاد نے فوراً کہا۔

"اچھا! لیکن اس طرح کسی کو انتقام کا نشانہ بنانا تو غلط
ہے۔۔۔ اگر کسی نے آپ لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے تو آپ
کی مدد لیں"۔

"قانون تو خود گھوڈادا سے مدد مانگتا رہتا ہے"۔ استاد ہنسا۔

"کیا مطلب؟"

"جب شہر میں کوئی واردات ہو جاتی ہے نا۔۔۔ اور مجرم
جاتا تو وہ گھوڈادا سے درخواست کرتے ہیں۔۔۔ پھر گھوڈادا مجرم
قانون کے حوالے کرتے ہیں اور قانون ان کا شکریہ ادا کرتا ہے"

"لیکن یہ گھوڈادا کرتا کیا ہے؟"

"اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اس کے کارند
ہیں۔۔۔ کوئی شخص کسی پر ظلم کرتا ہے۔۔۔ زیادتی کرتا ہے۔

جھپا لیتا ہے۔۔۔ تو مظلوم گھوڈادا کے پاس جاتا ہے۔۔۔ اور گھوڈادا اپنی
فیس لے کر اسے ظلم سے نجات دلا دیتا ہے۔۔۔ وہ ظالم کو اپنے ہاتھ سے
سزا دیتا ہے"۔

"اگر یہ کام ٹھیک لگتا ہے۔۔۔ لیکن پھر بھی یہ قانون کو اپنے
ہاتھ میں لینا ہے اور اس کا یہ بھی بڑا اثر ہوتا ہو گا کہ قانون کے محافظ
اس شہر میں بے اثر ہو کر رہ گئے ہوں گے۔۔۔ لیکن اب ہم یہاں آ گئے
ہیں۔۔۔ ضرور اس نظام کو بدلیں گے"۔

"اور تم لوگ کون ہو؟" استاد نے طنزیہ انداز میں کہا۔

عین اس لمحے اوپر سے ایک خوف ناک آواز سنائی دی۔

☆○☆

جنگلی صاحب

"کیا بات ہے۔۔۔ آپ اس طرح کیوں چلا رہے ہیں۔۔۔ اس
شخص نے بھی تو کئی آدمیوں کو زخمی کیا تھا۔۔۔ اور ہم نے اس کے دو
چار ہاتھ جمائے تو کون سی قیامت آ گئی"۔

"آپ نہیں جانتے"۔ کلرک نے جھلا کر کہا۔

"کیا نہیں جانتے۔۔۔ جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گے۔۔۔ اس
وقت تک ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ ہم کیا نہیں جانتے"۔ آفتاب
نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"توبہ ہے تم سے"۔ شوکی نے تلملا کر کہا۔

"مجھ سے کیوں۔۔۔ اپنے اللہ سے توبہ کرو"۔ آفتاب نے ہنس
کر کہا۔

"اگر یہ شخص واقعی باجوہ ہے۔۔۔ جیسا کہ وہ لوگ اسے پکار رہے
تھے۔ تب ہوٹل کی مصیبت آ جائے گی۔۔۔ باجوہ اس گروہ کے ایک
طوفان کا نام تھا۔ جب سے یہ غائب ہوا۔۔۔ گروہ کی وہ شان وہ رعب
نہیں رہ گیا۔ لیکن پھر بھی گھوڈادا کی وجہ سے بھرم قائم ہے۔۔۔ جس

دن وہ مر گیا۔ گروہ ختم ہے"۔

"ارے تو ہو جائے ختم۔۔۔ ہماری بلا سے۔۔۔ ہم کوئی اس گروہ کی
حفاظت کرنے آئے ہیں۔۔۔ آپ تو بس اس وقت اس شخص کی بات
کریں۔۔۔ ویسے مسئلہ چٹکیوں میں حل ہو سکتا ہے۔۔۔ اگر آپ ایک عدد
رسی ہمیں لا دیں"۔ شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"رسی۔۔۔ لیکن رسی کا آپ کیا کریں گے؟" جنگلی نے حیران ہو
کر کہا۔

"ارے میاں جاؤ۔۔۔ تم بھی عقل سے پیدل لگتے ہو۔۔۔ رسی ہو
گی تو ہم اسے باندھ لیں گے اور اگر ہم اسے باندھ لیں گے تو یہ ہوش
میں آنے کے بعد ہمارے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا' جیسا کہ مسٹر
کلرک کہہ رہے ہیں۔۔۔ کہ یہ طوفان کھڑا کر دے گا۔۔۔ حالانکہ میں
سمجھتا ہوں۔۔۔ طوفان تو ویسے بھی کھڑا نہیں کیا جا سکتا"۔

"کیا مطلب۔۔۔ طوفان کیسے کھڑا نہیں کیا جا سکتا؟" آفتاب نے
حیران ہو کر کہا۔

"نہیں وہ طوفان ہی کیا جو کھڑا ہو جائے۔۔۔ ذرا سوچو۔۔۔ طوفان جو
ہوتا ہے۔۔۔ وہ تو اڑتا ہے۔۔۔ اس کی تو ہمیشہ رفتار بتائی جاتی ہے۔۔۔ کہ
آج طوفان اتنی رفتار سے آئے گا۔۔۔ یا کل کے طوفان کی رفتار اتنی
تھی"۔ جنگلی نے روانی کے عالم میں کہا۔

"ہائیں ہائیں۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ ہم تو آپ کو جنگلی خیال کر رہے

ہیں۔۔۔ اور آپ ہیں کہ شہری ثابت ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اگر
تھوڑی دیر اور یہی حالت رہی تو آپ تو پورے شہری ثابت ہو جائیں
گے"۔

"چلیے۔۔۔ آپ کا اس میں کیا نقصان ہو جائے گا"۔ وہ مسکرایا پھر
چونک کر بولا۔

"ویسے اگر آپ کو رسی کی ضرورت ہے۔۔۔ اور آپ ضرور ہی
اسے باندھنا چاہتے ہیں تو رسی تو میں اپنے بیگ میں سے نکال کر دے
سکتا ہوں۔۔۔ ویسے اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ ہوش میں آ کر بھی کچھ
نہیں کر سکے گا۔۔۔ پتا نہیں یہ طوفان کس طرح کا تھا"۔

"آپ لوگوں نے اس کے دائیں کندھے سے کپڑا ہٹا کر دیکھا"۔
کلرک نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"آپ بھی کچھ کریں نا۔۔۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے کھڑے ہیں"۔

"اوہ ہاں اچھا۔۔۔ نن نہیں۔۔۔ مم۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ آہ"۔

"یہ آپ نے کوئی جملہ بولا ہے یا حروف الگ الگ ادا کیے
ہیں"۔

"مم۔۔۔ میں دیکھتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور کپڑا ہٹا دیا۔۔۔ پھر اس کے منہ سے
مارے خوف کے ایک چیخ نکل گئی۔

"ارے باپ رے۔۔۔ قتل کا نشان تو موجود ہے۔۔۔ اس کا منہ

ہے۔ وہ بلا وہی ہے۔۔۔ اب آئے گی مصیبت"۔ اس نے تھر تھر کانپتے
ہوئے کہا۔

"نہیں آئے گی۔۔۔ ہم سے وہ پہلے ہی ملاقات کر چکی ہے۔۔۔ کہہ
رہی تھی۔۔۔ اس کا یہاں آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے"۔ آفتاب نے
جلدی جلدی کہا۔

"کک۔۔۔ کون۔۔۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں"۔ کلرک
ہکلایا۔

"اس کی۔۔۔ جس کا آپ ذکر کر رہے ہیں۔۔۔ یعنی مصیبت کی"۔

"وہ تو آ کر رہے گی۔۔۔ کیونکہ اس نے نگودادا کے آدمیوں کو مارا
ہے۔۔۔ اب وہ اس سے بدلہ لینے آئیں گے اور یہ ان کے لیے تیز
چھری ثابت ہو گا۔۔۔ اس لیے کہ نگودادا کے گروہ میں باجوہ سے بڑھ کر
لڑاکا کوئی نہیں ہو سکتا۔۔۔ اس سے وہ سب ڈرتے ہیں۔۔۔ یہاں تک کہ
نگودادا بھی ڈرتا ہے۔۔۔ وہ تو یوں بھی بوڑھا ہو گیا ہے"۔

"اچھا اب یہ اپنا لمبا چوڑا لیکچر بند کریں۔۔۔ بہت سن لی۔۔۔ باجوہ
کی تعریف۔۔۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ ہمارے اس انجانے دوست
نے اس کو ایک ہاتھ بھی رسید نہیں کیا اور یہ بے ہوش ہو گیا ہے۔۔۔
اگر کہیں یہ ہاتھ رسید کر دیتے تو۔۔۔ تو کیا ہوتا"۔ آفتاب بولا۔

"اس کا بھرتہ بن گیا ہوتا"۔

"یہ صاحب۔۔۔ ہاتھ پیر کے مضبوط تو لگتے ہیں۔۔۔ لیکن اتنے بھی

نہیں۔۔۔ کہ باجوہ کو ہرا سکیں۔۔۔ اتفاق سے یہ چوٹ کھا گیا ہو گا"۔

"خیر۔۔۔ اب اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کریں۔۔۔ اور پھر
میں اسے رسی سے باندھنے کی اجازت نہیں دوں گا"۔ اس نے بہن
کہا۔

اچانک باجوہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ اس کا چہرہ حد درجے خوف
ناک لگ رہا تھا۔

"نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ نہیں چھوڑوں گا"۔ وہ غرایا۔

"کس کی بات کر رہے ہیں بھائی صاحب"۔

"میں ہی باجوہ ہوں۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ میں نے کیا کہہ دیا"۔ اچانک
وہ سہم گیا۔۔۔ اس نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔۔۔ پھر بولا۔

"خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ ابھی یہاں یہ بات صرف ان لوگوں
سنی ہے۔۔۔ اور ان کی تو میں ابھی ایسی کی تیسی کر کے دکھاتا ہوں"۔

"کیوں۔۔۔ کیا تم اس بات سے ڈرتے ہو۔۔۔ کہ نگودادا
تمہارے بارے میں معلوم ہو جائے"۔

"نگودادا کی ایسی کی تیسی۔۔۔ وہ ہے کیا چیز"۔

"تب پھر تم کس سے خوف زدہ ہو"۔ شوکی نے فوراً پوچھا۔

"ارے۔۔۔ خبردار۔۔۔ اپنے کام سے کام رکھو۔۔۔ اور وہ سور
ہے۔۔۔ جس نے مجھ سے ٹکر لی تھی"۔

"میں سور نہیں۔۔۔ ایک عام انسان ہوں"۔ جنگلی مسکرایا۔

حیرت ہے۔۔۔ یہ صاحب تو اب کسی طرح بھی جنگلی نہیں لگ
رہے"۔

"جنگلی ہو گے تم خود۔۔۔ میں سو فیصد شہری ہوں"۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟"

ایک آواز نے انہیں چونکا دیا۔۔۔ پھر انہوں نے دروازے کی
طرف دیکھا۔۔۔ اور اچانک وہاں ارے ارے کی آوازیں گونجیں۔۔۔ پھر
السلام علیکم کی آوازیں بھی سنائی دیں۔

"کیا یہ واقعی آپ لوگ ہیں؟" شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

"نہیں۔۔۔ ہم جھوٹ موٹ یہاں موجود ہیں"۔ فاروق کی آواز
آئی۔

"وہ مارا"۔ آفتاب اچھلا۔

"جب تک یہ معلوم نہیں ہو جاتی۔۔۔ کیا مارا۔۔۔ ہم اندر داخل
نہیں ہوں گے"۔ محمود نے جل کر کہا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی"۔ اشفاق بولا۔

"مطلب یہ کہ۔۔۔ یہاں کیا ہو رہا ہے۔۔۔ یہ صاحب زخمی کیوں
نظر آ رہے ہیں"۔

"یہ ہم لوگوں کو زخمی کرنے کے چکر میں تھے۔۔۔ اللہ نے جنگلی
صاحب کے ہاتھوں خود انہیں زخمی کروا دیا"۔

"کیا کہا۔۔۔ جنگلی صاحب۔۔۔ ارے بھئی۔۔۔ تم نے اب تک اپنے

انکل منور علی خان کو نہیں پہچانا"۔

"ارے!" وہ پانچوں بری طرح اچھلے۔۔۔ پھر شوکی نے فوراً کہا۔

"مجھے خیال ضرور گزرا تھا۔۔۔ اور میں نے ان سے سوالات شروع کیے تھے۔۔۔ لیکن پھر یہ ٹھک پڑے"۔ شوکی نے باجوہ کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کون ہے۔۔۔ جلدی جلدی بتائیں۔۔۔ اس لیے کہ اوپر بجرنے والے یہاں آ چکے ہیں اور نیچے موجود ہیں۔۔۔ لیکن وہ اوپر آنا چاہتے۔۔۔ ان کا مطالبہ ہے۔۔۔ ان زخمی صاحب کو نیچے لے جایا جائے۔۔۔ اور یہ وعدہ انہوں نے ہم سے لیا ہے"۔

"کیا مطلب۔۔۔ آپ سے وعدہ لیا ہے۔۔۔ یہ آپ نے دینے کا کاروبار کب سے شروع کر دیا ہے"۔ آفتاب نے حیران کہا۔

"حد ہو گئی۔۔۔ ارے بھئی۔۔۔ موقع سنجیدگی کا ہے"۔ شوکی نے اسے گھورا۔

"نہیں شوکی۔۔۔ اسے نہ روکو"۔ منور علی خان نے ہاتھ اپنا کام بھی کرنا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔ ساتھ ہی مسکرائے بھی۔

"واہ! اسے کہتے ہیں کھلی چھٹی۔۔۔ جو ہمیں بہت مشکل آتی ہے"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"تو مجھ سے لے لیں"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

"کک۔۔۔ کیا؟" فاروق چونک اٹھا۔

"کھلی چھٹی اور کیا۔۔۔ ابھی ابھی جو مجھے ملی ہے۔۔۔ وہ میں آپ کو دیے دیتا ہوں"۔

"بھئی واہ۔۔۔ آج تو آفتاب حاتم طائی کی قبر پر لات مارنے پر تل گیا ہے"۔

"کک۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ لات مارنے پر۔۔۔ وہ بھی حاتم طائی کی قبر پر۔۔۔ بھائی کیوں مذاق کرتے ہیں۔۔۔ کہاں میں۔۔۔ کہاں حاتم طائی کی قبر۔۔۔ میرے خیال میں کم از کم ہمارے ملک میں تو ہو گی نہیں"۔

"کیا چیز"۔ منور علی خان نے چونک کر پوچھا۔

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ یعنی کہ حاتم طائی کی قبر"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ وہ۔۔۔ ارے۔۔۔ ہاہا"۔ منور علی خان ہنسنے لگے۔

"یہ آپ واقعی ہنس رہے ہیں۔۔۔ یا ہنسنے کی ایکٹنگ کر رہے

"یار بند کرو۔۔۔ پہلے اس معاملے سے نبٹ لیا جائے۔۔۔ پھر ہمیں

کرنا ہے یہیں"۔

"بھئی جلدی سے مختصر کر کے بات بتا دو۔۔۔ تاکہ ہم کسی نتیجے پہنچ سکیں"۔ انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ویسے تو آج کل کسی نتیجے پر پہنچنا بھی کسی مجرم کے ہاتھ پہنچنے سے کم مشکل نہیں"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"اوٹ پٹانگ بات ضرور کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے گھورا۔

"ہم۔۔۔ معافی چاہتا ہوں۔۔۔ بھول گیا تھا۔۔۔ ہاں تو شوکی۔۔۔ جلدی کرو"۔

شوکی نے جلدی جلدی ساری بات کہہ ڈالی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ مسٹر باجوہ۔۔۔ اب آپ ہمارے ساتھ چلیں۔۔۔ گھوڑا کے لوگ ہال میں موجود ہیں اور تم سے ملنا چاہتے ہیں"۔

"اگر میں زخمی نہ ہو گیا ہوتا تو بتاتا انہیں راستہ۔۔۔ یہ بھی عجیب ہیں۔۔۔ پتا نہیں انہوں نے مجھ سے کس طرح یوں لگتا تھا جیسے میں اندھا ہو گیا ہوں اور کچھ بھلائی نہیں ہو"۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم ان سے نبٹ لیں گے۔۔۔ تم ہو کر ہمارے ساتھ چلیں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ آپ لوگ عجیب و غریب لوگ ہیں۔۔۔ آپ کی باتوں پر اعتبار کرنے کو دل کرتا ہے۔۔۔ جب کہ میں نے کبھی کسی کی بات پر اعتبار نہیں کیا"

"آئیں۔۔۔ آئیں"۔ انہوں نے ہاتھ ہلایا۔

"پھر وہ سب نیچے آ گئے۔۔۔ گھوڑا کے ساتھی تو ان کے ساتھ ہی اوپر آنے کو تلے ہوئے تھے۔۔۔ لیکن انسپکٹر جمشید نے منت سماجت کر کے انہیں روکا تھا۔۔۔ وہ بھی اس شرط پر کہ یہ لوگ اسے نیچے لے آئیں گے۔

وہ اس کے ساتھ نیچے پہنچے۔۔۔ گھوڑا کے آدمی اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"باجوہ! تمہیں ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا"۔

"کہاں؟" اس نے کہا۔

"گھوڑا کے پاس۔۔۔ وہی تمہارا فیصلہ کریں گے۔۔۔ تم پندرہ سال کہاں رہے"۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے"۔

"لیکن۔۔۔ گھوڑا کا اصول ہے کہ اس کے گروہ کے کسی آدمی کا کوئی ذاتی معاملہ نہیں ہوتا۔۔۔ اور اس کا یہ اصول تم اچھی طرح جانتے ہو"۔

"ہاں جانتا ہوں۔۔۔ لیکن میں نے اس اصول کو ماننے سے پندرہ

سال پہلے انکار کر دیا تھا اور اسی لیے میں گروہ سے الگ ہو گیا تھا۔
"پھر تم کہاں رہے۔ الگ ہو کر"۔
"یہ بھی میرا ذاتی معاملہ ہے"۔
"تب تو ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اب تم
"۔۔۔ تم کچھ نہیں کر سکو گے۔۔۔ لل۔۔۔ لیکن تم زخمی کس طرح
گئے"۔ استاد کی آواز سنائی دی۔
"اس شخص کی مہربانی سے"۔ اس نے منور علی خان کی
اشارہ کیا۔
"بہت خوب! تب تو یہ ہماری طرف کے آدمی ہوئے"۔
"پتا نہیں۔۔۔ یہ تو مجھے اپنی طرف کے آدمی بھی نہیں
باجوہ نے برا سا منہ بنایا۔
"بالکل درست کہا۔۔۔ بلکہ بہت کام کی بات کہی۔۔۔
طرف کے آدمی بھی نہیں لگتے۔۔۔ واہ۔۔۔ شاندار۔۔۔ یار باجوہ
تمہیں تو شاعر ہونا چاہیے تھا۔۔۔ اور تم نثر نگار بھی نہ بنے
تیرے کی"۔ محمود نے جلدی جلدی کہا۔
"ہم یہاں تم لوگوں کی باتیں سننے نہیں آئے۔۔۔ زیادہ
اتنا وقت ہے۔۔۔ چلو باجوہ۔۔۔ ہمارے ساتھ"۔
"یہ آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جائیں گے۔
کہیں۔۔۔ خود یہاں آ کر ان سے معاملہ طے کر لیں"۔

"ہاں کہا۔ محمود اور یہاں آئیں۔۔۔ اس شہر میں اجنبی ہو۔۔۔ ورنہ
یہ بات بھی نہ کہتے"۔
"نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں"۔ فاروق نے برا سا منہ
بنایا۔
"کیسی بات نہیں"۔ استاد نے جھلا کر کہا۔
"ہم پھر بھی یہی بات کہتے۔۔۔ اب تک ہم محمود اور کے بارے میں
بہت کچھ جان چکے ہیں"۔
"اچھی بات ہے۔۔۔ پہلے ہم تم سے حساب کتاب کر لیتے ہیں"۔
"آؤ آؤ"۔
جونہی وہ حملہ آور ہوئے۔۔۔ ڈھیر ہو گئے۔۔۔ ان کے مقابلہ
میں بھلا وہ کب ٹکتے۔۔۔ کلرک اور باجوہ کی آنکھیں مارے حیرت کے
پھیل گئیں۔
"آپ۔۔۔ آپ لوگ آخر ہیں کیا؟"
"کبھی انسپکٹر جمشید کا نام سنا ہے"۔ منور علی خان مسکرائے۔
"ارے! یہ کیا کیا منور علی خان۔۔۔ یہ بتانے کی کیا ضرورت
تھی"۔
"ہائیں۔۔۔ اف مالک۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔ تت۔۔۔ تو۔۔۔ تو
آپ جنسپکٹر امشید ہیں"۔ کلرک چلا اٹھا۔
"کیا۔۔۔ کیا۔۔۔ جنسپکٹر امشید۔۔۔ بھئی بہت خوب۔۔۔ یہ نام زندگی

میں پہلی بار سن رہے ہیں۔۔۔ پھر بھی جانا پہچانا سا لگتا ہے"۔ فاروق نے
خوش ہو کر کہا۔
"ہم۔۔۔ معافی چاہتا ہوں"۔ کلرک نے گھبرا کر کہا۔
"معاف کیا۔۔۔ بالکل معاف کیا۔۔۔ اس میں معافی مانگنے والی کوئی
بات ہے بھی نہیں"۔
"اب ان لوگوں کو باندھ کر ڈال دو۔۔۔ جب محمود اور آئے گا۔۔۔ تو
دیکھا جائے گا۔۔۔ اور اب ہم اوپر چلتے ہیں۔۔۔ کمرے میں بیٹھ کر بات
چیت کریں گے"۔ انہوں نے جلدی جلدی کہا۔
وہ اوپر آ گئے۔۔۔ لوٹنے والوں کو باندھ دیا گیا۔
"ہاں تو مسٹر باجوہ۔۔۔ میں آپ سے صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔۔۔
آپ چودہ سال کہاں رہے؟"

☆○☆

رابیں

انہوں نے دیکھا۔۔۔ فرحت کے ہاتھ میں ایک عدد پستول چمک رہا
تھا۔
"جی ہاں! یہ صاحب اسی کو نکالنے کے چکر میں تھے"۔
"ہاتھ اوپر اٹھا دیں شاکر صاحب۔۔۔ اور سچ اگل دیں۔۔۔ ورنہ پھر
جب ہم سچ اگلوائیں گے تو اس وقت تمہارا رواں رواں بولنے پر تیار ہو
جائے گا۔۔۔ تم نے اس مشین میں ہیرا کیوں رکھا تھا"۔
"یہ۔۔۔ یہ ہیرا۔۔۔ ہیرا نہیں ہے"۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔
"یہ اندازہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔۔۔ آپ کوئی اضافہ کریں"۔
فرحت نے برا سا منہ بنایا۔
"اور میں کیا بتاؤں"
"آپ کو ہیرا کس نے دیا تھا؟"
"نہیں بتا سکتا"۔ اس نے کندھے اچکائے۔
"اچھا۔۔۔ جو تم بتا سکتے ہو۔۔۔ وہ بتا دو"۔ آفتاب نے دانت
نکالے۔

"وہی تو بتا رہا ہوں... کچھ نہیں بتا سکتا"۔ اس نے بھی
میں دانت لگا لیے۔

"بہت خوب! یہ ہوا جواب... جواب ہو تو ایسا"۔ انسپکٹر
مرزا بولے۔

"اگر جواب ہو تو ایسا تو سوال ہے تو کیسا اکل"۔
مسکرایا۔

"چپ رہو... مجھے اس سے بات کرنے دو... دیکھو
تم ہمیں صرف اس شخص کا نام وغیرہ بتا دو... جس نے ہیرا
تھا... تو ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔

"افسوس! نہیں بتا سکتا... میں نہیں جانتا' وہ کون ہے البتہ
"البتہ کیا؟" انسپکٹر کامران مرزا جلدی سے بولے۔

"البتہ وہ آج مجھ سے ہوٹل مون لائٹ میں ملاقات کر
کمرہ نمبر ۲۰۹ میں ٹھیک چار بجے شام"۔

"لیکن کس سلسلے میں؟"

"اسی ہیرے کے سلسلے میں اور اسے مجھ سے کچھ اور
ہے' معاوضے کی باقی رقم بھی ادا کرے گا... پہلے اس نے خود
نہیں کی تھی... اپنا ایک کارندہ بھیجا تھا... جس نے وہ ہیرا مجھ
اور ہدایت کی تھی کہ یہ ہیرا تجربہ گاہ کے کسی بھی آلے میں
جائے... صرف اتنے سے کام کے مجھے ۵۰ ہزار ملیں گے... ا
تھا"۔

میں آ گیا"۔

"ہوں خیر... تم آج پروگرام کے مطابق اس سے ملاقات کرو
ہے... باقی ہم دیکھ لیں گے"۔

"اور مجھے کرنا کیا ہو گا؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"کچھ بھی نہیں... جو وہ کہے... سن لینا اور مان لینا"۔

"بہت بہتر"۔ اس نے فوراً کہا۔

اور پھر اس روز انہوں نے ہوٹل مون لائٹ میں کمرہ نمبر ۲۰۸
ایک کرا لیا... انہوں نے اس کمرے میں اور کمرہ نمبر ۲۰۹ میں آلات کا
جال بچھا دیا... اب وہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر ہر بات صاف سن سکتے
تھے۔

چار بجنے میں پانچ منٹ پر کمرے کا دروازہ کھلنے کی آواز انہوں
نے سنی... پھر کمرے میں قدموں کی آواز اور کرسی وغیرہ گھسیٹنے کی
آوازیں سنائی دیں... اور پھر ٹھیک چار بجے دروازے پر دستک ہوئی۔

"یس... اندر آ جائیں"۔ اندر سے آواز ابھری۔

دروازہ کھلا اور انہوں نے شاکر کی آواز سنی۔

"میں شاکر ہوں... آپ نے مجھے یہاں بلایا ہے"۔

"ہاں! میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں... تم پروفیسر سجاد عرفانی
کے اسسٹنٹ ہو... اور میں نے اپنے ایک کارکن کے ہاتھ ایک ہیرا دیا

"بالکل ٹھیک... لیکن اب آپ نے مجھے یہاں کیوں بلایا ہے"۔

"وہ تو صرف ایک آزمائش تھی... وہ ہیرا جعلی تھا... میں
صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میرے لیے کام کر سکتے ہو یا نہیں... سو
نے وہ کام پچاس ہزار میں کرنا منظور کر لیا... لیکن اصل کام اب شروع
ہوتا ہے... پہلے تو یہ اپنے پچیس ہزار لے لو... پچیس ہزار تمہیں پہ
ادا کر دیے گئے تھے"۔

"جی ہاں! شکریہ"۔ شاکر کی آواز لہرائی۔

"اب نیا کام سنو"۔

"ایک منٹ... پہلے آپ یہ بتائیں... پروفیسر سجاد عرفانی کی
گاہ کے آلات جام کیوں ہو گئے ہیں' وہ کام کیوں نہیں کرتے"۔

"ایسی باتیں نہ پوچھو... جن کے جوابات کسی کو نہیں دیے
سکتے... اپنے کام سے کام رکھو... بہت پیسے کما لو گے"۔

"اچھی بات ہے... اب مجھے کیا کرنا ہو گا"۔

"پروفیسر سجاد عرفانی کو قتل کر دو... اس کی جگہ نیا پروفیسر
عرفانی آ جائے گا... تمہیں اصل والے کو قتل کر کے ٹھکانے لگا
گا... باقی کام ہم سنبھال لیں گے... نقلی سجاد عرفانی اصل کی
گا... اور باقی ملازمین کو بھی ایک ایک کر کے صاف کر دیں گے
گا... اور باقی ملازمین کو بھی ایک ایک کر کے صاف کر دیں گے"۔

"نن... نہیں... میں اتنا خوفناک جرم نہیں کر سکتا"۔
تھر تھر کانپتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں کر سکتے... کیا تم نے ہیرا رکھنے کا سودا نہیں کیا
تھا"۔

"وہ جرم اور طرح کا تھا... اس میں کسی کی جان نہیں لی گئی
تھی"۔

"لیکن اب تو تمہیں یہ جرم کرنا ہو گا... ورنہ تمہارے اس
جرم کی تمام تصاویر بلکہ ایک ویڈیو فلم تک پولیس کو دے دی جائے گی
اور تمہیں غداری کی سزا موت سنائی جائے گی... کیونکہ تمہارے ملک
میں غداری کی سزا صرف موت ہے"۔

"نن نہیں... کک... کیا میں وہ تصاویر دیکھ سکتا ہوں"۔ شاکر
نے کانپ کر کہا۔

"کیوں نہیں... میں تصاویر ساتھ لایا ہوں... یہ لو"۔

چند تصاویر کے آپس میں سرسرانے کی آوازیں بھی انہیں سنائی
دیں... پھر شاکر بولا۔

"اف مالک! آپ تو میرا بیڑا غرق کرنے پر تل گئے"۔

"نہیں... اگر تم نے ہمارے احکامات پر عمل کیا... تو پھر تم
بالکل محفوظ رہو گے"۔

"اچھی بات ہے... لیکن میں نے ایسا کام کبھی نہیں کیا... مجھے
کوئی تجربہ نہیں' کہیں میں کام خراب نہ کر بیٹھوں"۔

"فکر نہ کرو... یہ لو زہر کی شیشی... پروفیسر سجاد عرفانی کے کسی

بھی کھانے پینے کی چیز میں ملا دینا۔ اتنا کام بھی کر سکو گے یا نہیں"۔

"ہاں یہ کر سکوں گا"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"بس تو پھر۔ باقی سب کو کسی بہانے چھٹی دلوا دینا۔ اس کے بعد تم زہر ملا دینا۔ ویسے میں خود بھی حالات معلوم کر لوں گا۔ فوراً ہی نقلی سجاد عرفانی وہاں آ جائے گا۔ اس کے بعد تمہارا کام ختم۔ تم چاہو تو اپنا معاوضہ لے کر ملک سے باہر چلے جانا۔ اپنے بیوی بچوں سمیت۔ یا یہیں رہتے رہنا۔ تم پر کوئی شک تو تب کرے گا نہ جب پرانے سجاد عرفانی کی موت کا کسی کو پتا چلے گا۔ پروفیسر دنیا میں اکیلا ہے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو گی ان ملازمین کو ان کے گھروں میں اس طرح ہلاک کیا جائے گا۔ کہ خودکشی کے کیس معلوم ہوں گے"۔

"لیکن پروفیسر سجاد عرفانی کی تجربہ گاہ کے سب لوگ خودکشی کریں گے تو پولیس کو گڑبڑ کا احساس تو ہو جائے گا"۔

"ٹھیک ہے۔ اس کا اس سے زیادہ اچھا علاج ہے۔ باہر نقلی پروفیسر سجاد عرفانی ان ماتحتوں کو ایک ایک کر کے ملازمت سے دے گا۔ ان کی جگہ نئے آدمی رکھ لیے جائیں گے۔ جو ماتحت ہوں گے"۔

"ہاں! یہ بہتر رہے گا۔ لیکن آپ چاہتے کیا ہیں۔ کے آلات تو آپ نے پہلے ہی جام کر دیئے ہیں۔ اب اس

کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"یہ باتیں تمہارے سمجھنے کی نہیں ہیں۔ نہ ان سے تمہارا کوئی تعلق ہے۔ بس تم صرف اتنا کرو۔ جس کا تمہیں کہا گیا ہے"۔

"اچھی بات ہے۔ لیکن ابھی تک آپ نے ایک بات نہیں بتائی"۔ شاکر بولا۔

"اور وہ کیا؟"

"میرا معاوضہ کیا ہو گا"۔

"اس سارے کام کے دس لاکھ روپے"۔

"دس لاکھ روپے۔ گویا آپ پروفیسر سجاد عرفانی کی زندگی کی قیمت دس لاکھ لگا رہے ہیں۔ ایک اس قدر قیمتی آدمی کی"۔

"اچھا۔ بیس لاکھ لے لینا"۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔ دس لاکھ روپے"۔ شاکر نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"او کے۔ یہ لو دس لاکھ۔ میں جانتا تھا۔ تم بیس لاکھ سے کم میں نہیں مانو گے۔ لیکن یہاں گننے کی ضرورت نہیں۔ گھر میں گنتے رہنا"۔

"او کے سر"۔

اور پھر شاکر کے باہر آتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ وہ اس سے پہلے باہر آ چکے تھے۔ شاکر کو اشارہ کیا گیا۔ وہ فوراً ہاتھ اٹھا کر

کھڑا ہو گیا۔ دونوں کا ریوالور کیس کرنے کی آواز کمرے کے اندر سناٹا تو اس نامعلوم آدمی نے فوراً کہا۔

"کیا ہوا شاکر؟"

"سس۔ سر"۔ شاکر نے ہکلانے کی آواز منہ سے نکالی۔

دروازہ کھلا اور ایک نقاب پوش شخص نظر آیا۔ لیکن باہر کا منظر دیکھ کر وہ دھک سے رہ گیا۔ شاید اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔

"ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ تمہارا کھیل ختم ہو گیا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"تت تم۔ تم کون ہو"۔

"خادم کو انسپکٹر کامران مرزا کہتے ہیں"۔

"کیا۔ نہیں"۔

وہ پوری قوت سے چلایا اور پھر تڑ سے گرا۔ انہوں نے دیکھا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ اسے جکڑ لیا گیا۔ پھر ہیڈ کوارٹر لایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ہوش میں آ گیا۔ اس نے خود کو شکنجے میں کسا ہوا پایا۔

"یہ۔ یہ کیا۔ مجھے کیوں باندھا گیا ہے"۔

"تو۔ یہ پوچھ رہے ہیں۔ انہیں کیوں باندھا گیا ہے"۔ انہوں نے مسکرایا۔

"شاکر کو اس کے سامنے لایا جائے"۔

"شاکر۔ کون شاکر۔ میں کسی شاکر کو نہیں جانتا"۔

شاکر کو اس کے سامنے لا کھڑا کیا گیا۔

"ہاں شاکر شروع ہو جاؤ۔ میرا تمہیں اسی سے ملنا تھا"۔

"ہاں سر"

"اس کے بعد اس نے تم سے ہوٹل مون لائٹ میں ملاقات کی۔ وہاں اس نے کہا کہ تم پروفیسر سجاد عرفانی کو زہر دے کر ہلاک کر دو۔ اس کے بعد وہاں کے ملازمین کو ہٹا دیا جائے گا۔ اور اس کام کے لیے اس نے تمہیں بیس لاکھ روپے دینے کا وعدہ کیا۔ دس لاکھ روپے ایڈوانس دیئے"۔

"یس سر"۔

"تم کیا کہتے ہو؟"

"میں اس شخص کو نہیں جانتا"۔ اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ یہ ریکارڈ کی گئی گفتگو سن لو"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

گفتگو سنائی گئی۔ اس پر اس نے کہا۔

"یہ آواز میری نہیں۔ میری آواز کی نقل کی گئی ہے"۔

"اچھی بات ہے۔ اب یہ ویڈیو فلم دیکھو"۔

کمرے میں ہونے والی کارروائی کی فلم چلا کر دکھائی گئی۔ اب تو

اس کے ہوش اڑ گئے۔ لیکن پھر اس نے چونک کر کہا۔

"فلم میں جو نقاب پوش نظر آ رہا ہے۔ وہ میں ہوں"۔

کے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ میں ہوں"۔

"ہاں! یہ بات کی ہے تم نے کام کی"۔

"مطلب یہ کہ آپ کے پاس میرے خلاف کوئی ثبوت نہیں"۔

ہاہاہا۔ پھر مجھے کیوں پکڑ رکھا ہے۔ چھوڑ دو مجھے"۔

"ارے بھئی۔ ہمیں یہ دیکھنے کا تو اختیار ہے نا کہ تم ہو

آخر ہم نے تمہیں مون لائٹ کے اس کمرے سے نکلتے ہوئے

ہے۔ اور یہ تم میرا نام سن کر بے ہوش کیوں ہو گئے تھے"۔

کامران مرزا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں

کیوں ہوتا بے ہوش۔ آپ کا نام سن کر۔ مجھے تو کسی نے

سے بے ہوش کیا گیا تھا"۔

"بہت خوب! سوال یہ ہے کیوں۔ ہماری تم سے کیا

کہ تمہیں بے ہوش کر دیا"۔

وہ ساکت رہ گیا۔ اس سوال کا اس کے پاس کوئی جواب

تھا۔

"پھنس گئے نا آخر۔ اس کا نقاب اتار دو بھئی"۔

پولیس والوں نے اس کا نقاب اتار دیا۔ ان کے

ی نا چہرہ تھا۔ انہوں نے اس شخص کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

یس والوں نے بھی نفی میں سر ہلا دیئے۔ یعنی وہ ان کے لیے بھی

ی تھا۔

"اپنے بارے میں بتا دو دوست۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ بہت

سلوک کریں گے"۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن پہلے

کھولا جائے"۔

"نہیں۔ اسی حالت میں بتاؤ"۔ انسپکٹر کامران مرزا سرد آواز

بولے۔

"سوری اس حالت میں کیسے بتا سکتا ہوں۔ مارے خوف کے

برا حال ہے"۔

"بٹن دبا دو۔ دیکھتے ہیں۔ یہ کیسے زبان نہیں کھولتا"۔

جونہی بٹن دبایا گیا۔ اس کی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ وہ

بولا۔

ٹھہرو۔ بتاتا ہوں۔ بٹن آف کر دو"۔

بٹن آف کر دیا گیا۔ چند لمحے تک وہ سانس لیتا رہا' پھر اس کے

ہلے۔

"پہلے مجھے اس شکنجے سے نکالیں"۔

نہیں۔ اسی حالت میں بتاؤ"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز

میں کہا۔

"سوری! میں اس حالت میں نہیں بتاؤں گا"۔

"بٹن پھر دبا دو"۔

"نن نہیں۔ نہیں۔ نہیں۔ ٹھہرو۔ بتاتا ہوں"۔

"ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔ میں جانتا ہوں تم شکنجے سے

چاہتے ہو"۔

"کیوں نکلنا چاہتا ہوں"۔ اس نے عجیب سے انداز میں

"تاکہ خودکشی کر سکو"۔

"وہ نہیں"۔ وہ دھک سے رہ گیا۔

لیکن اس شکنجے میں تم اتنی آسانی سے مر نہیں سکو گے

بتانا پڑے گا۔ یہ سب تم نے کیوں کیا۔ کون ہے وہ جو تم

مکمل قبضہ کرنا چاہتا ہے"۔

"اس کا نام راہیں ہے"۔

اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

☆○☆

پرانی حویلی

"افسوس! مجھے نہیں معلوم۔ میں پندرہ سال کہاں رہا۔ پندرہ سال پہلے کے واقعات دھندلے دھندلے سے ذہن میں ہیں۔ میں وہ بتا سکتا ہوں"۔

"چلو وہی بتا دو۔ لیکن اگر تم نے کچھ چھپانے کی کوشش کی تو پھر مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا"۔

"جانتا ہوں جناب"۔ وہ زبردستی مسکرایا۔

"کیا جانتے ہو؟" انسپکٹر جمشید غرائے۔

"یہ کہ آپ سے برا کوئی نہ ہو گا"۔

"فضول کی باتیں نہ کرو۔ ہاں شروع ہو جاؤ"۔

"اس روز۔ یعنی آج سے پندرہ سال پہلے محمود ادا نے مجھے اپنے پانچ ساتھیوں کے ساتھ ایک بہت بڑے گھر میں ڈاکا ڈالنے کا حکم دیا تھا۔ میں ان ساتھیوں کو لے کر رات کے بارہ بجے وہاں پہنچ گیا۔ گھنٹی بجائی تو ملازم نے بے دھڑک دروازہ کھول دیا۔ اس نے یہ بھی نہ پوچھا کہ باہر کون ہے۔ ہم نے اسے ایک رائفل کا بٹ مار کر بے

ہوش کر دیا اور آگے بڑھے... اندر وہ شخص اور اس کے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے... ایک رائفل والے کو ان کے سامنے کر دیا گیا... اور گھر کی قیمتی چیزیں جمع کرنا شروع کر دی گئیں... میں ہم نے ایک ہلکے سے دھماکے کی آواز سنی... ہم دوڑ کر اس کمرے میں آئے تو ہمارا ساتھی پڑا تڑپ رہا تھا... اچانک میرے باقی چار ساتھی بھی گرے اور تڑپنے لگے... میں دھک سے رہ گیا کہ گولی چلی... کوئی اور ہتھیار استعمال کیا گیا... اور میرے ساتھی گر کر تڑپنے لگے... میری نس اس وقت گم ہو گئی جب وہ چاروں بھی دم توڑ گئے۔

"اب تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے"۔ اس شخص نے عجیب سے عجیب لہجے میں کہا۔

"جو آپ فرمائیں"۔ میں نے اس طرح کہا جیسے میں اس کا غلام ہوں... اور سچ بات یہ ہے کہ میں نے اس وقت خود کو اس کا غلام ہی محسوس کیا تھا۔ میری بات سن کر اس نے کہا۔

"تم آج سے میرے غلام بن کر رہو گے... تمہیں کوئی اعتراض؟"

"اعتراض کیسا؟"

میں نے یہ الفاظ کہے... ان پر مجھے خود بھی حیرت ہوئی... میرے پانچوں ساتھیوں کی لاشیں ابھی تک جوں کی توں پڑی تھیں۔

"چلو ٹھیک ہے... تم پر مہربانی کرتا ہوں... تمہیں جان سے

نہیں مارتا... اب تم میرے لیے کام کرو گے"۔

"بس جناب مجھے صرف یہ باتیں یاد ہیں... اس کے بعد میں نے ان کے لیے کیا کیا... کچھ معلوم نہیں... یہ تو مجھے اب معلوم ہوا ہے کہ میں پندرہ سال غائب رہا ہوں... ویسے میں نے ان لوگوں کو پہچان لیا تھا کہ وہ گمودادا کے آدمی ہیں اور مجھے حیرت ہوئی تھی کہ یہ لوگ اچانک کہاں سے آ ٹپکے"۔

"مطلب یہ کہ تمہیں بالکل کچھ معلوم نہیں کہ تم پندرہ سال کہاں رہے"۔

"ہاں بالکل معلوم نہیں"۔

"لیکن تمہیں ایک بات ضرور یاد ہو گی"۔

"اور وہ کیا؟"

گمودادا نے ڈاکا کس گھر میں ڈالنے کا حکم دیا تھا... اس شخص کا نام کیا تھا"۔

"گمودادا نے مجھے ضرور بتایا تھا... اور ہم آسانی سے اس گھر تک پہنچ گئے تھے... لیکن اب یاد کرنے پر بھی مجھے یاد نہیں آتا کہ وہ کون تھا۔ اس کا کیا نام تھا... میں خود بہت زور لگا چکا ہوں... یہ بات یاد کرنے کے لیے"۔

"کک... کیا... کیا تم سچ کہہ رہے ہو... ادھر میری طرف دیکھ کر بات کرو"۔ انسپکٹر جمشید نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

اس نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ پھر سرسراتی آواز میں کہا۔

"ہاں! میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں... گمودادا ابھی اسی شہر موجود ہے... آپ اس سے کیوں معلوم نہیں کر لیتے"۔

"وہ تو خیر اب ہم کریں گے... ابھی ابھی تو تمہاری کہانی سن کر فارغ ہوئے ہیں... لیکن یہ کہانی میرے لیے بہت عجیب ہے... اب یہ تو اس آدمی نے تمہاری یادداشت غائب کر دی... یا تم پر ہپناٹزم کر دیا تھا... ورنہ پندرہ سال کی باتیں تم ضرور بتا سکتے... خیر... ہمیں اس آدمی کا نام معلوم کرنا ہے... جس کے گھر گمودادا نے بھیجا تھا... خیال ہے... ہمیں خود ہی گمودادا کے پاس جانا پڑے گا... پولیس تو اسے پکڑ کر لا نہیں سکے گی"۔

"بالکل جناب... یہی بات ہے"۔ کلرک نے فوراً کہا۔

"گمودادا ہمیں کہاں ملے گا؟"

"اپنے اڈے پر... وہ سلطان پورہ میں رہتا ہے"۔

"راستا سمجھا دیں"۔

اور پھر وہ گمودادا کے اڈے پر پہنچ گئے... وہاں کا منظر یہ تھا... ایک کھلے میدان میں بڑا سا پلنگ... جو کسی جن کا پلنگ ہو سکتا تھا' بچھا تھا... اس کے بیچوں بیچ ایک پہلوان نما آدمی بیٹھا تھا جس کے سامنے لوگ قطار بنائے کھڑے تھے... دائیں بائیں گمودادا کے مسلح

پہرے کھڑے تھے... گمودادا ان لوگوں کی فریادیں سن رہا تھا اور ساتھ ساتھ اپنے ایک آدمی کو ہدایات بھی جاری کر رہا تھا۔ اس کا وہ آدمی ہدایات کو نوٹ کر رہا تھا... جب ایک آدمی کے بارے میں بات لکھوا دی جاتی تو وہ لائن سے ہٹ جاتا... اور ایک درخت کے نیچے جا بیٹھتا' وہاں اور بہت لوگ بیٹھے تھے۔

لائن بہت لمبی تھی... لہٰذا وہ انتظار نہیں کر سکتے تھے... اس لیے بے دھڑک آگے بڑھے... لیکن فوراً ہی گمودادا کے آدمیوں نے رائفلیں تان لیں۔

"لائن میں آؤ"۔

"ہم لائن میں نہیں آ سکتے... اس لیے کہ ہم اپنے کسی ذاتی کام سے نہیں آئے"۔ انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

ان کی آواز سن کر گمودادا کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"یہ کون بولا؟" وہ گرجا۔

"میں بولا... ہمیں آپ سے فوری طور پر کچھ کہنا ہے"۔

"اور یہ جو اتنے لوگ تم سے پہلے کھڑے ہیں"۔ وہ غرایا۔

"ٹھیک ہے... کھڑے ہیں... لیکن یہ لوگ اپنے ذاتی کاموں کے لیے آئے ہیں' اگر میں آپ کے پاس اپنے کسی ذاتی کام سے آیا ہوتا تو پھر میں بھی لائن میں لگتا... لیکن میں سرکاری کام سے آیا ہوں' اس لیے آپ فوری طور پر مجھے وقت دیں"۔

"سرکاری کام۔۔۔ کیا مطلب؟"

"میں یہاں مطلب سمجھانے نہیں آیا۔۔۔ آپ میری بات سنیں۔۔۔ مجھے بتائیں آج سے۔۔۔"

"خاموش! میں ایک لفظ نہیں سن سکتا۔۔۔ لائن میں آنا ہو گا"۔

"ہم لائن میں نہیں آئیں گے"۔ انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"تمہارے تو اچھے بھی آئیں گے۔۔۔ تم ہو کیا چیز"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ اب جو ہو گا۔۔۔ اس کے ذمے دار آپ خود ہوں گے"۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا ہو گا۔۔۔ جس کا ذمے دار میں خود ہوں گا"۔

انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔۔۔ فوراً ہی چند فائر ہوئے اور گمودا کے آدمیوں کے ہاتھوں سے رائفلیں نکل گئیں۔۔۔ ان کی نالیں مڑ گئی تھیں۔

"ارے! یہ کیا۔۔۔ ایسے نشانے باز تو کبھی دیکھے نہ سنے۔۔۔ میرے گروہ میں ایسے لوگوں کو ہونا چاہیے۔۔۔ کیا تم لوگ گمودا کے گروہ میں شامل ہونا پسند کرو گے"۔

"ہم تو اس گروہ کا نام و نشان مٹانے کے لیے آئے ہیں۔۔۔ اب بھی بات سننے کے لیے تیار ہو یا نہیں"۔

"یہ اتنے سارے لوگ دیکھ رہے ہو"۔ گمودا نے درشت لہجے

میں پیچھے اور اپنے سامنے کھڑے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔

"بالکل دیکھ رہے ہیں"۔

"اگر میں انہیں اشارہ کر دوں تو یہ تمہیں کتوں کی طرح نوچ ڈالیں"۔

"آپ انہیں اشارہ کر کے بھی دیکھ لیں۔۔۔ لیکن ان کا خون بھی تمہاری گردن پر ہو گا۔۔۔ وہ دیکھو۔۔۔ آسمان کی طرف ایک سکہ اچھالا جا رہا ہے"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی ان کا ہاتھ مشینی انداز سے جیب کی طرف گیا اور سکہ اچھلتا ہوا اوپر اٹھتا نظر آیا۔۔۔ ساتھ ہی منور علی خان نے فائر کیا۔۔۔ گولی سکے کو لگی اور وہ غائب ہو گیا۔

سب لوگ سناٹے میں آ گئے۔

"گمودا۔۔۔ ہم سے ٹکر لینا تمہارے بس کا روگ نہیں۔۔۔ ہماری ٹیم کا تو صرف ایک بچہ تم سب کے لیے کافی ہو جائے گا۔۔۔ لہٰذا تم میری بات سن لو"۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ اب مقابلہ ہو گا۔۔۔ زندگی میں پہلی بار اس انداز سے کسی نے گمودا کو للکارا ہے"۔

"مقابلہ ہو گا تو خون بہے گا اور ہم بلاوجہ انسانی جانوں سے نہیں کھیلتے"۔

"تم ہو کون؟" گمودا نے قدرے سست پڑتے ہوئے کہا۔

"اس لیے بتا رہا ہوں تاکہ تم خون خرابے سے باز آ جاؤ۔۔۔ مجھے

انسپکٹر جمشید کہتے ہیں"۔

"اوہ نہیں۔۔۔ نہیں"۔ نہ صرف گمودا۔۔۔ بلکہ باقی سب لوگ بھی چلا اٹھے۔

"حیرت ہے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ آج یہاں میرے پاس انسپکٹر جمشید آئے اور میں پہچان نہ سکا"۔

وہ چھلانگ لگا کر پلنگ سے اتر آیا اور ان کی طرف لپکا۔۔۔ وہ پہلے ہی ہوشیار تھے۔

"خبردار۔۔۔ آگے نہ آنا۔۔۔ میں ایسی چالوں کو سمجھتا ہوں"۔

"یہ چالیں نہیں۔۔۔ آپ ان لوگوں سے پوچھ لیں۔۔۔ میں تو آپ کا نام لیتا نہیں تھکتا۔۔۔ آپ کا ذکر ان کے سامنے کرتا رہتا ہوں"۔

"اگر بات یہی ہے تو پھر تم نے یہ کون سا طریقہ اختیار کیا ہے۔۔۔ قانون کیوں اپنے ہاتھ میں لے لیا"۔

"پولیس کچھ نہیں کرتی تھی۔۔۔ بالکل نکمی تھی"۔

"اس کا بھی یہ مطلب نہیں کہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیا جائے۔۔۔ خیر میرا مشورہ مان لو۔۔۔ خود کو قانون کے حوالے کر دو۔۔۔ قانون تمہارے بارے میں ضرور نرم فیصلہ سنائے گا۔۔۔ اور اب میں پانچ آدمی دے کر بھیجا۔۔۔ لیکن وہ لوٹ کر نہیں آئے۔۔۔ ہم نے دو صرف اتنا بتا دو۔۔۔ کہ پندرہ سال پہلے تمہارے گروہ میں ایک شخص باجوہ شامل تھا"۔

"ارے! وہ لوگ اب تک باجوہ کو گرفتار کر کے نہیں لائے؟ کسی دشمن نے انہیں ٹھکانے لگا دیا ہے"۔

اس نے چلا کر کہا۔

"وہ نہیں لا سکیں گے"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"باجوہ میرے قبضے میں ہے۔۔۔ ہاں بتاؤ۔۔۔ پندرہ سال پہلے وہ تمہارے گروہ میں شامل تھا۔۔۔ پھر وہ غائب کیوں ہو گیا۔۔۔ کیسے ہو گیا"۔

"یہ ہمیں کیا معلوم۔۔۔ ہم نے تو اسے بہت تلاش کیا تھا۔۔۔ ہم خیال کرتے رہے کہ کسی دشمن نے اسے اور اس کے پانچ ساتھیوں کو ٹھکانے لگا دیا ہے اور لاشیں غائب کر دی ہیں"۔

"لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔۔۔ تم صرف یہ بتاؤ۔۔۔ اسے کس کے گھر ڈاکا ڈالنے کے لیے بھیجا گیا تھا"۔

"پروفیسر سیلانی کے ہاں۔۔۔ وہ ایک بے وقوف اور پاگل شخص تھا۔۔۔ لیکن میں نے سنا تھا۔۔۔ اس کے پاس اس کے باپ دادا کے زمانے کی بہت قیمتی چیزیں ہیں۔۔۔ وہ چیزیں اس کے باپ دادا کو کسی ہند بادشاہ نے دی تھیں۔۔۔ ان میں ہیرے جواہرات اور کچھ نادر عجائبات شامل تھے۔۔۔ ان سب چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے میں نے باجوہ کو بھیجا۔۔۔ لیکن وہ لوٹ کر نہیں آئے۔۔۔ ہم نے دو خیال قائم کیے تھے۔۔۔ ایک یہ کہ اس نے ڈاکا مارا اور ساتھیوں سمیت تمام چیزیں ہڑپ کرنے کے چکر میں غائب ہو گیا۔۔۔ دوسرا خیال یہ تھا کہ

"تب پھر۔۔۔ تم نے پروفیسر سیلانی کے گھر پناہ کر لی تھی"۔

"ہاں! میں نے سن گن لینے کے لیے ایک عورت کو نوکری کی
تلاش کے بہانے وہاں بھیجا تھا۔۔۔ وہ پروفیسر سے ملی تھی۔۔۔ اس نے اپنی
غربت کی کہانی سنا کر ملازمت مانگی تھی۔۔۔ اس سے۔۔۔ اور ساتھ ہی
اندازہ لگانے کی کوشش کی تھی کہ اس گھر میں چوری کی کوئی واردات
نہیں ہوئی۔۔۔ لیکن وہاں ایسے کوئی آثار اسے نظر نہیں آئے تھے۔
حالات بالکل معمول پر تھے۔۔۔ نہ پروفیسر نے پولیس میں کوئی رپورٹ
درج کرائی تھی۔۔۔ لہٰذا میں نے یہی خیال کیا تھا کہ باجوہ اور اس کے
ساتھی دراصل وہاں تک پہنچے ہی نہیں۔۔۔ کافی دنوں تک ہم انہیں
تلاش کرتے رہے۔۔۔ لیکن ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا"۔

"اور اب وہ باجوہ اس شہر میں موجود ہے"۔

"ہاں! میرے آدمیوں نے کسی ہوٹل میں اسے دیکھا ہے۔
اس سے لڑ پڑے تھے۔۔۔ میں نے اس کی گرفتاری کے لیے اور
بھیجے۔۔۔ لیکن وہ بھی اسے نہیں لا سکے۔۔۔ اب آپ کہہ رہے ہیں کہ
آپ کے قبضے میں ہے"۔

"ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ پروفیسر سیلانی کا پتا کیا ہے؟"

"وہ فرید ٹاؤن کے سرے پر ایک حویلی نما کوٹھی میں رہتا ہے۔
وہ حویلی بہت پرانی ہے۔۔۔ شاید اس کے دادا پردادا نے بنوائی ہو۔
آج کے دور میں ایسی حویلی بنوانا آسان کام نہیں"۔

"اس کے بعد بھی تم نے پروفیسر سیلانی کے گھر ڈاکا ڈلوایا"۔

"نہیں۔۔۔ میں تو پہلے ہی باجوہ کو یاد کرتا رہا۔۔۔ دراصل مجھے اس
سے بہت لگاؤ تھا۔۔۔ بیٹوں کی طرح محسوس ہوتا تھا۔۔۔ افسوس۔۔۔ اس
نے دھوکا دیا"۔

"لیکن میں نے اس کی کہانی سنی ہے۔۔۔ اس نے دھوکا نہیں
دیا۔۔۔ وہ خود پھنس گیا تھا"۔

"میں کہا۔۔۔ خود پھنس گیا تھا"۔

"ہاں! اگر تم چاہو تو میں اسے یہاں بلوا سکتا ہوں۔۔۔ یا اس کی
کہانی خود تمہیں سنا سکتا ہوں"۔

"آپ خود سنا دیں۔۔۔ اس سے بعد میں ملاقات کر لیں گے"۔
گودادا نے بے چینی سے کہا۔

انہوں نے اس کی کہانی سنا دی۔۔۔ گودادا کا مارے حیرت کے برا
حال ہو گیا۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ باجوہ پندرہ سال سے پروفیسر سیلانی کا غلام
ہے"۔

"یہ میں نے نہیں کہا۔۔۔ کیونکہ مجھے نہیں معلوم اس نے پندرہ
سال کس طرح گزار دیے"۔

"پروفیسر سیلانی کے الفاظ تو یہی ظاہر کرتے ہیں"۔

"ہاں! لیکن ذاتی طور پر مجھے نہیں معلوم"۔

"پھر اب میں کیا کر سکتا ہوں"۔

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ میں تم سے تو اس آدمی کا نام معلوم کرنے
آیا تھا۔۔۔ اب تم خود کو قانون کے حوالے کر دو۔۔۔ اسی میں تمہاری
بھلائی ہے۔۔۔ ورنہ اس کیس سے فارغ ہو کر میں تمہاری طرف
گا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ دیکھا جائے گا"۔

"ویسے میں چاہوں تو اسی وقت تمہیں گرفتار کرا سکتا ہوں۔۔۔
لیکن تم نیک کام کرتے رہے ہو۔۔۔ طریقہ غلط اختیار کیا ہے۔۔۔ اب میں
اجازت چاہوں گا"۔

وہ وہاں سے واپس روانہ ہوئے۔۔۔ گودادا اور وہاں موجود باقی
تمام لوگ اس طرح انہیں جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کسی
دوسری دنیا کی مخلوق ہوں۔

جلد ہی وہ ایک پرانی حویلی کے سامنے کھڑے تھے۔

☆○☆

بے چارہ شکریہ

"راجیں۔۔۔ کون راجیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے مارے حیرت
سے کہا۔

"میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔۔۔ صرف اتنا جانتا ہوں
کہ اس کا نام راجیں ہے"۔

"لیکن تم اس کے لیے کام کرنے پر کیوں مجبور ہو؟" انہوں نے
پوچھا۔

"وہ دوسروں کو غلام بنا لینے کا ماہر ہے۔۔۔ مدت ہوئی۔۔۔ اس نے
مجھے اپنا غلام بنا لیا تھا۔۔۔ پہلے میں ایک جرائم پیشہ تھا۔۔۔ چوریاں کیا کرتا
تھا۔ لوگوں کو اغوا کر کے ان کے رشتہ داروں سے رقمیں وصول کیا
کرتا تھا کہ ایک دن اس نے مجھے اغوا کرا لیا اور پھر اپنا غلام بنا لیا"۔

"لیکن کیسے۔۔۔ تم کیوں مجبور ہو گئے اس کے لیے کام کرنے
پر"۔

"پہلے اس نے مجھے اغوا کیا۔۔۔ پھر اپنی طاقت کا جلوہ دکھایا اور
آخر میں مجھ سے کہا۔۔۔ اب اگر میں فرار ہونا چاہتا ہوں تو خوشی سے

فرار ہو جاؤں... میں بھاگ نکلا... لیکن اس کے کارندوں نے مجھے
دبوچ لیا اور اس کے سامنے لا کھڑا کیا... وہ مجھے دیکھ کر مسکرایا...
اس نے کہا... ایک بار اور کوشش کر دیکھو"۔

میں ایک بار پھر بھاگ نکلا... کیونکہ بھاگتے وقت کوئی نہیں
تھا... ایک دن بعد جب میں اپنے خیال میں بہت دور جا چکا تھا...
جہاں اس کے آدمی نہیں پہنچ سکتے تھے... وہ پھر پہنچ گئے... اور مجھے
کر اس کے سامنے لے آئے... وہ طنزیہ ہنسی ہنسا اور بولا' ایک بار
کوشش کرو... میں نے ایک کوشش اور کی اور پھر بھاگ نکلا...
پھر پکڑا گیا... پتا نہیں اس کے آدمی کس طرح میرا سراغ لگا لیا کر
تھے... پھر آخر کار اس نے مجھ سے کہا... تم بھاگتے بھاگتے تھک
گئے... لیکن مجھ سے بچ کر نہیں جا سکو گے... مجھ سے بچنے کے
بس مرنا ضروری ہے... ادھر تم مرے... ادھر میری طرف سے تم
ہو گئے... مطلب یہ کہ میری قید سے آزاد ہونے کا واحد طریقہ
کہ بندہ مر جائے... ورنہ آزادی ممکن نہیں... اور پھر میں اس کا
بن گیا... اس کے احکامات پر عمل کرنے لگ گیا... وہ دن اور
دن... میں اس کا غلام چلا آ رہا ہوں... ہر وہ کام کرتا ہوں...
مجھے وہ حکم دیتا ہے"۔

"اور اس کا نام رابیں ہے... وہ کہاں رہتا ہے؟"

"مرکری بلڈنگ میں... کمرہ نمبر ۳۰۴"۔

"خود تمہارا کیا نام ہے؟"

"میں... میں کیڈا ہوں"۔

"جیسے تم کا نام ہے... اس سے نرم نام نہیں ملا تھا؟"
آفتاب نے جھنجلا کر کہا۔

"ہی... کیا فرمایا"۔

"کچھ نہیں... میں اپنی باتوں کی وضاحت نہیں کر سکتا... کیونکہ
وہ میری اپنی سمجھ میں نہیں آتیں"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"مسٹر کھیڑے... یہ مرکری بلڈنگ کہاں ہے... کیا یہ کرائے کی
عمارت ہے... جس میں اس نامعلوم آدمی نے کمرے لے رکھے ہیں"

"نہیں... وہ پوری عمارت اس کی اپنی ہے... راجا روڈ کے آخر
میں واقع ہے"۔

"اوہ... تب اس کی گرفتاری آسان ہو گی"۔ آصف چونکا۔

"کیا کہا... اس کی گرفتاری آسان ہو گی... ناممکن... آپ لوگ
اسے گرفتار کر ہی نہیں سکیں گے"۔

"یہ ہمارا کام ہے... تم کیا جانو"۔

اسے پولیس کے حوالے کرنے اور پولیس کو اس کے بارے میں
خاص ہدایات دینے کے بعد وہ مرکری بلڈنگ کی طرف روانہ ہوئے...
راجا روڈ کے آخر میں انہیں ایک بڑی سی عمارت نظر آئی... اس کے

دروازے پر ایک باوردی چوکیدار نظر آیا... وہ آگے بڑھے تو اس نے
چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"فرمایئے"۔ اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہمیں مسٹر رابیں سے ملنا ہے"۔

"رابیں... کون رابیں... یہاں تو کوئی رابیں نہیں رہتا"۔

"اچھا کمال ہے... تب پھر ہمیں غلط بتایا گیا... اس عمارت کے
مالک کا نام کیا ہے"۔

"ڈاکٹر نسیم کنانا"۔

"چلیے ہم ان سے ہی مل لیتے ہیں"۔

"ڈاکٹر صاحب بہت مصروف آدمی ہیں... وقت ضائع کرنا
پسند نہیں کرتے"۔

"ہم بھی کم مصروف آدمی نہیں ہیں اور ایک بہت اہم کام کے
سلسلے میں آئے ہیں... آپ یہ میرا کارڈ انہیں دے دیں... پھر
گا... وہ کس طرح بلاتے ہیں"۔

"اچھی بات ہے... دیکھ لیتے ہیں"۔ اس نے منہ بنا کر
کارڈ لے کر اندر کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ کارڈ صاحب تک پہنچا دو"۔

"اچھا!" اندر کی طرف کسی نے کہا۔

وہ دو منٹ تک اسی طرح کھڑے رہے... وہاں بزر ہو گئے... فوراً ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا... انہوں نے اس کی چٹخنی

پکارنے کے لیے کرسی موجود تھی... اور وہ کرسی پر بیٹھا رہا... اس نے
ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا... انسپکٹر کامران مرزا کے علاوہ
سبھی اسے خلائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے... آخر خدا خدا کر
کے لمبی ٹک کی آواز سنائی دی

"جائیے صاحب... ڈاکٹر صاحب نے آپ سے ملاقات کرنا
منظور کر لیا ہے... آپ خوش قسمت ہیں"۔ چوکیدار نے برا سا منہ
بنایا۔

"شکریہ"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا اور اندر داخل ہو گئے...
اندر دائیں طرف ایک کمرہ تھا' اس میں چند آدمی بیٹھے تھے۔

"آیئے... میں آپ کو صاحب کے کمرے تک پہنچا دوں"۔ ان
میں سے ایک انہیں دیکھتے ہی اٹھ گیا۔

"وہ انہیں ایک کمرے کے دروازے تک لایا... انگلی سے تین
بار دستک بہت آہستگی سے دی گئی... اندر سے ایک عجیب و غریب سی
آواز آئی۔

"شال"۔ اندر سے کہا گیا۔

"جائیے اندر"۔ ملازم بولا۔

"شال... یہ کون سی زبان ہے؟" آفتاب بوکھلا اٹھا۔

"آپ اندر جائیں"۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور وہ اندر داخل

لگنے کی آواز بھی سنی۔۔۔ گویا دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔۔۔ اس نے کوئی پروا نہ کی۔۔۔ نہ دروازے کی طرف مڑ کر دیکھا۔

کمرے میں انہیں ایک مسہری نظر آئی۔۔۔ مسہری کے سہارے گاؤ تکیے سے کوئی ٹیک لگائے ٹانگیں پھیلائے بیٹھا تھا۔۔۔ لیکن وہ اسے دیکھ نہ سکے اس لیے کہ اس نے اپنے پورے جسم پر سیاہ رنگ کی چادر لے رکھی تھی' سر بھی ڈھانک رکھا تھا۔

"آپ میں سے انسپکٹر کامران مرزا کون ہیں؟" آواز ابھری۔

"میں ہوں"۔ وہ آگے بڑھ کر بولے۔

"آپ اتنے بہت سے لوگ کیوں اندر آئے۔۔۔ کارڈ تو صرف ایک کا ملا تھا"۔

"وہ تھا میرا کارڈ۔۔۔ آپ کے چوکیدار کو یہ بات کہنی چاہیے تھی کہ یا تو سب کے کارڈ دیں یا صرف کارڈ والا اندر جائے"۔

"ہاں"۔ اس نے کہا۔

"یہ کون سی زبان ہے؟"

"اس کا مطلب ہے ہاں"۔ میں ہوش بولتا ہوں۔۔۔ خیر آپ بات کریں۔۔۔ اور کرسیوں پر بیٹھ جائیں"۔

"بیٹھ جائیں۔۔۔ کیا مطلب؟"

"بیٹھ جائیں"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"جب آپ ہوش کو بول سکتے ہیں تو کیوں ش بولتے ہیں"۔

"یہ میرا مسئلہ ہے۔۔۔ آپ کا نہیں"۔

"وہ اچھا۔۔۔ آپ کا نام راہیں ہے"۔

"کیا بکواس ہے۔۔۔ میں ڈاکٹر نسیم کٹانا ہوں۔۔۔ آپ مش سے ملنے آئے یا راہیں نامی کسی آدمی سے"

"آپ سے اور صرف آپ سے۔۔۔ آپ چاہے راہیں ہوں۔۔۔ چاہے نہیں ہوں۔۔۔ نسیم کٹانا ہوں یا شمیم کلٹانا"۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ کیا جواب ہوا"۔

"ہوا نہیں۔۔۔ ہوا"۔ آصف نے بھنا کر کہا۔

"میں اسی طرح بول سکتا۔۔۔ ہوں"۔ وہ غرایا۔

"نہیں مسٹر راہیں۔۔۔ کھیڑا جانو نے سب کچھ اگل دیا ہے"۔

"کون! یہ کس کا نام لیا آپ نے۔۔۔ میں اس نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا"۔

"نہیں جانتے ہوں گے۔۔۔ آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔۔۔ پھر ہم آپ کے سامنے کھیڑے کو لا بٹھائیں گے۔۔۔ اگر خود کھیڑے جانو نے کہہ دیا کہ آپ راہیں نہیں ہیں تو آپ کو فارغ کر دیا جائے گا"۔

"اور اگر اس نے شہ دیا کہ میں راہیں ہوں تو پھر آپ کیا کریں گے"۔

"اس صورت میں آپ کو ہمارے کچھ سوالات کے جواب دینا

ہوں گے۔۔۔ یہ سوچنا آپ کا کام ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کس طریقے سے چلتے ہیں یا زبردستی لے جایا جانا پسند کریں گے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ میں چلنے کے لیے تیار ہوں' لیکن کپڑے کیوں نہیں کرتے"۔

"کیسا کیوں نہیں کرتے"

"کھیڑے کو یہیں بلا لیں"۔

"نہیں! وہ یہاں نہیں آ سکتا۔۔۔ آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا"۔

"اچھی بات ہے"۔

اور پھر وہ اس کے ساتھ پولیس اسٹیشن تک آ گیا۔۔۔ کھیڑے کو اس کے سامنے لا بٹھایا گیا۔

"کیوں مسٹر کھیڑے۔۔۔ یہی مسٹر راہیں ہیں"۔

"بالکل جناب"۔ اس نے فوراً کہا۔

"کیا بکواس ہے۔۔۔ میں کیوں ہوتا راہیں۔۔۔ میں ڈاکٹر نسیم کٹانا ہوں"۔

"لیکن معاملات طے کرتے وقت تو آپ نے مجھے اپنا نام راہیں بتایا تھا"۔

"یہ شخص مجھے پھنسوانا چاہتا ہے۔۔۔ اور کچھ نہیں"۔

"خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ اگر یہ جھوٹا ہے تو ابھی معلوم ہو جائے

گا۔ آفتاب اسے جھوٹا یا سچا ثابت کر دو"۔

"جی۔۔۔ جی کیا فرمایا۔۔۔ میں ثابت کر دوں"۔ آفتاب گڑبڑا گیا۔۔۔

آصف اور فرحت ہنسنے لگے۔

"ہاں کیوں۔۔۔ کیا تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔ تو پھر میں آصف سے کہتا ہوں اور اگر آصف نے بوکھلاہٹ ظاہر کی تو پھر میں یہی بات فرحت سے کہوں گا اور وہ چٹکی بجانے میں ثابت کر دے گی"۔

"یہ لیجیے۔۔۔ بجا دی میں نے چٹکی"۔ آفتاب نے کہا اور چٹکی بجا دی۔

"اچھا آصف"۔

"ایک منٹ ابا جان۔۔۔ اتنی جلدی تو نہ کریں۔۔۔ لیجیے میں ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کیے دیتا ہوں۔۔۔ ڈاکٹر صاحب۔۔۔ آپ نے اس شخص کو کبھی دیکھا تو نہیں"۔

"نہیں بالکل نہیں"۔

"آپ نے اس سے کبھی کسی سلسلے میں بھی ملاقات نہیں کی"۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں"۔ اس نے فوراً کہا۔

"بہت خوب۔۔۔ مسٹر کھیڑے۔۔۔ یہ صاحب جنہیں آپ راہیں کہہ رہے ہیں۔۔۔ آپ سے کہاں ملاقات کرتے رہے ہیں"۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"ہوٹل مون لائٹ کے کمرہ نمبر ۳۲۰ میں"۔ اس نے فوراً کہا۔

"اب بتائیں... آپ کبھی ہوٹل مون لائٹ کے کمرہ نمبر ۳۲۰ میں گئے ہیں"۔

"نہیں... کبھی نہیں"

"ابا جان... یہ شخص جھوٹا ہے... کھیڑے کا بیان درست ہے"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

"یہ نتیجہ کس طرح نکالا؟" کامران مرزا مسکرائے۔

"ہم اس کمرے کو دیکھ چکے ہیں"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

"اچھا تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے"۔

"فرحت تم بتاؤ... اس سے کیا ہوتا ہے"۔ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

"ہم... میں کیوں بتاؤں... کہ اس سے کیا ہوتا ہے... ہوتا ہو گا کچھ یا نہیں ہوتا ہو گا کچھ... تم خود بتاؤ نا"۔

"آصف تم؟"

"مجھے مت گھسیٹو... میں پہلے ہی بہت گھسیٹا گیا ہوں"۔

"تو اپنا نام گھسیٹا رکھ لو"۔ آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

"آفتاب... یہ تم کیا لے بیٹھے... تم یہ بات ثابت کر رہے تھے کہ..."

"اوہ... جی ہاں مجھے یاد ہے... ہاں تو ابا جان... ان صاحب یعنی ڈاکٹر نسیم صاحب کا بیان ہے کہ انہوں نے کبھی کھیڑے جانو

ملاقات نہیں کی... جب کہ کھیڑے جانو کا بیان ہے کہ یہ شخص راہیں ہے... اور پروفیسر سجاد عرفانی کی تجربہ گاہ کے بارے میں اس نے مون لائٹ ہوٹل کے کمرہ نمبر ۳۲۰ میں ملاقات کی تھی"۔

"ہاں ہاں... یہ باتیں تو طے ہیں... ثابت تو یہ کرنا ہے کہ ملاقات ہوئی تھی یا نہیں"۔

"بالکل ہوئی تھی"۔

"ارے تو ثابت کرو نا"۔ انسپکٹر کامران مرزا جھلا اٹھے۔

"وہ دیکھیں میز پر ڈاکٹر نسیم کٹانا اس وقت کیا کر رہے ہیں... اپنے بال پوائنٹ سے کچھ لکھ رہے ہیں... میں نے ہوٹل کے اس کمرے کی میز پر بھی اسی طرح لکھا ہوا دیکھا ہے"۔

"کیا بکواس ہے... یہ عادت تو اکثر لوگوں میں ہوتی ہے"۔ ڈاکٹر نسیم نے جھلا کر کہا۔

"ضرور ہوتی ہے... لیکن، ارے ارے... آپ اپنے لکھے ہوئے کو مٹانے کی کوشش نہ کریں"۔ آفتاب نے چلا کر کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا کی آنکھیں چمکنے لگیں... وہ واقعی اپنے لکھے ہوئے الفاظ کو مٹانے کے چکر میں تھا۔

"یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ ڈاکٹر نسیم کٹانا ہی راہیں ہے... اور اسی نے ہوٹل کے کمرے میں کھیڑے جانو سے ملاقات کی تھی... اسی نے کھیڑے جانو کے ذریعے ہیرا شاکر تک پہنچایا تھا... اب سوال یہ ہے

کہ اس نے یہ سب کیوں کیا اور یہ شخص چاہتا کیا ہے... پروفیسر سجاد عرفانی کی تجربہ گاہ کے آلات کو اس نے کیوں بے کار کیا ہے... سر راہیں عرف ڈاکٹر نسیم کٹانا... آپ کوئی وضاحت فرمائیں گے یا کھیڑے جانو کی طرح آپ کو بھی کمرۂ امتحان میں لے جا کر شکنجے میں کسنا ہو گا"۔

"جو کر سکتے ہو... کر لو... لیکن ایک بات لکھ لو"۔ وہ شیطانی انداز میں مسکرایا۔

"ایک بات... ہم تو دس باتیں لکھنے کے لیے تیار ہیں... لکھوائیے... کیا لکھوانا ہے"۔ آفتاب مسکرایا... اور قلم کاغذ نکال کر لکھنے کے لیے بالکل تیار ہو گیا... باقی لوگ اس کی اس حرکت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"ہاں تو لکھوائیے... کیا لکھوانا ہے؟" آفتاب نے گویا اسے یاد دلایا۔

"لکھو"۔ اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"جی... فرمائیے"۔

"نہ تو تم لوگ میری زبان کھلوا سکو گے اور نہ پروفیسر سجاد عرفانی کی تجربہ گاہ کو کبھی آزاد کرا سکو گے"۔

آفتاب نے جلدی جلدی یہ الفاظ لکھ لیے... ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا۔

"لے چلو اسے کمرۂ امتحان میں... اور آفتاب تم بہت شاندار

رہے... خوب پکڑا اسے"۔

"شکریہ... شکریہ"۔ آفتاب شرما گیا۔

"ہے چارے شکریے کے دو ٹکڑے کر دیجیے... ہے کوئی"۔ آصف جھلا اٹھا۔

"عین اس وقت پولیس اسٹیشن کے سامنے ایک بڑی کار آ کر رکی۔

☆○☆

تالے کی آواز

"اس سے پہلے کہ ہم اندر داخل ہوں اور پروفیسر سیالانی سے ملاقات کریں... میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ... ہم تو گم شدہ شہر کی تلاش میں نکلے ہیں... یہ کس چکر میں پھنس گئے... کیا اس طرح وقت ضائع نہیں ہو گا؟"

"تم ہم سے پہلے اس چکر میں الجھے ہوئے تھے... ہمارا اس میں کیا قصور ہے"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"بس یہاں سے فارغ ہو کر ہم اس شہر کا رخ کریں گے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"لیکن کیسے انکل... شہر تو غائب ہے"۔ محسن نے حیران ہو کر کہا۔

"میرا مطلب ہے... شہر کی سمت جائیں گے... ویسے تم تو وہاں تک ہو آئے ہو"۔

"ہاں انکل... لیکن اس وقت وہاں بے شمار لوگ موجود تھے... لہٰذا ہم نے فیصلہ کیا تھا کہ رات میں کسی وقت آ کر اس جگہ کا معائنہ

کریں گے... جہاں پہلے شہر تھا"۔

"بالکل ٹھیک ہے... اب ہم ساتھ ہی چلیں گے... چلو محمود دستک دو"۔

محمود نے آگے بڑھ کر دستک دی... ایک منٹ بعد حویلی کا بھاری بھرکم دروازہ تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا اور بڑی سی پگڑی باندھے ایک بوڑھے آدمی کا چہرہ دکھائی دیا۔

"ایک مدت بعد اس دروازے پر دستک ہوئی ہے... مزا آ گیا... اب دعوت اڑے گی"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"دعوت اڑے گی... کیا مطلب؟" فاروق نے کہا۔

"اب دعوت اڑے گی... کیا مطلب"۔ وہ چونکے۔

"آپ کس بات کا مطلب پوچھ رہے ہیں؟" اس نے جھنجلا کر کہا۔

"اس شخص کا دماغ خراب لگتا ہے... لہٰذا بحث نہ کرو اور پروفیسر سیالانی کو پیغام بھیجو"۔

محمود نے اپنے کارڈ اسے دے دیئے اور بولا۔

"اب ہم کسی بات کا مطلب نہیں پوچھنا چاہتے' نہ بتانا چاہتے ہیں... بس آپ یہ کارڈ پروفیسر صاحب کو دے دیں... ہم ان سے ملنے آئے ہیں"۔

"یہ ہوئی نا بات... ویسے دعوت تو پھر بھی اڑے گی"۔

"ارے بابا... اڑا لینا دعوت... رو کا کس احمق نے ہے"۔ اور وہ برا سا منہ بنا کر اندر چلا گیا۔

"مم... میں خوف محسوس کر رہا ہوں"۔ محسن نے کانپتی آواز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں... کرتے رہو محسوس... خوف محسوس کرنا صحت کے لیے کافی حد تک اچھا ہے"۔ فاروق نے جل کر کہا۔

"واقعی خوف تو میں بھی محسوس کر رہی ہوں"۔

"حد ہو گئی... بھئی اس کا اچھا علاج یہ ہے کہ خوف نہیں محسوس کرنا شروع کر دے"۔

"لیکن اب خوف کو کون سمجھائے"۔

"کیا... کون کسے سمجھائے؟" پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں بولے۔

"جی... وہ خوف کی بات ہو رہی ہے... آپ کو تو محسوس نہیں ہو رہا"۔

"نہیں... جب جمشید ساتھ ہوتا ہے تو خوف نزدیک نہیں آتا... ڈرتا ہے شاید اس سے... ویسے مجھے وہ ضرور محسوس ہو رہی ہے"۔

"وہ کیا؟" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"یار وہی... بھوک"۔ وہ مسکرائے۔

"مت چھیڑیے گا"۔ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"فکر نہ کریں... پروفیسر سیالانی صاحب کے ساتھ دعوت اڑائیں گے"۔ ابھی ابھی ملازم دعوت کا ہی تو ذکر کر رہا تھا"۔

"لیکن بھئی... وہ دعوت اڑانے کی بات کر رہا تھا... دعوت اڑانے کی نہیں"۔

"دیکھا جائے گا... اندر کھانے کے لیے کچھ تو مل ہی جائے گا... ورنہ پھر ہم جلد ہی لوٹ آئیں گے اور کسی ہوٹل سے کچھ کھا لیں گے"۔

تین اس وقت دروازہ کھلا... وہی ملازم نظر آیا... اس کی پگڑی اب کچھ جھوم سی رہی تھی... جیسے بہت خوش ہو... بہت مزے میں ہو۔

"آیئے صاحب... پروفیسر صاحب آپ سے ملاقات کریں گے"۔

"شکریہ"۔ وہ بولے اور اس کے پیچھے چلنے لگے... اب انہوں نے دیکھا اندر سے حویلی قلعے نما تھی... پوری ایک فوج اندر سما سکتی تھی... اور باہر موجود اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن کا آسانی سے مقابلہ کر سکتی تھی... انہیں کافی دیر تک ایک پختہ سڑک پر چلنا پڑا... پھر کہیں جا کر رہائشی حصہ نظر آنے لگا... انہوں نے دیکھا زیادہ تر کمرے بند ہی بنے ہوئے تھے... لیکن ان کو بہت صفائی سے کاٹا گیا تھا...

اور عمارت کاری گری کا نمونہ لگتی تھی.... پرانے زمانے کی طرح
لکڑی کے موٹے موٹے دروازے نظر آئے.... ایک دروازے پر
کر پگڑی والے نے کہا۔

"پروفیسر صاحب اندر موجود ہیں.... آپ اندر جا سکتے ہیں۔ ا
بات کا خیال رہے کہ وہ اپنی رائے کے خلاف کوئی بات نہیں سنتے"۔

"اچھی بات ہے"۔

دروازے کو دھکیل کر وہ اندر داخل ہوئے.... اندر ایک سفید
بالوں والا بوڑھا ایک شاہی مسہری پر نیم دراز تھا.... اس کی آنکھوں میں
بلا کی چمک تھی.... چہرہ حد درجے خوفناک سا تھا۔

"خوش آمدید.... مدت بعد کوئی میرے پاس آیا.... تشریف
رکھئے"۔

مسہری کے سامنے دیوار سے لگی کچھ کرسیاں رکھی تھیں.... وہ
بھی شاہی انداز کی تھیں.... ان پر بھی شاید ہیرے جڑے تھے۔

"شکریہ!" انسپکٹر جمشید نے کہا اور سب ان کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"پہلے تو یہ بتائیں.... آپ کیا پینا پسند کریں گے.... کوئی گرم چیز
یا ٹھنڈی چیز"۔

"جی نہیں.... شکریہ"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں اخبار نہیں پڑھتا.... بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں رکھتا
ہوں.... میں نہیں جانتا.... آپ کس چیز کے انسپکٹر ہیں.... اور یہ آپ

کے ساتھ کون لوگ ہیں.... آپ اتنے بہت سے لوگ مل کر کیوں آئے
ہیں.... پہلے یہ بتا دیں"۔

"ہم آج سے پندرہ سال پہلے والے ایک واقعے کے بارے میں
آپ سے بات کرنے آئے ہیں.... اگر آپ محسوس نہ کریں"۔

"پندرہ سال پہلے ہونے والے ایک واقعے کے بارے میں.... کیا
مطلب؟"

"پندرہ سال پہلے پانچ آدمیوں نے آپ کی اس حویلی میں ڈاکا
ڈالنے کی کوشش کی تھی.... ان میں سے ایک کا نام باجوہ تھا.... آپ کو
کچھ یاد ہے"۔

"یاد تو ہے.... پھر؟"

"وہ پانچ آدمی پھر کسی کو نظر نہیں آئے تھے.... نہ اس بات کی
خبر ہی ہو سکی تھی کہ وہ آپ کی حویلی میں ہیں یا نہیں.... وہ ایک گروہ
کے کارکن تھے.... گروہ کے باس نے بھی آپ سے کچھ معلوم کرنے کی
کوشش نہیں کی تھی.... انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ وہ چوری کا مال
لے کر فرار ہو گئے ہیں.... لیکن اب پندرہ سال بعد ان میں سے ایک
زندہ لوٹا ہے"۔

"اچھا تو پھر؟"

"اسے کچھ یاد نہیں کہ پندرہ سال پہلے یہاں اس کے ساتھ کیا
ہوا تھا۔ اسے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ اس کی زندگی کے پندرہ سال

کہاں گئے.... وہ پندرہ سال کہاں رہا.... ہاں اسے اتنا یاد ہے کہ
سال پہلے وہ ڈاکا ڈالنے کی نیت سے یہاں ضرور آیا تھا"۔

"آیا ہو گا.... ڈالا ہو گا انہوں نے ڈاکا.... مجھے بھی بس اتنا
ہے کہ ڈاکا ڈالنے چار پانچ آدمی آئے ضرور تھے.... اندر داخل ہو
گئے تھے.... لیکن میرے ملازمین نے انہیں مار بھگایا تھا"۔

"اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ اپنے سردار کے پاس واپس ضرور پہنچ
لیکن وہ نہیں پہنچے"۔

"تب پھر.... میں کیا بتا سکتا ہوں"۔

"ہم اس حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں"۔

"کیا فائدہ.... یہاں آپ لوگوں کو کچھ نہیں ملے گا"۔

"تب پھر تلاشی دینے میں کیا حرج ہے؟"

"کیا میں تلاشی دینے پر مجبور ہوں"۔

"ہاں! ہمارا تعلق پولیس سے ہے"۔

"اوہ تو آپ پولیس انسپکٹر ہیں.... خیر.... آپ لے لیں تلاشی
"شکریہ! کیا آپ ہمارے ساتھ چلیں گے"۔

"مجھے کیا ضرورت ہے جانے کی"۔

"ضرورت ایجاد کی ماں ہے"۔ فاروق مسکرایا۔

"تو پھر میں کیا کروں.... ہو گی"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"تو کیا ہم خود ہی ساری حویلی کی تلاشی لیں گے.... کوئی ہمارے

ساتھ نہیں جائے گا"۔ انسپکٹر جمشید بھنا اٹھے۔

"یہ کام تو میرا سایہ بھی کر دے گا"۔ پروفیسر ہیلانی نے بھی اس
بار مسکرا کر کہا۔

"کیا کہا.... آپ کا سایہ.... مطلب یہ آپ کا سایہ آپ سے جدا
ہو کر ہمارے ساتھ ساتھ چلے گا"۔ شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں! میں اپنے ملازم کو اپنا سایہ کہتا ہوں.... ابھی بلاتا ہوں
اس بلائق کو"۔

یہ کہہ کر اس نے گھنٹی بجائی.... فوراً ہی ایک بالکل سیاہ رنگ کا
لمبا تڑنگا اور حد درجے خوفناک آدمی اندر داخل ہوا.... ساتھ ہی اس
نے دانت نکال دیے.... دانت بالکل سفید تھے اور اس کے سیاہ چہرے
پر اس قدر سفید دانت اور بھی خوفناک لگے، شوکی برادرز کو اپنے دل
ڈوبتے محسوس ہوئے۔

"یہ.... یہ تو واقعی آپ کا سایہ ہے"۔ فاروق ہکلایا۔

"ہاں! میں نے ٹھیک کہا تھا.... سنو چولی.... ان لوگوں کو پوری
حویلی دکھا دو.... یہ تلاشی لیں گے.... سرکاری لوگ ہیں.... ہر چیز دکھا
دینا۔ سوائے میرے کمرے کے"۔

"جو کے بھائی"۔

"یہ آپ نے ان صاحب کا کیا نام لیا.... چولی"۔

"ہاں! یہ اگر چولی ہے تو میں دامن ہوں.... آپ لوگوں نے شاید

یہ محاورہ نہیں سنا... اس کا اور میرا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ آپ کو کیا پتا... محاورے کیا ہوتے ہیں"۔ اس نے منہ بنایا۔

"شکریہ... لیکن آپ نے ایک اور بات کہہ دی کہ میرا کمرہ دکھانا... پھر یہ تلاشی کیسی ہوئی"۔ انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"اس کمرے میں کچھ نہیں ہے... میرے باپ دادوں کی تصاویر ہیں... ہاتھ کی بنائی ہوئی بڑی بڑی تصاویر"۔

"تو پھر... اس کمرے کو دکھانے میں کیا حرج ہے"۔

"نہیں... میں اپنے باپ دادا وغیرہ کی تصاویر دکھانا پسند نہیں کرتا"۔

"ہمیں ان تصاویر سے کوئی غرض نہیں... ہم صرف کمرے کی تلاشی لیں گے اور اگر آپ نے اب بھی انکار کیا تو ہم زبردستی تلاشی لیں گے"۔

"کیا کہا؟" چولی چنگھاڑا۔

"نہ چولی نہ... میں نے بتایا نا... سرکاری مہمان ہیں"۔

"لیکن بھائی... میں نے بہت مدت سے دعوت نہیں اڑائی"۔

"اوہ دعوت... خیر... تم فکر نہ کرو، میں اس کا بھی انتظام کر دوں گا... تم پہلے انہیں حویلی دکھا دو"۔

"اور وہ کمرہ؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"نہیں... وہ کمرہ میں آپ کو نہیں دکھاؤں گا"۔

"تب ہم پہلے وہ کمرہ دیکھیں گے... پھر باقی حویلی"۔

"میں انہیں بتاؤں بھائی"۔ چولی غرا کر کئی قدم آگے بڑھ آیا... شوکی برادرز بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گئے... یہ دیکھ کر محمود، فاروق اور فرزانہ مسکرا دیے۔

"نہیں! میں نے کہا نہیں... سرکاری آدمی ہیں"۔

"اور میں نے ایک مدت سے دعوت نہیں اڑائی"۔

"دعوت کا انتظام میں کروں گا... تم فکر نہ کرو... اچھا جاؤ... انہیں وہ کمرہ بھی دکھا دینا... یہ بھی کیا یاد کریں گے"۔

"یہ آپ کو بھائی کیوں کہتا ہے"۔

"ان کی طرف اپنے آقا کو بھائی ہی کہتے ہیں"۔

"اور بھائی کو کیا کہتے ہیں؟"

"پتا نہیں... میں اپنا دماغ نہیں چٹوا سکتا آپ لوگوں سے... آپ جائیے بس"۔

"اچھی بات ہے"۔

اور وہ باہر نکل آئے۔

"تو کیا آپ سب سے پہلے وہ کمرہ دیکھیں گے؟" چولی نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں! بالکل"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن ابا جان! میرا خیال ہے... پہلے حویلی دیکھ لی جائے"۔

فرزانہ نے رائے دی۔

"بھئی ہم وقت کیوں ضائع کریں... اگر اس کمرے میں ہی کچھ ہے تو جلد فارغ ہوں گے اس طرح"۔

"لیکن میں خوف محسوس کر رہی ہوں... یوں لگتا ہے... جیسے ہمارے گرد جال بنا جا رہا ہے"۔ اس نے کہا۔

"کوئی پروا نہ کرو... اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔

سیاہ فام چولی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا... جیسے اسے حیرت ہوئی ہو... اس بات کو انہوں نے صاف محسوس کیا۔

"کیوں! تم اللہ کے نام پر کیوں چونکے؟"

"اس حویلی میں اللہ کا نام شاید کسی نے پہلی بار لیا ہے"۔

"کیوں... کیا پروفیسر سیانی مسلمان نہیں ہے"۔

"نہ وہ مسلمان ہے... نہ ہی کوئی ملازم مسلمان ہے... یہاں سب کے سب ہندو ہیں"۔

"اور خود تم؟"

"میں بھی ہندو ہوں اور صاف الفاظ میں کہتا ہوں... مسلمانوں سے شدید نفرت کرتا ہوں"۔

"ضرور کرو... کس نے روکا ہے... لیکن ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ اس حویلی میں سب کے سب ہندو ہیں، اس لیے کہ ہم اپنے اللہ سے ڈرتے ہیں اور جو اللہ سے ڈرتا ہے... اس سے ساری

مخلوق ڈرتی ہے اور مخلوق میں ہندو بھی آ جاتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ تو آپ کو آگے چل کر معلوم ہو گا کہ ڈرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟"

"چلو آگے بھی ہم چل ہی رہے ہیں"۔

وہ ایک کمرے کے دروازے پر پہنچے... اس پر بڑا سا تالا لٹک رہا تھا۔ پرانی طرز کا تالا تھا... چولی کے ہاتھ میں چابیوں کا گچھا موجود تھا۔ اس نے تالے میں ایک چابی لگائی اور قدرے زور لگایا... تالا کھلنے کی آواز کے ساتھ کھلا... شوکی برادرز کو یہ آواز بہت خوفناک لگی۔

"ارے باپ رے"۔ وہ کانپ گیا۔

"کیا ہوا؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"اس تالے کی آواز... کس قدر خوفناک تھی"۔ شوکی نے کانپ کر کہا۔

"ہاہا... آپ لوگ تو تالے کی آواز سے ڈر گئے... اندر داخل ہونے پر تو آپ کے پتے پانی ہو جائیں گے... آئیں"۔

اور اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازے کو دھکیل دیا۔

☆○☆

دوست کا نام

کار کا دروازہ کھلا اور ایک لمبے قد کا آدمی نیچے اترا۔ پھر اندر کی طرف آیا۔۔۔ پولیس اسٹیشن کے گیٹ پر کھڑے کانسٹیبل نے اسے زوردار سلیوٹ کیا۔۔۔ لیکن اس نے ان کی طرف نظر اٹھا کر تک نہیں۔

تیز تیز قدم اٹھاتا تھانے دار کے پاس جا کر رکا۔۔۔ وہ بھی دیکھ کر فوراً کھڑا ہو گیا اور لگا تھر تھر کانپنے۔

"س۔۔۔ سر آپ"۔

"بے وقوف انسان۔۔۔ تم نے میرے دوست ڈاکٹر نسیم کٹانا گرفتار کیا ہے"۔ وہ دھاڑا۔

"م۔۔۔ میں نے نہیں سر۔۔۔ ان۔۔۔ ان لوگوں نے۔۔۔ میں نے انہیں بہت سمجھایا کہ ڈاکٹر صاحب بہت بڑے آدمی ہیں۔۔۔ ان کے تعلقات بہت بڑے لوگوں سے ہیں۔۔۔ لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی"۔

"یہ کون لوگ ہیں۔۔۔ خیر۔۔۔ ان سے تو میں [illegible]

گے۔ پہلے تو تم انہیں باہر نکالو"۔ لمبے آدمی نے کہا۔

"یس سر۔۔۔ ابھی لیجئے سر"۔

"ایک مسئلہ۔۔۔ آپ اسے باہر نہیں نکال سکتے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا۔

"لیجئے۔۔۔ سن لیا آپ نے۔۔۔ یہی میں آپ کو بتا رہا تھا۔۔۔ یہ دارالحکومت سے آئے ہیں۔۔۔ اب بتائیے۔۔۔ میں کیا کروں"۔

"ان کا تعارف؟"

"یہ انسپکٹر کامران مرزا ہیں"۔

"ہوں گے۔۔۔ تم انہیں نکالو۔۔۔ اس شہر میں راج میرا ہے۔۔۔ نہ ان کا۔۔۔ ورنہ میں کمشنر کو فون کرتا ہوں"۔

"پھر آپ کمشنر کو فون ہی کر لیں۔۔۔ اور ہاں آپ کی اپنی تعریف کیا ہے۔۔۔ انسپکٹر صاحب۔۔۔ آپ نے ہمارا تعارف ان سے کرا دیا۔۔۔ ان کا نام نہیں بتایا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ جے ناتھ ہیں پڑوسی ملک کے سفیر"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ اب سمجھا۔۔۔ تو مسٹر جے ناتھ۔۔۔ اس شخص یعنی ڈاکٹر نسیم کٹانا کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔۔۔ آپ نہیں جانتے۔۔۔ اس نے کتنا بڑا جرم کیا ہے"۔

"آخر کیا کیا ہے اس نے؟"

"[illegible]

"تب پھر میں کمشنر کو فون کروں گا"۔

"ضرور کریں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اس نے فوراً فون کا ریسیور اٹھایا اور لگا نمبر ڈائل کرنے۔۔۔ اسی وقت انسپکٹر کامران مرزا نے سرد آواز میں کہا۔

"آپ سرکاری فون استعمال نہیں کر سکتے۔۔۔ باہر جا کر فون کریں"۔

"تم دیکھ رہے ہو انسپکٹر اور سن رہے ہو"۔ جے ناتھ غرایا۔

"یس سر۔۔۔ یس سر۔۔۔ سر آپ کچھ تو خیال کریں۔۔۔ یہ سفیر ہیں خلوجستان کے"۔ انسپکٹر نے گڑبڑا کر کہا۔

"ہوں گے۔۔۔ غیر قانونی کام، غیر قانونی ہی ہے"۔

جے ناتھ نے انہیں کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور پھر جیب سے موبائل فون سیٹ نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہاں! یہ ہوئی نا بات"۔ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"بات تو اب ہو گی"۔ جے ناتھ بولا۔

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ ہم اسی انتظار میں ہیں کہ کیا بات ہوتی ہے۔۔۔ بہت دن ہوئے بات ہونے کو"۔ آفتاب جلدی جلدی بولا۔

"یہ کیا بکواس ہے"۔

"آپ ذرا گفتگو شائستہ انداز میں کریں۔۔۔ میں بکواس وغیرہ قسم

کی گفتگو پسند نہیں کرتا"۔ آصف نے منہ بنایا۔

اسی وقت سلسلہ مل گیا۔

"ہیلو کمشنر صاحب۔۔۔ جے ناتھ بات کر رہا ہوں۔۔۔ وہ اپنے دوست ہیں نا نسیم۔۔۔ ڈاکٹر نسیم کٹانا۔۔۔ انہیں انسپکٹر ارشاد نے گرفتار کیا ہے"۔

اس نے دوسری طرف کی بات سن کر فون انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے تھر تھر کانپتے ہاتھوں سے فون لے لیا۔

"یس سر۔۔۔ ارشاد بات کر رہا ہوں"۔

دوسری طرف سے بات سن کر اس کا رنگ اڑ گیا۔۔۔ پھر اس نے مشکل سے کہا۔

"نو سر۔۔۔ یہ میرا کیا دھرا نہیں ہے۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا کا ہے۔ ہاں جناب وہ یہاں۔۔۔ ہمارے شہر میں آئے ہوئے ہیں۔۔۔ بلکہ اس وقت یہاں میرے پاس موجود ہیں"۔

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے فون ان کی طرف بڑھا دیا۔

"السلام علیکم!" انسپکٹر کامران مرزا نے خشک لہجے میں کہا۔

"یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔۔۔ یہ میرا شہر ہے۔۔۔ آپ کا دارالحکومت نہیں ہے"۔

"پروفیسر سجاد عرفانی کا نام سنا ہے آپ نے؟" وہ سرد لہجے میں

بولے۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ وہ ہمارے ملک کے بہت مشہور سائنس

ہیں"۔

"ان کی تجربہ گاہ کو جام کر دیا ہے۔۔۔ آپ کے کتانا نے

گاہ کے تمام اب کام نہیں کر رہے"۔

"کتانا نے ایسا کیا ہے۔۔۔ نہیں انسپکٹر صاحب آپ کو غلط

فہمی ہوئی ہے۔۔۔ یہ شخص تو بہت بھلا چنگا ہے۔۔۔ آپ اسے فوراً

کر دیں اور میرے دفتر آ کر بات کر لیں"۔

"افسوس! ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے"۔

"کیا کہا آپ نے۔۔۔ آپ اسے چھوڑ نہیں سکتے۔۔۔ آپ

کون ہیں۔۔۔ یہ شہر میرا ہے۔۔۔ میں اس شہر کا کمشنر ہوں۔۔۔ یہاں میرا

چلتا ہے۔۔۔ نہ کہ آپ کا"۔ اس نے گرج دار آواز میں کہا۔

"تو پھر آپ خود یہاں آ کر بات کر لیں"۔

"میں یہاں آؤں گا۔۔۔ پولیس اسٹیشن۔۔۔ آپ کا دماغ خراب

ہے"۔

"تو آپ نہیں آ سکتے تو نہ آئیں۔۔۔ ڈاکٹر کتانا کو پھر

جائے گا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ اب میں دیکھتا ہوں۔۔۔ آپ فون

ہاشمی نے فون انسپکٹر کی طرف بڑھا دیا۔۔۔ وہ کمشنر کی بات سنتا

رہا۔ آخر فون بند کرنے کے بعد ان کی طرف مڑا۔

"کمشنر صاحب نے حکم دیا ہے کہ میں آپ کو فوراً گرفتار کر

لوں"۔

"پھر کیا خیال ہے۔۔۔ کیا آپ ہمیں گرفتار کر رہے ہیں؟"

"مجبوری ہے۔۔۔ یہ تو کرنا ہو گا ورنہ کمشنر صاحب مجھے نہیں

چھوڑیں گے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ آپ ذرا یہ حکم پڑھ لیں"۔

"حکم۔۔۔ کیسا حکم"۔ اس نے چونک کر کہا۔

"پڑھ لیں آپ"۔

جے ناتھ نے چونک کر اس کاغذ کی طرف دیکھا۔۔۔ پھر پھاڑ

کھانے والے انداز میں بولا۔

"یہ کیا ہے"۔

"ایک حکم۔۔۔ سادہ سا اور سیدھا سا"۔

"اس سے ہمارا کیا تعلق ہے"۔

انسپکٹر نے جلدی جلدی اجازت نامہ پڑھا اور سناٹے میں رہ گیا۔

"انسپکٹر! کیا بات ہے۔۔۔ تمہیں سانپ کیوں سونگھ گیا ہے"۔

"افسوس سر۔۔۔ میں ڈاکٹر حیم کتانا کو نہیں چھوڑ سکتا"۔

"کیا کہہ رہے ہو۔۔۔ تم نے کمشنر کا حکم نہیں سنا"۔

"آپ پھر انہیں فون کریں۔۔۔ میں سمجھتا ہوں صورت حال تبدیل

ہو گا"۔

"اچھا"۔ جے ناتھ بولا اور پھر اس نے دوبارہ فون کیا۔

اس دفعہ انسپکٹر کو بتایا گیا۔ اب اس کے ہاتھ پہلے کی نسبت زیادہ

کانپ رہے تھے۔

"یس سر"۔ وہ سنتا رہا۔

"جناب! آپ بتائیے۔۔۔ اب میں کیا کروں"۔

وہ دوسری طرف کی بات سنتا رہا۔۔۔ پھر مسکرایا اور فون

رکھ دیا۔

"کیوں۔۔۔ اب کیا حکم ہوا"۔

"کمشنر صاحب کو ہٹا دیا گیا ہے۔۔۔ ان کے پاس بھی

آرڈر ہے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے سیٹی بجائی۔ پولیس اسٹیشن میں

چلا گیا۔ پھر ایک منٹ کے اندر وہاں تمام عملہ جمع ہو گیا۔

"ان لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے"۔ انسپکٹر بولا۔

"دیکھئے جناب۔۔۔ آپ ہمیں گرفتار کر کے مشکل میں

پڑ جائیں گے۔۔۔ آپ نے صدر کے حکم کے الفاظ پر شاید غور نہیں کیا ہے"۔

"پڑھے ہیں۔۔۔ لیکن میں کمشنر صاحب کا حکم مانتا

ہوں"۔

"یہی بات ہے۔۔۔ ہمیں بھی پھر صدر صاحب کا حکم ہے۔۔۔

کوئی اس اجازت نامے کو نہ مانے تو اس کا حکم نہ مانا جائے۔۔۔ لہٰذا ہم

حکم تو نہیں مانتے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ کانسٹیبل

تھے۔ اس وقت تک انہیں بھی ان کے نام معلوم ہو چکے تھے۔

انسپکٹر کامران مرزا کے ہاتھ میں پستول نظر آیا۔

"یہ کیا۔۔۔ آپ نے پولیس اسٹیشن میں پستول نکالا"۔ انسپکٹر

بولا۔

"آپ نے صدر کا حکم پڑھ کر حکم عدولی کی"۔ انسپکٹر کامران

مسکرائے۔

"لیکن آپ ایک پستول سے کیا کر لیں گے۔۔۔ آپ کی طرف

پستول لئے ہوئے ہیں، اتنی رائفلیں اٹھی ہوئی ہیں"۔

"لیکن میرے پستول کی نال ہے ہاتھ کی طرف ہے۔۔۔ سب سے

پہلے میں مروں گا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دے کر دیکھ لو"۔

"اب۔۔۔ اب میں کیا کروں؟" انسپکٹر نے گھبرا کر کہا۔

"بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں"۔ جے ناتھ نے کانپ کر کہا۔

"چلو اب آئے ہیں نا سیدھی راہ پر"۔ وہ مسکرائے۔

"رائفلیں اور پستول ہٹا لو"۔ انسپکٹر نے حکم دیا۔

پولیس اسٹیشن میں اس وقت تین کے قریب کانسٹیبل موجود

[illegible] ہم یہ جاننا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر نعیم کلاتا نے ایسا کیوں

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ یہ سب صرف الزامات ہیں۔" نعیم

[illegible]

"نہ ہو گئے۔ یہ سب الزامات ہیں۔ گویا ہم جادو بھاز [illegible] ہے ہیں۔" آفتاب نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"ہاں بالکل۔ جادو کیڑے نے سوچ سمجھ کر ہمیں ہام لے [illegible] اور ہی۔"

"کیسا جادو صاحب اور کیڑے صاحب؟" آفتاب بولا۔

"ہمارے ہاتھ ایک ایک تحریری کا نام ہے۔" آصف نے اسے ٹوکا۔

"اچھا۔ تو اب آپ کیا کہتے ہیں مسٹر کیڑے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔ یہ کام مجھ سے ڈاکٹر نعیم کلاتا نے [illegible] اور ثبوت اس کا یہ ہے۔" اس نے ہاتھ اوپر کر کے دکھایا۔ [illegible] ایک ننھا سا ٹیپ ریکارڈر تھا۔

"اس میں وہ تمام گفتگو ریکارڈ کی گئی ہے۔ جو پروفیسر نے مجھ [illegible] تھی۔"

"کیا۔ [illegible] تو نہیں چل گیا۔"

"نہیں۔ [illegible] نہیں چلا۔ لیکن اگر تھوڑی دیر میں نے اور [illegible] تو پھر کچھ نہ چل گیا۔"

[illegible] ہم کیڑے [illegible] مسٹر نعیم [illegible]

"اب آپ کیا کہتے ہیں۔"

"[illegible] ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ [illegible] ہے۔"

"[illegible] بات ہے۔ آپ ریکارڈر کی [illegible] کو [illegible] سکتے ہیں۔"

"اب ریکارڈر کی [illegible] کو [illegible] چلی گئیں۔ [illegible] کر اس [illegible]

"[illegible]

"[illegible] لیکن [illegible] آپ کی آواز کیا [illegible] ہے کہ [illegible]

ہم نے [illegible] کر کہا۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

نعیم کلاتا ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ اس سوال کا اس کے [illegible] جواب نہیں تھا۔

"اب آپ بتائیں۔ آپ کا اس شخص ڈاکٹر نعیم [illegible] تعلق ہے۔ آپ کیوں اس کے سفارشی بن کر آئے ہیں۔"

"[illegible] یہ میرے ایک دوست کا دوست ہے۔ اس [illegible] بتایا کیا تھا۔ لہٰذا میں اس کی مدد کے لیے آ گیا۔"

"چلیے اس دوست کا نام بتا دیں۔"

"[illegible] اس معاملے میں نہ [illegible] یہ کسی طرح [illegible] نہیں ہو گا۔"

"یہ دیکھنا ہمارا کام ہے کہ کیا مناسب ہے اور کیا [illegible]

[illegible] اس دوست کا نام بتانا ہو گا۔ ورنہ آپ بھی نعیم کلاتا اور جادو کیڑے کے ساتھ اندر ہوں گے۔"

"[illegible] میں اندر ہوں گا۔"

"ہاں بالکل۔ میں اسی وقت اس انسپکٹر کو تبدیل کرا دیتا ہوں۔ [illegible] اور انسپکٹر سے صرف دو گھنٹے بعد یہ انسپکٹر آ جائے گا۔ اس وقت تم [illegible] کر لو گے۔ اسی وقت ہے۔ اس دوست کا نام کیا ہے؟"

میں اس نے پولیس اسٹیشن کے دروازے پر ایک سرکاری جیپ [illegible] کر دی۔

☆○☆

[illegible]

"یہ کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک ہال تھا۔ تین دیواروں پر بڑی بڑی تصویروں کے بڑے تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ان پر گرد و غبار کی کوئی تہہ نہیں تھی۔ تصاویر یوں چمک رہی تھیں جیسے ابھی چند منٹ پہلے بنائی گئی ہوں۔"

"حیرت ہے۔ یہ تصاویر تو بالکل ہی نئی ہیں۔ اور کمرہ کھلنے پر ہم نے یہاں محسوس کیا تھا جیسے پچاس سال سے بند کوئی کمرہ کھولا گیا ہے۔" شوکی بڑبڑایا۔

"ہاں ایسی ہی بات ہے۔" محمود نے اس کی تائید کی۔

تب انہوں نے ان تصاویر کو دیکھنا شروع کیا۔ یہ سرخ اور سیاہ رنگ سے بنائی گئی ہاتھ کی تصاویر تھیں۔ بڑے بوڑھوں کی تصاویر۔ ان میں ہاتھ ڈھے موٹے یا بوڑھی عورتیں۔

"یہ دیوار دیکھ رہے ہیں آپ۔" خادم کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہاں کہئے۔ کیا بات ہے؟"

"یہ بھی بالکل خالی ہے۔"

"تو پھر؟" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

"آپ کو یہاں کے کھلنے کا وقت آ گیا ہے۔"

"ہم سمجھ گئے۔"

[illegible]

"یہ تصاویر پرانی نہیں ہیں۔ بالکل ہی نئی ہیں۔ خادم سے کہیں یہ ہاتھ پرانی ہوں گی۔"

"کیا مطلب۔ ایک ماہ پرانی۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

"جب ہمارے ہاں ملاقاتی آتے ہیں۔ تو اس وقت ان تصاویر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔" وہ بولے۔ "اس کمرے کی خاص تھی۔"

اس نے دروازے کے سامنے والی دیوار کی طرف اشارہ کیا۔ اور سب نے اس وقت دیوار میں ایک خلا نمودار ہوا۔ اور ایک تیز بجلی والی آواز خالی دیکھی۔ وہ خوف سے کانپنے لگے۔ صرف انسپکٹر جمشید اپنے تھے۔ وہ پرسکون کھڑے رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا۔ اس خلا میں سیڑھیاں نیچے جا رہی ہیں۔"

"یہ۔ یہ کیا۔ یہ تو تہہ خانہ ہے۔"

"میں نے کب کہا۔ کہ یہ جزیرہ کی کوئی کتاب ہے۔"

انہوں نے پلٹ کر خادم کو دیکھا۔

"آپ کا جواب سن کر حیرت ہوئی اور اب میں ایک بات پوچھ سکتا ہوں۔" محمود کی سرسراتی آواز دیواروں سے ٹکرائی اور انہیں یوں لگا جیسے ٹکراتے ہوئے اس خلا میں گم ہو گئی ہو۔

"کیا بات؟" خادم بولا۔

"آپ اس حویلی کے ملازم نہیں ہیں۔"

"تو پھر میں کیا ہوں۔"

"پروفیسر سیالانی کا کوئی خاص آدمی۔ کیا اب تم یہ چاہتے ہو کہ ہم اس تہہ خانے میں اتر جائیں۔"

"آپ کی مرضی ہے۔ آپ اس حویلی کی تلاشی لینے آئے ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ چودہ سال پہلے یہاں پانچ آدمی ڈاکا ڈالنے کے لیے آئے تھے۔ وہ واپس نہیں لوٹے تھے۔ ان میں سے ایک یہاں آج چودہ سال بعد نظر آیا ہے۔ لہٰذا آپ معلوم کرنے کے لیے آئے ہیں کہ وہ چودہ سال اس حویلی میں قید تو نہیں رہا۔"

"بالکل ٹھیک۔ یہی بات ہے۔ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چودہ سال تک کہاں رہا۔"

"یہ جاننے کے لیے تو پھر آپ کو اس تہہ خانے میں ہی جانا پڑے گا۔ کیونکہ وہ اس تہہ خانے میں ہی رہا ہے چودہ سال۔"

"ن۔ نہیں۔" وہ چلائے۔

"ہو سکتا ہے۔ آپ بھی یہیں تیس سال تک اس تہہ خانے میں رہیں۔ لیکن جب آپ باہر نکلیں گے تو آپ کو یہ احساس نہیں ہو گا کہ آپ کتنے عرصے تک قید میں رہے ہیں۔ یہی حال باوہ کا ہے۔ اسے کچھ یاد نہیں۔"

"ہاں بالکل۔ اسے کچھ یاد نہیں۔ تو آیئے ہم واپس چلتے ہیں۔ ہم پروفیسر سیالانی صاحب سے بات کریں گے۔"

"تو کیا آپ نے تلاشی کا پروگرام ختم کر دیا۔" اس نے مایوسانہ

آواز میں کہا۔

"ہاں۔ کر دیا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے عجیب سے انداز میں کہا۔ پھر وہ اچانک اس کی طرف بڑھے "اس تصویر تجوری سے کہ اسے بیٹھنے کا موقع تک نہ مل سکا۔" دوسرے ہی لمحے انہوں نے اسے اٹھا کر اس خلا میں پھینک دیا۔ ساتھ ہی دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔

"یہ۔ یہ آپ نے کیا کیا؟" فاروق بوکھلا کر بولا۔

"پتا نہیں۔"

"کیا کیا۔ کیسے۔ پتا نہیں۔" حمیدی کی آواز ابھری۔

"ہاں کہیں۔ پتا نہیں۔ میں نے سوچے بغیر ہی یہ کام کر ڈالا۔ اب دیکھتے ہیں۔ باہر نکلتا ہے یا نہیں۔"

"یہ سب عجیب سا لگ رہا ہے۔" خان رحمان بڑبڑائے۔

"بلکہ انگلی۔ لگے تو۔" شوکی کہنے لگا تھا کہ فاروق نے اس کی بات

"اس کا ہم بلکہ نکل نہیں ہے۔"

شوکی اسے گھور کر رہ گیا۔ کسی وقت تو وہ لگے۔ لیکن صاحب

کہا۔

"آؤ چلیں۔ پروفیسر سیالی سے ملاقات کریں۔"

"وہ جلدی سے اس کمرے سے نکل آئے اور واپس پروفیسر سیالی کے کمرے میں داخل ہو گئے۔ لیکن اب وہاں پروفیسر سیالی

تھے۔ کمرہ خالی تھا۔ انہوں نے پوری عمارت دیکھ ڈالی۔ نہ پروفیسر سیالی نظر آیا نہ کوئی اور ملازم۔ پوری عمارت بھائیں بھائیں کر رہی تھی۔ اب وہ پھر تصاویر والے کمرے میں آئے۔ تصاویر ہوں کی توں موجود تھیں۔ وہ خانے والا دروازہ بھی بند تھا۔

"اب ہم کیا کریں۔ یہ تو لگتا ہے جیسے سب لوگ غائب ہو گئے ہوں۔ پہلے ان کا پروگرام ہمیں اس خانے میں قید کرنے کا تھا۔ لیکن شاید پھر انہوں نے پروگرام تبدیل کر دیا اور غائب ہو گئے۔ اب ہمارے پاس دو راستے ہیں۔ یا تو ہم اس دروازے کو کھولنے کا طریقہ معلوم کریں۔ یا پھر اس عمارت کو ہوں کا توں چھوڑ کر واپس چلیں اور اس جگہ چلیں جہاں کبھی وہ شہر تھا۔"

"اس وقت ہم کم شدہ شہر کی تلاش میں نکلے ہیں۔ اور ضروری مسئلہ یہ ہے۔ یہ کہ۔ اس عمارت کو تو ہم بعد میں بھی دیکھ لیں گے۔ بھی واپسی پر۔" شوکی نے جلدی جلدی کہا۔

"لیکن ہمارے سینس کے میرا برا حال ہے۔" پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

"مطلب یہ کہ آپ لوگ چاہتے ہیں۔ پہلے وہ خانے میں اتر کر دیکھا جائے۔ وہاں کیا ہے۔" خان رحمان نے ان کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" انہوں نے مختصر جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم پروفیسر صاحب کی رائے کا احترام کریں

گے۔ چلو بھئی۔ وہ خانے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کرو۔" انہوں نے کہا۔

"تو سب اس کمرے کو بغور دیکھنے لگے۔ ایسے میں فرزانہ بولی۔

"جس وقت خلا نمودار ہوئے۔ چولی یہاں کھڑا تھا۔"

"ہاں بالکل ٹھیک۔ جس سے میں نے اسے اٹھا کر نیچے پھینک دیا تھا۔" انہوں نے تائید کی۔

"محمود فوراً اس جگہ کو دیکھنے لگا۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز ابھری۔

"یہ دیکھئے۔ یہ چوکور نشان الگ ہے۔ فرش کے رنگ سے قدرے مختلف۔"

اب جو انہوں نے نشان کو دبایا۔ خلا نمودار ہو گیا۔

"آیئے چلیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور خلا میں داخل ہو گئے۔ باقی لوگوں کو خوف کا احساس ہوا۔ لیکن انسپکٹر جمشید آگے بڑھ چکے تھے۔ خلا رک نہیں سکتے تھے۔

سب اترتے چلے گئے۔ اندر بلب روشن تھا۔

نیچے کا ماحول حد درجے ہولناک تھا۔ انہیں [illegible] نہیں۔ وہاں ٹھہرنا ان کے لیے مشکل ہو گیا اور وہ واپس بھاگے۔

وہ خانے کے فرش کے بیچوں بیچ ایک چھوٹا سا تالاب تھا۔ [illegible] میں خون بھرا ہوا تھا۔ اور یہ خون اس نالی سے بہہ بہہ کر [illegible]

تھا۔ جس کے دوسرے سرے پر پتھر کا ایک بڑا چبوترہ بنایا گیا تھا۔ اس چبوترے پر ایک انسان چاروں شانے چت لیٹا ہوا تھا۔ اس کی گردن دھڑ سے الگ ہو چکی تھی۔ اور جسم کا خون نکل نکل کر اس نالی کے ذریعے تالاب میں آ رہا تھا۔

وہ سر ہی دیکھ کر بھاگے۔ لیکن پھر انہیں ایک جھٹکا لگا۔ وہ خانے کا دروازہ تو بند تھا۔ جس طرح چولی کو اندر پھینکتے ہی [illegible] بند ہو گیا تھا۔ اسی طرح ان کے نیچے اتر آنے کے بعد [illegible] بند ہو گیا تھا۔

"دروازہ یہاں سے بھی کسی جگہ سے کھلے گا۔ ویسا ہی چوکور [illegible]"

وہ خانے سے آنے والی روشنی اگرچہ ناکافی تھی۔ تاہم انہوں نے اس روشنی میں بھی وہ چوکور خلا دیکھ لیا۔ جونہی اسے دبایا گیا۔ [illegible] کھل گیا۔

یہی کمرے میں پولیس ہی پولیس تھی۔

"آپ اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیں۔" پولیس [illegible] نے فوراً کہا۔

"کیا؟"

"ایک انسان کو قتل کرنے کا الزام ہے آپ پر۔ اس کا نام [illegible] تھا۔ اور وہ پروفیسر سیالی کا اسسٹنٹ تھا۔ انہوں نے رپورٹ

دیا کہ اگر آپ کو حویلی کی حویلی کے بدلے کسی اور چیز
کے بدلے حویلی کے قدیم ہونے میں ان کے استعمال کو
کہا۔"

"محترم انسپکٹر۔ آپ نے غلط رخ اختیار کیا ہے۔ میں
حویلی میں۔ مجھے تو آج سے پہلے یہ علم معلوم نہیں تھا
یہاں کوئی ہونے والی ہے۔"

"اور پروفیسر سیالی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"وہ پولیس انسپکٹر آئے تھے۔ رپورٹ لکھوانے کے لیے
راستے ہو گئے۔ انہوں نے الزام لگایا ہے کہ آپ انہیں بھی قتل
چاہتے ہیں۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ آپ چونکہ بہت دولت
حیثیت کے مالک ہیں۔ لہٰذا کسی نہ کسی طرح ان تک پہنچنے کی کوشش
کریں گے۔ لہٰذا وہ اپنی جان بچانے کے لیے روپوش ہو رہے ہیں
اور یہ کہ پولیس کے حفاظتی انتظامات پر انہیں قطعاً بھروسہ نہیں ہے۔"

"اچھا۔ پہلے آپ یہ خانے کا معائنہ کر لیں۔"

"وہ تو ہم کریں گے۔ آخر لاش بھی اٹھوانا ہے۔"

"یہ خانے کی تصاویر بھی لے لیں۔ کیونکہ قتل بھی آپ نے
کیا ہے۔ کیونکہ ہم آپ کے سامنے ہی یہ خانے سے چلے
ہیں۔ اور خالی ہاتھ ہیں۔ ہمارے کپڑوں کو بھی دیکھ لیں۔
کپڑوں پر خون کی ایک چھینٹ نہیں ہے۔ لہٰذا اگر یہ قتل

ہے تو قتل پر ہم میں سے کسی کی انگلیوں کے نشانات بھی آپ کو
نہیں مل سکیں گے۔ وہ تو یہاں سے آپ دستانے پہن کر کے
گئی ہیں۔"

"تم۔ آپ تو مجھے چکرا دے رہے ہیں۔"

"میں نے کہا ہم نے یہ جرم نہیں کیا۔ یہ قتل پروفیسر سیالی کا
ہے۔ تو میں نے کیا ہے۔ اور دراصل قتل تو ہمیں ہوا تھا۔ ہو
گیا اس کا الٹا۔"

"یہ کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

انہوں نے تفصیل سنا دی۔

انسپکٹر دھک سے رہ گیا۔

"تم۔ کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟"

"اور مجھے جھوٹ بولنے کی ضرورت کیا ہے۔ آخر پروفیسر سیالی
کے استعمال سے ہمیں بھلا کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ ہم تو یہاں باوہ
کے بیان کی تصدیق کے لیے آئے تھے۔ آپ خود باوہ سے مل کر ان
باتوں کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ ہم جاننا چاہتے تھے کہ آخر باوہ چودہ
سال کہاں رہا۔ اسے یہ بات کیوں یاد نہیں کہ وہ چودہ سال کہاں
رہا۔ کیا یہ بات آپ کو عجیب نہیں لگتی۔ کہ ایک قومی کی زندگی کے
چودہ سال گم ہو جائیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح میری زندگی کے

چودہ سال گم ہو گئے ہیں۔"

"تم۔ کیا مطلب؟ آپ نے آخر میں کیا کہا۔" انسپکٹر
ہکلا کر بولا۔

"ہم آ جائیں۔ پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ چودہ سال کی
شدی کا کیا قصہ ہے۔ اس کمرے کی تصاویر۔ وہ قصہ
کہاں گئیں۔"

انسپکٹر جدید ایجاد پر۔ باقی لوگ بھی حیرت زدہ رہ گئے
اب دیواروں پر کوئی تصویر نظر نہیں آ رہی تھی۔

"تصاویر۔ کون سی تصاویر۔" انسپکٹر نے بوکھلا کر کہا۔

"اسے تصاویر کے بارے میں بھی بتایا گیا۔ آخر وہ باہر آ کر
اب انہوں نے چودہ سال کا قصہ سنایا۔

"یقین نہیں آ رہا۔"

"اسی طرح باوہ کہتا ہے۔ وہ نہیں جانتا۔ وہ چودہ سال
رہا ہے۔ میں بھی نہیں جانتا۔ میں چودہ سال کہاں رہا ہوں
حویلی کے کمرے کی تصاویر کہاں گئیں۔ کیا وہ ہوا میں تحلیل ہو گئیں
پوری تین دیواریں ان تصاویر سے بھری پڑی تھیں۔ ان کو
میں بھی وقت لگتا۔ اور پھر دیواروں پر ان تصاویر کے نشان
نہیں ہیں۔۔۔ کیا آپ اس بات کا جواب دے سکتے ہیں؟"

"میں تو شاید۔ کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔"

"تو پھر ہماری گرفتاری کا خیال دل سے نکال دیں۔ پروفیسر
سیالی کی تلاش کریں۔ وہ بہت اہم آدمی ہے۔ اس کی گرفتاری کی
صورت میں بہت سی باتیں کھل کر سامنے آ سکتی ہیں۔"

"لیکن میں اس رپورٹ کا کیا کروں۔ آفیسر تو مجھ سے پوچھیں
گے کہ میں نے آپ کو گرفتار کیوں نہیں کیا۔"

"وہ آپ کو نہیں پوچھ سکتے۔ میرے خصوصی اجازت نامے کی
فوٹو کاپی اپنے پاس رکھ لیں۔ جب وہ پوچھیں تو یہ دکھا دیجئے گا۔
اس لیے کہ ابھی ہمیں اس جگہ بھی جانا ہے' جہاں سے وہ شہر گم ہوا
ہے۔"

"ارے باپ رے۔ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ پورا کا پورا شہر
گم ہے۔ کوئی تک۔"

"آپ سوچیں۔ میرا خیال ہے۔ یہاں ہمیں الجھانے کی
کوشش اسی لیے کی گئی ہے۔ ہم گمشدہ شہر کی تلاش میں نہ نکل
جائیں۔"

"کیا۔ کیا۔" انسپکٹر کے منہ سے اچانک نکلا۔

"یہ آپ نے دو بار کیوں کہا؟" قادق نے حیران ہو کر

"کیا ہے۔ جلدی"۔
انسپکٹر نے کہا اور بے تحاشا دوڑ لگا دی۔
وہ انہیں اس قدر خوف زدہ نظر کیا تھا کہ وہ خود بھی خوف زدہ
ہوئے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔

☆○☆

یہ..... یہ کیا

انہوں نے دیکھا۔ اندر داخل ہونے والا پولیس کمشنر تھا۔
"مسٹر بے باک۔ آخر یہاں کیا ہو رہا ہے۔ آپ کو یہاں
آنے کی کیا ضرورت تھی۔ آپ نے مجھے فون کر دیا تھا۔ میں کافی تھا"
میں خود ہی معاملے کو دیکھ لیتا"۔
"وہ آپ کا شکریہ۔ آپ یہاں تشریف لائے۔ یہ میرے
ایک دوست کے دوست ہیں۔ جو اس وقت حوالات میں ہیں۔ میں
انہیں چھڑانا چاہتا ہوں۔ اور اپنی ذمے داری پر چھڑوانا چاہتا ہوں۔
اگر انہیں عدالت میں پیش کرنے کا معاملہ ہے تو میں ذمے دار ہوں گا"
انہیں عدالت میں پیش کروں گا اور اگر تحقیق کے لیے کسی جگہ انہیں
بلایا جائے گا تو میں انہیں پہنچانے کا ذمے دار ہوں گا"۔
"آپ کو مسٹر بے باک اس وضاحت کی ضرورت نہیں۔ انسپکٹر
صاحب۔ انہیں میری ضمانت پر رہا کر دیں"۔ کمشنر بولا۔
"او کے سر"۔ انسپکٹر نے کہا اور اپنے ماتحتوں کو اشارہ کیا۔
"ایک منٹ جناب۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے"۔ انسپکٹر کامران

مرزا بولے۔
"تو آپ ہیں انسپکٹر کامران مرزا۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔
آپ اس قدر جام معاملے میں کیوں کود پڑے۔ آپ لوگ تو صرف
ہیں ہیں معاملات کے لیے ہیں"۔
"یہ معاملہ بہت خاص ہے۔ کتنا خاص ہے۔ وقت بتائے
گا۔ ایک قیمتی گاؤ کو جام کیا گیا ہے۔ کیا یہ کوئی معمولی بات ہے"۔
"نہیں۔ میرے لیے یہ حیرت انگیز خبر ہے"۔ کمشنر بولا۔
"پہلے آپ تفصیل سن لیں"۔
"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں"۔
انہوں نے گائے جام ہونے کی خبر سنائی۔ پروفیسر بجو عرفانی
کے بارے میں بتایا۔ اس ہیرے کے بارے میں بتایا۔ جس
سے وہ ٹائر تک پہنچے۔ ٹائر کے ذریعے جانو کھیڑے تک اور پھر جانو
کھیڑے سے ڈاکٹر نیم کاٹا تک۔ اب بے باک ان کی سفارش سے
کیا تھا۔ تمام تفصیل سن کر کمشنر بے باک کی طرف مڑا۔
"مسٹر بے باک۔ یہ معاملہ تو حد درجے پراسرار ہے۔ انسپکٹر
کامران مرزا جو کہنا چاہتے ہیں۔ انہیں کر لینے دیں"۔
"تو آپ کیا کہہ رہے ہیں کمشنر صاحب اس طرح تو ڈاکٹر نیم
کاٹا کی شامت آ جائے گی"۔ بے باک بولا۔
"نہیں آنے کی شامت۔ انسپکٹر کامران مرزا کا طریقہ

ہے"۔
"جو مسٹر بے باک۔ آپ کو اپنے اس دوست کا نام بتانا ہو
گا۔ میں نے آپ کو یہاں آنے کے لیے کہا ہے"۔
"ملزم انہیں اس کا نام نہیں بتا سکتا"۔
"نام تو آپ کو بتانا ہو گا"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"آپ سن رہے ہیں کمشنر صاحب۔ آخر اس کی کیا ضرورت
ہے۔ اب میں خود یہاں موجود ہوں"۔
"اس کی ضرورت ہے۔ جو شخص ان لوگوں کو چھڑانا چاہتا
ہے۔ خود اس نے پروفیسر صاحب کی تجویز گاؤ کو جام کیا ہے"۔
بے باک نے بے چارگی کے عالم میں کمشنر کی طرف دیکھا۔
"جی نہیں۔ انہیں اس دوست کا نام بتانا ہو گا"۔
"بے باک صاحب۔ بتا دیں۔ یہ انسپکٹر کامران مرزا ہیں"۔
"تو پھر میں کیا کروں۔ اگر یہ انسپکٹر کامران مرزا ہیں"۔
"اب آپ کیا کہتے ہیں۔ یہ تو بتانے پر تیار نہیں۔ اور یہ
دشمنوں کے سفیر ہیں۔ ہم ان کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔
ویسے ویسے انہیں پسندیدہ شخصیت سمجھتے ہوئے ان کے ملک واپس
بھیج دیتے ہیں"۔
"نہیں مسٹر بے باک۔ آپ اس دوست کا نام بتانے کی بجائے
اپنے ملک میں واپس جانا پسند کریں گے"۔

"نہیں۔ میں اپنی اپنی انجام دیتا رہوں گا اور اس دوست کو
ہم بھی نہیں چھوڑیں گے۔ یہ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔ ابھی تو میں نے صرف
کشنر صاحب کو فون کیا ہے۔ اب باری آتی ہے ملک کے صدر
صاحب کی"۔

"فون حاضر ہے۔ آپ یہ شوق بھی پورا کر لیں"۔ انسپکٹر
کامران مرزا نے کہا۔

وہ سوچ میں پڑ گیا۔ پھر سست آواز میں بولا۔

"چلیں ٹھیک ہے۔ میں بتانے کے لیے تیار ہوں۔ میں جی
ہوں۔ وہ نسیم کٹاکا کو چھڑانا چاہتا ہے۔ مجھے ایسا کرنے کے لیے کسی
دوست نے نہیں کہا"۔

"میرا بھی یہی خیال تھا"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ آپ کا بھی یہی خیال تھا"۔ کشنر نے حیران ہو کر
کہا۔

"ہاں جناب! میرا پہلے ہی یہ خیال تھا۔ یہ صاحب خود ہی نسیم
کٹاکا کو چھڑانا چاہتے ہیں۔ اب میں نہیں چھوڑوں گا۔ اور نسیم کٹا
کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ نسیم کٹاکا کو پہلے یہ بتانا ہو گا۔ کلاشنکوف
کیوں نہیں کرتے؟"

"ہاہا۔ ہاہا"۔ نسیم کٹاکا کے قہقہے نے تھانے کی عمارت کو ہلا کر
رکھ دیا۔

"کیا ہو گیا بھئی۔ ایسی کیا بات ہے"۔ کشنر صاحب بوکھلا
گئے۔

"انسپکٹر کامران مرزا۔ تم ایک تجربہ گاہ کی بات کرتے ہو۔ جا
کر دیکھو۔ اپنے ملک کے مغربی حصے کی طرف وہاں کیا ہو رہا ہے۔
وہ تم نے کیا کہا۔ تم مجھے نہیں چھوڑو گے۔ تم مجھے کیا۔ ہمارے
اشارے پر خود نہیں حوالات میں بند کیا جا سکتا ہے۔ ابھی تم جانتے
نہیں۔ کس حالات میں گھر گئے ہو اور گھرنے والے ہو۔ اگر یقین
نہیں تو مغربی حصے میں ایک فون کر کے معلوم کر لو۔ وہاں کے ایک شہر
کا نام کیا بتایا ہے؟"

"خذا۔ ہاں ہاں خذا نامی ایک شہر ہے تو سہی اس طرف"۔
انسپکٹر کامران مرزا نے بوکھلا کر کہا۔

"تو وزارت الحکومت فون کر کے معلوم کرو۔ خذا کا کیا ہے؟"

"تم خود کیوں نہیں بتا دیتے"۔

"وہ اچھا۔ لیکن میری زبان پر تم اعتبار نہیں کرو گے"۔

"اگر بات اعتبار کے قابل ہوئی تو کر لوں گا' ورنہ فون کر کے
تصدیق کروں گا"۔

"اچھا تو سنو۔ خذا غائب ہو گیا ہے"۔

"کیا کہا۔ خذا غائب ہو گیا ہے؟"

"ہاں۔ غائب ہو گیا ہے۔ پورا شہر صفحہ ہستی سے مٹ گیا

ہے۔ سنی ہے میں نے اب خذا نام کا کوئی شہر نہیں ہے"۔
"چلیں۔ کمال ہے۔ کشنر صاحب۔ کیا آپ اس خبر پر یقین
کر رہے ہیں؟"
"ہرگز نہیں۔ یہ وقت صاحب! میں آپ کا مطلب اچھی طرح
جان چکا ہوں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سے پوچھ گچھ نہیں ہو گی"۔
کشنر صاحب نے برا سا منہ بنایا۔
"یہی بات ہے۔ آپ پہلے فون کر لیں"۔
وزارت الحکومت فون کیا گیا۔ محکمہ انتظامات کے ذریعے اس خبر کی
تصدیق ہوئی۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ کئی منٹ سکتے میں گزر گئے۔
پھر انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"تو کیا اس کام میں بھی تمہارا ہاتھ ہے؟"
"نہیں۔ میں نے تو یہ بتایا ہے۔ کہ ایک تجربہ گاہ کے کام
اگر ہم نہیں کر رہے تو اس واقعے کو بھی خیال نہ کریں۔ ملک کے
مجرم ہیں۔ وہ تو آپ کے ملک کے شہر غائب کر چکے ہیں۔ ہم لوگ
ان کے دشمن ہیں"۔
"آپ لوگوں کے مقصد کیا مطلب؟" وہ چونکے۔
"ہاں۔ ان کی کارگزاریاں تو ابھی سامنے آئیں گی۔ فی الحال
ایک تجربہ گاہ کے کارکنوں نے کام چھوڑ دیا ہے۔ اور ایک شہر غائب
ہے۔ اور انسپکٹر جمشید کی زندگی کے بچپن منٹ گم ہوئے ہیں"۔

"کیا کہا؟" انسپکٹر کامران مرزا اچھل پڑے۔
"ہاں ہاں۔ میں غلط نہیں کہتا۔ تم چاہو تو اس بات کی تصدیق
کر لو۔ انسپکٹر جمشید۔ تمہارا قریبی دوست اپنے بچپن منٹ گم کر بیٹھا
ہے"۔
"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی"۔
"پہلے تصدیق کر لو"۔ وہ چلائے۔
اب انہوں نے انسپکٹر جمشید کے دفتر کے نمبر ملائے۔ ادھر سے
ہمیشہ کی طرح خالی ملا۔
"معلوم ہوا کہ انسپکٹر کامران مرزا بات کر رہا ہوں"۔
"جی سر۔ آپ"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔
"ہاں بھئی۔ کہاں ہے تمہارے دوست؟"
"جس وقت معلوم نہیں کہاں ہوں گے۔ یہاں سے خذا کی
طرف روانہ ہوئے ہیں"۔
"ہاں بھئی۔ اور یہ بچپن منٹ کا کیا چکر ہے"۔
"ہاں جناب۔ بہت ہی انوکھی بات ہوئی ہے"۔
"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں"۔
اکرم نے تفصیل بتا دی۔ وہ دھک سے رہ گئے' پھر بولے۔
"اس کا مطلب ہے۔ اب ہمیں بھی خذا کی طرف جانا ہو گا"۔
"ظاہر ہے"۔

[illegible]

"اچھا خدا حافظ۔"

[illegible] نے فون بند کر دیا۔ وہ ہے ہاتھ کی طرف [illegible]

[illegible] قوم بالکل کی تصریح ہو گی [illegible] اور اب [illegible]

[illegible] کیں گے۔ کیں کنٹر صاحب۔ اب تو [illegible]

[illegible] کے ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ [illegible]

[illegible] سوتی سے کر تے ہیں۔ ان کی [illegible]

[illegible] ہیں۔ جب ہی [illegible]

[illegible] ہم شہر [illegible] کو ایک [illegible] کریں گے۔"

[illegible] ملک کے خلاف [illegible]

[illegible]

[illegible] ہیں۔"

[illegible] اب [illegible] آپ کے ساتھ ہیں۔"

[illegible] اب [illegible] ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟"

[illegible] صاحب۔ اب آپ [illegible]

[illegible] ہیں [illegible]

"[illegible] کیا مطلب؟" وہ چونکا [illegible]

[illegible] مطلب [illegible] جلد تمہاری [illegible]

[illegible] تم [illegible] دے [illegible] رہے [illegible]

انسپکٹر ہارون مرزا نے ہنس کر کہا۔ پھر کنٹر کی طرف [illegible]

"آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس کی [illegible]

[illegible] اگر یہ کچھ کرنے کے قابل ہوتا تو آپ کو مدد کے لیے [illegible]

"[illegible] ہی بات ہے۔ اب آپ کو جو کرنا ہے کر لیں۔"

"ہم ہے فوری طور پر [illegible] میں بند کر دیں۔ لیکن پہلے ہم اس [illegible] ہیں کہ یہ چکر کیا ہے۔"

"ہم تحقیق کر رہے ہیں۔"

"[illegible] نے ہے ساتھ کو ایک [illegible] میں کس [illegible] کے سلوک [illegible] ہم [illegible] کے ساتھ کیا گیا۔"

"اب [illegible] ہے یا ہم [illegible] ہو گئے۔"

"[illegible] ہو گئے۔ آپ کو ایک اور [illegible] کا کھیل دکھاتا ہوں۔"

[illegible]

"[illegible] مطلب۔ [illegible] کا کھیل؟" وہ چونکے

"[illegible] کا کھیل۔"

"[illegible] ان کا [illegible] کا کھیل بھی دیکھ لیں۔"

اور [illegible] کا [illegible] گئے۔ [illegible] نے [illegible] شروع کیے۔ لیکن [illegible] ان کی [illegible] کی توانائی نہ [illegible] [illegible] ہو رہے ہیں۔" انسپکٹر ہارون مرزا نے ہنس کر کہا۔

"[illegible] کیا ہے۔ دیکھتے جاؤ انسپکٹر ہارون مرزا۔ ابھی تو ہم [illegible] ہیں اور تم حیران ہو رہے ہو۔ ابھی وہ وقت بھی

[illegible] ہے۔ جب تم سر پکڑ کر بیٹھے ہو گے اور۔"

"اور کیا؟" انسپکٹر نے ہنس کر کہا۔

"اور تم [illegible] دیکھ [illegible] کے [illegible] کی ضرورت نہیں۔"

[illegible] کے ساتھ ہی وہ پھر چلنے لگے۔ اچانک [illegible] سب [illegible] سے [illegible]

"[illegible]؟" [illegible]

○☆○

شفٹ ۱

"[illegible] ہوئے اس عمارت سے باہر نکلے تو انسپکٹر باہر کھڑا [illegible] آپ کیا [illegible]

"اور آپ کو کیا ہوا؟" محمود نے اسے گھورا۔

"مجھے اچانک خوف محسوس ہوا تھا، یوں لگا تھا جیسے میرے سر پر [illegible] کا وار کرنے کو ہے، ہو مجھے دو حصوں میں تقسیم کر کی چلی جائے گی۔"

"جب یہ آپ کا وہم تھا۔ [illegible] اگر آپ نے ہماری گرفتاری کا [illegible] دیا ہے تو ہم ایک بار پھر اس عمارت میں داخل ہو کر اس کا [illegible] لینا چاہتے ہیں۔ اس تہ خانے میں وہ تالاب بلاوجہ نہیں [illegible] گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ وہ تہ خانہ انسانوں کو ذبح کرنے کے کام آتا رہا ہے اور یہ پروفیسر سیلانی کوئی آدم خور قسم کا آدمی ہے۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، اس کی گرفتاری بہت ضروری ہے۔ کہیں وہ انسانوں کے لیے خطرہ نہ بن جائے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم اسے تلاش کر لیں گے۔ بس آپ

اس عمارت سے اس کے خلاف ثبوت تلاش کریں۔ ابھی تک ہم
نہیں کہہ سکتے کہ اس آدمی کو خود پروفیسر یا اس کے آدمیوں نے قتل
کیا ہے۔ کیونکہ وہ تو رپورٹ میں آپ کا ہم دست کرا گیا ہے"۔

"کیا وہ پولیس انسپکٹر میں خود گیا تھا؟"

"جی نہیں۔ وہ آدمی گیا تھا' اس نے یہی کہا تھا کہ وہ پروفیسر
سیالانی ہے۔ اب میں نے تو پہلے اسے دیکھا ہی نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے
وہ کوئی اور ہو"۔

"ہوں خیر۔ پہلے تو ثبوت تلاش کریں"۔

وہ ایک بار پھر اس عمارت میں داخل ہو گئے۔ انسپکٹر یہ بات
کر سکتے تھا باہر ہی رہ گیا۔ انہوں نے پوری عمارت کو دیکھا اور
آخر یہ خانے کے برابر ایک اور یہ خانہ تلاش کرنے میں کامیاب
ہو گئے۔ لیکن وہ اس میں داخل نہ ہو سکے۔ اس میں اس قدر بدبو
تھی کہ انہیں باہر کی طرف دوڑ لگانا پڑی۔ دوسرا یہ خانہ انسانی ہڈیوں
سے بھرا پڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا۔ کہ سیالانی حویلی میں آنے والوں کو یہی
خانے میں ذبح کرتا تھا۔ وہ اور اس کے تمام ساتھی مل کر انسانی
کھاتے تھے اور پھر ہڈیاں اس دوسرے یہ خانے میں پھینک
تھے۔ یہ ثبوت بہت کافی تھا۔ لیکن انسپکٹر جمشید اس کے بعد
چیز کی تلاش میں رہے۔ یہ بات محسوس کرتے ہوئے فرزانہ بولی۔

"اب آپ اور کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

"پاشا یہ کیوں کہتا ہے کہ اسے نہیں معلوم' وہ چودہ سال کہاں
رہا ہے۔ میں یہ کیوں کہتا ہوں کہ بچپن میں وہ جانے کہاں رہا۔
اب ظاہر ہے۔ پاشا سیالانی کے ہاں ڈاکا ڈالنے آیا تھا۔ اور لوٹ کر
نہیں گیا۔ تو پھر وہ کہاں رہا۔ میں چاہتا ہوں۔ ہمیں اس بات کا بھی
کوئی ثبوت مل جائے کہ پاشا اس عمارت میں کہاں رہا ہے"۔

"اوہ ہاں! ٹھیک ہے"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

انہوں نے سر توڑ کوشش کی' لیکن ایسے کوئی آثار تلاش نہ کر
سکے کہ پاشا وہاں کیسے رہا۔ آخر تھک ہار کر باہر نکلے۔ وہاں انسپکٹر
صاحب بیٹھے بری طرح اونگھ رہے تھے۔ ان کا سر نیچے کی طرف جھکتا
چلا جا رہا تھا۔ جب بالکل سر گھٹنوں سے جا لگا تو ان کے جسم کو ایک
زوردار جھٹکا لگا۔ اور وہ بالکل سیدھے ہو گئے۔ لیکن آنکھیں بدستور
بند رہیں۔ اب ایک بار پھر سر کے جھکنے کا عمل شروع ہوا۔ سر گھٹنے
سے لگا تو انہوں نے ایک بار پھر جھٹکا کھایا۔

"ان کا یہ پروگرام تو جاری رہے گا۔ ہم کب تک کھڑے دیکھتے
رہیں گے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں بالکل"۔ انہوں نے کہا۔

فاروق نے جیب سے رومال نکالا اور اس کا ایک کونا گول کر کے
اس کی ناک میں چڑھا دیا۔ اس نے زوردار چھینک ماری اور آنکھیں
پوری طرح کھول دیں۔

"ہیں یہ آپ ہیں؟"

"ہم تو بہت دیر پہلے تھے۔ اب تو آپ ہیں"۔ فاروق بولا۔

"ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"میری طرف یہ تو سوچا ہی نہیں جاتا۔ کہ یہ کیا بات ہوئی۔
اس بات کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے"۔ کلاب نے مسکراتے
ہوئے کہا تھا اسے مخمور کر دیا گیا۔

"انسپکٹر صاحب۔ آپ کے لیے اور ثبوت یہ ثبوت ہیں۔
پروفیسر سیالانی اور اس کے ملازم دراصل آدم خور ہیں"۔

"کیا۔ نہیں"۔ وہ کانپ گیا

"یہ خانے کے اندر ایک اور یہ خانہ ہے۔ اس میں انسانی
ہڈیوں کے انبار لگے ہیں"۔

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں"۔ وہ چلا اٹھا۔

"اب آپ جانیں' آپ کا کام۔ ہم تو چلے خدا"۔

"خدا۔ اب کہاں رہا۔ نہ جانے اس غریب شہر کے لوگ کس
حال میں ہوں گے"۔ اس نے سر تھام لیا۔

"کیا دیکھنے جا رہے ہیں"۔

"لیکن آپ کیسے دیکھیں گے' مسئلہ تو یہ ہے"۔

"آنکھوں سے"۔ فاروق بولا۔

انسپکٹر سر ہلا کے رہ گیا۔ پھر وہ انسانی ہڈیاں باہر نکالنے
[illegible]

[illegible] گئی۔ اور وہ شہر خدا کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں
[illegible] کا طرف تھا پہنچے کا تھا۔ شہر کے سامنے پہنچ کر وہ کار سے
[illegible] گئے۔ وہ دیکھ کر وہ ہنس پڑے کہ اس شہر کے سامنے ایک عارضی
[illegible] کیا تھا۔ مرچ کی دکانیں بن چکی تھیں۔ کیونکہ پورے ملک
[illegible] اس جگہ کو دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔ اب چونکہ آنے
[illegible] وہ تو شہریوں کے تھے۔ اس لیے انہیں کھانے پینے' رہائش
[illegible] بھی چیزوں کی بھی ضرورت تھی۔ لہٰذا ان کی ضرورت کے پیش
[illegible] کی دکانیں اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔ جس طرح کسی جگہ میلا
[illegible] تو وہاں دکانیں لگ جاتی ہیں' یہاں بھی بالکل میلے کا سماں تھا۔
[illegible] میلے کا مزا آ رہا تھا۔ خوب چہل پہل تھی۔ صرف وہ لوگ
[illegible] رہے تھے۔ جن کے رشتے دار اس شہر میں رہتے تھے۔ باقی
[illegible] کے لیے تو یہ ایک تفریحی مقام بن چکا تھا۔ ہاں یہاں ایک چیز
[illegible] ضرور تھی۔ اور وہ کمی تھی ہوٹلوں کی۔ عارضی طور پر ہوٹل تو
[illegible] نہیں جا سکتے تھے۔ لیکن یار لوگوں نے اس کا بھی حل نکال
[illegible] انہوں نے خیمے اور پھولداریاں لگا لی تھیں اور لوگ وہ خیمے
[illegible] لے رہے تھے۔ کوئی ایک دن کے لیے' تو کوئی دو دن کے
[illegible]

[illegible] میرا خیال ہے۔ اب ہمیں بھی دو تین خیمے لینا پڑیں گے"۔
[illegible] لے

[illegible] کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"[illegible] ہو گئی ہے۔" [illegible] نے پوچھا۔

"[illegible] ایک پہلے کھلا۔ پھر جیسے [illegible] اس کے [illegible]

[illegible] جوشیلے۔" پروفیسر [illegible] نے [illegible]

"[illegible] کہاں نہیں۔ یہ ہی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔"

"تو پھر سنو جوشیلے۔ تم اس شہر کا سراغ نہیں لگا سکو گے۔"

"یہ بات تم اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو [illegible]

"میرا خیال ہے۔ شہر خدا کسی بلیک ہول میں چلا گیا [illegible]

"[illegible] کیا خیال۔ بلیک ہول؟" وہ سب ایک ساتھ [illegible]

[illegible] بھی۔

"[illegible] ہوا ازلی ابدی والا کیس ہم سب کو [illegible]

ہے۔ اس کیس کے دوران ہم نے بلیک ہول کا ذکر بھی [illegible]

نے قرآن کی رو سے بھی یہ بات ثابت کی تھی کہ اس [illegible]

میں پہلے بھی ملتی ہیں۔ آخر یہ ہوا ازلی ابدی [illegible]

کہاں چلے جاتے تھے جوشیلے۔ یا جہاز کے مسافر کہاں [illegible]

تھے۔ کسی بلیک ہول میں۔ اس بلیک ہول سے جہاز [illegible]

[illegible] جاتے تھے۔ یا مسافر بھی واپس آ جاتے تھے۔ لیکن واپسی میں گزرنے [illegible] کے بارے میں انہیں کچھ پتا نہیں ہوتا تھا۔ خود [illegible] [illegible] جیسا واقعہ۔ ہوا تھا۔"

"[illegible] ہے ابھی طرح۔" وہ بولے۔

"جی ہاں یہ کیس بالکل اس جیسا ہے۔"

"لیکن اس کیس میں ہم جرم کی بو نہیں سونگھ سکے تھے۔ وہ [illegible] کے تحت ہوا تھا۔" انسپکٹر جوشیلے بولے۔

"تو کیا جوشیلے۔ اس کیس میں تم نے جرم کی بو محسوس کی [illegible]"

"ہمیں محسوس کی تو نہیں۔ لیکن فرض کیا۔ اس بار کوئی جرم [illegible] کیا ہے۔ تب؟"

"[illegible] بات ہے۔ جوشیلے۔ اس قدر خوفناک، ہولناک، [illegible] بلکہ اور بلکہ خیالات نہ سوچو۔ یہ تو عقل اڑا دینے والی بات [illegible] فی الحال۔"

"اگر یہ شخص بلیک ہول ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ [illegible] بلیک ہول کے مقابلے میں۔ معمولی بلیک ہول۔"

"[illegible] نہیں۔ نہیں۔" پروفیسر چلائے۔ ان کا چہرہ سفید [illegible] تھا جیسے کسی سوچ نے ان کے سارا خون کھینچ لیا۔

[illegible] کامیاب ہو گیا۔ تب اس نے بڑا تجربہ کرنے کا [illegible] اس کے ساتھ ساتھ پھرنے پھرنے تجربات کرنے کا [illegible] بلکہ یہ خوف [illegible] ایلی وحاک [illegible] اپنے [illegible] میں اس نے پاؤں کو بلیک ہول سے نکال لیا۔ اس [illegible] کے بارے میں کیا کہتے ہو جوشیلے؟"

"خوف کے [illegible] ہے۔ لیکن محسوس ہوتا ہے۔ ایسا ہی [illegible] لیکن یہ [illegible] خوفناک ہے۔ اس قدر خوفناک کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہم میں آپ سے یہ پوچھنا چاہوں گا کہ آپ نے یہ [illegible] کیا۔ کہ ہم اس کیس میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔"

"تم بھول رہے ہو جوشیلے۔ میں نے یہ نہیں کہا۔ میں نے تو یہ کہا تھا۔ کہ تم اس شہر کا سراغ نہیں لگا سکو گے۔"

"ہاں واقعی۔ آپ نے یہی الفاظ کہے تھے۔ خیر۔ اگر ہم نے [illegible] کا سراغ لگا لیا تو شہر کا سراغ بھی ان شاء اللہ لگا لیں گے۔ [illegible] پہلے [illegible] حاصل کر لیں۔ پھر کچھ کھائیں گے۔ اور اگر آپ کو [illegible] ہو تو پہلے کھا لیں۔"

"ہاں پہلے کھا۔" وہ مسکرائے۔

[illegible] کی چار دن [illegible] قائم کر کے [illegible] ایک [illegible] ہوٹل [illegible] کرسیاں بچھی تھیں۔ وہ اس میں داخل ہو گئے۔ اور [illegible] ایک [illegible] کرنے لگے۔ وہ [illegible] فوراً ان کی طرف [illegible]

[illegible] نے تو کھانا لگ رہا تھا۔ آخر انہوں نے کھانا شروع کیا۔
"ایک ہول والی بات نے تو مجھے ہول میں ڈال دیا"۔ فاروق نے
[illegible] اور شوکی بیلورز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"نہیں کوئی بات نہیں نکال لیں گے"۔
"کیا نکال لیں گے؟" پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں
[illegible]
"کیا۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ فاروق"۔ محمود نے جلدی جلدی کہنا چاہا۔
"کچھ نہیں کوئی بات نہ ہو سکی۔
"کیا۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ فاروق۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی؟"
"فاروق کا کہنا ہے کہ بلیک ہول والی بات نے اسے ہول میں
ڈال دیا ہے"۔
"ہاں واقعی۔۔۔ بات ہی ایسی ہے۔۔۔ ہماری زندگیوں کی سب سے
[illegible] خبر ہے"۔
ابھی اس وقت ایک آدمی دوڑتا ہوا ہوٹل کے ہال میں داخل
ہوا۔ اور کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔۔۔ دو بیروں نے مل کر اسے
اٹھایا۔ تو اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"کیا۔۔۔ وہ واپس آ گیا ہے"۔
"ارے صاحب کیا۔۔۔ ہوش میں تو۔۔۔ کیا تم نشے میں ہو؟"
ایک بیرے نے جھلا کر کہا۔

انہیں کھانے کا آرڈر دیا گیا۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔
"یہاں آپ کے ہوٹل کے لیے بھی چیز کیا"۔
"جی بالکل۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن کمروں کی بکنگ بہت ہے۔۔۔ ٹھیک
ہے۔ مجھے بعد پورے شہر میں ایک بھی خالی نہ ملے۔۔۔ اگر آپ
بنا چاہیں تو فوراً لے لیں۔۔۔ کھانا بعد میں کھاتے رہیں گے۔۔۔ ہاں کھانا
ابھی کھا لیتے ہیں کچھ وقت تو لگے گا"۔
"ہوں۔۔۔ ٹھیک ہے"۔ یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اٹھے اور کھانے کی
طرف چل دیے۔ باقی لوگوں کو انہوں نے بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا تھا
"ہمیں چند لمحے دو کمرے چاہیں"۔
"کتنے؟"
"ایک لمحے میں کتنے تو ہی ہو سکتے ہیں"۔
"دس تو ہی"۔
"اب پانچ چھ لمحے دے دیں"۔
"کتنے دن کے لیے؟" اس نے پوچھا۔
"دس دن کے لیے تم از کم۔۔۔ ضرور ٹھہرنا ہوا تو بتا دیں گے"۔
"ہو سکے۔۔۔ دس دن کا کرایہ آپ کو ایڈوانس دینا ہو گا"۔
"ہو سکے۔۔۔ کتنا کرایہ بنتا ہے"۔
اس نے کرایہ بتا دیا۔۔۔ اگرچہ کرایہ بہت زیادہ تھا۔۔۔ لیکن
نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ کرایہ ادا کر کے کمروں کی رسید لے لی

جادوئی ماحول

"کمروں کے لیے تک کر دیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔
"ہاں ہاں تک کیے گئے۔۔۔ وہ رک گئے۔۔۔ لیکن اب ان میں
[illegible] اور بے ہوش نہیں تھے۔۔۔ وہ غائب ہو چکے تھے۔
"ہیں۔۔۔ وہ کہاں گئے۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ ہماری زندگیوں میں
[illegible] کچھ نہیں ہوا۔ کہ کمروں میں کس جانے کے بعد کوئی ہوا ہو۔۔۔ اور
[illegible] غائب ہو گیا ہو"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔
"واقعی۔۔۔ یہ حد درجے حیرت کی بات ہے۔۔۔ تاہم ہمیں شہر میں
[illegible] تلاش ضرور کرانا ہو گی"۔
"ہوں اچھا۔۔۔ اب ہمیں یہاں وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔۔۔
[illegible] شہر خلا کا رخ کرنا چاہیے"۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم ابھی اور اسی وقت چل رہے ہیں"۔
وہ وہاں سے نکل کر سیدھے ایئرپورٹ پہنچے۔۔۔ اور ایک
[illegible] جہاز کے ذریعے خلا کے نزدیکی شہر پہنچے۔۔۔ وہاں سے ایک
[illegible] کے ذریعے اس میدان تک پہنچے جو شہر کے سامنے تھا۔ اس

میدان تھے۔ درخت بھی تھے۔ اور کہیں کہیں گھاس کے قطعے
بھی۔ لیکن وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا۔ اس وقت وہاں سیکڑوں
تھا

"واہ۔ بہت دلکش منظر ہے"۔ آفتاب نے داد دی۔

"پہلے ہم اس جگہ کو دیکھیں گے۔ جہاں وہ شہر تھا۔ دیکھا
ہے کہ اب وہاں کیا ہے؟"

"ظاہر ہے۔ میدان ہو گا۔ کھلا میدان۔ یہ تو شہر
میدان کے سامنے ہی تو تباہ ہوا ہو گا"۔ آصف نے جلدی سے کہا۔

پھر سے اتر کر وہ لوگوں سے پوچھتے ہوئے اس طرف بڑھ
گئے۔ جہاں کبھی شہر تھا۔ انہیں لوگوں کے درمیان سے راستہ
بناتا جا رہا تھا۔

"ہمیں میں اگر ملاقات ہو جائے انکل جمشید پاشا سے تو
بات ہے"۔ فرحت چہچہائی۔

"آئے ہوئے تو وہ یہیں ہیں۔ امید ہے' ملاقات ہو
گی"۔

"تو انکل۔ ہم جو سے الو کی آواز کیوں نہ نکالیں۔
کے کانوں تک پہنچ گئی تو فوراً آواز کا جواب دیں گے اور
دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی چلی جائیں گی"۔

"ابھی نہیں۔ پہلے ہم معائنہ کر لیں"۔ انسپکٹر کامران

فرمایا۔

کچھ دیر بعد وہ بالکل اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں شہر تھا۔ اس
طرف کوئی نہیں جا رہا تھا۔ ایک لائن سی کھینچ دی گئی تھی۔ کہ اس
لائن سے آگے گویا شہر کی جگہ تھی۔ بس لوگ لائن کے اس طرف
کھڑے آ جا رہے تھے۔ اس سے آگے کوئی نہیں بڑھ رہا تھا۔ اس ڈر
سے کہیں اس طرف قدم رکھ کر وہ بھی غائب نہ ہو جائیں۔ ان کے
سامنے بالکل چٹیل میدان تھا۔ اس میدان پر کوئی چیز نہیں تھی'
صرف میدان کے اس طرف گھاس' پھولوں' جھاڑیاں' درخت وغیرہ
سب کچھ تھا۔

"کیا کسی نے اس طرف کوئی چیز پھینک کر نہیں دیکھی۔ کہ
اس چیز کا کیا بنتا ہے؟" آفتاب بڑبڑایا۔

"ہاں! بہت خوب! ایسا کر کے دیکھنا چاہیے"۔ انسپکٹر کامران
مسکرایا اور پھر اپنا کوٹ اتار کر اس کی جیبیں خالی کر کے اسے دور
پھینک دیا۔ لیکن کوٹ جوں کا توں پڑا رہا۔ آس پاس کھڑے لوگوں
نے اس کی یہ حرکت حیرت بھری نظروں سے دیکھی' ایک نے کہا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

"تجربہ"۔ وہ مسکرائے اور پھر اپنا ایک جوتا اتار کر دور پھینک
دیا۔ جوتا بھی جوں کا توں پڑا رہا' پھر دوسرا جوتا بھی اچھال دیا۔ پھر
کوٹ

"نہیں انکل۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔ میں اپنی جگہ پر
رہا ہوں"۔

"نہیں۔ نہیں۔ آپ ایسا نہ کریں"۔ فرحت بوکھلا کر بولی۔

"ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ زیادہ سے زیادہ میں غائب ہو
جاؤں گا اور اس جگہ پہنچ جاؤں گا کہ جہاں شہر موجود ہے اور پھر شہر کے ساتھ
واپس آؤں گا"۔

"کک۔ کیا کہا۔ شہر کے ساتھ واپس آئیں گے۔ آپ یہ
کر سکتے ہیں۔ اب شہر بھی واپس آئے گا"۔

"واپس تو ضرور آئے گا"۔ انہوں نے پختگی انداز میں کہا۔

"مگر۔ جیسے آپ کی مرضی۔ ویسے ہمیں ڈر محسوس ہو
رہا ہے"۔

"خطرہ کو بار کہو۔ اب یہاں آئے ہیں تو کچھ تو کرنا ہی ہے
مگر۔ کیا ہم صرف اس جگہ کو دیکھ کر اپنا مہم ختم سمجھیں گے"

"نہیں بھئی۔ یہ بات نہیں ہے"۔

"تو پھر۔ پھر کیا۔ یہ جگہ دیکھ لیں"۔

یہ کہہ کر انہوں نے اس جگہ پر قدم رکھ دیئے۔ جہاں کبھی شہر
تھا۔ ابھی ابھی پہلا قدم رکھے ہوئے۔ لوگ چلا اٹھے

"ارے۔ ارے۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔ کہیں آپ بھی گم
ہو جائیں گے"۔

"نہیں۔ فکر نہ کریں"۔

پہنچتے ہوئے وہ اپنی بیویوں کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے
سہمے ہوئے انہیں لے لیا۔ کوٹ بھی جھاڑ کر پہن لیا۔ پھر ان کی طرف مڑتے
ہوئے بولے۔

"تو بھئی آؤ۔ تم بھی آؤ۔ یہاں کچھ نہیں۔ کوئی خطرہ
نہیں"۔

وہ جیسے ان کی طرف بڑھنے لگے۔ اب لوگ حیرت کا بت بنے
انہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ سب خاموش تھے۔ چاروں آگے
بڑھ رہے تھے۔

"ہم نہیں۔ انکل جمشید کہاں ہیں؟۔ کیا ابھی تک اس طرف
نہیں آئے ہوں گے"۔ آصف بولا۔

"آنے کا مطلب یہ ہے کہ ابھی انہیں اس طرف آنے کی
ضرورت نہیں پڑی ہو گی۔ ورنہ وہ ضرور آئے ہوتے۔ یہاں کچھ
نہیں۔ نہ شہر کا کوئی سراغ مل سکتا ہے۔ ہمیں تو بس گم کرنے
والے کا سراغ لگانا ہے۔ اگر ہم شہر کو گم کرنے والے کا سراغ لگا
لیتے ہیں تو سمجھ لیں۔ میدان مار لیا۔ پھر شہر بھی واپس لے لیں گے"۔

"آپ بالکل سچ کہتے ہیں"۔

"اس جگہ لوٹ آئیں۔ جہاں پہلے کا سماں تھا۔ ہاں خوب
سمجھ لیا۔ اس کے قدم ایک عارضی ہو گئی کی طرف بڑھنے لگے۔

"وہ اور والی ترکیب تو رہ گئی"۔

"ابھی نہیں۔ پہلے ہم کوئی جگہ حاصل کر لیں۔ ... گزرے گی آخر"۔

جلد ہی وہ ایک ہوٹل کا ایک کمرہ کرائے پر لینے میں ... گئے۔ کھانا بھی انہوں نے وہیں منگوا لیا۔ بڑا کھانا کھاتے ... چونک سا گیا اور حیرت زدہ آواز میں بولا۔

"اگر میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہیں تو آپ ضرور ... کامران مرزا ہیں اور یہ آفتاب، ہمدم اور خدمت صاحبان ہیں"۔

"آپ کا اندازہ درست ہے"۔

"تب تو کمال ہو گیا صاحب"۔

"کمال کیسا؟" وہ بولے۔

"میں صبح سے یہ بات سوچ رہا تھا کہ اس شہر کے لیے ... آپ لوگوں کو میدان میں اتارنا چاہیے۔ سو آپ آ گئے"۔

"بہت خوب! آپ ہمیں شہر کے بارے میں کیا بتا سکتے ہیں"۔

"کچھ بھی نہیں سر۔ میں تو ایک ہوٹل کا بیرا ہوں۔ ... سے نزدیک ایک شہر ہے۔ اس شہر میں ہوٹل تھری سٹار ہے۔ ... شاخ اسی ہوٹل کی ہے اور اسی سلسلے میں میں یہاں موجود ہوں۔ ... کیا بتا سکتا ہوں"۔

"لیکن میرا خیال ہے۔ آپ بتا سکتے ہیں"۔

"کیوں کیسے؟"

"آپ کا ذہن جاسوسی ہے۔ جاسوسی ناول "کہانیاں یا ہم جیسے ... کیوں کہ آپ بطور مطالعہ کرتے ہیں۔ کیا یہ بات درست ... ہے"۔

"درست ہے جناب"۔

"اگر یہ بات درست ہے۔ تو پھر آپ نے اپنے طور پر ضرور ... معلوم کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ بس ہمیں صرف یہ بتا دیں۔ ... کوشش کا نتیجہ کیا نکلا؟"

"ہوٹل کی مصروفیات کی وجہ سے میں ابھی تک کوئی عملی ... حاصل نہیں کر سکا۔ آج خیال ہے۔ رات کو اس شہر کی جگہ پر ... گھوم پھر کر دیکھوں گا"۔

"یہ ہم کر آئے ہیں۔ وہاں کچھ نہیں ہے"۔

"تب پھر آپ ہی بتائیں۔ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"آپ۔ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ کان کھلے رکھیں۔ ہوٹل میں آنے والوں کی باتیں سنتے رہیں۔ ہو سکتا ہے۔ ہوٹل میں آنے والوں میں کوئی ایسا شخص بھی ہو۔ جس کا تعلق شہر غائب کرنے سے ہو"۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا یہ کام کچھ لوگوں کا ہے؟"

"ہاں تو اور کیا۔ خود بخود شہر کس طرح غائب ہو سکتا ہے"۔

"ہو ہم نے بھی ... کے بارے میں سنا ہے۔ ... وہاں کوئی نہیں پہنچا تھا۔ وہاں کون سا کوئی انسان بھلا گم کرتا ہے ... مگر یہاں وہی چکر شروع ہو گیا ہے تو اس چکر کو ہم کس ... لگ سکتے ہیں اور اگر یہ کوئی انسانی چکر ہے تو ہم اس سلسلے ... تک ضرور پہنچ سکیں گے"۔

"جی شاید ٹھیک ہے۔ آپ لوگ ... کہا"۔ ... نے چونک کر کہا۔

انہوں نے وہ ... کی طرف دیکھا تو وہاں ... عجیب و غریب شکل صورت کا آدمی دکھائی دیا۔ ... دروازے کے ہتھ کا رہنے والا ہو۔

"اس وقت ہم بڑا ... پر ہے۔ اندر ہی ... بات کر لیں۔ صاف بیٹھ کر۔ میں ابھی آتا ہوں"۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں"۔

وہ چلا گیا۔ یہ لوگ آنے والے کو دیکھنے لگے۔ ... چہرے پر سنجیدگی تھی بالکل نہیں تھی۔ بالکل ... کا مطلب تھا۔ وہ کسی دور دراز جگہ سے نہیں آیا تھا۔ ... ہی آیا تھا۔ بیرے نے اس کے نزدیک جا کر اس سے کچھ ... یہی کہا ہو گا کہ وہ کیا خدمت کر سکتا ہے۔ لیکن جواب ... بیرے کے گال پر ایک زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ اچھل ...

"سر۔ ... کیا؟" انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔

بارہ ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ بڑا بالکل ساکت کھڑا تھا جیسے ... پتھر کا ہو گیا ہو۔ ادھر انسپکٹر اسے کہا جانے والی نظروں ... گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے جناب۔ آپ نے انہیں تھپڑ کیوں مارا"۔

"آپ سے مطلب۔ آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔ ... تھپڑ کھانے والے کو کوئی اعتراض نہیں"۔

"یہ آپ نے کیسے کہہ دیا کہ انہیں کوئی اعتراض نہیں؟"

"تو پوچھ لیں ان سے۔ انہیں کوئی اعتراض ہے یا نہیں"۔

"کیوں بھئی۔ بڑا صاحب۔ آپ کو اس تھپڑ پر کوئی اعتراض ... ہے؟"

"جی نہیں۔ بالکل نہیں"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں ... پھر وہ سب لے ترتی کی طرف مڑے۔

"سر۔ ایک تھپڑ اس طرف بھی۔ تاکہ توازن برقرار رہے"۔

"ہاں۔ ضرور۔ کیوں نہیں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے دوسرے گال پر بھی ایک تھپڑ لگا۔

"بہت خوب! مزا آ گیا۔ اب فرمائیں۔ کیا پیش کروں؟"

"اپنے خون کا ایک گلاس لے آؤ"۔ اس نے کہا۔

"ہو کے سر۔ ابھی لاتا ہوں"۔

کہہ کر وہ کاؤنٹر پر گیا۔ ایک گلاس اٹھا کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔ کاؤنٹر پر سے ایک تیز دھار والی چھری اٹھائی اور لگا اپنی انگلی پر چلانے۔ لیکن عین اس وقت انسپکٹر کامران مرزا بلا کی رفتار سے میں نے اور چھری اس کے ہاتھ سے چھین لی۔

اجنبی نے یہ کارروائی پرسکون انداز میں دیکھی۔ پھر ہولے سے تالی بجا دی۔

"کوئی بات نہیں۔ اب میں اس کے خون کا ایک گلاس پیوں گا۔ اٹھاؤ چھری۔ اور گلاس بھرو"۔ اس نے یہ الفاظ ادا کیے تو ان کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ وہ ایک ایک زور دار کاؤنٹر پر گرے۔ چھری اٹھائی وہاں مزے۔ انہوں نے گلاس کی آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ جلد ہی وہ اس اجنبی کے پاس جا پہنچے۔

"لو۔ تم اپنا خون نکال کر دو"۔

"تم۔ تم کون ہو؟۔۔۔ حیرت۔ بہت حیرت۔ تم نے یہ نہیں بتایا"۔

"تم ہو کیا جس کا حکم مانا جائے"۔

"یہ بات ہے۔ اچھا تو پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو۔ ابھی معلوم ہو جائے گا کہ میں کون ہوں"۔ اس نے کہا۔

"اوہ۔ یہ چیٹم کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ اس سے

ڈرنا چاہیے کہا"۔ فرحت چلائی۔

انسپکٹر کامران مرزا نے جیسے اس کی آواز سنی ہی نہیں۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھنے لگے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے صاف محسوس کیا کہ وہ چیٹم کا ماہر ہے۔ لیکن وہ بھی کم نہیں تھے۔ انہوں نے مضبوطی سے اپنی آنکھوں میں جمع کر لی۔ جلد ہی اجنبی نے اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ اور تھکی تھکی آواز میں بولا۔

"آپ کو اپنا استاد مانتا ہوں"۔

"اب آئے ہو سیدھے راستے پر۔ پہلے اس بیرے کو حکم دو۔ اب یہ اپنا خون نہیں نکالے گا"۔

"اچھا۔ سنو بیرے۔ تم اپنا خون نہیں نکالو گے"۔

"جی۔ بس سر"۔ اس کی بوکھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"اب بتاؤ۔ تم کون ہو اور یہ کیا حرکت تھی؟"

"میرا نام نذر ایری ہے۔ ایک جادوگر ہوں اور اس طرح اپنی روزی کماتا ہوں۔ آج کل چونکہ یہاں میلا لگا ہوا ہے' اس لیے میں نے سوچا۔ یہاں کافی زیادہ چنسیں گے۔ میرے کمالات دیکھنا زیادہ پسند کریں گے۔ یوں بھی یہاں ماحول جادوئی سا ہے۔ سنا ہے۔ شہر آسیب ہو گیا ہے۔ بے کوئی تک"۔

"مقصد کیا خیال ہے۔ کیا یہ بھی کوئی چیٹم کا شوشا ہو سکتا

ہے"۔

"نہیں۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس بیرے کو دیکھا۔ یہاں شر تھا۔ اگر یہ کسی چیٹم کے ماہر کا کام ہوتا تو میں ضرور دیکھ لیتا"۔

"لیکن تم تو بہت چھوٹے ماہر ہو۔ تم سے زیادہ طاقت ور ہوں"۔ انہوں نے بڑا سا منہ بنایا۔

"تو آپ بھی کوشش کر لیں۔ لیکن ایسا ہے نہیں۔ میں نے وقت کو بھی یہاں لایا تھا۔ تاکہ یہ راز معلوم کر سکوں۔ اس نے بھی کہا ہے۔ کہ یہ چیٹم نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور ماہر ہے جو پورے شہر کو متاثر کر رہا ہے"۔

"اچھا اگر یہ اپنی کاٹل لیتا" انسپکٹر کامران مرزا نے

"نہیں۔ میں عین وقت پر اسے روک دیتا"۔

میں اس وقت ہوٹل کے باہر بے تحاشا قہقہے لگا رہا

☆○☆

رنگ اڑ گئے

سب لوگ دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جب کہ پہلے وہ سب ہوٹل ہونے والے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"ارے۔ وہ وہاں آ گیا ہے"۔ وہ ایک ساتھ چلائے۔

"کیا کہا۔ کون وہاں آ گیا ہے"۔ کسی نے چیخ کر کہا۔

"ارے۔ خلا"۔ وہ بولے۔

"کیا کہا۔ خلا وہاں آ گیا ہے۔ یعنی شر خلا"۔ کوئی حلق پھاڑ کر چلایا۔

"ہاں ہاں۔ ہم غلط نہیں کہہ رہے۔ چل کر دیکھ لیں"۔

اور پھر وہ سب باہر کی طرف دوڑ پڑے۔ باہر سب لوگ پہلے ہی شہر کی طرف دوڑ لگا چکے تھے۔

"ہمیں لوگوں نے بھی دوڑ لگا دی"۔

"کیا بات ہو گئی"۔ پروفیسر بولے۔

"نہیں کچھ بھی نہیں۔ غریب بھی ہو گئی۔ لیکن بات خوشی کی ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"معذرت کی ہے۔ لیکن ہمارے لیے نہیں۔ اس لیے کہ ہم
لیے تو کیس پھر بھی ختم نہیں ہوا۔ آخر ہمیں یہ تو دیکھنا ہو
گا کہ یہ چکر کیا تھا۔ پورے شہر کو آخر کیسے کوئی غائب کر
ہے؟"

"یہ تو خیر ہے۔ ہمارے لیے معاملہ ختم نہیں ہوا۔ لیکن
منٹ ضرور حل ہو گیا ہے۔"

اور پھر سب لوگ دوڑتے ہوئے اس لائن تک پہنچ گئے
جہاں وہ پہلے کھڑے ہو کر شہر کی جگہ چٹیل میدان کو دیکھتے رہے تھے
انہوں نے دیکھا۔ شہر مکمل طور پر ان کے سامنے تھا۔ اور ہم
معمول کے مطابق چل پہل تھی۔ ایسے میں شہر کے لوگوں نے
سب کو حیرت زدہ انداز میں کھڑے دیکھا تو حیران ہوئے بغیر نہ رہ
اور سب کے سب ان کی طرف لپکے۔

"کیا بات ہے۔ کیا یہاں کوئی حادثہ ہو گیا ہے۔ آپ
یہاں کیوں جمع ہیں۔ اور ہماری طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیوں
رہے ہیں؟"

"کیوں۔ کیا آپ لوگوں کو کچھ معلوم نہیں؟" کسی نے
کہا۔

"کیا مطلب؟... کیا معلوم نہیں اور کس لوگوں کو؟" ایک
آدمی بولے۔

"پورے شہر کے لوگوں کو۔ کیا کچھ بھی معلوم نہیں؟"۔

"آخر کیا؟۔ ہم تو یہاں ہر طرح خیریت سے ہیں؟"۔

"ارے باپ رے۔ انہیں تو کچھ بھی معلوم نہیں؟"۔

"ایک منٹ ٹھہریں حضرات' ہم ابھی انہیں بتائے دیتے ہیں کہ
ہر طرح خیریت ہے یا نہیں"۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

پھر وہ آگے بڑھ آئے۔ لوگ ان کی طرف دیکھنے لگے۔ ایسے
میں کسی نے پوچھا۔

"آپ کون ہیں؟"

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں اور یہ میرے ساتھی ہیں"۔

"انسپکٹر جمشید۔ اوہ۔ آپ تو بہت مشہور آدمی ہیں۔ تب تو
آپ بات چیت کے لیے اور معاملے کی وضاحت کے لیے ٹھیک رہیں
گے"۔ کسی نے کہا۔

"شکریہ!" یہ کہہ کر وہ مسکرائے۔

"لیکن۔ کیسا معاملہ۔ کیسی وضاحت؟"

"سب سے پہلے تو یہ بتائیں۔ آپ لوگوں کی گھڑیوں پر کیا وقت
اور کیا تاریخ ہے' اس وقت؟"

"گھڑیوں پر وقت اور تاریخ"۔ ان سب کے منہ سے ایک ساتھ
نکلا اور پھر سب نے گھڑیوں پر نظریں دوڑائیں۔

"آج ہفتے کا دوپہر ہے۔ اور اس وقت شام کے چھ بج رہے

"نہیں۔ آج ۹ نومبر ہے اور شام کے سات بج
ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے ہلکے تو ازمیں کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ ہم سب کی گھڑیاں تو ٹھیک دوپہر
ہیں"۔

"آپ لوگ ان سب لوگوں سے پوچھ لیں۔ جن
تائیں"۔ انسپکٹر جمشید ان کی طرف اشارہ کر کے بولے۔

"ہاں بالکل ٹھیک ہے۔ آج ۹ نومبر ہی ہے"۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آج
نومبر ہے"۔

"اگر آپ لوگ پسند کریں تو ہم آپ کو ساری تفصیل
کے لیے تیار ہیں۔ سچ بات یہ ہے کہ آپ کا پورا شہر غائب
غائب ہو گیا تھا اور پورے تین دن غائب رہا ہے۔ بلکہ تین
گھنٹے تک"۔

"کیا بات کرتے ہیں۔ کیا کبھی دنیا میں ایسا بھی ہوا ہے"
نے ہنس کر کہا۔

"دنیا میں ایسا نہیں ہوا۔ لیکن اس شہر کے اور وقت
ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں نے کبھی یہ موذا ترانی اسٹال کے بارے
سنا ہے؟"

"یہ موذا ترانی اسٹال"۔ لوگ جیسے سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر وہ
سر ہلاتے ہوئے بولے۔

"ہاں ہاں! میں نے اس کے بارے میں پڑھا تھا۔ اس پر سے
گزرنے والے جادو غائب ہو جاتے ہیں۔ مسافر بھی غائب ہو جاتے
ہیں۔ پھر اگر وہ لوٹ کر آئیں۔ تو انہیں یہ پتا نہیں ہوتا کہ وہ کتنے
عرصے غائب رہے ہیں"۔

"بالکل ایسا ہی واقعہ آپ کے شہر کے ساتھ ہوا ہے۔ ہم آپ
لوگوں کو اخبارات دکھاتے ہیں۔ پہلے آپ سب تین دن کے اخبارات
دیکھیں"۔

ٹرین کے باہر میلا لگانے والوں کے پاس تین دن کے بے شمار
اخبارات تھے۔ وہ انہیں دینے لگے۔ وہ پاگلوں کی طرح اخبارات پر
ٹوٹ پڑے۔ اخبارات پڑھتے گئے اور ان کی آنکھیں حیرت کے مارے
پھیلتی گئیں۔ اب سارا معاملہ ان کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ خوف زدہ ہو
گئے تھے۔

اور اس ملاقات کا فائدہ یہ ہوا کہ انسپکٹر کامران مرزا پارٹی بھی
ان کے سامنے آ گئی۔ وہ گرم جوشی سے ملے۔

"تو آپ لوگ بھی یہاں پہنچ چکے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! لیکن زیادہ دیر نہیں ہوئی"۔

"چلیے شکر ہے۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے

بات سے" فاروقی نے خوش ہو کر کہا۔

"ہم واپس ہو گئے تھے۔ ہم کیوں ہوتے واپس"۔ انسپکٹر جمشید نے ساتھ ملایا۔

"اب جب کہ شہر واپس آ چکا ہے۔ کیوں نہ ہم اپنے اپنے ہیں۔ اب یہاں رہ کر کیا کریں گے"۔ شوکی کی آواز سنائی دی۔

"واہ۔ شوکی بھائی نے کیا مل گئی بات کہی ہے"۔ فاروقی نے خوش ہو کر کہا۔

"اور تم کیا کہتے ہو فاروقی"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں دونوں کی بھلی بات کی تائید کرتا ہوں"۔

"ٹھیک ہے۔ ہم میں سے جو جانا چاہے جا سکتا ہے۔ ہم یہ راز معلوم کر کے جائیں گے کہ شہر تین دن ایک گھنٹہ کیوں غائب رہا ہے"۔

اپنے میں کئی سرکاری جیپیں وہاں آ کر رکیں

"کمشنر صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ سب سے" ایک جیپ نے کہا۔

"چلئے جناب۔ ان سے بھی مل لیتے ہیں"۔

جلد ہی وہ کمشنر صاحب کے سامنے بیٹھے حیران ہو رہے تھے کیونکہ کمشنر صاحب کا چہرہ دودھ کی طرح سفید تھا۔

"کیا بات ہے جناب۔ خیر تو ہے؟"

"آپ سب لوگ فوراً واپس روانہ ہو جائیں۔ بلکہ فوراً سے بھی پہلے۔ یہ میرا حکم نہیں ہے۔ شاید میں آپ کو حکم دے بھی نہیں سکتا۔ لیکن میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں"۔

"اور آپ یہ درخواست کیوں کر رہے ہیں۔ کوئی وجہ تو ہو گی"۔

"ہاں۔ وجہ ہے۔ ابھی ابھی میرے فون کی گھنٹی بجی تھی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو ایک عجیب و غریب آواز سنائی دی۔ آواز نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ لوگوں کو فوراً یہاں سے ان کے گھروں کی طرف بھیج دوں۔ ورنہ"۔ یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گئے۔

"ورنہ کیا؟"

"ورنہ شہر پھر غائب ہو جائے گا اور اس بار ایسا غائب ہو گا کہ واپس نہیں آئے گا"۔

"کیا۔ نہیں"۔

"اور آواز نے تجربے کے طور پر ایک بات کہی ہے"۔

"تجربے کے طور پر ایک بات۔ کیا مطلب؟"

"ہاں! اس نے کہا ہے کہ ابھی چند منٹ بعد شہر کا گھنٹہ گھر غائب ہو جائے گا۔ اگر گھنٹہ گھر غائب ہو جائے۔ تو سمجھ لیجئے گا۔ وہ آواز گھنٹہ گھر کو غائب کر سکتی ہے۔ جس نے پہلے بھی پورے شہر کو

[illegible]

"میں چلتا۔ ٹھیک ہے۔ ہم واپس چلے جاتے ہیں۔ [illegible] شہر کیوں غائب ہو"۔

[illegible] فون کی گھنٹی بجی۔ [illegible] ریسیور اٹھا کر [illegible] کی طرف [illegible]

"چلئے جناب۔ گھنٹہ گھر غائب ہو گیا"۔

"نہیں۔ نہیں"۔ وہ چلائے۔

"جی ہاں۔ آپ لوگ [illegible] کو [illegible] کہ آپ لوگوں کی [illegible] کے لئے [illegible] جانے [illegible]"۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ [illegible] چلے جانا چاہئے۔ [illegible] ہی [illegible] کا [illegible] بچا [illegible]"۔

"[illegible]"

[illegible] وہاں سے نکل آئے۔ [illegible] شہر غائب [illegible] کے اظہار [illegible] وہاں کی تو [illegible] کی وجہ [illegible] غائب ہونے [illegible] لیکن گھنٹہ گھر غائب ہونے کی وجہ [illegible] کمشنر صاحب نے اظہار [illegible] کو [illegible] نہیں بتایا تھا۔

[illegible] تھی۔ [illegible] انسپکٹر جمشید [illegible] تھے۔ اپنی واپسی کی خبر [illegible] کمشنر صاحب کو دے چکے تھے۔ اپنے میں [illegible] کی گھنٹی بجی۔

"[illegible] ہوتا ہے کیس [illegible]"۔ فاروقی [illegible]۔

"[illegible] ہو"۔ انسپکٹر جمشید [illegible]۔

"[illegible]"۔

"[illegible] ٹھیک [illegible] ہو رہے ہو [illegible]"۔ جمشید نے [illegible] کر کہا۔

"[illegible] جاتے۔ کوئی [illegible] جاتا ہے"۔ میں نے [illegible]۔

"یہ کیا [illegible]"

"[illegible] کوئی [illegible] کے [illegible] سکتا ہے [illegible] جاتے ہیں"۔

"[illegible] کیا اور [illegible] کی [illegible]"۔

"[illegible] آپ"۔

"[illegible] نے [illegible] کی آواز [illegible]"۔

"[illegible] صدر صاحب کے ساتھ [illegible] کی صاحب [illegible] ہم [illegible] تھے۔

"آپ لوگوں کو [illegible] دیکھ کر [illegible] ہو رہی ہے۔ کیا یہ وقت [illegible] کا ہے؟"

"تو ہم کیا کر سکتے ہیں سر؟"

"جب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ شہر میں ... میں اغوا کی وارداتوں کا عمل ہے۔ تو پھر تو آپ لوگوں کو ... چاہیے تھا۔ اور آپ یہاں بیٹھے ہیں۔"

"آپ کو معلوم ہے۔ خدا کے کمشنر صاحب کو کیا ... تھی؟"

"جی نہیں تو۔"

انہوں نے فون کال کے بارے میں بتایا۔ وہ سناٹے ... "اب کیا کریں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

صدر صاحب ساکت بیٹھے رہے۔ پھر اچانک وہ ... بولے۔

"جنگی جمشید۔ یہ کیا مشکل ہے۔ آپ لوگوں کے لیے ..."

"جی۔ کیا مطلب؟"

"بھئی بیک اپ کر لیں۔"

"جی ہاں۔ بہت خوب۔"

میں اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔ انسپکٹر جمشید نے فون ... کر لیا۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں۔"

"صدر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ بیک اپ ...

... چلے گی۔ ویسے یہ تجربہ کر کے دیکھ ہی لیں۔ آپ لوگ بیک اپ کر کے جہاں کہیں بھی جائیں گے۔ میں بتا دوں گا کہ آپ کہاں ... لیکن اگر ایسا جرم کرنے پر تلے۔ میں کوئی چیز غائب کر دوں گا۔ ... کر سکے گا۔"

"جی۔ نہیں۔" وہ چلائے۔

ان کے رنگ اڑ گئے۔ چہرے دھواں ہو گئے۔ فون پر آواز بند ہو گئی۔

وہ کافی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

"اب۔ اب کیا ہو گا؟" صدر صاحب نے کانپ کر کہا۔

"اب آپ کو معلوم ہوا؟ ہم کیوں یہاں آرام سے بیٹھے ہیں۔"

"لیکن اس طرح کب تک کام چلے گا۔ کیا وہ خدا کو غائب کر کے اور بارود لا کر آرام سے بیٹھ جائے گا۔ اس کا اگلا قدم کیا ہو گا۔ سوچو جمشید۔ اور یہ بھی سوچو۔ وہ کس قدر طاقت ور ہے۔"

"سر۔ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ ہمیں بہت جلد خود بخود معلوم ہو جائے گا۔"

"کیا تم حرکت میں نہیں آؤ گے۔"

"جی نہیں۔ فی الحال نہیں۔ ورنہ لوگ جانے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہیں گے۔"

"بہرحال جمشید۔ میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے۔

... کرنا چاہو۔ کر سکتے ہو۔"

"جی نہیں۔ ہم کچھ کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔"

"اس۔ اس کا مطلب ہے جمشید۔ تم ڈر گئے اس سے۔"

"ڈر ہی ہو گا سر۔ ڈریں گے نہیں تو کرا کیسے ہو کر ... کیا ہے۔ کرنا ہو گا۔"

"اب وہ پورے ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے ..."

"تو۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ آپ یہ بھی تو بتائیں۔"

"تو۔ تم جمشید۔ تم سے مجھے ایسی امید نہیں تھی۔ میں انسپکٹر کامران مرزا سے بات کرتا ہوں۔ تم اس بات کا ... کرو گے۔" وہ بھلا اٹھے۔

"جی کس بات کو؟" وہ بولے۔

"اگر میں انسپکٹر کامران مرزا کو کام پر تیار کر لوں۔"

"مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے سر۔ یہ بیٹھے ہیں ... بات۔"

"جمشید تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" پروفیسر داؤد نے بوکھلا کر ... "کہیں۔ کہیں۔ اس آدمی نے کوئی چکر تو نہیں ... انہیں اپنے قبضے میں تو نہیں کر لیا۔" محمود نے خوف زدہ ...

"یار کیا ادھر ادھر کی ہانک رہے ہو۔ یہ لوگ ... عوام کی ہانک نہیں رہے۔"

"انسپکٹر کامران مرزا تم کیا کہتے ہو؟"

"ہاں بھئی۔" انسپکٹر جمشید نے کہا ہے۔ میں بھی کچھ کرنے ... تیار نہیں ہوں۔"

"ہیں!!!"

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆○☆

...ہوں۔ اس صورت میں ہم کیا کر لیں گے۔ یہ پورا ملک ہم پر
...ہنسے گا یا نہیں"۔
"کہ۔ میرا خیال ہے جمشید۔ تم نے بہت دور کی سوچی"۔
"ان حالات میں نزدیک کی سوچی بھی کیسے جا سکتی ہے انکل"۔
...نے حد بنایا۔
اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔
"لیکن اس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنا بھی تو ہماری
...بات نہیں"۔
"تو ہم نہیں بیٹھیں گے۔ دور بہت دور کسی تفریحی مقام پر چلے
...ہیں۔ بلکہ ابھی اور اسی وقت"۔
وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایسے میں فون کی گھنٹی بجی۔ وہ چونک
...ریسیور اٹھانے سے پہلے انہوں نے فون میں لگا ایک بٹن دبا
...پھر ریسیور اٹھا لیا۔
"انسپکٹر جمشید۔ تم ایکس چینج کے ذریعے میرا فون نمبر معلوم
...کر سکو گے۔ اب میری بات غور سے سنو۔ چکربازی رہنے دو۔
...تمہاری چکربازی نہیں چلے گی"۔
"کک۔ کیا مطلب؟" وہ بولے۔
"تم نے سوچا ہے۔ تفریحی مقام کا نام لے کر یہاں سے اپنے
...لگانے پر چلے جاؤ۔ وہاں سب کے چہروں پر میک اپ

چالاکی

...ہو لے گئے کے عالم میں گزر گئے۔ پھر صدر صاحب
...اٹھے۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ باہر نکل گئے۔ انہوں نے
...ہوئے السلام علیکم بھی نہیں کہا۔
"آپ نے صدر صاحب کو ناراض کر دیا انکل"۔ شوکی
"اب پھر شوکی۔ تم بتاؤ۔ ہم ان حالات میں کیا کر سکتے
...وہ تو ہمیں پورے ملک میں بدنام کر کے رکھ دے گا۔ لوگ
...چالاک کر رکھ دیں گے۔ اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں"۔
"لیکن کیسے؟"
"فرض کیا۔ وہ مجذا کی بجائے اس بار کسی اور شہر
...دیتا ہے۔ اور شہر کو واپس بھی نہیں کرتا۔ پھر ہم
...اعلان کرتا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے۔ انسپکٹر جمشید اور
...مرزا کی وجہ سے ہوا ہے۔ ان لوگوں نے میری ہدایات
...کیا۔ سو اس شہر اور شہر کے لوگوں کو یہ دن دیکھنا پڑا۔ اب
...یہ لوگ اس ملک میں یا اس دنیا میں ہیں۔ شہر واپس

"یہی بات ہے۔ پروفیسر صاحب۔ آپ نے اس کا یہ علاج
..."
"ہاں میں سمجھ گیا ہوں۔ اور میرا خیال ہے۔ میں اس آلے کو
...تلاش کر لوں گا"۔
"تب پھر آپ لوگ اپنا کام بھی سے شروع کریں۔ پھر کسی
...لے پر جا کر بہترین قسم کے میک اپ کریں۔ میک اپ کے
...تم ہو جائیں۔ تاکہ میں تم لوگوں کو نہ دیکھ سکوں۔ اور یہ میں تم
...لوگوں کو بتاؤں گا کہ تم کس حال میں ہو اور کس قسم کے حلیوں میں
...اور کہاں ہو۔ اس وقت تم لوگوں کو پتا چلے گا کہ میں کیا
...ابھی تم نے اچھی طرح اس بات کو محسوس نہیں کیا۔ اور یہ
...بھی ذہن میں لے آؤ۔ کہ اگر میں تم لوگوں کو بھی کسی بلیک ہول
...میں بند کر دوں۔ جس طرح میں نے یونہی شرارتاً بچپن میں مت کے
...انسپکٹر جمشید کو بند کیا تھا۔ اس صورت میں تم کیا کر سکو گے۔
...ہول میں تو انسان بالکل ساکت ہوتا ہے۔ جہاں ہوتا ہے اس کا تو
...وقت رک جاتا ہے۔ وقت ٹھہر جاتا ہے۔ باقی دنیا کا وقت آگے بڑھ
...جاتا ہے۔ لیکن بلیک ہول میں بند لوگوں کا وقت ٹھہرا ہوتا ہے۔
...جیسے کہ شہر کے لوگوں کے تین دن غائب ہو گئے"۔
"تمہاری یہ ساری باتیں تسلیم۔ لیکن۔ ایک بات آپ ہماری
..."

...کہ۔ اور پھر میری تلاش میں لگو"۔
"میرے بھائی۔ تم نے یہ بات بھی جناب
...ہمارے شہر کو ہی غائب کر سکتا ہے۔ کیا وہ کسی
...نہیں غائب کر سکتا"۔
"وہ چیلنج کا کیل تھا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جل کر
"چلیں۔ اب انسپکٹر کامران مرزا مرزا لے رہے ہیں۔
...مسٹر کامران مرزا یہ بات لکھ لو۔ وہ بظاہر چیلنج کا کام کیا
...اگر چیلنج کا ہوتا تو تم لوگ کم از کم شہر کو وہیں دیکھ سکتے
...کو نہ دیکھ سکتے۔ میں چیلنج کا ماہر ضرور ہوں لیکن۔ یہ شہر
...ہوا چیلنج کا کیل نہیں ہو سکتا"۔
"خیر نہیں ہو گا۔ ہمیں کیا۔ آپ ہمارا وقت ضائع
...کریں"۔
"تب تم پروفیسر داؤد سے کہو گے۔ تمہارے گھر
...تلاش کر دیں۔ جس کے ذریعے میں یہاں ہونے والی بات کی
...ہوں۔ یہی کہو گے نا۔ لیکن ایک بات اور لکھ لو"۔
"ایک ہی بار لکھوا لیں۔ میں بار بار نہیں لکھ سکتا"۔
کامران مرزا نے جل کر کہا۔
"لکھ لو۔ کہ پروفیسر داؤد اس آلے کو تلاش نہیں
...سکے گے"۔

"اور وہ کیا؟"

"وہ یہ کہ تم لوگ اس پورے ملک میں خوف زدہ ہو تو میں
ہے۔۔۔ میں نے غلط تو نہیں کہا؟"۔

"خیر میں خوف زدہ نہیں ہوں۔۔۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ
طرف سے محتاط رہنا چاہتا ہوں۔۔۔ کیونکہ تم لوگ بھی بہت عجیب ہو"

"بس ہمارا یہی عجیب پن آپ کو لے بیٹھے گا"۔ آفتاب ہنسا۔

"اس کا امکان نہیں۔۔۔ میں نے ہر چیز کا جائزہ لیا ہے"۔

"کوئی پہلو تو ایسا ہو گا۔۔۔ جس کا جائزہ تم نہیں لے سکے"

اچھا خیر۔۔۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"مجھے رانگ نمبر کہتے ہیں"۔

"رانگ نمبر۔۔۔ یعنی غلط نمبر"۔

"ہاں! یہی میرا نام ہے"۔ اس نے کہا۔

"نام بھی جان کر رکھا ہے۔۔۔ اگرچہ ہم جانتے ہیں۔۔۔ یہ فرضی
نام ہے"۔

"اس میں کیا شک ہے۔۔۔ اصل نام میں تمہیں کس طرح بتا سکتا
ہوں"۔

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟" فاروق بولا۔

"اپنے ہیڈ کوارٹر میں"۔ وہ ہنسا۔

"اور آپ کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے؟"

"جہاں اس وقت میں ہوں"۔ اس نے فوراً کہا۔

"بہت معقول جواب ہے۔۔۔ آپ دونوں اس وقت کہاں ہیں؟"

سلمان نے منہ بنایا۔

"جہاں میرا ہیڈ کوارٹر ہے"۔

"یہ جواب بھی پسند آیا۔۔۔ آپ نے ایسے جوابات کس سے
سیکھے؟"

"تم لوگوں سے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ تب پھر ہمیں اجازت دیں۔۔۔ باتیں کرتے
کرتے ہماری ٹانگیں تھک گئی ہیں"۔ فاروق نے جل بھن کر کہا۔

"ارے! کیا تم گھوم پھر کر باتیں کر رہے تھے؟"

"یہی سمجھ لو"۔

"بس اب یہ بات چیت بند"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند کر
دیا گیا۔۔۔ انہوں نے ایکسچینج کا بٹن دبایا۔

"ہاں بھئی۔۔۔ کیا رپورٹ ہے؟"

"حیرت انگیز ہے سر"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"ہمارے آلات نے وہ نمبر نہیں بتایا جس سے بات چیت ہو رہی
تھی"۔

"کیا بکواس"۔ وہ چونک اٹھے۔

"ہاں جناب۔۔۔ یہی بات ہے"۔

"اچھا خیر۔۔۔ کوئی بات نہیں"۔ انہوں نے فون بند کر دیا۔
سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"فاروق تم نے بہت اوٹ پٹانگ بات کہی۔۔۔ تم نے اس سے
آصف بول اٹھا۔

"یہ میری کون سی بات کی طرف اشارہ ہے جناب"۔ فاروق
طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تم نے کہا تھا۔۔۔ باتیں کرتے کرتے ہماری ٹانگیں تھک
ہیں۔۔۔ بے تکی بات"۔

"واقعی۔۔۔ بے تکی باتوں میں فاروق کا جواب نہیں۔۔۔ بھلا
کرنے کا ٹانگیں تھکنے سے کیا تعلق؟" کھسن نے طنزیہ لہجے میں کہا

"آپ سن رہے ہیں ابا جان؟" فاروق ہنستا تھا۔

"میں نے کان بند نہیں کر رکھے۔۔۔ اور میں سو بھی نہیں
اس کا یہی مطلب ہوا کہ میں سن رہا ہوں"۔

"تب پھر آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔ میں نے یہ سوال پوچھ کر
ضائع کیا؟"

"نہیں۔۔۔ تم نے وقت آباد کیا"۔ وہ مسکرائے۔

"!!!!۔۔۔ انکل بھی فاروق کا مذاق اڑا رہے ہیں۔۔۔ لگتا
ہے کہ سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کر رہا"۔ آصف جلدی جلدی بولا۔

"سمجھ رہا ہوں۔۔۔ سمجھ رہا ہوں"۔ فاروق جل گیا۔

"لیکن بھئی۔۔۔ میرے خیال میں فاروق کا جملہ بے کار نہیں
گیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔

"جی۔۔۔ یہ آپ نے کیا فرمایا۔۔۔ فاروق کا جملہ بے کار نہیں
گیا۔۔۔ تو کیا وہ کسی رخ سے کارآمد رہا ہے؟"

"ہاں بالکل"۔ وہ مسکرائے۔

"لیکن کیسے ابا جان۔۔۔ اس کی بھی تو وضاحت کریں"۔

"وضاحت اس کی یہ ہے کہ۔۔۔ تمہیں پہلے سوال۔۔۔ فاروق نے
کہا تھا کہ باتیں کرتے کرتے ہماری ٹانگیں تھک گئی ہیں۔۔۔ اس پر مجرم
نے فوراً یہ کہا کہ ہائیں۔۔۔ کیا تم لوگ چل پھر کر باتیں کر رہے ہو۔۔۔
اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ یہاں نصب اپنے آلے کے ذریعے صرف
ہماری باتیں سن رہا ہے۔۔۔ ہمیں دیکھ نہیں رہا"۔

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ اوہ"۔ ان کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"آپ کی اس قدر فضول خرچی نہ کریں۔۔۔ پھر بھی کام آ سکتا
ہے"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"تب تو آ گیا مزا"۔ آصف اچھلا۔

"بھئی۔۔۔ اب انہیں مزا بھی آنے لگا"۔

"بھئی آنے کو اس دنیا میں کیا نہیں آ سکتا"۔ کھسن نے مسکرا کر

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے"۔

"میرا خیال ہے۔ ہم تھک گئے ہیں۔ اب آرام کر لیں۔ لیکن پہلے عشاء کی نماز پڑھیں گے"۔

نماز کے بعد وہ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ کمرے کے اندر مکمل سناٹا چھا گیا۔ زیرو کے بلب جل رہے تھے۔ باقی تمام روشنیاں بجھا دی گئی تھیں۔

صبح ہوئی۔ دن نکلا۔ بیگم جمشید نماز سے فارغ ہو گئیں تو فون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھایا تو پاس کی آواز گونجی۔

"ان لوگوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہیں کیا بات ہے؟"

"میں دیکھتی ہوں۔ شاید آج اب تک نہیں جاگ سکے اگرچہ رات جلد سو گئے تھے"۔

بیگم جمشید ادھر گئیں۔ ادھر گئیں۔ لیکن وہ لوگ گھر میں کہیں بھی نظر نہیں آئے۔

"ان میں سے کوئی بھی گھر میں نہیں ہے"۔

"اوہو اچھا۔ اس کا مطلب ہے۔ چالاکی دکھا گئے۔ اب انہیں میری چالاکی دیکھنا ہو گی"۔

"جی۔ کیا مطلب۔ آپ کی چالاکی"۔ انہوں نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! میری چالاکی۔ میں ابھی ایک بلیک ہول ان کی خدمت میں

بھیج دوں"۔

"ارے باپ رے۔ بلیک ہول کیا آپ کی مرضی کے تابع ہو گئے ہیں۔ یا پھر آپ کے اپنے بنائے ہوئے بلیک ہول ہیں؟"

"بیگم جمشید۔ یہ باتیں راز کی ہیں۔ آپ نہ پوچھیں۔ یوں بھی آپ کا جاسوسی سے کیا واسطہ۔ ہاں تو پھر کتنے دن کے لیے غائب کروانا پسند کریں گی انہیں؟"

"آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ اپنا کام کرتے رہیں۔ انہیں اپنا کام کرنے دیں۔ آپ کو ان سے ڈرنے کی ضرورت کیا ہے"۔

"کہنے میں یہ بات بہت مناسب لگتی ہے۔ لیکن میں ان لوگوں سے بہت زیادہ واقف ہوں"۔

"آپ کی مرضی۔ ہم تو اپنے اللہ کی رضا میں راضی ہیں"۔

"کیا آپ بھی ان کے ساتھ بلیک ہول میں رہنا پسند کریں گی؟"

"یہ زیادہ بہتر رہے گا۔ کیونکہ اس طرح میں ان کے لیے پریشان نہیں ہوں گی"۔

"تو کہے۔ تیاری کریں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ بیگم جمشید نے پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ لیکن گھر میں وہ واقعی نہیں تھے۔ نہ جانے رات کس وقت خفیہ راستے سے نکل گئے تھے۔ اب خفیہ راستے

والے مکان کا چپہ چپہ چھان لیا گیا تھا اور ایک بار پھر یہ راستہ ان کے کام آ گیا تھا۔

انہوں نے کچھ سوچ کر آئی جی کو فون کیا۔ آئی جی صاحب نے ان کی آواز سن کر کہا۔

"ہاں بھابھی صاحب۔ خیریت تو ہے"۔

"یہ لوگ صبح سے پہلے کہیں چلے گئے۔ اب گھر میں صرف میں ہوں"۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ وہ بن رہے تھے۔ وہ کیس پر کریں گے"۔ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ تو خیر صاف ظاہر ہے۔ لیکن مسئلہ ایک اور ہے"۔

"اور وہ کیا؟" انہوں نے فوراً کہا۔

"اس نامعلوم شخص نے ابھی ابھی فون پر بات کی ہے۔ وہ کہتا ہے۔ وہ ایک بلیک ہول کو بھیج رہا ہے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں گے۔ بلیک ہول میں قید ہو جائیں گے اور جب تک وہ چاہے اس بلیک ہول میں رہیں گے۔ جس طرح شہر خفتہ۔ یا پھر اس کے گھر"۔

"اوہ نہیں"۔ وہ چلائے۔

"اب آپ کیا کریں گے؟"

"ظاہر ہے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا"۔

"اور اگر وہ بلیک ہول میں پھنس گئے تو وہ کچھ نہیں کر سکیں گے"۔

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔ تب پھر اس کا بہترین حل یہ ہے کہ انہیں کسی طرح یہ خبر پہنچا دی جائے کہ اب ہمارا کیا پروگرام ہے؟"

"لیکن ہم نہیں جانتے۔ وہ کہاں ہیں"۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں ابھی ریڈیو اور ٹی وی پر یہ اعلان نشر کرانا شروع کرتا ہوں۔ آواز ان تک پہنچ جائے گی"۔

"بہت خوب! تب پھر جلدی کریں۔ اور ہاں آپ ہمارے نمبر پر فون کرواتے رہیے گا"۔

"کک۔ کیوں؟" وہ بولے۔

"اس کا پروگرام مجھے بھی سب کے ساتھ ہی بلیک ہول میں قید کرنے کا ہے۔ اگر میں گھر سے غائب ہو گئی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم سب بلیک ہول میں قید ہو گئے۔ اس کے بعد اس کی مرضی ہو گی۔ وہ جب چاہے گا رہا کرے گا"۔

"اف مالک۔ اچھا خیر۔ میں فون کرتا رہوں گا۔ اور اعلان ابھی شروع کراتا ہوں"۔

انہوں نے اعلان نشر کرانا شروع کیا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ پھر انہیں خیال آیا۔ بیگم جمشید کو فون کر کے دیکھیں۔ انہوں نے نمبر ملائے۔ لیکن دوسری طرف سے انہوں نے ریسیور نہ اٹھایا۔ اب تو

ان کے ہاتھ ہی ہل گئے۔
انہوں نے الزام کو ساتھ لیا اور جیب میں ڈال چکے۔ ان
جمشید کے گھر کے سامنے پہنچ کر انہوں نے جیپ روک لی۔ گھر
دروازہ اندر سے بند تھا۔ پہلے تو وہ کھٹکھٹاتے رہے۔ پھر انہوں
بیگم فیروزی کے گھر کی چھت کے ذریعے ان کی چھت پر اتر گئے۔
اس نے پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔
بیگم جمشید اندر نہیں تھیں۔ کوا گھر کے اندر
انہیں بلیک ہول نے اچک لیا تھا۔ اور یہ اس صدی کا سب
حیرت انگیز واقعہ تھا۔

☆○☆

خوفناک الزام

ایوان صدر میں تمام بڑے اور اہم افسران کی میٹنگ ہو رہی
تھی۔ بیگم جمشید کو غائب ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ اس کا مطلب
تھا۔ انسپکٹر جمشید وغیرہ بھی تین دن سے ہی غائب تھے۔ کیونکہ ان کی
طرف سے کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی تھی۔
"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟" صدر صاحب کی آواز
گونجی۔
"یہ سوال تو اس وقت شاید ہر ذہن میں گونج رہا ہے۔۔۔ کہ اب
کیا کریں۔۔۔ اب کیا ہو گا۔۔۔ لیکن فرض کیا۔۔۔ وہ نامعلوم شخص انہیں
آزاد نہیں کرتا۔۔۔ تو کیا ہم ان کا ہی انتظار کرتے رہیں گے؟" نائب
صدر بولے۔
"تب پھر۔۔۔ آپ کیا کہتے ہیں؟"
"ہمیں فیزیکل ماہرین اور جاسوسی کی ایک ٹیم بنانا ہو گی"۔ نائب
صدر بولے۔
"میرے خیال میں سر۔۔۔ ان حالات میں اس سے زیادہ مفید

مشورہ کوئی نہیں ہو سکتا"۔ وزیر خارجہ بولے۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔۔۔ اور یہ کام میں
ہی کے سپرد کرتا ہوں۔۔۔ اب دوسرے ملکوں سے رابطہ کر کے ان سے
بات کرنا اور مدد مانگنا آپ کا کام ہے"۔
"آپ فکر نہ کریں۔۔۔ میں آج بلکہ اسی وقت سے یہ کام شروع
کر رہا ہوں۔۔۔ کیا مجھے اجازت ہے؟"
"ایک منٹ شاہ صاحب"۔ ایک آفیسر کی آواز سنائی دی۔
وزیر خارجہ رک گئے۔۔۔ اور سوالیہ انداز میں اس کی طرف
دیکھنے لگے۔۔۔ ٹوکنے والے ٹھیٹھ ٹھٹھے کے ایک آفیسر فاروق عزیز تھے۔
"ماہرین کا انتخاب کرنے میں یہ دیکھ لیجئے گا' وہ ہمارے کسی
دشمن ملک سے نہ آئیں"۔
"یہ بات میرے پیش نظر رہے گی۔۔۔ آپ فکر نہ کریں"۔
مسکرائے۔
اسی روز شام کو وزیر خارجہ نے صدر سے ملاقات کی۔
"ہاں فیاض شاہ صاحب۔۔۔ کیا بنا؟"
"انشارجہ سے ایک ٹیم آ رہی ہے سر۔۔۔ اس میں سائنس دان
بھی ہیں اور جاسوس بھی"۔
"بہت خوب! کم از کم میں انشارجہ کو دشمن نہیں سمجھتا"۔
"اور کیا سر۔۔۔ پھر اس وقت انشارجہ سے بڑے سائنس دان

کسی ملک میں نہیں ہیں"۔
"ٹھیک ہے۔۔۔ ٹیم یہاں کب پہنچ رہی ہے؟"
"کل صبح ہم ان کا استقبال ایئرپورٹ پر کریں گے۔۔۔ اور یہاں
ایوان صدر میں لائیں گے۔۔۔ پہلے ان کے اعزاز میں ایک دعوت ہو
گی۔۔۔ پھر انہیں صورت حال بتائی جائے گی اور وہ اپنا طریقہ کار طے کر
کے ہم سے بات کریں گے"۔
"بات کریں گے۔۔۔ کیا بات کریں گے؟"
"معاوضہ طے کریں گے باقاعدہ۔۔۔ بغیر معاوضے کے تو وہ یہ کام
کرنے سے رہے"۔
"ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ دیکھتے ہیں۔۔۔ وہ کیا کرتے ہیں"۔
پروگرام کے مطابق ۱۹ افراد کی ٹیم ایئرپورٹ پر پہنچی۔۔۔ ان کا
شاندار استقبال کیا گیا' وہاں سے انہیں ایوان صدر لایا گیا' کھانے سے
فارغ ہونے کے بعد ان سب کی میٹنگ ہوئی۔
"صاحب صدر۔۔۔ اب آپ وضاحت کریں' آپ کیا چاہتے
ہیں؟"
"ہم چاہتے ہیں۔۔۔ آپ اس سائنس دان کا سراغ لگائیں جو یہ
سب کچھ کر رہا ہے۔۔۔ اور اسے ہمارے حوالے کریں۔۔۔ تاکہ وہ اپنے
ایجاد کردہ بلیک ہول سے کام لینے کے قابل نہ رہے"۔
"یہ کام آسان نہیں۔۔۔ ہماری ٹیم میں شامل سائنس دانوں کو

لوہے کے پتے چبانے پڑیں گے۔ بہرحال آپ کا یہ کام ہو جائے
ہم لوگ اس سائنس دان کا سراغ لگا لیں گے اور اسے گرفتار
لیں گے۔ اس وقت تک جتنے لوگ بلیک ہول میں قید ہوں
انہیں بھی چھڑا لیں گے۔ لیکن اس سارے کام کا ہمارا معاوضہ
گا؟"

"یہ بھی آپ بتا دیں"۔

"تین ارب ڈالر"۔

"ارے باپ رے۔ یہ آپ نے معاوضہ بتایا ہے"
صاحب کانپ گئے۔

"اس سے کم میں بات نہیں ہو گی"۔ ٹیم کے انچارج نے

"مسٹر فوتی ذرا سوچیں۔ انٹارجہ ہمارا دوست ہے
کس دن کام آئے گی"۔

"تو کیا انٹارجہ اپنے پلے سے تمام اخراجات کرے؟"

"لیکن اس کام میں اتنے اخراجات کیوں ہوں گے"۔

"یہ آپ کا خیال ہے۔ ہمارا نہیں۔ ہمیں کیا پتہ کہ
گے۔ کیا کیا پاپڑ بیلنا پڑیں گے۔ یہ ہم جانتے ہیں۔ یہاں
گا۔ ایک رصد گاہ تک بنانا ہو گی۔ آخر ایک بہت خوفناک
دان کا مقابلہ کرنا ہے"۔

"پھر بھی۔ آپ کچھ کم کریں"۔

"دو ارب سے کم میں بات نہیں ہو گی۔ آپ سوچ لیں۔ اپنی
سے مشورہ کر لیں۔ ہمیں کوئی جلدی نہیں۔ جب تک آپ
کریں گے ہم آپ کے مہمان ہوں گے"۔

"ہاں ہاں کہتا ہوں۔ اچھا ہم ایک دو دن میں بتا دیں گے"۔
ہوں نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ٹھیک ہے"۔

صدر صاحب نے اپنی کابینہ کا اجلاس طلب کر لیا۔ مشورہ ہوا
آپ کیا کیا جائے؟۔ آخر طے ہوا۔ ٹیم کو دو ارب کام ہو جانے پر
کر دیئے جائیں گے۔ اسی روز ٹیم کو فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا۔ ٹیم
نے خوشی کا اظہار کیا اور کہا کہ وہ دوسرے دن سے کام شروع کر رہے
ہیں۔ اور یہ کہ اب سب لوگ بالکل بے فکر ہو جائیں۔ وہ
گے۔ ان کا کام جانتے۔ البتہ انہوں نے اپنی ایک شرط پیش کی۔
کہ وہ تنہا کام کریں گے۔ ان کے کام کاج کی نگرانی نہیں کی
جائے گی۔ ملک میں جس جگہ وہ مناسب سمجھیں گے۔ اپنی عارضی
تجربہ گاہ اور رصد گاہ قائم کریں گے۔ انہوں نے اس کی بھی اجازت
دے دی۔ کیونکہ پورے ملک کا حال اس وقت یہ تھا۔ مرتے کیا نہ
کرتے۔ یا کالو تو بدن میں لہو نہیں۔

"ٹیم نے کام شروع کر دیا۔ ادھر صدر نے کابینہ کا اجلاس پھر
طلب کر لیا اور اس میں محکمہ سراغرسانی کے آفیسرز کو بھی طلب کیا۔

ساری صورت حال ان کے سامنے رکھی۔ پھر وہ بولے

"شرط یہ طے کی گئی ہے کہ ہم ان کے کسی کام میں رکا
نہیں ڈالیں گے اور جہاں وہ چاہیں گے تجربہ گاہ اور رصد گاہ
گے۔ لیکن ان کی تجربہ گاہ اور رصد گاہ ہماری نظروں میں
چاہیے۔ چاہے خفیہ طور پر ہی کیوں نہ ہو"۔

"ٹھیک ہے۔ ہم اس کا انتظام کر لیں گے۔ آپ بے
ہوں سر"۔ آئی جی بولے۔

"سچ بات تو یہ ہے شیخ صاحب۔ ایسے حالات میں دشمن
اور انتقام کا مزا اسی بہت شدت سے کیا محسوس کر رہا ہوں"

"بالکل ٹھیک ہے۔ میرا بھی یہی حال ہے۔ جب وہ لوگ
ہوتے ہیں تو ہمیں بہت بے چینی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان
معاملات میں وہ بہت تیز ہیں"۔

"خیر کرے۔ وہ جلد آ جائیں۔ بہرحال کم از کم یہ
معلومات رکھتا ہوں کہ وہ کہاں تجربہ گاہ وغیرہ بنا رہے ہیں"۔

"آپ مطمئن رہیں۔ یہ تمام معلومات میں حاصل کر
اور آپ تک پہنچاتا رہوں گا"۔

"بہت خوب۔ شکریہ"۔

تین دن بعد انہیں پتا چلا۔ دارالحکومت کے قریب
عارضی تجربہ گاہ بجلی کی سی تیزی سے بنائی جا رہی ہے۔

اور رصد گاہ بنائی جا رہی ہے۔ وہ ان کی تجربہ گاہ تھی۔ تجربہ زندہ ہونے کیلئے
تیار ہو گئے۔ سات دن بعد وہ اپنا کام مکمل کر چکے تھے۔ اور بتا چکے
تھے کہ انہوں نے تجربہ گاہ اور رصد گاہ مکمل کر لی ہے۔ اور اب وہ
اس سائنس دان کا سراغ لگانے کی کوشش شروع کر رہے ہیں۔ وہ
اپنے آلات کے ذریعے اس تجربہ گاہ کا سراغ لگائیں گے۔ اور جب
بھی سراغ لگا۔ اول تو اس کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے
گی۔ ورنہ پھر میزائلوں کے ذریعے اس کی تجربہ گاہ کو تباہ کر دیا جائے
گا۔ اور جب تجربہ گاہ تباہ ہو جائے گی تو پھر وہ کسی مصنوعی بلیک ہول
سے کام نہیں لے سکے گا۔

اس پر صدر صاحب نے سوال کیا۔

"لیکن تجربہ گاہ تباہ ہونے کی صورت میں وہ خود بھی مارا جائے گا
اور اس صورت میں کیس ہمارے وہ ساتھی جو بلیک ہول میں قید ہیں۔
قید ہی نہ رہ جائیں"۔

"اس کا امکان نہیں۔ تجربہ گاہ سے ہی ان بلیک ہول کو کنٹرول
کیا جاتا ہے۔ جب کنٹرول سسٹم تباہ ہو جائے گا تو بلیک ہول کہاں رہیں
گے"۔

"ان کے تباہ ہونے کی صورت میں کیا ہمارے ساتھی زندہ
سلامت رہیں گے؟"

"ہاں اس بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے"۔

"اب تو یہ ہمارے لیے بہت خوابِ تھا ملات کا سبب ہو گی
آپ فی الحال اس کا سراغ نہ لگائیں۔ جب سراغ مل جائے گا تو ہم
اپنے تجربات کے ذریعے آپ کو مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ پہلے ہمارے
قیدیوں کو رہا کرے۔"

"ہم اپنا پورا زور لگائیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم یہ
کریں گے کہ ادھر اس کا سراغ لگے۔ ادھر ہم نے میزائل داغ
دیے۔" فوجی بولا۔

"بالکل ٹھیک۔" صدر صاحب نے اطمینان کا اظہار کیا۔

ایک ایک کر کے دن گزرنے لگے۔ صدر صاحب خود بھی
بے حد بے چین تھے۔ ان کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔ ایسے میں ایک
صدر صاحب کو فون موصول ہوا۔

"صدر صاحب۔ اس ملک کے حق میں یہ بہتر ہے کہ اس
انٹیلیجنس کے سائنس دانوں کو واپس بھیج دیں۔ اس کے بدلے
آپ کے ساتھیوں کو رہا کر دوں گا۔ یعنی انٹیلیجنس جو ہمارے
ساتھیوں کو۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ انہوں نے یہاں آ کر ایک تجربہ گاہ
بنائی ہے۔ ایک رصد گاہ بنائی ہے۔ اور اب تم فون کر رہے ہو کہ
انہیں واپس بھیج دیں۔ اگر واپس بھیجنا تھا تو اس وقت کیوں
دیا جب ہم نے انہیں بلایا تھا۔ ہماری اس کارگزاری کا ہم آخر

کیا ہو گا؟"

"ہاں! یہ کیا تھا۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ آ کر
کیا کام کریں گے۔ آپ نہیں جانتے" وہ کیا کر رہے ہیں؟۔ انہوں
نے میزائلوں کا رخ آپ کے ایٹمی پلانٹ اور اس قسم کی دوسری اہم
تنصیبات کی طرف کر لیے ہیں۔ اب وہ جب چاہیں۔ ان
تنصیبات کو اڑا سکتے ہیں۔"

"نہیں۔ نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔"

"تب فوری طور پر انہیں یہاں بلا لیں۔ پھر فوج کے ذریعے
ان کی تجربہ گاہ اور رصد گاہ پر قبضہ کر لیں۔ اس کے بعد اپنے سائنس
دانوں کو بھیجیں۔ وہ میزائلوں کو چیک کر کے آپ کو بتائیں گے کہ
میرا انداز درست ہے یا غلط۔"

"ہاں۔ لیکن۔ تم تو خود ہمارے دشمن ہو۔ تم ہمیں یہ
مشورے کیوں دے رہے ہو؟"

"میں دشمن ہوں ذرا اور قسم کا۔" اس نے ہنس کر کہا اور فون
بند کر دیا۔

صدر صاحب ہیلو ہیلو کرتے رہ گئے۔ پھر انہوں نے آئی جی
صاحب کو طلب کیا اور اس فون کال کے بارے میں بتایا۔

"بس چیک کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ آپ ہی فون کر کے فوجی اور اس کے تمام ساتھیوں

[illegible] نے فون بند کر دیا۔ اور صدر سینگ شوبھا تھی
[illegible] کو معلوم ہے۔ اس معصوم سائنس دان نے فون پر کیا
[illegible]
[illegible] ہی کی ہے۔ بھلا اسے کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ اب
[illegible] کیا ہے۔"
[illegible] نے ایک الزام لگایا ہے۔ اور وہ الزام بہت خوفناک
[illegible]
"کیا وہ الزام کیا ہے؟"
"یہ کہ آپ نے تجربہ گاہ اور رصد گاہ میں وہ میزائل نصب
[illegible] ان کے رخ ہمارے ملک کی ایٹمی تنصیبات کی طرف ہیں۔"
"نہیں نہیں۔ یہ غلط ہے۔ بہت غلط ہے۔"
"لیکن ہم اس بہت کو بہت غلط کرنے کا حق رکھتے
ہیں۔" صدر صاحب بولے۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ہمارے سائنس دان چیک کرنا چاہتے ہیں۔"
"ٹھیک ہے ہم چیک کروا دیتے ہیں۔" فوجی نے اٹھتے ہوئے کہا۔
"ابھی نہیں آپ نہیں جائیں گے۔ جب تک کہ پیکنگ نہ ہو
جائے۔ ہاں پیکنگ شوبھا کی جا چکی ہے۔"
"[illegible]" وہ چلا اٹھا۔ اس کا رنگ اڑ گیا۔

[illegible] نہیں۔ ان سے کہیں۔ ایک [illegible]
[illegible] کو معلوم ہے۔ ایک ہوا کے جھونکے نے فون کیا ہے۔ [illegible]
[illegible] کر کے ادھر بھیجا جائے گا۔ اس کے فوراً بعد آپ [illegible]
[illegible] کا کچھ پتا چلے گا۔"
"ہم کے بر۔" وہ بولے۔
انہوں نے فوجی کو فون کیا۔ فون ملتے ہی وہ بولا۔
"ہم ابھی نکلتے ہیں۔"
اور وہ تجربہ گاہ میں پہنچ گئے۔ ادھر ان کے جانے کے
فوراً بعد وہاں آ چکی تھی۔ وہ بھی فوجی اور اس کے ساتھی
پہنچے۔ فون کی گھنٹی بجی۔ حفیظ تھری نے ریسیور اٹھایا۔
[illegible] سے گھوتی ہوئی آواز میں کہا گیا۔
"فوجی صاحب سے بات کرائیں۔ میں تجربہ گاہ سے
بول رہا ہوں۔ ایک ضروری پیغام ہے۔"
"ہولڈ کیجیے۔ وہ اس وقت صدر صاحب کے ساتھ
ہیں۔ اور صدر صاحب کی ہدایت ہے کہ جب تک پیکنگ
نہ ہو جائے کوئی فون نہ ملایا جائے۔"
"لیکن یہ معاملہ بہت ضروری ہے۔"
"[illegible] پیکنگ ہو رہی ہے۔ [illegible] وہ بھی تو ہم [illegible]
[illegible] فوجی آپ کو بتا ہی دیں گے۔" "آپ تجربہ گاہ سے بول رہے ہیں؟"

"ہاں جناب! ہم نے آپ کو بلایا تھا کہ اس سائنس دان
سزا دلانے کے لیے اور آپ ہماری ذہنی صلاحیت کو
تاریخوں میں محفوظ ہیں۔"

"یہی کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل وہ ہماری ایجادات
گیا ہے۔ وہ تو آپ کا دوست کب ہے۔"

میں اس نے فون کی گھنٹی بجی۔ اس لیے صدر صاحب
بڑی بات کی جا سکتی تھی۔ لیکن انہوں نے ریسیور اٹھا
معلوم سائنس دان تھا۔

میں نے اس کے علاوہ سنے ہیں۔ میں ان کی کچھ
سے لیں گے۔ میں تو آپ چاہوں انہیں ان کی تحریر کا
عمل میں بند کر لیں۔"

"آپ بالکل صحیح۔ آپ بہت سے دانش بات
سے ہیں۔"

"ایک بالکل صحیح عمل آپ کے لیے ان صدر
آ گیا ہوا ہے۔ اس کے ارادے میں آپ لوگوں کی
ہیں۔"

"صحیح۔ اچھا۔ خیر۔ اور کچھ۔"

"میں اور کچھ نہیں۔" دوسری طرف سے فون
"میں کا فون تھا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ آپ لوگوں

میں لوگ۔ وہ تو اب چاہیے آپ سب کو تحریر کا سمیت
میں بند کر سکتا ہے۔"

"ہاں کی بات ہے۔ اگر وہ اس قابل ہوتا تو آپ کو فون
کی کیا ضرورت تھی۔ پھر وہ ایسا ہی کرتا۔"

"آپ کی بات میں بھی وزن ہے۔ خیر ہم صرف پیشگی کر لیں
گے۔ اس کے بعد آپ اپنا کام جاری رکھیں گے۔"

"جو کہیے جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے بادشاہ اور
کہا۔

میں اس نے فون کی گھنٹی پھر بجی۔ اور صدر صاحب نے
اٹھایا۔

"ہیلو۔ کیا رپورٹ ہے؟"

"ہیلو۔ انتظام بالکل درست ہے۔ یہ لوگ ہماری ذہنی
کے لیے آئے ہیں۔"

"جب تک ان لوگوں کو بھی فوراً گرفتار کر لیا جائے۔"

"ہاں قانون میں صدر صاحب۔" فون نے جواب دیا میں کہا
"جناب۔ ان کا قصہ نہیں۔ کسی کا کوئی قانون نہیں۔"

"ہم ابھی گرفتار کر لیں۔ یا کچھ بھی کر لیں۔ آپ کی ذہنی
صورت حال ہے۔"

"جناب۔ تو آپ ہم کرنے آئے تھے۔"

"ہاں! لیکن ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ اتنا کا بھلا سائنس دان
اس طرح کا انتظام بھی ہے۔"

اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔

"جی اس وقت فون کی گھنٹی بجی۔"

"صدر بولیے۔"

"آپ نے سن لیا۔ لیکن جب آپ کو گرفتار کرنے کی
کیسے۔ وہ بھاگ نہیں پائیں گے۔ میں اس سے پہلے انہیں
عمل میں بند کر دوں گا۔ ہاہا۔ ہاہا۔"

"نہیں۔ اب وہ کیا کر رہا تھا؟"

"ایک لمحے بعد میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔"

"یہ بتائیے۔ آپ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور بھوکی
خود وقت پر پہنچیں گے۔"

"جی۔ دیکھتے ہیں۔ فی الحال تو ہمارے سائنس دان
صحیح ہیں۔ اگر وہ کچھ نہ کر سکے تو پھر۔"

"تو پھر کیا؟"

"تو پھر ہم مدد لیں گے۔ اپنے اس دشمن سے وہ
سے ملنے سے ملتا ہے۔"

"آپ اسے ملنے کر رہے ہیں۔ جس نے آپ کے
شہر کو تباہ کر دیا تھا۔"

"لیکن پھر شہر والوں اپنی جگہ بھی تو کیا تھا۔ آپ

"اور اس وقت تک اس کی طرف سے ہمیں کوئی نقصان نہیں
پہنچا۔"

"لیکن وہ کیا چاہتا ہے۔ یہ آپ نے اس سے کیوں نہیں
پوچھا۔" فون نے طنز آمیز انداز میں کہا۔

"ہم اس سے یہ ابھی پوچھیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"جو کہیے ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

"جب تک پیشگی مکمل نہیں ہو جاتی۔ آپ کو یہیں رہنا
ہے۔"

ایک بار پھر فون کی گھنٹی بجی۔ تحریر کا سے ایک فوری
پیغام آ رہا تھا۔

"ہمارے سائنس دان ان جیلوں کو بے اثر کرنے میں
مصروف ہیں۔ ملک ان کا رخ بھی تبدیل نہیں کر سکے۔"

"یہی بات ہے۔ افسوس۔ افسوس ہے۔"

"ہم نے اتنا بند ہو سکے۔ لیکن فون بند کرنے کی تو بات نہیں
کی تھی۔"

☆○☆

ڈیپارٹ

صدر صاحب کے چہرے کا رنگ اڑا نظر آیا تو باقی لوگ بھی
ہو گئے۔

"یہاں کچھ ہوا ہے۔ کیا ہوا ہے۔ کچھ پتا نہیں"۔

"آپ ہمیں یہاں جانے دیں۔ ہماری ساری محنت ضائع
جائے گی"۔

"فی الحال آپ نہیں جا سکتے"۔ صدر صاحب نے سر کو جھٹکا
دیا۔

"یہ سودا آپ کو بہت مہنگا پڑے گا"۔

"آپ مجھے دھمکی دے رہے ہیں۔ انہیں گرفتار کر لیا جائے
اور باقی ساتھیوں کو بھی۔ جب تک اس جگہ کا معائنہ کر کے واپس
آ جاؤں۔ ان کی فون پر بھی کسی سے بات نہ کروائی جائے۔ وہ
انکارج کے صدر کا فون ہی کیوں نہ آئے"۔

"جو کے سر"۔ ماتحتوں نے ایک ساتھ کہا اور انہیں قید خانے
لے لیا گیا۔ اب صدر صاحب اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان جگہ

پہنچے۔ وہاں تجربہ گاہ اور رصد گاہ تعمیر کی گئی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت
زدہ رہ گئے کہ وہاں اب دونوں چیزوں کا نام و نشان تک نہیں تھا۔

"اس کا مطلب ہے۔ اس نے ان دونوں چیزوں کو
غائب کرا دیا"۔

"جی سر۔ لیکن ہمارے جو ساتھی اندر تھے۔ وہ بھی غائب ہو
گئے ہیں"۔ ایک نے بولے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ ان کے بارے میں ہم اس سے بات کر
لیں گے۔ کم از کم تحقیقات کی حد تک اس کی اطلاع درست ثابت
ہوئی ہے"۔

"جی ہاں۔ یہ تو ہے"۔

"پھر اب یہاں ٹھہر کر کیا کریں گے۔ ایوان صدر چلتے ہیں"۔
صدر بولے۔

"ٹھیک ہے سر"۔

وہ پھر ایوان صدر پہنچے۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجی۔

"آپ کو اب کسی غیر ملکی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔ میں
اپنے مقابلہ کے لیے انسپکٹر جمشید وغیرہ کو ہی گوارا کر لوں گا۔ غیر ملکیوں
سے یہ بہتر رہیں گے"۔

"آپ عجیب دشمن ہیں۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"کل بات بتاؤں صدر صاحب؟" وہ نہایت بے تکلفی کے عالم

میں بولا۔

"ضرور بتائیں"۔

"تم نے اوٹ پٹانگ تجربات کرتے کرتے۔ اچانک ایک
ایجاد ہو گیا۔ پھر میں نے کئی پھولے ہوئے ایک ہوٹل بنا لیے۔
بات بھی انہی کے ذریعہ کرتا ہوں۔ کسی فون سیٹ پر نمبر ملانے کی
ضرورت نہیں پڑتی مجھے۔ بس میں نے مذاق شروع کر دیا۔ پہلے
انسپکٹر جمشید سے کیا تھا۔ انہیں پچپن منٹ تک ایک ہوٹل میں بند
کر دیا تھا۔ اسی طرح چند اور وارداتیں کیں۔ ساتھ ہی ہوائی جہاز
کر ڈالی۔ یعنی شہر کو اغوا کر ڈالا۔ لیکن میرے ارادے خطرناک قسم
کے نہیں ہیں"۔

"تب پھر آپ ہم سے مل جائیں۔ ہم آپ کی اس ایجاد کے
ذریعہ اسلام دشمن ممالک کو تلخی کا ذائقہ چکھا سکتے ہیں"۔

"میں اس پر بھی غور کروں گا۔ فی الحال میں آپ کے جہاز کو
چھوڑ رہا ہوں اور ان لوگوں کو بھی۔ وہ تجربہ گاہ اور رصد گاہ کے ساتھ
ایک ہوٹل میں آ گئے ہیں۔ جلدی اس لیے کرنا پڑی کہ مجھے جہازوں
کے چلنے کا وقت معلوم نہیں تھا۔ لیکن ایک خیال رکھیے گا"۔ اس کا
لہجہ یکایک سرد ہو گیا۔

"کیا؟"

"یہ کہ میں جب چاہوں گا۔ تجربہ گاہ اور رصد گاہ زمین پر اتار

[illegible] آپ کی دائمی تعطیلات ہو جائیں گی۔ لہٰذا مطلب یہ
[illegible] میں ہو گا۔ جب تک مرضی کے مطابق آپ قدم
[illegible] سے۔ اور اب ایک اور بات۔ انسپکٹر نے آپ کو [illegible]
[illegible] ہو گی۔ وہ اپنے ملک کی سرحد عبور کر کے [illegible]
[illegible] میں تو کر لوں گا۔ اس طرح مقابلہ آپ کو [illegible]
[illegible] میں نہیں کرے گا۔ آپ صرف تماشا کریں کہ [illegible]
[illegible] ملک سے نکل جانے کا حکم دے دیں۔ ملک اپنے [illegible]
[illegible] کے ذریعہ جہاز تک پہنچا دیں"۔

اور پھر صدر صاحب نے ان لوگوں کو جہاز کی طرف [illegible]

[illegible] اس ساتھی نے آپ کی تجربہ گاہ اور رصد گاہ
[illegible] کر لیا ہے۔ ہمیں افسوس ہے۔ آپ اپنی سازش میں کامیاب
[illegible] ہو گئے۔ اب ہم آپ کو [illegible] افراد کے طور پر واپس لے
[illegible] ہیں"۔

"ہو سکتے ہیں۔ وہ آپ کا کیا چاہتا ہے کریں"۔ ایک نے جواب دیا۔
اور پھر انہیں جہاز میں سوار کرایا گیا۔ اور جہاز اڑا۔ ادھر
انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں نے خود کو ایوان صدر کے باہر پایا۔

"ارے! یہ ہم یہاں کیسے آ گئے؟" انسپکٹر کامران مرزا بولا
[illegible]

[illegible]

[illegible] "ہم ساری تفصیل سن چکے ہیں۔ اور آپ کے [illegible] ہیں۔ کہ آپ نے ہماری اپنی شخصیات چھپا ہونے سے بچایا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ یہ میرا فرض تھا۔ اب آپ [illegible] حالات دیکھ چکے ہیں۔ دیکھ چکے ہیں؟؟"

"ہاں! اس میں کیا شک ہے۔"

"میں جب چاہوں۔ کسی معلوم جگہ پر وہ تجربہ کروں [illegible] پھر سے نشان پر رکھ دوں۔ اور وہ آپ کی اپنی شخصیات کو [illegible] سکتے ہیں۔"

"کہو۔ کہو۔" ان کے منہ سے نکلا۔ پھر وہ یک دم بولے۔

"لیکن آپ ایسا کیوں کریں گے۔ آپ نے تو خود ان [illegible] سے ہمیں بچایا ہے۔"

"اس میں شک نہیں۔ لیکن اب یہ میرے کام [illegible] ہیں۔ گویا میں نے انکارجہ کے لوگوں کو بے دخل کر دیا ہے۔ اپنے ہاتھ میں معاملہ لے لیا ہے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"میرے سارے اختلاف میں حکومت پر قبضہ۔ میں اس ملک [illegible] حکمران ہوں۔ تم لوگ اس بات کو پسند کرو یا نہ کرو۔ قبول کرو [illegible] حکمران میں ہی ہوں۔ میرا حکم ہی چلے گا اب۔ اور [illegible]

"آپ کو رہائی مبارک ہو۔" اس کی آواز [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اور انسپکٹر کامران مرزا۔ اس خیال کو ذہنوں سے نکال دو کہ تم [illegible] میرا سراغ لگا سکتے ہو۔ ہو بھی تم میرا سراغ لگانے کے لیے نکلو گے۔ [illegible] میں ایک بلیک ہول کے ذریعے تمہیں اچک لوں گا۔ جب بھی تمہاری طرف سے میں نے خطرہ محسوس کیا۔ تمہیں غائب کر دوں گا اس بات کا تمہارے پاس کوئی علاج ہے؟"

"جی۔ نہیں۔"

"بس تو پھر۔ بیٹھ کر مشورہ کرو۔ اور مجھے بتاؤ۔ کیا حکومت کے خلاف کر رہے ہو۔ پھر دیکھنا۔ میں پوری دنیا پر حکومت کروں گا۔ اس ملک پر تو میں تجربے کے طور پر حکومت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک ایک کر کے تمام ملک میرے غلام بنتے چلے جائیں گے۔"

"تو۔ تو آپ کا پروگرام یہ ہے۔" انہوں نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"ہاں! بالکل۔"

"اب بات سمجھ میں آئی۔"

"کون سی بات آپ کی سمجھ میں آئی۔"

"یہ کہ تم نے انکارجہ کو کیوں بھگا دیا۔ جب اس ملک پر قبضہ ہی تمہارا ہو گا تو اپنی شخصیات کی چاہی کیوں پسند کرو گے۔"

"بالکل ٹھیک سمجھے۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے۔ ہم اپنے نئے حکمران کا نام جاننے کا کوئی

دیکھتے ہیں نا"۔

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ تم مجھے راطوس کہہ سکتے ہو"۔

"راطوس؟" وہ سوالیہ انداز میں بولے۔

"ہاں راطوس۔ کیوں کیسا نام ہے"۔

"شاہی سا لگتا ہے"۔

"ٹھیک پہچانا۔ میرا خاندان روم پر حکومت کرتا تھا۔ ہم سے پہلے اس خاندان کا خاندان تھا۔ لیکن اب جو حکومت کروں گا۔ اسے دنیا دیکھے گی"۔

"اس کا مطلب ہے۔ تم کوئی ملکی آدمی نہیں ہو"۔

"نہیں۔ میں غیر ملکی ہوں۔ روم کا رہنے والا ہوں۔ روم میں کی حکومت ختم ہو گئی تھی میرے باپ دادا اس ملک میں آ آباد ہو گئے تھے۔ لہٰذا میں ملکی نہ ہوتے ہوئے بھی ملکی ہوں اور غیر ملکی نہ ہوتے ہوئے بھی غیر ملکی ہوں۔ ہماری حکومت مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہوئی۔ رومیوں کا ایک شخص دل میں مسلمان ہو گیا تھا۔ لیکن باقی سارے مسلمانوں کے شدید مخالف تھے۔ پھر کچھ مدت گزرنے پر مسلمانوں نے حملہ کیا اور روم کو فتح کر لیا۔ اس وقت بہت سے رومی دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ میں ان میں سے ایک ہوں۔ میں نے سائنس کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ اور بڑھا اور ... مشکل کا خاصا مطالعہ کیا۔ پھر بلیک ہول ... دریافت کی۔ میرے دادا

میں ایک دھن سمائی کہ کسی طرح چند بلیک ہولز تیار کر لوں۔ بلیک ہولز کہاں ملتے ہیں۔ قدرتی عمل کے طور پر کوئی جہاز یا کوئی جزیرہ یا کوئی گروہ بھی بلیک ہولز کی زد میں آ جاتا ہے۔ تو بلیک ہولز اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اور یہ لپیٹ ایسی ہوتی ہے کہ لپیٹ میں آنے والی چیز ساکت اور جامد ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے وقت ٹھہر جاتا ہے۔ سو میں نے تجربات شروع کر دیے۔ سالہا سال سے میں ان تجربات میں محو تھا۔ ایک دن اچانک میں ایک ہلکا سا بلیک ہول تیار کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اس کا تجربہ کیا۔ تجربہ بھی کامیاب ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ میری خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ اور اب تو میں نے بڑے بڑے بلیک ہول بنا لیے ہیں۔ جو پورے شہر کو ہڑپ کر سکتے ہیں۔ بڑی سے بڑی عمارت کو غائب کر سکتے ہیں"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ قدرتی بلیک ہولز یہ کام کب کرتے ہیں۔ وہ تو خلا میں اٹھی ہوئی کوئی چیز اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اور بس۔ یہ تو نہیں کہ زمین پر موجود کوئی شہر غائب کر دیں"۔ پروفیسر داؤد نے اعتراض کیا۔

"وہ خلا میں موجود بلیک ہولز ہیں۔ یہ میرے ایجاد کردہ ہیں۔ نقلی تو ہے"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"تو تم پورے ملک پر حکومت کرنا ..."

"ہاں! یہ میرے لیے کیا مشکل ہے"۔

"لیکن اس طرح کیا خاک مزا آئے گا"۔ ... بڑا سا منہ بنایا۔

"کیا مطلب؟" رانگ نمبر چونکا۔

"بھئے مسٹر رانگ نمبر۔ آپ جب اس قدر طاقت ور ہیں پھر ہمیں اپنی حدود میں رہنے کی کھلی چھٹی کیوں نہیں دے دیتے"۔

"یا مطلب؟"

"آپ کے مقابلے میں جب کوئی نہیں ہو گا تو آپ کو کیا مزا آئے گا۔ ہمیں اپنے مقابلے میں نکل جانے دیں۔ کچھ تو ... رہے گی زندگی میں"۔

"میں تم لوگوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ لہٰذا ایسا کوئی موقع میں نہ دے سکتا۔ تم جب بھی اور جہاں بھی ہو گے۔ مجھے ... دو گے۔ میری نظروں سے چھپ کر تم کچھ نہیں کر سکو گے"۔

"بہت خوب۔ ایک بات تو پھر طے ہو گئی"۔ شوکی نے ہنس کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ آپ بہت بڑے بزدل ہیں"۔

"ہاں! یہی بات ہے"۔

"کیا مطلب؟۔ آپ کو میری بات سن کر غصہ نہیں آیا"۔

"نہیں۔ مجھے غصہ نہیں آتا۔ یہی میری کامیابی کی وجہ ہے"۔

"آپ نرے چوہے ہیں۔ بوتل میں گھسے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم آپ کو آپ کے بل سے کھینچ لائیں گے"۔

"غصہ نہیں آیا"۔ اس نے کہا۔ پھر وہ چونک کر بولا۔

"تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ خود میں کہاں موجود ہوں؟"

"کیا مطلب۔ آخر ہم کیوں نہیں سوچ سکتے؟"

"میں نے کہہ دیا نا۔ تم لوگ نہیں سوچ سکتے"۔

"لیکن میں بتا سکتی ہوں"۔

فرزانہ کی سرسراتی آواز گونجی۔

☆○☆

رانگ نمبر

"غلط۔ بالکل غلط۔ تمہارے تو فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے۔"

"وہ کیوں سوچیں گے۔ ان کا کام سوچنا ہے ہی نہیں۔ ان کا کام تو اپنے اللہ کے احکامات بجا لانا ہے اور بس۔ ہر فرشتہ نیکیوں کے پر مقرر ہے۔ وہ نیکیاں لکھتا رہتا ہے۔ برائیاں نہیں۔ اور وہ برائیاں لکھتا ہے۔ وہ اچھائیاں نہیں لکھتا۔ جو بارش برساتے وہ ہے۔ وہ صرف بارش برساتا ہے جو بھرے میں ہے، اس وہ بھرے میں ہی ہے۔ اور جو رکوع میں ہے۔ رکوع میں ہی رہے گا۔ مطلب یہ کہ ہر ایک صرف اپنی اپنی انجام دیتا ہے۔ اپنی عقل سے کوئی کام نہیں لیتا"۔ فاروق جلدی جلدی کہتا چلا گیا۔

"یہ اتنی لمبی چوڑی باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"آپ نے کیوں ہمارے فرشتوں کی بات کی تھی"۔ فاروق ہنس دیا۔

"اچھا خیر۔ فرزانہ ہرگز نہیں بتا سکتی کہ میں کہاں ہوں"۔

"جو تم کہو گی۔ میں کروں گا"۔

"تب پھر۔ میں یہ کہتی ہوں۔ ان تمام بلیک ہولز کو ختم کر دیا جائے اور آپ خود کو قانون کے حوالے کر دیں۔ ہمارے ملک کی عدالت فیصلہ کرے گی کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے"۔

"میں ایسا نہیں کر سکوں گا۔"

"تب پھر کم از کم۔ ایک دوسری شرط ہی مان لیں"۔ فرزانہ نے پرامید لہجے میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ آپ ہمیں پوری آزادی سے اپنا سراغ لگا لینے دیں"۔

"ابھی کہہ رہی تھیں کہ تم جانتی ہو۔ میں کہاں ہوں"۔

"ہاں بالکل۔ لیکن ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔ آپ ہمیں آزادانہ طور پر تلاش کرنے، سراغ لگانے کی اجازت دے دیں۔ پھر دیکھیں۔ ہم آپ تک پہنچتے ہیں یا نہیں"۔

"اچھی بات ہے۔ اگر تمہارا اندازہ سو فیصد درست ہوا تو میں تم لوگوں کو اجازت دے دوں گا۔ پھر تم میرے خلاف جو بھی کرنا چاہو کرنا"۔

"پکی بات"۔ فرزانہ بولی۔

"ہاں! بالکل پکی"۔

"دیکھ لیں۔ مکر نہ جائیے گا"۔

"نہیں مکروں گا"۔ اس نے کہا۔

"تو پھر سنیں۔ میں بتاتی ہوں۔ آپ کہاں ہیں"۔

"فرزانہ۔ سوچ سمجھ کر۔ اگر تمہارا اندازہ غلط ہوا تو ہم یہ چانس کھو دیں گے"۔ انسپکٹر جمشید چلائے۔

"فکر نہ کریں ابا جان! آج میرا نہیں۔ مسٹر رانگ نمبر کا اندازہ غلط ہو گا"۔ فرزانہ کی شوخ آواز سنائی دی۔

"رانگ نمبر کا اندازہ۔ کیا مطلب۔ ان کا کون سا اندازہ تم نے لے لیا۔"

"ہمارے بارے میں ان کا اندازہ ہے کہ ہم اندازہ نہیں لگا سکیں گے کہ یہ کہاں ہیں"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"اچھا اب بتا بھی دو"۔ فاروق بول گیا۔

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ تو پھر سنیں۔ میں بتانے جا رہی تھی"۔ فرزانہ گڑبڑا گئی۔

"بکی بکی۔ رہنے دو۔ بلاوجہ وقت ضائع کر رہی ہو۔ معلوم نہیں کچھ نہیں"۔ آصف نے جھلا کر کہا۔

"بکی میں کہتا ہوں۔ اچھا اب اس بات کو ختم کرو۔ تم سے اندازہ نہیں لگا سکتے۔ نہ میں تمہیں کھلی اجازت دوں گا۔ میں پھر دوبارہ تم پر نظر رکھنا پڑے گی"۔

"نہیں۔ پہلے آپ میرا اندازہ سنیں گے۔ یہ بات طے ہو گئی"۔

"تو پھر سنو۔ رک کیوں جاتی ہو؟" اس نے جل کر کہا۔

"میرے تپ کو غصہ آ گیا"۔

"نہیں۔ مجھے غصہ نہیں آتا۔ یہ تو صرف جھنجلایا ہوں"۔

"جھنجلاہٹ غصے کی پہلی سیڑھی ہے۔"

"فرمائش ہو یا میں فون بند کر دوں؟"

"نہیں نہیں۔ ایسا غضب نہ کیجئے گا۔ ہاں تو مسٹر رانگ نمبر تم کو کسی بلیک ہول میں محفوظ کر رکھا ہے"۔

"کیا!!!" وہ بہت بلند آواز میں چلایا۔ لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔

"جب ہوا کچھ اندازہ کہ ہم لوگ اندازے لگانے میں کس قدر ماہر ہیں"۔

"بلیک ہول۔ تم نے۔ یہ۔ یہ نتیجہ نکال لیا۔ اب کیا ہو گا؟"

"تم شرط ہار چکے ہو۔ لہٰذا اب ہم آزاد ہیں۔ آزادانہ انداز میں تمہاری تلاش میں نکلیں گے اور آزاد رہ کر تم تک پہنچیں گے۔ ہم کامیاب ہوں گے"۔

"یہ تو کہا نہیں۔ یہ اندازہ لگا تو ایک اتفاق ہو گا"۔

"کیوں کیسی چلی ہے؟؟"

"ہاں آ جاؤ۔ مجھے تلاش کر لو۔ لیکن میں ایک بار پھر
رہے ہیں۔"

"تب میں اپنا پروگرام بہت تیزی سے شروع کر دیتا ہوں۔
ہاں تو کل تمہارے ملک کا ایک اہم سرکاری دفتر بلیک ہول میں
جائے گا۔ دفتر میں کام کرنے والوں سمیت۔ میں ان کو
چھوڑوں گا بھی نہیں۔ جس طرح خدا کو چھوڑ دیا ہے۔"

"آخر تم ایسا کیوں کرو گے؟"

"ملک میرے حوالے کر دو۔ صدر صاحب ایوان صدر
خالی کر کے اپنے گھر چلے جائیں۔ وزیر صاحبان بھی اپنے اپنے گھروں
چلے جائیں۔ سارا کام میں خود کر لوں گا۔ دفاتر کے لوگ میرے
کے ہی کام کرتے رہیں۔ میرے احکامات تمام محکموں کو ملتے
گئے۔ اگر صبح ہونے سے پہلے ایوان صدر خالی کر دیا تو پھر یہ
دفتر غائب نہیں ہو گا۔"

وہ سب یہ سن کر سکتے میں آ گئے۔ سب نے ایک دوسرے کی
طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"تب کیا کیا جائے؟" وزیر خارجہ بولے۔

"اگر میں نے ایوان صدر خالی نہ کیا تو اس سرکاری دفتر میں
کرنے والے مجھ سے نفرت محسوس کریں گے۔"

"نہیں۔ کیسے پتا چلے گا کہ اس دفتر کے لوگ کس وجہ
سے

ہوئے ہیں۔"

"یہ انہیں میں بتاؤں گا۔ آج رات الفاظ آسمان پر لکھے نظر
آئیں گے۔"

"کیا کہا۔ الفاظ لکھے نظر آئیں گے؟"

"ہاں الفاظ لکھے بڑے بڑے روشن الفاظ میں ایک تحریر جسے ہر
سمجھا تو ہی پڑھ سکے گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ ایسا نہ کرنا۔" صدر صاحب چلائے۔

"اور میں ایسا کیوں نہ کروں؟۔ پہلے یہ بتائیں۔"

ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس روز رات کو فضا
الفاظ پڑھ رہا تھا۔

"پاک لینڈ کے لوگو۔ تمہارا حکمران اب میں ہوں۔
یہاں اب میرا حکم چلے گا۔ اگر آج رات صبح سے پہلے پہلے
ملک کے صدر نے ایوان صدر خالی نہ کیا اور خالی کر
کے اپنے گھر نہ چلے گئے تو صبح وزارت خارجہ کا پورا دفتر
اسی طرح غائب ہو گا۔ جس طرح خدا غائب ہوا تھا۔
کل تو بہت دن بعد میں نے لوٹا دیا تھا۔ اس دفتر کو ہرگز نہیں
لوٹاؤں گا۔ جب تک میرا حکم نہیں مانا جائے گا۔ یہی ہوتا
رہے گا۔ باری باری دفاتر۔ دوسرے محکمے۔ لوگ غائب
ہوتے جائیں گے۔ اگر تمہیں یہ پسند ہے تو تمہاری

مرضی۔"

یہ الفاظ ایک لمحے تک نظر آتے رہے۔ پورا ملک ان الفاظ کو
بار بار پڑھتا رہا۔ ہر کوئی خوف میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اور پھر الفاظ غائب
ہو گئے۔ لوگ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے۔ اب کیا ہو گا
اب کیا ہو گا۔ کیا ہم سب اس کے غلام بن جائیں گے؟

ایوان میں سوالات کا طوفان تھا۔ ادھر وہ سب ابھی تک ایوان
صدر میں تھے۔ تمام بڑے بڑے آفیسرز بھی موجود تھے۔ وزراء بھی
موجود تھے۔

"جمشید! تم بتاؤ۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"میرا خیال ہے۔ ایوان صدر خالی کر دیا جائے۔ وزراء اپنے
گھروں کو چلے جائیں۔"

"یہ کیا لغو پاگل بات ہے۔ ہو سکتا ہے۔ وہ ایسا کرنے کے
قابل نہ ہو۔ اور بالفرض دفاتر خالی کر دیں۔"

"لیکن اگر ہم نے دفاتر خالی نہ کیے اور وزارت خارجہ کا دفتر
غائب ہو گیا تو سب لوگ ہمیں کیا کہیں گے۔ یہ سوچ لیں۔"

"نہیں کہیں گے۔ کیونکہ دفاتر خالی کرنے کا مطلب یہ ہوا
ہم نے حکومت اس کے حوالے کر دی۔"

"کافی دیر تک بحث ہوئی۔ آخر میں طے پایا کہ خالی نہیں
جائیں گے۔ اب وہ لوگ ایوان صدر سے اپنے گھر آ گئے۔

"معاملہ حد درجے خوفناک ہو گیا ہے۔ ہم دشمن پر وار کرنا
چاہیں تو کسی بلیک ہول کا سراغ کس طرح لگا سکتے ہیں۔ اس میں
کسی طرح ہو سکتے ہیں۔ اس سے نمٹ کس طرح لے سکتے ہیں؟"
پروفیسر نے عملی طور پر مایوسی کے عالم میں کہا۔

"ہائیں۔ جمشید۔ تمہارے لہجے میں مایوسی۔" پروفیسر داؤد
چونک کر بولے۔

"تب پھر آپ بتائیں۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"تحمل دیکھو۔ تحمل کی دھار دیکھو جمشید۔" خان رحمان
بولے۔

"قوموں پر عقابی کے دور بھی آتے ہیں۔ فتح اور ناکامی کے
پیچھے اصل طاقت وہ لوگ کماتے ہیں۔ جن میں حوصلے کی کمی
نہیں ہوتی۔" پروفیسر داؤد نے پرسکون اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ ہمیں بتائیں۔ ہم کیا کریں؟"

"تم کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو جمشید۔ فی الحال کچھ
کرنے کی ضرورت نہیں۔"

"کیا مطلب؟" وہ بولے۔

"میرے ان لوگ وزارت خارجہ کے دفتر کی طرف دوڑ
رہے تھے۔ کہ دفتر غائب ہوا یا نہیں۔۔۔ کیونکہ صدر
نے ٹی وی کے ذریعے قوم کو یہ فیصلہ سنا دیا تھا کہ وہ ایوان

صدر خان نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ ان کی بیٹی [illegible]
ہی ہے۔ ڈاکٹر کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے۔ ان کی آنکھیں [illegible]
تھی وہ تھیں۔ وہاں اب ڈاکٹر موجود نہیں تھے۔ ڈاکٹر کی جگہ [illegible]
تھے۔ اس نے بھی ابھی اٹھا نہیں تھا۔ وہ لوگ آنکھیں پھاڑے [illegible]
دیکھتے رہے۔ پھر یہ خبر پورے ملک میں۔ بلکہ پوری دنیا میں [illegible]
گئی۔ ان کے ملک میں خاص طور پر دہشت طاری ہو گئی۔ [illegible]
کے خیال میں خوف نہ ہو تھے کیونکہ پاک لیڈر کے [illegible]
والی آنے والی تھی۔

اسی روز رات کو پھر وہی اطلاع پورے ملک کے [illegible]
آنے لگی۔ آج اطلاع یہ تھی۔

حکمرانوں نے میرا حکم نہیں مانا۔ نتیجے یہ کہ [illegible]
تمام کا ڈاکٹر لوگوں سمیت غائب ہو گیا۔ تھوڑی [illegible]
وقت ڈاکٹر میں کام کرنے والے کم لوگ تھے۔ [illegible]
غائب کیا جاتا تو یہ شمار لوگ اس وقت بھی [illegible]
ہوتے تھے۔ اب بھی اگر میرا حکم نہ مانا گیا تو [illegible]
وقت ڈاکٹر اور عملہ غائب ہو گا۔ اب آپ لوگ جانیں [illegible]
کا کام جانیں۔

لوگ سہم گئے۔ اب پھر ہم ان صدر میں [illegible]
جمشید نے پھر کہا۔

[illegible] حکومت سے الگ ہو جانا چاہیے۔ حکومت اس کے
[illegible] کر دینی چاہیے۔"

"جب تو کیا کرنا ہو گا۔" صدر صاحب بولے۔

"اب وہ رہائی ہو گئی۔ تو سے لوگوں کا خیال تھا کہ حکومت
[illegible] کے ہوا کے کر دی جائے۔ اب کہ تو سے لوگ کہتے تھے۔
[illegible] جیسا نہیں کرنا چاہیے۔ اور پھر یہ طے پایا کہ ابھی ایک دن
[illegible] کرنا ہے۔ وزارت داخلہ کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر
[illegible]

"پھر کر آ گئے۔ دوسرے دن ڈاکٹر موجود نظر آئے۔ ہم کام
[illegible] سب لوگ ڈاکٹر میں آ گئے۔ کہیں کوئی کمی نہیں تھی۔
[illegible] ڈاکٹر ایک لمحوں سے غائب ہو گیا۔

ایک بار پھر ملک میں خوشی ہو گئی۔ اسی روز شام کو پھر
[illegible] اب سب کے چہرے اتر چکے تھے۔ کوئی یہ کہنے کو تیار
[illegible] حکومت نہ پھوڑی جائے۔ چنانچہ لوگ سے یہ اعلان کر
[illegible]

ہم حکومت پھوڑ رہے ہیں۔ اور مسٹر راٹھ نمبر کو
[illegible] ہیں کہ وہ حکومت سنبھال لیں۔ ہم اپنے
[illegible] کا جا رہے ہیں۔ تم جو کی ماں کی آل پھوڑنے جا
[illegible]

اس اعلان نے عوام کو بڑا حال کر دیا۔ کیونکہ [illegible]
[illegible] کی حکومت تھی۔ اس نے اپنے عوام [illegible]
[illegible] اپنے گھر میں آ گئے۔

"خان صاحب! تم اپنے گھر جا سکتے ہو۔ [illegible]
[illegible] گھر میں جا سکتے ہیں۔ انسپکٹر کامران مرزا آپ اپنے
[illegible] ہیں۔ خوش رہو اور اپنے گھر۔"

"لیکن اپنے گھروں میں جا کر ہم کریں گے کیا؟"

"ہم اور کیا کریں گے۔ ان حالات میں [illegible]
اور بچ نہیں ہو سکتی۔"

"تو کیا [illegible]۔ ہم اس کے خلاف کچھ بھی کرنے کے [illegible]
ہیں۔ اب ہم عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔"

"بالکل ٹھیک۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔" انسپکٹر [illegible]
بولے۔

"تب پھر ہم گھروں کی طرف کیوں جا سکیں۔ کیوں نہ [illegible]
سلام کی طرف نکل جائیں۔"

"کیا [illegible] یہ سب سے زیادہ مناسب رہے گا۔ [illegible]
اعتراض نہ ہو۔"

"مجھے یہ اعتراض ہے۔ حکم جمشید کی تو [illegible]
[illegible] دی۔

[illegible] مطلب۔ اعتراض اور آپ کو اپنی جان [illegible] قربان [illegible]
[illegible]

"ہاں بھئی۔ میں ان حالات میں یہاں رہ کر کیا کروں گی۔ میں
بھی ساتھ چلوں گی۔"

"بالکل ٹھیک۔ ان حالات میں۔ میں بھی اپنی بیگم کو ساتھ
لے چلوں گا۔" خان رحمان بولے۔

"لیکن انسپکٹر کامران مرزا کو بھائی صاحب کو
[illegible] نہیں۔ لیکن انسپکٹر کامران مرزا کو بھائی صاحب کو
یہاں بلانا پڑے گا۔ یا پھر ہم سب کو وہاں چلنا ہو گا۔"

"میرا خیال ہے۔ ہم سب وہاں چلے چلتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

وہ سب طے ہو کر اپنے گھر پہنچے۔ وہاں سے انسپکٹر کامران مرزا
کے ہاں پہنچے۔ ایک دن آرام کرنے کے بعد انہوں نے ایک تقریبی
[illegible] کا سارا کیا۔ یہ وادی پہاڑوں میں گھری ہوئی تھی۔ اور وہ اس
وادی سے واقف تھے۔ وہاں پہنچ کر انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"مسٹر راٹھ نمبر۔ کیا آپ یہاں بھی موجود ہیں۔ میرا مطلب
ہے۔ آپ وادی بالیں سن سکتے ہیں؟"

☆○☆

دو ٹوک فیصلہ

ان کی ٹولی پہاڑی سے ٹکرا کر واپس آ گئی۔۔۔ رانگ نمبر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ اس کا عمل دخل یہاں نہیں ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہو بھی کیسے سکتا ہے جمشید۔۔۔ وہاں تو اس نے سرکاری ایجنٹوں کو اور ہمارے گھروں میں خفیہ آلات لگا رکھے ہیں۔۔۔ جن کی مدد سے وہ اپنی ٹولی ہم تک پہنچاتا رہا ہے۔۔۔ یہاں آخر کس ذریعے سے آ سکتا ہے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"لیکن۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ہماری طرف سے بالکل بے خبر ہو جائے۔"

"اس کی بھی کوئی وجہ تو ہو گی۔۔۔ یا تو وہ اس خیال میں ہے کہ جب ہم بھی حدود یا شہری حدود میں داخل ہوں گے، اس وقت ہم سے نمٹنے لگے۔ یا پھر اس نے سوچا ہو گا کہ ہمیں واقعی کھلی چھٹی دے دی جائے، کیونکہ اس کے خیال میں ہم اس کا کچھ بگاڑنے کی پوزیشن

میں ہی نہیں۔"

"ہاں! ایسی کوئی بات ہو سکتی ہے۔۔۔ لیکن ہم جو یہاں آئے تو کس لیے آئے ہیں؟" محمود نے منہ بنایا۔

"یہی تفریح کے لیے اور کیا۔۔۔ یہ مقام ہمارے ملک سے باہر ایک جزیرے کی وادی ہے۔۔۔ اس جزیرے کا نگران بھی ہمارا دوست ہے۔۔۔ لہٰذا ہم یہاں اطمینان سے اپنا وقت گزار سکتے ہیں۔" میں اس لمحے انہیں اپنے سروں پر ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دی۔

"ارے باپ رے۔۔۔ شاید کچھ شروع ہونے لگا ہے۔۔۔ ادھر ادھر پوزیشن لے لو۔" انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

انہوں نے دوڑ لگا دی۔۔۔ ہیلی کاپٹر نیچے اترتا چلا گیا۔۔۔ یہاں تک کہ وہ وادی میں ٹک گیا۔

"آپ لوگ کہاں ہیں؟۔۔۔ یہ میں ہوں آپ کا دوست ناصر ابدالی۔"

انہوں نے جزیرے کے صدر کی آواز سنی تو فوراً باہر نکل آئے۔

"السلام علیکم۔۔۔ آپ کو اس طرح اچانک آنے کی کیا ضرورت تھی؟" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"بس سنگین بات ہو گئی ہے۔" ناصر ابدالی نے اترتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ آپ کا اس میں کیا قصور۔" انسپکٹر کامران مسکرائے۔

"ہاں اور اس دوران میں ہم سمجھے تھے۔۔۔ وہ ایک پڑوسی ملک میں داخل ہو چکے تھے۔۔۔ وہاں انہوں نے ایک ہوٹل میں جگہ کرائے پر لے لی۔۔۔ لیکن ابھی ایک گھنٹہ نہیں گزرا تھا کہ ہوٹل کا مالک دوڑتا اور ہانپتا ہوا ان کے پاس آیا۔

"سر! میں معافی چاہتا ہوں۔۔۔ میں آپ کو کمروں میں ہوٹل کرائے پر نہیں دے سکتا۔ آپ اپنا کرایہ واپس لے لیں۔۔۔ اور ہوٹل خالی کر دیں۔"

"کیا کہا آپ نے۔۔۔ کمروں میں ہوٹل کرائے پر نہیں دے سکتے آپ، لیکن ہم نے ہوٹل کب کرائے پر لیا ہے۔۔۔ ہم نے تو کمرے کرائے پر لیے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم۔۔۔ میں الٹ بول گیا۔۔۔ آپ کچھ خیال نہ فرمائیں۔۔۔ بس ہمارا ہوٹل خالی کر دیں۔"

"بات کیا ہوئی۔۔۔ کیا ہم سے زیادہ کرایہ دینے والا کوئی گاہک ہوٹل میں آ گیا ہے۔"

"نہیں۔۔۔ مسٹر رانگ نمبر نے فون کیا ہے۔۔۔ وہ یہودی دنیا کے غریبوں بچے والے ہیں۔۔۔ میں ان سے دشمنی کس طرح مول لے سکتا ہوں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

"کوئی مسٹر رانگ نمبر ہیں۔۔۔ انہوں نے فون کیا ہے۔ میں نے آپ لوگوں کو پہچان لیا تو وہ پورے جزیرے کو مجبور کر کے غائب کرنے کی مثال اس نے یوں دی ہے کہ وہ شہر کے ایک شہر کو اور پھر کئی بڑی عمارات کو غائب کر کے رکھ دیتا ہے۔ میں تو اس کے بارے میں کچھ جانتا نہیں، لیکن ایک دن پہلے میں اس قسم کی خبریں ضرور پڑھی تھیں اور اس وقت یہ خیال آیا کہ کسی نے آپ کو پھنسایا ہے۔ آپ لوگوں کے آنے پر میں نے خیال نہیں کیا۔۔۔ لیکن اس فون نے مجھے چونکا دیا ہے۔ آپ لوگ جا کیسے۔۔۔ کیا معاملہ ہے؟"

"اس نے کوئی بات نہیں بتائی۔۔۔ وہ بتا کر کیا کر سکتا ہے۔" جمشید مسکرائے۔

"گویا لو۔" ناصر ابدالی دھک سے رہ گیا۔

اب انہوں نے تفصیل بتا دی۔۔۔ پھر بولے۔

"ہماری وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی ہو۔۔۔ یا آپ کی ریاست کو کوئی برا وقت آئے۔۔۔ ہم یہ پسند نہیں کریں گے۔ لہٰذا آپ ہمیں فوری طور پر کسی جہاز کے ذریعے دوسرے ملک پہنچا دیں۔"

"اچھی بات ہے۔۔۔ افسوس ہے۔۔۔ ان حالات میں یہ ناخوشگوار حالات پیش آئے۔"

ہیں کہ۔ پوری دنیا کے حکمران۔"

"ہاں! پوری دنیا کے حکمران۔۔۔ آج کا اخبار نہیں دیکھا
ہے؟"

"اخبار تو واقعی نہیں دیکھا۔"

"آپ باہر چلیں۔۔۔ اخبار میں خود آپ کی خدمت میں پیش
کروں گا۔"

"ہاں اچھا۔۔۔ چلئے۔"

انہوں نے اپنا سامان اٹھایا اور ہوٹل سے نکل آئے۔ ا
کہ ہوٹل کے مالک نے ان کا کرایہ واپس کیا۔ خود آج کا اخبار
کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اخبار کی سب سے بڑی سرخی یہ تھی۔

"رانگ لبرٹی پوری دنیا کا حکمران بننے کا امکان۔"

انہوں نے دیکھا۔ پورا اخبار رانگ لبرٹی خبروں سے بھرا
تھا۔ کہا اب اس کی شہرت اور اگر کوئی پوری دنیا میں نکلا
ہے۔

"یہ ہے۔۔۔ پوری دنیا کا حکمران بن جانے والا شخص ہم
لوگوں سے غائب ہو چکا ہے۔ اور ہمیں نہیں ملی سر چھپانے کی جگہ
دیا۔" شوکی بڑبڑایا۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ اسے پوری دنیا میں اگر کوئی خطرہ ہے
ہم سے۔۔۔ اگر یہ پوری دنیا کے سائنس دان اس کا سراغ لگانے کے لئے

...ہی مشکل ہے؟" محمود اسے کاٹ کھانے والے انداز میں ...
"یہ کہ ان سے برا کوئی نہ ہو گا۔ ہم مسٹر رانگ نمبر کو ...
دے لیں گے۔ اس صورت میں انکل ہمارے لئے ... کیوں ...
ہو جائیں گے؟"
"یہ۔ شوکی یہ تم کہہ رہے ہو"۔ پروفیسر داؤد نے جھلا کر کہا۔
"آپ جیسی آواز کو پہچانتے نہیں انکل۔۔۔ یہ میں شوکی ...
ہوں"۔
"لیکن تم اس قدر غلط بول رہے ہو کہ کیا بتاؤں"۔ پروفیسر ...
نے برا سا منہ بنایا۔
"تو نہ بتائیں"۔ شوکی بولا۔
"بھائی جان۔۔۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے"۔ محسن نے بوکھلا کر کہا۔
"شوکی ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔ بلکہ بالکل ٹھیک"۔ انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔
"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ کیا یہ ہمارے کان بج رہے ہیں"۔ آفتاب چلایا۔
"آفتاب! ہوش میں رہ کر بات کرو"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے ...
"یا اللہ رحم۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔
"یہ کہ میں بھی شوکی کا ہم خیال ہوں۔۔۔ ان حالات میں رانگ

...ے ساتھ حکومت میں شامل ہو جانا ہی بہتر ہو گا ہم سب کے ...
"خدا کا انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ میرے ساتھیوں کو غلط فہمی نہ ...
"انسپکٹر جمشید چلائے۔
"آپ نے کیا کہا۔۔۔ میں اور غلط فہمی میں مبتلا۔۔۔ آپ اپنے ...
کو سنبھال کر رکھیں۔۔۔ میں آفتاب، آصف، فرحت اور شوکی کے ساتھ رانگ نمبر حکومت میں شامل ہو رہا ہوں"۔
"کیا فرمایا آپ نے۔۔۔ آپ ہمیں ساتھ لے کر حکومت میں شامل ہو رہے ہیں"۔ آفتاب نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"ہاں بالکل۔۔۔ اور کیا"۔ وہ بولے۔
"نہیں ابا جان! کم از کم میں تو آپ کا ساتھ نہیں دوں گا"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔
"اور میں بھی نہیں ساتھ دوں گا"۔ آصف چلایا۔
"اور فرحت۔۔۔ تم کیا کہتی ہو۔۔۔ ابھی اور اسی وقت فیصلہ سنا دو"۔
"ہم۔۔۔ میں۔۔۔ میں آپ کا ساتھ دوں گی انکل"۔ فرحت نے جلدی سے کہا۔
"ڈر گئیں۔۔۔ ابا جان سے ڈر گئیں۔۔۔ ہاہاہا"۔
"نہیں۔۔۔ اس وقت ان کا خیال درست ہے۔۔۔ ان حالات میں

...ور کر بھی کیا سکتے ہیں"۔
"خیر اب۔۔۔ ایسی بات منہ سے نہ نکالو"۔ انسپکٹر جمشید نے ...
کہا۔
"آپ نے کیا کہا انکل۔۔۔ شوکی برادرز۔۔۔ شوکی بھائی کے ...
ذہن ہوں گے۔۔۔ ہم نہیں۔۔۔ کیوں صاحبان۔۔۔ محسن۔۔۔ اخلاق نے فوراً کہا۔
"بالکل درست"۔
"لیکن تم نے میرا نام نہیں لیا"۔ رفعت بولی۔
"جان ہوں۔۔۔ تم بھی ہمارا ساتھ دو گی۔۔۔ شوکی بھائی کے ...
نہیں بنو گی"۔
"غلط۔۔۔ بالکل غلط خیال"۔ رفعت کی آواز گونجی۔
"کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ اوہو تو کیا تم بھی؟"
"ہاں! میں بھی انکل کامران مرزا کا ساتھ دوں گی"۔
"تب پھر ابھی دو ٹوک فیصلہ ہو جائے"۔ انسپکٹر جمشید نے جوش ...
انداز میں کہا۔
"دو ٹوک فیصلہ؟" خان رحمان نے سوالیہ انداز میں کہا۔
"ہاں! دو ٹوک فیصلہ۔۔۔ کون کس کے ساتھ ہے۔۔۔ جو انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ شامل ہو کر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ وہ ان کی طرف ہو جائیں اور جو حکومت کے خلاف کام کرنے کے لیے ...

...ہیں۔۔۔ وہ میری طرف آ جائیں۔۔۔ تاکہ ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ...
"اوہ۔۔۔ اوہ"۔ پروفیسر داؤد نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔
"آپ کو کیا ہوا انکل؟" شوکی نے ان کی طرف مڑ کر کہا۔
"خاموش! تم مجھ سے بات نہ کرو۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ حالات یہ رخ بھی اختیار کر سکتے ہیں اور ایک دن ہم لوگ ہمیں ...ی پاس بٹ جائیں گے"۔
"لیکن یہ وقت کی آواز ہے۔۔۔ حالات کا تقاضا ہے۔۔۔ ہم رانگ نمبر کے خلاف کچھ نہیں کر سکے اب تک۔۔۔ نہ کچھ کر گزرنے کے امکانات ہیں۔۔۔ لہٰذا حکومت میں شامل ہونا ہی ہمارے حق میں بہتر ہو گا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"میں پہلے ہی اعلان کر چکا ہوں۔۔۔ میں انکل کامران مرزا کا ساتھ دوں گا"۔ شوکی ان کی طرف بڑھ گیا۔
"اور میں بھی"۔ رفعت نے کہا اور ان کی طرف بڑھ گئی۔۔۔ اخلاق اور اخلاق اور محسن نے نفرت زدہ انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھا اور انسپکٹر جمشید کی طرف ہو گئے۔
"میں بھی انکل کامران مرزا کے ساتھ ہوں"۔ فرحت بولی اور ان کی طرف بڑھ گئی۔
"میں اور آصف انکل جمشید کا ساتھ دیں گے"۔

"محمود۔ فاروق۔ اور فرزانہ تم؟"

"ظاہر ہے۔ ابا جان۔ ہم آپ سے الگ ہونے کی
میں سوچ بھی نہیں سکتے"۔ فاروق بولا۔

"بالکل"۔ محمود نے ہانک لگائی۔

"بھلا کیا"۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز گونجی۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"میں بھی۔ ہاں میں بھی انکل کامران مرزا کا ساتھ دوں گی"۔

"نہیں!!!"

ان کی چیخ بہت بلند تھی۔ میں اس وقت انسپکٹر جمشید نے
انوکھی بات کی۔

☆○☆

ادھر یا ادھر

"میں جس نے انسپکٹر کامران مرزا کے ساتھ شامل ہونا ہے۔
ہاں۔ لیکن ایک بات یاد رکھو"۔

"ضرور وہ کیا جمشید؟" خان رحمان بولے۔

"یہی نہیں۔ ادھر یا ادھر ہونے میں ابھی دو افراد باقی ہیں۔
خان رحمان اور پروفیسر صاحب۔ پہلے آپ دونوں فیصلہ سنا دیں"۔

"ظاہر ہے جمشید۔ ہم تو مر جائیں گے۔ تمہارا ساتھ نہیں
چھوڑیں گے"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"اور خان رحمان"۔

"یہی کہ تو وہ پروفیسر صاحب نے۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو
جائے۔ موت سو فیصد سامنے نظر آ جائے۔ پھر بھی میں تمہارا ساتھ
نہیں چھوڑوں گا۔ اور اگر پوری دنیا مل کر کہہ دے کہ انسپکٹر جمشید غلط
ہیں۔ تب بھی میں تمہارا ہی ساتھ دوں گا جمشید۔ اور اس سے بھی
آگے بڑھ کر ایک بات کہوں"۔ خان رحمان نے ان کی آنکھوں میں
آنکھیں ڈال دیں۔

"ہاں کہو۔ انسپکٹر جمشید نے بھی کہو۔ کہو نا کہو۔ اندازہ ہے
ظاہر ہو گئے ہی ہو گئیں ہو کہ تم غلط ہو۔ میں تمہارے ساتھ
ضرور ہی ساتھ دوں گا"۔

"میں سے ہو تو تم ہو۔ اور پروفیسر صاحب آپ؟" خان
"میں پہلے ہی فیصلہ سنا چکا ہوں"۔

"ہاں خوب! لیکن میں نے ابھی اپنا فیصلہ نہیں سنایا"۔

"کیا مطلب؟" سب ایک ساتھ چلائے۔

"ہاں۔ میں نے ابھی تک اپنا فیصلہ نہیں سنایا"۔

"تو۔ کیا فیصلہ۔ جمشید"۔ خان رحمان کا رنگ اڑا گیا۔

"تم غلط سوچ رہے ہو خان رحمان"۔ انسپکٹر جمشید نے
انداز میں مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ انکل خان رحمان کیا سوچ رہے ہیں؟" محمود
فاروق نے چونک کر کہا۔

"یہ کہ میں بھی انسپکٹر کامران مرزا کی طرف جا رہا ہوں"۔

"ہاں جمشید۔ میں نے یہی سوچا ہے"۔ خان رحمان نے فوراً
بات دہرا دی۔

"پہلے ایک بات بتاؤ۔ اگر اس وقت میں انسپکٹر کامران مرزا
ساتھ شامل ہو جاتا تو تم کیا کرو گے؟"

"مجبوری ہے۔ ابھی ابھی کہہ چکا ہوں۔ ہر حال میں تمہارا

ساتھ دوں گا"۔

"خوب خوب! اب میرا فیصلہ سنو۔ ان لوگوں کو ہم راکٹ لانچر
دینے کی اجازت نہیں دیں گے"۔

"کیا مطلب؟" وہ کانپ گئے۔

"ہاں کہا۔ آپ نے؟" انسپکٹر کامران مرزا اچھل پڑے۔

"میں نے کہا ہے۔ ہم لوگوں کو راکٹ لانچر کا ساتھ دینے کی
اجازت نہیں دیں گے"۔

"اور آپ ہمیں کس طرح روکیں گے؟" انسپکٹر کامران مرزا
چلائے۔

"میں ہاتھ پاؤں سے"۔

"مر گئے روکنے والے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے فوراً آگے بڑھ
کر کہا۔

انسپکٹر جمشید بھی فوراً آگے بڑھے۔ دونوں کے جسم ایک
دوسرے سے پورے زور سے ٹکرا گئے۔ دونوں الٹ کر گرے۔

سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اگلے میں دونوں ایک
ساتھ اچھل کر کھڑے ہو چکے تھے۔ بالکل ایک ساتھ اٹھے۔ اٹھتے ہی
دونوں نے پھر ایک دوسرے پر چھلانگ لگائی۔ دونوں کے جسم بہت
شاندار انداز میں ٹکرائے۔ دونوں اچھل کر گرے۔

"اف مالک۔ یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ جمشید۔ کامران

مرزا۔ تم دونوں ہوش میں تو ہو؟"

"انسپکٹر جمشید آپ کے ساتھی ہیں۔ آپ صرف انہیں ہی
ہیں، مجھے نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا چلائے۔

"کیا۔ کیا مطلب؟"

"ابھی ابھی آپ نے مجھ سے علیحدگی کا اعلان کیا ہے۔
مجھے پوچھنے والے کون ہوتے ہیں کہ میں ہوش میں تو ہوں"۔

"اچھی بات ہے۔ آج یہ بھی سننا تھا۔ جمشید۔ میں
تمہارے کہتا ہوں۔ تم ہوش میں تو ہو"۔

"پروفیسر صاحب! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ میں بالکل
ہوں۔ یہ ہوش میں نہیں ہیں"۔

"ہاں واقعی۔ ہوش میں یہ نہیں ہیں۔ لیکن لڑنے کی
ضرورت نہیں۔ انہیں ان کے راستے پر چلنے دیا جائے"۔

"کیسی بات کرتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے غرا کر کہا۔ "یہ کیا
کر سکتے ہیں۔ جاؤ۔ جو کرنا چاہتے ہو کر لو"۔

"اوہ ہاں واقعی۔ یہ بات تو ہے"۔

"تب پھر ایک طرف ہٹ جائیں۔ اور میدان میں فیصلہ کر لیں
دیں"۔

"حضور جمشید صاحب۔ ضرور۔ کیوں نہیں۔ میں آپ سے
کمزور نہیں ہوں۔ بس ذرا وہ سبق سکھا دوں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آ جائے

گا"۔

"سکھا دیں گے آپ سبق اور یاد چھٹی کا دودھ آئے گا۔ کمال
ہے"۔ فاروق نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"تم چپ رہو۔ کہیں میں نے ایک آدھ ہاتھ تمہیں رسید کر
دیا تو تمہاری ہوش میں نہیں آؤ گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا غرائے۔

"یہ سب سے اچھا ہے"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"ہاں یہ سب سے اچھا ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے منہ بنایا۔

"یہ کہ میں تمہاری ہوش میں نہ آؤں۔ کم از کم یہ خوفی منظر تو
نہیں دیکھوں گا"۔

"اچھا تو پھر یہ لو"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ فاروق کی طرف
پلٹے اور اس کی طرف ایک مکا اچھال دیا۔

"نہیں"۔ آفتاب بلند آواز میں چلا اٹھا اور ان کے درمیان آ
گیا۔ نتیجہ یہ کہ مکا اس کی ٹھوڑی پر لگا۔

اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی اور پھر باقی لوگوں نے
دیکھا کہ اس کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکل گئی اور پھر باقی لوگوں نے
دیکھا کہ اس کے منہ سے خون نکلتے دیکھا۔

"انسپکٹر کامران مرزا یہ آپ نے بہت برا کیا۔ میری پارٹی کے
ایک فرد کو اس بری طرح مارا۔ اب آپ میرے ہاتھ سے بچ نہیں
سکتے"۔

"ارے ارے۔ ہوش کریں۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

ایسے میں بیگم کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔ اس وقت تک سب
عورتوں کو پاگل ہوئے ہوئے تھے۔ اور وہ بھی خاموشی سے
ہولناک جنگ کو دیکھ رہی تھیں۔ لیکن اس موقع پر بیگم کامران
نے بیان کیا۔

"بیگم۔ تم درمیان میں نہ آنا۔ اور پاگل۔ تم اب تک
کیوں کھڑی رہیں۔ کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گی؟" وہ چلائے۔

"پاگل۔ میں اور آپ کا ساتھ نہیں دوں گی"۔ بیگم کامران
مرزا نے کہا اور ان کے طرف آ گئیں۔

"حضور دیکھیں۔ لیکن تم درمیان میں دخل اندازی نہیں کرو
گی"۔

"کیا کہنی ہو۔ لڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنے اپنے رستے
پر چل نکلتے ہیں"۔

"لڑنے کی ضرورت ہے نہیں۔ انسپکٹر جمشید کو ہے"۔

"ہاں اس میں شک نہیں۔ مجھے یہ ضرورت اس لیے ہے کہ
ہم غداری کو پسند نہیں کر سکتے۔ کسی صورت میں بھی"۔ انہوں نے
کہا۔

"غداری۔ آپ مجھے نہیں روک سکتے۔ کوئی ساتھ۔ چلیں"۔
"نہیں جائیں گے کہاں"۔ آپ کو کیا معلوم رنگ نیرنگ
نے کیا راز کیا ہے"۔

"یہ بعد کی بات ہے۔ آؤ بھئی"۔ وہ آگے بڑھے۔ لیکن
بڑھ نہ سکے۔ اس لیے کہ انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر جنگ
روک دی تھی۔ انسپکٹر کامران مرزا اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھے۔
اس لیے بری طرح گرے۔ ناک کی ہڈی پر چوٹ ہو گئی تو ناک
سے خون بہنے لگا۔ جھٹا کر سیدھے ہوئے۔ اور ذات چلا دی۔ یہ
ذات انسپکٹر جمشید کی پیٹھ پر لگی۔ وہ چکرا کر گرے اور ان کا بھی سر
زمین سے ٹکرا گیا۔ ان کے سر سے بھی خون بہتا نظر آیا۔

"میرا خیال تھا۔ تم جھوٹ موٹ کی لڑائی لڑ رہے ہو"۔ لیکن
اب ان ہوا۔ یہ لڑائی تو ٹھیک کی ہے۔ انسپکٹر کامران مرزا آپ
غلطی کریں۔ انسپکٹر جمشید آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں آپ کو
بچا لے جاتا ہوں۔ اس طرح آپ سیدھے میرے پاس آ جائیں
گے۔ پھر ہم مل کر پروگرام ترتیب دیں گے۔ مجھے آپ جیسے لوگوں
کی ضرورت ہے"۔

"بیگم میں اب تک انسپکٹر جمشید کو مرا نہ دیکھ لوں۔ یہاں
سے رخصت ہونا بھی پسند نہیں کروں گا"۔

"کیا انسپکٹر کامران مرزا۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ ان
باتوں کو اپنے عمل پر چھوڑ دو۔ یہ میرا یا خدا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔
آپ کے ساتھ ہو ساتھی کتنا ہیں۔ وہ ایک طرف ہو جائیں"۔
"ہو گئے نہیں۔ ہم ان لوگوں کو نہیں جانے دیں گے"۔ انسپکٹر

فید فرمائیے۔

"شاید ابھی تک آپ کے مزاج ٹھکانے نہیں آئے۔ ا
ہے خون بہہ رہا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

"اپنی ناک کی خیر لیں۔ اب اب خون بہہ رہا ہے۔ ا
تو خراب کر رہا ہے"۔

"پروا نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"تو پھر ہم کیوں پروا کریں"۔ انسپکٹر جمشید بھی مسکرائے۔

"تو پھر ہو جائیں دو دو ہاتھ"۔ انسپکٹر کامران مرزا ہنسے۔

"ضرور ہو جائیں۔ میں آپ سے کسی طرح کم نہیں ہ
جمشید بھی ہنسے۔

دونوں نے ہنستے ہنستے ایک دوسرے پر چھلانگ لگا دی۔ ا
ان کے ہاتھ ہاتھوں میں الجھ گئے۔ اب وہ انگلیوں کے ذریعے
لگانے لگے۔ ان کے چہرے زور لگاتے لگاتے سرخ ہو گئے۔ ا
نہ رہا تو اچانک انسپکٹر جمشید نے دائیں پاؤں اٹھایا اور ان کی پنڈلی
دیا۔

انسپکٹر کامران مرزا اچھلے اٹھے۔ لیکن اچھلتے اچھلتے بھی ا
نے پاؤں ان کے پاؤں پر دے مارا۔ انسپکٹر جمشید ناچ اٹھے۔ ا
میں انسپکٹر کامران مرزا نے اپنی لات ان کی کمر پر رسید کر دی۔
اوندھے منہ دھم سے گرے اور ساکت ہو گئے۔

محمود، فاروق، آفتاب، آصف، خان رحمان اور پروفیسر داؤد
دھک سے رہ گئے۔ اچانک وہ سب انسپکٹر کامران مرزا کے سامنے جا
کھڑے ہوئے۔

"ہم بھی آپ کے راستے کی دیوار ثابت ہوں گے۔ کیا
ہے؟"

"کوئی فائدہ نہیں۔ میں تم لوگوں کو ایک ایک منٹ میں الٹ
کر رکھ دوں گا"۔

"ہمیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہو سکتی"۔

"لیکن آپ کیوں ہاتھ پیر چلائیں گے انکل۔ ہم یہاں موجود
نہیں ہیں کیا؟" فرزانہ بولی اور پھر فرحت اور راحت کے ساتھ آگے
بڑھی۔

"ارے ارے۔ یہ کیا۔ تو اب تم بھی لڑائی کے میدان میں
کود گئی؟" محمود چلایا۔

"ہاں کیوں نہیں"۔

اور پھر وہ لڑنے میں مگن ہو گئے۔ وہ جنگ ہوئی کہ خدا کی پناہ۔
ادھر انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا بالکل مرغوں کی طرح لڑ رہے
تھے۔ ایسے میں ایک آواز ابھری۔

"آپ لوگوں کا دماغ چل گیا ہے۔ کہیں میں تو نہیں ہے۔
میں کہتا ہوں۔ ہٹ جائیں اور راشد نمبر کے خلاف لڑائی کی تیاری

کریں"۔

یہ آواز منور علی خان کی تھی۔

"ہائیں۔ منور علی خان۔ تم اب تک کہاں تھے
کامران مرزا بولے۔

"سو گئے آ گئی تھی۔ ایسی اونگھ کہ میں خواب
لگا۔ اب جب آنکھ کھلی تو میں نے جنگ ہوتے دیکھی۔ ا
لوگ کیوں لڑ رہے ہیں؟"

"یہ تمہارے دوست انسپکٹر کامران مرزا پہلے میں راشد
ساتھ دینے"۔ انسپکٹر جمشید نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"کیا؟۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کی آنکھوں اور کانوں
ہوا ہے"۔

"تو یہ دھوکا آپ ہی کھا لیں۔ خود پوچھ لیں"۔

"کامران مرزا۔ یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

"جو کچھ سن رہے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ اور جلد فیصلہ کر
میرا ساتھ دو گے یا انسپکٹر جمشید کا۔ دیکھو میرے ساتھ تمہاری
ہے۔ فرحت بھی میرا ساتھ دینے کا اعلان کر چکی ہے۔ راحت
فرزانہ بھی۔ اور شوکی بھی۔ باقی لوگ دوسری طرف ہیں۔ ا
کس کا ساتھ دو گے"۔

"دماغ تو نہیں چل گیا؟" منور علی خان چلائے۔

"ہائیں اس میں دماغ چلنے والی کیا بات ہے"۔

"ہم لوگ جو اسلام دشمنوں اور ملک دشمنوں سے لڑتے رہے
ہیں۔ اب تک یہی ہوتا آیا ہے۔ تو کیا اب اس کے خلاف۔ تم
ملک دشمن کا ساتھ دو گے؟"

"ہاں اس لیے کہ اس نے پوری دنیا اپنے قبضے میں کر لی ہے۔
اور اس حکومت میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ تو ہم اس کے مقابلے میں
اب جنگ کرنے کے قابل نہیں ہیں تو پھر کیوں نہ اس کے ساتھ شامل
ہو جائیں۔ اس کی طاقت سے فائدہ اٹھائیں۔ دنیا پر حکومت
کریں"۔

"یہ۔ یہ۔ یہ تم کہہ رہے ہو کامران مرزا۔ یا میرے کان
بج رہے ہیں؟" منور علی خان کے لہجے میں سارے زمانے کی حیرت
تھی۔

"ہاں! میں کہہ رہا ہوں۔ تم میرا ساتھ دو گے یا نہیں کہ۔ یہ
فیصلہ سنا دو"۔

"منور علی خان وہ چیز نہیں۔ جو بک جائے۔ میں انسپکٹر
جمشید کا ساتھ دوں گا"۔

"اچھی بات ہے۔ تو پھر تم بھی ایک لات وصول کرو"۔
یہ کہہ کر انہوں نے ایک بھرپور لات ان کے سینے پر دے
ماری۔ وہ تو دہرے ہو گئے۔ اور پھر گئے فرش پر تڑپنے۔ وہ حیرت

نہ رہ سکے۔ ہاتھوں سے [illegible] کرنے والے انسپکٹر کامران [illegible]
صرف ایک بات کہا کر نیچے [illegible] تھے۔ وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ [illegible]
خود علی خان بالکل ساکت ہو گئے۔ شاید وہ بے ہوش ہو گئے تھے۔

"یہ لیجئے۔ انسپکٹر جمشید۔ آپ کا ایک اہم خیال تو [illegible]
ہے۔ اور اب میں ایک بار پھر آپ کی طرف آتا ہوں۔"

"خود ہی کہا ہیں گے۔" انسپکٹر جمشید نے جل کر [illegible]

"دیکھا جائے گا۔" انہوں نے کہا اور پھر انسپکٹر جمشید پر جھک [illegible]
ہوئے۔ اس بار ان کا بائیں ہاتھ کا مکا انسپکٹر جمشید کے جبڑے [illegible]
پڑا۔ وہ پیچھے کی طرف اٹھ گئے۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنا پیر [illegible]
لگائی اور کرسی توڑ کے ان پر برسا دیئے۔ انہوں نے انسپکٹر جمشید [illegible]
ساکت ہوتے دیکھا۔

"تو۔ تمہارے اہم ساتھی تو گئے کام سے۔ اب کیا رہ گیا تم [illegible]
کے پاس۔ اکیلا محمود علی خان پہلے ہی تمہارے چھکے چھڑا چکے ہیں۔ [illegible]
ابھی بھاگتے نظر آتا۔" فرزانہ نے شوخ آواز میں کہا۔

"دیکھا جائے گا۔ ہم آخر دم تک لڑیں گے۔" محمود بولا۔

"یہ کیا بچے ہیں۔ میرے ایک ہاتھ کی مار ہیں۔" انسپکٹر [illegible]
مردانہ آواز سنائی دی۔ ساتھ ہی وہ محمود وغیرہ کی طرف مڑے۔
یوں لگا جیسے بجلی کوند گئی۔ وہ اس قدر تیزی سے [illegible]
آئے تھے۔ فوراً ان کے ہاتھ پڑتے چلے گئے اور وہ لیٹے [illegible]

[illegible] کے راستے۔ لیکن نہیں۔" آصف بولا اور اس نے
[illegible] کی طرف دوڑ لگا دی۔ جلد ہی وہ لوٹ آئے۔ اس کا منہ لٹکا
[illegible]

"وہ بھی اندر سے بند ملا ہے۔"

"تب پھر نکلا ہو گا۔ ہمارے بے ہوش ہونے کے بعد راستے
[illegible] انہیں ایک لیا۔"

"یا اللہ رحم۔ اور اس نے ایسا کیوں کیا؟"

"وہ اس کا ساتھ نہ دیں گے۔ انہیں تو لے جانا ہی۔ ہم نے
[illegible] ساتھ دینے سے انکار کیا تھا۔ انہیں کہاں لے جا؟"

"خیر بھئی یہ تو عجیب و غریب صورت حال بن گئی۔ اس کا
[illegible] ہے۔ ہم ان سے جدا ہو گئے۔" محمود نے حسرت زدہ انداز میں
کہا۔

"خیر ایسے ویسے جھگڑے۔ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کہ اب زندگی
میں ہماری ملاقات ہو گی ابھی یا نہیں۔"

"تو اب ہم بچے کے ساتھی کیا کریں گے؟"

"بھئی ہمارے لیے ایک سوال یہ بھی ہے۔ لیکن شاید ہم
کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بس آرام کریں گے۔ اور پھر ہم سب زخمی
[illegible] میں ہسپتال والوں کو فون کرتا ہوں۔ وہ آ کر انہیں لے
جائیں گے۔"

شکست دینے والے

سب سے پہلے منور علی خان کو ہوش آیا۔ انہوں نے اردگرد
دیکھا۔ انسپکٹر جمشید، خان رحمان، پروفیسر داؤد اور پھر محمود، [illegible]
اکبر، آصف، اشفاق اور محسن صاحب بے ہوش پڑے تھے۔ [illegible]
غائب تھے۔

"ہائیں۔ یہ انہیں شکست دینے والے کہاں چلے گئے؟"
ان کی آواز سن کر انسپکٹر جمشید نے آنکھیں کھول دیں۔ [illegible]
باری باری وہ سب ہوش میں آ گئے۔

"کہاں گئے وہ سب؟"

"شاید انہیں راکٹ فائر نے اٹھا لیا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اوہ۔ کیسے؟"

"وہ ایسے کہ دروازے اندر سے بند ہیں۔ کوئی دروازہ [illegible]
نظر نہیں آ رہا۔ سب بند ہیں۔ اور وہ سب غائب ہیں۔"

"ہو سکتا ہے وہ چھت کے راستے چلے گئے ہوں۔" کوئی
بولا۔

"ہوں ہاں آپ زیادہ بہتر دے سکے۔ پہلے تو وہ سے بات
ہونا چاہیے"۔

یہ کہہ کر انہوں نے ہسپتال کے نمبر ملائے۔ اور انہیں
حال بتایا۔ لیکن دوسری طرف کا جواب سن کر وہ حیرت زدہ
ہسپتال کے انچارج نے کہا۔

"سر رانگ نمبر کی ہدایات کے مطابق اب آپ کو
کے انسپکٹر نہیں ہیں۔ نہ آپ کے پاس کوئی اور اختیارات
لہٰذا آپ اگر زخمی ہیں تو خود ہسپتال آئیں۔ یہ انتہائی ایمرجنسی
ہدایات کریں۔ ہمارے پاس اس وقت کوئی ایمبولینس خالی
ہے"۔

ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک پرانے
ڈرائیور کو فون کیا۔ اس کی ایمبولینس میں وہ ہسپتال پہنچے۔ اور
ہاتھ کا زخم دکھایا۔ جس طرح مریض داخل لیتے ہیں۔ انہیں
کر دیا گیا تھا۔

"میں ایک بات سوچتا ہوں"۔

"تو اب سوچ لو۔ وہ کس نے ہے"۔

"مجھے تو حیرت خزانہ پر ہے۔ وہ بھی تو ان حالات میں
ساتھ چھوڑ گئے۔ کم از کم اس سے ایسی امید نہیں تھی"۔

"ہاں بھئی۔ واقعی۔ ویسے تمہاری ہی اس امتحان میں

ساتھ دیتے ساتھ رہیں"۔

"میں آپ کا ساتھ چھوڑ بھی کیسے سکتی ہوں۔ ہاں ایک موقع
ہو سکتا ہے۔ جب میں ایسا کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ لیکن اس کا
امکان دور دور تک نہیں"۔

"وہ کون سا موقع ہے"۔

"اگر آپ مجھے میرے دین سے ہٹانا چاہیں۔ مجھے اسلام
چھوڑنے پر مجبور کریں۔ تو اس صورت میں میں صاف انکار کر دوں
گی"۔

"بالکل ٹھیک۔ لیکن ان شاء اللہ ایسا نہیں ہو گا"۔

"ان شاء اللہ"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

ہسپتال میں جب رات ہو گئی تو اچانک ان کے کمرے کا بلب
بجھ گیا۔

"ارے یہ بلب کو کیا ہوا؟" فاروق چونکا۔

"میں دیکھتا ہوں۔ تم لیٹے رہو"۔ انسپکٹر جمشید کی آواز ان کے
کانوں میں آئی۔ فاروق کے کندھے پر انسپکٹر جمشید کا ہاتھ آ کر جم گیا۔
انہوں نے حرکت کی آواز نکالے بغیر اسے اشارہ کیا۔ وہ فوراً سمجھ گیا۔
انہوں نے محمود، محمود نے آفتاب کو۔ آفتاب نے آصف کو اسی طرح
اشارہ کیا گیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ پیٹ کے بل رینگتے چلے
گئے اور اس طرح ہسپتال کے پچھلی طرف نکل آئے۔ ہسپتال ان کا

بہت اچھی طرح دیکھا بھالا تھا۔ اس لیے انہیں کوئی دقت
اب وہ اٹھ کر چلنے لگے۔ اس طرح وہ ایک گلی میں آ گئے
جمشید نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی۔ گلی میں
تھا۔ اندر سے فوراً کسی نے کہا۔

"کون؟"

"آپ کا بچپن کا دوست"۔ انسپکٹر جمشید نے بدل بدل کر
کہا۔

"بچپن کا دوست۔ نام؟"

"جمشید"۔ وہ بولے۔

"ارے یار جمشید۔ تم۔ تم۔ مگر نہیں۔ تم تو"۔

"ہوں یار۔ ہم باہر کھڑے ہیں۔ اندر آ کر بھی تو بات
سکتے ہیں"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

"ہاں بالکل کیوں نہیں۔ لیکن یار"۔ اس نے بات
ادھوری چھوڑ دی۔

"پھر وہی لیکن یار۔ ارے بھئی کیا ہوا اندر آ کر باتیں
کے قتل نہیں رہ جائیں گے"۔

"یہ بات نہیں۔ اچھا میں دروازہ کھول رہا ہوں"۔

دروازہ کھلتے ہی وہ اندر داخل ہو گئے۔ اب وہ گھر کے
کے سامنے کھڑے تھے۔ اور گھر کا مالک انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ

ساتھ۔

"ہاں مجھے یاد آ گیا"۔ اس نے کہنا چاہا" لیکن انہوں نے فوراً
اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یاد آ گیا۔ تو میں تمہارا بچپن کا دوست ہوں"۔ ساتھ ہی
انہوں نے اشارہ کیا تو اب وہ بولے۔

"ہاں یار۔ یاد آ گیا"۔

"یار کیا چلنے کے لیے بھی نہیں کہو گے۔ اب کیا ہم یہیں
کھڑے رہیں گے"۔

"لو نہیں۔ آؤ۔ آؤ"۔

بلکہ مکان کچھ گھبرایا گھبرایا تھا۔ وہ اسے اندرونی حصے میں
لے گئے۔ اس طرح کہ اس کے منہ پر اب بھی ہاتھ تھا۔
دروازہ بند کر کے انہوں نے دبی آواز میں کہا۔

"میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ اس وقت تک آواز بدل کر بات کر
رہا تھا۔ ضرورت تھی اس بات کی"۔

"خیر۔ لیکن"۔

"میں کچھ سوال نہ کرو۔ اس وقت ہم بہت مشکل میں ہیں۔
رانگ نمبر ہوئے ملک پر چھا چکا ہے۔ ہمارے آدھے ساتھی تک اس
نے اپنے ساتھ ملا لیے ہیں۔ کسی طرح۔ بس کسی طرح بھی ہم اس
کے ہاتھوں سے نکل ہونا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ہم نے ہسپتال

کی لائٹ آف کی۔۔۔ پورے ہسپتال میں اندھیرا کیا۔۔۔ کچھ نہ
دیکھ سکتا یا سن سکتا ہے۔۔۔ تو صرف اس وقت جب وہ کسی
منہ سے آواز نکالیں"۔

اوہ اچھا۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ پہلے بھی کئی بار آپ نے اس
سے نکلنے کے لیے یہ کوشش کی ہے۔۔۔ اور میں اس وقت کچھ
جب آپ نے بچپن کا دوست جانی کہا تھا۔۔۔ اب آپ چلیں
بس۔۔۔ باہر جا چاہیں چلے جائیں"۔

"ایسے نہیں۔۔۔ پہلے ہمیں سارے شہر کی لائٹ بند
گی۔۔۔ پھر ہم نکلیں گے یہاں سے' اور اسی لیے میں آپ کے پاس
ہوں۔۔۔ آپ کی ڈیوٹی کب شروع ہو گی؟"

"میں اب جانے ہی والا تھا"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ آپ اپنے پاور روم چلے جائیں۔۔۔ اور تھوڑی
کے لیے لائٹ بند کر دیں"۔

"میں سمجھ گیا۔۔۔ آپ فکر نہ کریں"۔

اور پھر وہ چلا گیا۔۔۔ اس کے چند منٹ بعد پورا شہر تاریکی
ڈوب گیا۔۔۔ آج آسمان پر بادل بھی تھے۔۔۔ اس طرح اور بھی گھٹا
اندھیرا ہو گیا۔۔۔ اب وہ وہاں سے نکلے۔۔۔ یہ مالک مکان ان کا ایک
خاص آدمی تھا۔۔۔ بجلی کے محکمے میں ملازم تھا۔۔۔ اس قسم کے کام وہ
سے لیتے رہتے تھے۔۔۔ اب انہیں تھوڑے کے اندر اندر شہر سے باہر

نکلنا تھا۔۔۔ کیونکہ شہر سے باہر رائفل نمبر نے کمانڈ نصب نہیں کر رکھے
تھے۔۔۔ اب وہ لگے تیز تیز چلنے۔۔۔ ویرانی سڑک پر پہنچ کر تو وہ دوڑنے
لگے۔۔۔ اس قدر دوڑے' اس قدر دوڑے کہ تھک گئے اور حد
ہو گئی ان کے لیے مشکل ہو گیا۔۔۔ خاص طور پر پروفیسر داؤد کے لیے
وہ سرے پر کی انہیں بولنے کی اجازت نہیں تھی۔۔۔ جب تک وہ شدید
منہ سے نکل نہ جاتے' بول نہیں سکتے تھے۔۔۔ اچانک انسپکٹر جمشید نے
پروفیسر داؤد کو کندھے پر اٹھا لیا اور لگے دوڑنے۔۔۔ انہوں نے ہاتھوں
کے اشارے سے کہا بھی کہ یہ کیا کر رہے ہو جمشید۔۔۔ لیکن انہوں نے
پرواہ نہیں کی۔

اور پھر آخر کار۔۔۔ وہ شہر سے باہر نکل گئے۔۔۔ رکے وہ اب بھی
نہیں۔۔۔ بلکہ اور دور نکل جانا چاہتے تھے۔۔۔ اس قدر احتیاط کرنا چاہتے
تھے کہ اس بات کا کوئی امکان نہ رہ جائے۔۔۔ رائفل نمبر ان کی سمت
نشانہ کرنے لگے۔۔۔ وہ چاہتے تھے۔۔۔ رائفل نمبر انہیں ڈھونڈتا ڈھونڈتا
تھک جائے۔۔۔ اور وہ اسے نہ ملیں۔

اور بہت دور۔۔۔ انسپکٹر جمشید کی ایک چھوٹی سی خفیہ عمارت
تھی۔۔۔ اس کے دروازے پر انہوں نے خاص انداز میں دستک دی تو
دروازہ فوراً کھل گیا۔۔۔ اگرچہ وقت رات کا تھا۔۔۔ باقی لوگوں کو اس
قدر جلد دروازہ کھلنے پر حیرت بھی ہوئی۔۔۔ لیکن اب بھی وہ احتیاط کی
وجہ سے کچھ نہ بولے۔۔۔ جب عمارت کا دروازہ بند کر لیا گیا۔۔۔ اس

وقت انسپکٹر جمشید کی آواز انہوں نے سنی۔

"اب ہم باتیں کر سکتے ہیں"۔

"اور میرا پہلا سوال۔۔۔ انہوں نے اس قدر بھلا
طرح کھول دیا؟"

"جب ہم چلے تھے۔۔۔ تو میں نے انہیں اشارہ کر دیا تھا
رہے ہیں"۔

"آپ نے اشارہ کر دیا تھا۔۔۔ کیسے"۔

"یہ دیکھو۔۔۔ میری گھڑی میں کئی بٹن ہیں۔۔۔ یہ گھڑی
دوسری کئی چیزیں زیادہ ہے۔۔۔ صرف یہ ایک بٹن دبانے سے
خفیہ عمارت کے خفیہ فورس والے چوکنے ہو گئے ہوں گے
صرف تھوڑا وقت گزرنے پر انہوں نے جان لیا ہو گا کہ میں کسی
عمارت میں پہنچ چکا ہوں۔۔۔ لہٰذا باقی بے فکر ہو چکے ہوں گے"۔

"نہیں سر۔۔۔ یہی بات ہے"۔ ایک خفیہ کارکن نے کہا
وہ لمبے قد کا ایک نوجوان اور خوبصورت آدمی تھا۔۔۔ اس کے چہرے
معصومیت تھی۔۔۔ بالکل سیدھا سادا آدمی نظر آتا تھا۔

"سچ کہیں رومانا نمبر نو۔۔۔ ہم بہت بڑے خطرے میں ہیں۔۔۔ شہر
قطعاً کوئی رابطہ نہیں رکھتا ہے۔۔۔ نہ کسی سے کوئی بات کرتا ہے
کسی کی کوئی بات سنتا ہے۔۔۔ اگر کوئی پیغام آئے تو وہ بھی نہیں
جائے گا"۔

"آپ فکر نہ کریں سر۔۔۔ میں سمجھتا ہوں"۔

"شکریہ۔۔۔ اب تم ہمارے لیے کھانا۔۔۔ نہیں بیگم ہمارے ساتھ
ہیں۔۔۔ بیگم تم ہمارے لیے کھانا تیار کرو"۔

"نہیں سر۔۔۔ میں کھانا تیار کروں گی۔۔۔ آپ دوڑ دوڑ کر تھک
گئے ہیں۔۔۔ آرام کی ضرورت ہے"۔

"بات تو خیر یہی ہے۔۔۔ لیکن اب یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ ایک
عورت یہاں موجود ہو اور کھانا نہ تیار کرے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بالکل ٹھیک"۔ بیگم جمشید بولیں اور اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

"اب تو ہم آزادانہ باتیں کر سکتے ہیں؟"

"ابھی بھی نہیں۔۔۔ اب میں پہلے میک اپ شروع کروں
گی۔ ہر ایک کے چہرے پر میک اپ کیا جائے گا۔۔۔ عام دیہاتیوں کا
میک اپ۔۔۔ اب ہم دیہاتیوں میں شامل ہو کر رہیں گے۔۔۔ یہاں سے
سیدھے ایک کھیت تک جائیں گے۔۔۔ اس کھیت والا بھی میرا واقف
ہے وہ ہمیں دیکھتے ہی چند پھلوں اور سبزیوں کی ٹوکریاں ہمیں دے دے
گا۔ وہ ہم سروں پر اٹھائیں گے۔۔۔ اور یہاں سے شہر روانہ ہو جائیں
گے۔ سیدھے منڈی جائیں گے۔۔۔ پھلوں کو فروخت کریں گے۔۔۔ اور
پھر ایک دوست کے گھر جائیں گے۔۔۔ دوست بھی خفیہ فورس کا ایک
رکن ہے۔۔۔ لیکن دیہاتی کے روپ میں رہتا ہے۔۔۔ بس اس کا گھر ہمارا
ہیڈ کوارٹر ہو گا۔۔۔ لیکن ہم اپنی آواز میں باتیں نہیں کر سکیں گے۔

ف اشاروں میں باتیں کریں گے۔ اور رائفل نمبر کا ہیڈ
ہے۔ ایک بار ہمیں یہ معلوم ہو گیا تا کہ رائفل نمبر کہاں
ہے۔ پھر ہم کامیاب ہو جائیں گے۔ اور اس پر ہاتھ ڈال
گے۔"

"پروگرام بہت خوب ہے۔ پسند آیا۔" آفتاب نے فوراً
کہا۔

"افسوس۔ باقی ساتھی ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ ان کی
محسوس ہوتی رہے گی۔"

"مُردوں کی بات کیا کرنا۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔
"مجھے تو اب تک یقین نہیں آ رہا کہ وہ مل چکے ہیں۔"

"یہ نہیں۔ ہو نکلے ہیں۔ کیا اس خون کو دیکھ کر کوئی کہہ
ہے کہ وہ سب ایک آدمی کا تھا۔"

"نہیں۔ رائفل نمبر تک پہنچ گئے۔ یہ ڈرامہ نہیں تھا۔"

"اس کا ذکر نہ کرو۔ اور بیک اپ کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اور پھر انہوں نے پروگرام پر عمل شروع کر دیا۔ ایک ایک
کر کے وہ دیہاتی بنتے چلے گئے۔ بارہ تیرہ گھنٹوں کی سرتوڑ کوشش
بعد وہ سب ایسے دیہاتی بن گئے کہ کوئی انہیں آنکھیں پھاڑ پھاڑ
دیکھنے پر بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ اصل دیہاتی ہیں۔ وہ اصل
اصل ہیں۔ ہر لحاظ سے دیہاتی بن چکے تھے۔

بہت خوب جمشید۔ مان گیا۔ تم نے تو مجھ تک کو دیہاتی بنا
کر رکھ دیا ہے اور میں خود کو دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں کہ میں ایسا
کیسے ہو سکتا ہوں۔" پروفیسر داؤد نے خوش ہو کر کہا اور سب لوگ
ہنسنے لگے۔

"آؤ پھر کسان سے ملاقات کریں۔"

وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ کسان نے انہیں دیکھ کر دانت نکال
دیے۔

"یہ ان صاحب نے دانت کس بات پر نکالے ہیں۔"

"یہ خود بھی خفیہ فورس کا آدمی ہے۔ اور دیہاتی کے روپ میں
ہے۔ لہٰذا ہمیں اپنے روپ میں دیکھ کر مسکرا دیا ہے۔"

"ہمیں فروخت کرنے کے لیے سبزیاں اور پھل چاہئیں۔ تاکہ
کچھ بکری کیا کریں۔" انسپکٹر جمشید نے دیہاتی انداز میں کہا۔

"وہ پھر نہیں چلا۔"

"مکمل کر دیا سر۔"

"بڑی بات ہے۔ امتحان میں فیل ہو گئے نا۔ سر نہیں۔ اور
مکمل فیل کی بات کرو۔"

"میں کہہ گیا ہی۔ آپ کو بہت اچھی سبزیاں اور پھل وہاں
مل جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ لے لیں گے۔"

انہوں نے لمبی جست بھر کر لی۔ اور پھر تو کسے سہارا
بھی چاہیے۔ اس وقت چل کر وہ صبح کے قریب شہر کے قریب
پہنچی دیہاتی ٹولی بھی اسی وقت روانہ ہوتے تھے۔ چنانچہ جب
پر پہنچے وہ سرے دیہاتی بالکل انہی کے انداز میں سبزیاں پر
رکھ کر بیچنے جا رہے تھے۔ اور کچھ لوگ ریڑھوں پر پھل اور
ترکاریاں رکھے بیچنے جا رہے تھے۔ کسی کو ان پر ذرا بھی شک نہ ہوا
وہ کوئی دیہاتی نہیں ہیں۔ یوں بھی وہ قدرے فاصلے
تھے۔ ابھی سب لوگ ساتھ ساتھ نہیں تھے۔ وہ وہ نہیں
ٹولیوں میں آگے پیچھے تھے۔ اس طرح وہ شہری حدود تک پہنچ گئے
لیکن وہاں بھی ان کی دیکھ کر وہ حیرت زدہ رہ گئے۔

"یہ کیا ہوا بھئی۔ آج کوئی خاص بات ہے؟"

"سنا ہے۔ شہر سے کچھ خاص لوگ فرار ہوئے ہیں۔ اس
سب کی تلاشی لی جا رہی ہے۔ اور ہر ایک کو چیک کیا جا رہا ہے۔"

"اوہ اچھا۔" ان کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔

"خبردار! آج ہم پھل سستے ہرگز نہیں بیچیں گے۔" انسپکٹر جمشید
نے گویا انہیں حوصلہ دینے کے لیے کہا۔ مطلب یہ تھا کہ گھبرانے سے
کام خراب ہو گا۔

قافلہ آگے بڑھتی چلی گئی۔ آخر وہ اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں
چیک کرنے والے آدمی موجود تھے۔ ان کے پاس پھلوں اور سبزیوں

کی ٹوکریاں تھیں۔ لہٰذا ان پر کوئی شک نہیں کیا گیا۔ اس طرح
وہ خیریت سے منڈی پہنچ گئے۔ پھل بھی انہوں نے اس انداز میں
رکھے جیسے بہت پہلے ہوئے کاروباری لوگ ہوں۔ پھر کمرے
کے بعد وہ اپنے اس عزیز کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس نے ان
کو اندر ہی کر دروازہ کھولا۔ تو وہ بولے۔

"بھائی سلام عرض کرتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بہت دن بعد چکر لگایا ہی۔ ایسا بھی کیا ہے۔
چلیں ایک تو دو بار تو چکر لگا لیا کریں۔ آ جایئے اندر۔"

"چلیں اب خیال رکھیں گے۔"

اور وہ اندر داخل ہو گئے۔ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔
دیہاتی انداز میں ہوتی رہیں۔ پھر انسپکٹر جمشید نے گھڑی کی
طرف دیکھا اور ریڈیو کی طرف اشارہ کیا۔ خفیہ فورس کے کارکن نے
کان فیتے لگا دیے۔ خبروں میں ان کے غائب ہونے کی خبروں کو مرچ
مصالحہ لگا کر بیان کیا گیا تھا اور رائفل نمبر نے اعلان کیا تھا کہ انسپکٹر جمشید
اور ان کے ساتھیوں کو جہاں بھی وہ نظر آئیں۔ فوراً گولیوں سے اڑا
دیا جائے۔ اور یہ حکم صرف پولیس اور فوج کے لیے نہیں تھا۔ عام
لوگوں کے لیے بھی تھا۔

خبریں سن کر وہ مسکرا دیے۔ کیونکہ ان سے یہ بات ثابت ہو
گئی تھی کہ وہ رائفل نمبر کی نظروں سے بچ نکلے ہیں۔ اب وہ اپنے

کمانڈ کی مدد سے انہیں تلاش کر رہا ہو گا۔ یقیناً وہ ان کی
سنائی دے گی۔ وہ جان جائے گا کہ وہ کہاں ہیں۔ تجربہ
اپنی اصل آواز میں بات کرنا بالکل ترک کر دیا تھا۔ اب انہوں
کیا تھا۔ شہر میں رہتے ہوئے اپنی اصل آواز میں بولنا
تھا۔ ٹیک اپ تو ان کا اس قسم کا تھا کہ کوئی نزدیک سے بھی
نہیں پہچان سکتا تھا۔ انہوں نے خاموشی سے وہ تمام فلک
شوٹ کیں۔ ان کی انہیں ضرورت تھی۔ پروفیسر الاد کا
تھا۔ انہیں اپنی تجربہ گاہ سے کچھ بہت خاص چیزیں حاصل کی تھیں
۔ لیکن تجربہ گاہ اس وقت رانگ نمبر کے قبضے میں تھی اور وہ
طرح بھی اس میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ آخر یہ نئے رانگ
انسپکٹر جمشید نے اپنے سرکل۔ ان چیزوں کی فہرست جیب میں رکھ
رات کے وقت روانہ ہو گئے۔ سب پریشان تھے کہ ان حالات میں
اندر کس طرح داخل ہوں گے۔ لیکن وہ مطمئن تھے۔ ان
دیکھے گئے تھے۔ کسی کو بھی ساتھ لے جانا انہوں نے پسند نہیں کیا
ایک عام آدمی کے روپ میں وہ عام انداز میں چلتے تجربہ گاہ
نزدیک پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا۔ فوج اور پولیس کے دستے
پہرے میں تجربہ گاہ تھی۔ وہ ایک گھر کی طرف بڑھ گئے۔ اس گھر
میں۔ ایک راستہ اندر ہی اندر تجربہ گاہ تک جاتا تھا۔ اس گھر کا
مالک اسی سلسلے میں محکمہ جات ہو چکا تھا۔ لہٰذا اب یہ گھر ایک

گھر کے پاس تھا۔ دستک کے جواب میں جب اس نے دروازہ کھولا
ایک سپاہی کو کھڑے پایا۔
"جی جناب۔ آپ۔ آ جائیں"۔ اس نے وہ سنائی انداز
میں کہا۔
وہ اندر داخل ہو گئے۔ تجربہ گاہ کی باتوں کے ساتھ ساتھ
انہوں نے آنکھوں میں باتیں شروع کیں۔ جب کلرک کو پتا چلا کہ وہ
تجربہ گاہ سے کچھ ضروری چیزیں لینے کے لیے آئے ہیں تو وہ گھبرا گیا۔
انسپکٹر جمشید انتظام کر کے آئے تھے۔ اسی وقت شہر کی لائٹ آف
ہو گئی۔ اور وہ تجربہ گاہ میں داخل ہو گئے۔ تاہم دوسری بار اس
طرح اندر تک کروا کر انہوں نے اپنے اس آدمی کو خطرے میں ڈال
دیا تھا۔ جس کے ذریعے یہ کام لیا گیا تھا۔ لیکن وہ کچھ اور کر بھی
نہیں سکتے تھے۔ ہاں انہوں نے اتنا ضرور اسے ہدایات دی تھیں کہ وہ
فوراً فرار ہو جائے اور شہر سے باہر نکل کر اس خفیہ ٹھکانے تک پہنچ
جائے۔ جہاں وہ گئے تھے۔ اس تاریکی کا فائدہ اٹھا کر وہ تجربہ گاہ میں
داخل ہو گئے۔ لیکن اسی وقت انہوں نے ایک مرد آواز سنی۔
"خبردار! حرکت نہ کرنا"۔

○☆○

اندھیرے کا علاج

انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھیوں کو ہوش آیا تو
کمرے میں تھے۔ کمرے کا دروازہ بند نہیں تھا۔ البتہ جب انہوں
بیرونی دروازے کو دیکھا تو وہ بند تھا۔ عمارت کے اوپر بادلوں
کی کوئی چیز تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے آسمان اس عمارت کے
کر تک گیا ہو۔ انہوں نے اپنی زندگی میں ایسی عمارت پہلے
دیکھی تھی۔ یہ تو بالکل یوں لگتا تھا جیسے کوئی عمارت بغیر چھت
کی گئی ہو۔ اور اسے اوپر لے جا کر آسمان کے بالکل ساتھ
ہو۔ گویا اس عمارت کی ہر چیز گول تھی۔ ان کے علاوہ اس
میں اور کوئی نہیں تھا۔ دروازے بھی گولائیوں میں تھے۔
عمارت کی ہر چیز گول تھی۔ ان کے علاوہ اس عمارت میں
نہیں تھا۔ عمارت کے باہر وہ کچھ دیکھنے کے قابل نہیں تھے۔
کا منظر انہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ کیونکہ عمارت میں کوئی کھڑکی
تھی۔ صرف ایک بیرونی دروازہ ضرور تھا۔ اور وہ بند تھا۔
اسے کھولنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ ہلا تک نہیں تھا۔

"تو کیا مسٹر رانگ نمبر۔ کیا ہم آپ کے ساتھی اس لیے بنے
تھے کہ آپ ہمیں قید کر دیں۔ آپ میری آواز سن رہے ہیں یا
نہیں"۔
"ہاں! نہ صرف آواز سن رہا ہوں۔ بلکہ آپ لوگوں کو دیکھ بھی
رہا ہوں"۔
"تو پھر۔ یہ سب کیا ہے؟"
"مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا"۔ رانگ نمبر کی ہنسی سنائی دی۔
"کیا؟۔ یقین نہیں آیا۔ کس بات پر یقین نہیں آیا"۔
"ویسے آپ اس عمارت میں قید نہیں ہیں"۔
"بیرونی دروازہ بند ہے اور آپ کہہ رہے ہیں۔ ہم یہاں قید
نہیں ہیں"۔
"بیرونی دروازہ کھلا ہوتا تو آپ ہزاروں فٹ نیچے جا گرتے"۔
"جی۔ کیا مطلب"۔
"میں بتاتا ہوں۔ پہلے تو یہ بات سن لیں کہ مجھے کس بات پر
یقین نہیں آیا۔ میرا خیال ہے۔ وہ لڑائی مصنوعی تھی"۔
"اوہ! یہ ہوئی نا بات۔ اگر وہ لڑائی مصنوعی تھی۔ تب پھر آج
اس دنیا میں کہیں اصلی لڑائی لڑی ہی نہیں گئی ہو گی"۔
"تجربہ۔ ابھی چیک کر لیتے ہیں۔ پہلے ہم یہی دیکھ لیتے ہیں کہ
اصلی والی تھی یا نقلی والی"۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔

اچانک اوپر آسمان میں ایک خلا نمودار ہوا اور ایک کی
نیچے اتر آئی۔

انہوں نے دیکھا۔ وہ ایک بڑا سا ڈول تھا۔ اس ڈول
دروازہ کھلا۔ دروازے کے کھلتے ہی اندر سے تین گوری
کے جسموں پر ڈاکٹروں والا لباس تھا۔

"ہم صرف آپ کے زخموں کا جائزہ لینے آئے ہیں۔
مرہم پٹی کریں گے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"میرا خیال ہے۔ اس میں تو دور دور تک اعتراض
بات نہیں ہے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"شکریہ"۔ تینوں مسکرا کر بولے۔

پھر انہوں نے سرجری کے آلات کے ذریعہ ان کے
معائنہ کیا۔ اور ساتھ ساتھ نوٹس لیتے گئے۔ چودہ منٹ بعد
ڈول میں بیٹھے اور چلے گئے۔ جاتے وقت انہوں نے ان سے کوئی
نہ کی۔ چودہ منٹ بعد رانگ نمبر کی آواز گونجی۔

"ڈاکٹروں سے میں نے بات کی ہے۔ ان کا سو فیصد
ہے کہ لڑائی جلی نہیں تھی۔ اس لیے کہ زخم بہت خطرناک
اگر علاج نہ کیا جائے تو جان لیوا ثابت ہو سکتے ہیں"۔

میں بھولے بعد یہی خیال ہے کہ لڑائی اصلی تھی۔ صرف
بعد خیال اب بھی گزرتا ہے کہ لڑائی جعلی تھی۔ لیکن ادھر میں
اس چینل سے بھی رپورٹ منگوائی ہے۔ جس میں انسپکٹر جمشید
کا علاج کیا گیا ہے۔ اس کی رپورٹ بھی یہی ہے کہ زخم بہت
آئے ہیں۔ علاج نہ کیا جائے تو مہلک ثابت ہوں گے"۔

"پھر۔ اب آپ کیا پروگرام ہے؟"

"میں خیال میں اس ایک لمحہ کو بھولنے لگا ہوں۔ اور اس بات
سے مان رہا ہوں کہ لڑائی اصلی تھی۔ اس کا مطلب ہے۔ تم
باقی میرے ساتھ شامل ہونے کا ارادہ کر لیا ہے"۔

"بالکل ٹھیک۔ خیر۔ اب اس دروازے کو کھول کر دیکھیں۔
پہلے بہت احتیاط سے جھانکے گا۔ کہیں ہڈی پسلی ایک نہ ہو
جائے"۔

انسپکٹر کامران مرزا نے دروازے کو کھولنے کے بعد اس کی طرف
جھانکا ہی تھا کہ وہ خود بخود کھل گیا۔ باقی لوگ پیچھے رہے۔
کامران مرزا نے نیچے جھانکا۔ اور پھر خوف کی حالت میں پیچھے
ہٹ گئے۔

"ارے باپ رے۔ یہ تو ہم سچ مچ آسمان میں ہیں۔ زمین تو
نظر نہیں آ رہی۔ بادل ہی بادل ہیں۔ گویا ہم بادلوں کے اوپر

"اس میں کوئی شک نہیں"۔ رانگ نمبر کی آواز سنائی دی۔

"ارے تو کیا آپ نے اپنا ڈیرہ بادلوں میں لگایا ہے؟"

"ہاں بالکل۔ کمرے کے سامنے دوسرے کمرے میں
چوڑی عمارت میں۔ بھئی نیچے گاؤں ہے۔ جہاں سے میں ان
بلیک ہولز کو کنٹرول کرتا ہوں۔ ان تمام کمروں میں داخلہ صرف
ڈول کے ذریعے ممکن ہے۔ وہ بھی دروازے سے تو صرف
جا سکیں گے۔ ہزاروں فٹ نیچے اور ہڈی پسلی ایک ہو جائے گی"۔

"ارے باپ رے۔ آپ تو ہمیں ڈرائے دے رہے ہیں"
فرزانہ نے کانپ کر کہا۔

"نہیں۔ تم لوگ تو اب میرے ساتھی ہو۔ پہلے تو یہاں
چار دن گھوم پھر لو۔ پھر آپ لوگوں کو کام بتایا جائے گا۔ اور
میرا پکے کام کرنے والے بن جائیں گے۔ اس جنت نما جگہ میں
گے۔ عیش کریں گے"۔

"آپ خود کہاں ہیں؟" شوکی نے کانپ کر کہا۔

"میں اسی عمارت میں اپنے کمرے میں۔ لیکن ہم لوگ
اپنے کمروں میں ہی رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے کمروں میں
آتے جاتے۔ یہاں ہر آدمی اپنا اپنا کام کرتا ہے۔ آپ بھی صرف
کام کریں گے اور بس"۔

"لیکن کیا کام کریں گے؟"

"میں تو اب بتایا جائے گا"۔

میں اس وقت انہوں نے ایک عجیب سی آواز سنی۔ آواز
کمروں کی تھی۔ تو وہ گھنٹے بعد رانگ نمبر کی آواز گونجی۔

"ہر زمین پر ایک واقعہ ہوا ہے۔ آدھ گھنٹے کے لیے تھمل
زمین پر بلیک آؤٹ ہو گیا تھا۔ اب روشنی ہوئی ہے۔ بلیک آؤٹ کی
وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ بجلی کے محکمے والوں کا کہنا ہے کہ کہیں کوئی
خرابی ہوئی تھی۔ جو خود بخود ٹھیک ہو گئی ہے۔ لیکن میں ان کے اس
جواب سے مطمئن نہیں ہوا۔ تحقیقات جاری ہیں"۔

"اچھا خیر۔ ہاں تو آپ ہم سے کہہ رہے تھے۔ کہ اب بتایا
جائے گا۔ کہ کیا کام لینا ہے ہم سے۔ مسٹر رانگ نمبر۔ ایک بات
آپ سن لیں۔ ہم بیکار بیٹھنے کے عادی نہیں ہیں۔ مسلسل کام کرتے
رہے ہیں ہم لوگ۔ لہٰذا آپ جلد از جلد ہمیں کام بتائیں"۔

"ہو گا۔ فکر نہ کریں۔ یہاں بہت کام ہے۔ چند مشینوں پر
آپ لوگوں کی ڈیوٹی لگا دی جائے گی۔ آٹھ گھنٹے تک آپ کام کریں
گے۔ پھر اپنے اس کمرے میں آ جایا کریں گے۔ آپ کو کھانا وغیرہ ہر
روز مل جایا کرے گی۔ ڈول آ کر آپ کو لے جایا کرے گا اور
واپس لے آیا کرے گا"۔

"یہ تو بہت محدود زندگی ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہے۔ ہم
کسی کو ملاقات بھی نہیں کر سکیں گے"۔

مقرر کریں۔ میں بہت جلد یہاں پر ایک تحریکی پارٹی
ہوں۔ آپ لوگ فرصت کے اوقات میں یہاں تشریف لا
کیجے۔"

"ابھی میں ہم کا بھی معذرت کیا جا کرے گا۔" رانگ
نمبر نے
بات بدلا۔

"معذرت۔ ابھی معذرت کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ جب
آپ لوگوں کا جب جی چاہے چلا آیا کرے گی۔"

"لیکن پھر بھی۔ ہم جس ماحول میں پلے بڑھے ہیں
اس کے بالکل الٹ ماحول ہے۔ آپ ہمیں اس جیسے ماحول میں"

میں اس وقت وہی گھوں گھوں کی آواز پھر سنائی دی
نمبر ایک بار پھر ناموش ہو گیا۔ وہ انتظار کرتے رہے۔

"ہیلو پھر ایک آفت ہو گیا ہے"۔ فرزانہ مسکرائی۔

"کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے۔ کیا ہوا ہے۔ اس بارے
نہیں کہا جا سکتا"۔ فرحت نے کہا۔

"ابھی پتا چل جاتا ہے"۔ رفعت بولی۔

"ابھی تمہارے باقی ساتھی بھی مسٹر بلنگ رہبر کے
کرنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ کتنا لطف رہتا۔ پھر ہم
ہوتے"۔ فوزیہ نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"فوزیہ صاحبہ۔ ان کا نام بلنگ رہبر نہیں۔

کہ سکتا۔ وہ چوٹوں کے سلسلے میں ہسپتال میں تھے۔ بس وہ ہسپتال
سے غائب ہو گئے۔ اب پورے ہسپتال کی زبردست انداز میں تلاش جاری
جاری ہے"۔

"اوہ۔ اچھا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے افسوس زدہ انداز میں کہا۔

"ہمیں یہ سن کر خوشی نہیں ہوئی انسپکٹر کامران مرزا" رانگ
نمبر نے حیران ہو کر کہا۔

"جی نہیں۔ مجھے تو غصہ آ رہا ہے۔ اول تو انہیں آپ کے
ساتھ شامل ہو جانا چاہیے تھا۔ ورنہ آرام سے بیٹھ جاتے"۔

"کوئی پروا نہ کرو۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مجھ تک نہیں
پہنچ سکتے"۔

"ہاں واقعی۔ آپ کا یہ اپنے کوارٹر تو بادلوں میں ہے"۔

"مطلب کیا"۔ رانگ نمبر نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ۔ ہماری بات بھر درمیان میں رہ گئی۔ آخر ہمارے لائق
کیا کام ہے"۔

"تب جب تک وہ نہیں مل جاتے۔ آپ لوگوں کو انتظار کرنا
پڑے گا"۔

"یہ تو آپ نے اور بور کرنے کا پروگرام بنا لیا"۔

"لیکن اس میں میرا کیا قصور۔ یہ سب کیا دھرا تو انہی لوگوں کا
ہے۔ میں تم لوگوں کی طرف سے شروع سے اسی لیے مطمئن نہیں

ہے۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔ میرا مطلب ہے۔ فرضی نام
ہے۔ اصل نام تو خیر ان کا کچھ اور ہے"۔

"ویسے بہت ہی اچھا رہا ہے۔ ہاں سے ملاقات ہو جائے۔ اور
ہم ان سے باتیں کریں۔ اس قدر عظیم قومی سے ملاقات کرنے میں
کس قدر خوشی ہو گی"۔

"ہاں یہ تو ہے۔ اب بات بہت ہوئی تو ہم ضرور ان سے یہ
مطالبہ کریں گے"۔

پھر میں چند بعد رانگ نمبر کی آواز سنائی دی۔

"تو بھئی۔ تمہارے باقی ساتھی کام دکھا گئے۔ آخر وہ ہو گیا۔
جس کا مجھے ڈر تھا"۔ رانگ نمبر نے ہنس کر کہا۔

"کیا کام دکھا گئے۔ کیا مطلب؟" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران
ہو کر کہا۔

"ہاں کام دکھا گئے"۔

"آخر ہوا کیا ہے؟"

"وہ غائب ہو گئے ہیں"۔

"یہ۔ یہ کیسے ہو گیا۔ آپ کی نظروں سے آخر کوئی کیسے غائب
ہو سکتا ہے؟"

"وہ تو ابھی تھوڑی دیر کے لیے بلیک آؤٹ ہوا تھا۔ انہوں نے
اسی سے فائدہ اٹھایا۔ مکمل تاریکی میں میں اپنی سکرین پر کچھ نہیں

تھا۔ کہ تم کچھ نہ کچھ کر ضرور گزرو گے۔ اب اگرچہ تم میرے ساتھ
شامل ہو گئے ہو لیکن۔ ان لوگوں نے کارروائی شروع کر ہی دی"۔

"لیکن انکل رانگ۔ اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم نے تو
آپ کے خلاف کوئی کارروائی شروع نہیں کی"۔ فرزانہ نے برا سا منہ
بنایا۔

"یہ تو خیر ہے۔ بہرحال تم کچھ انتظار کرو۔ دیکھتا ہوں۔ وہ
لوٹ کر آتے ہیں یا نہیں"۔

"یہ بھی کچھ کم حیرت کی بات نہیں کہ وہ آپ کو نظر نہیں آ
رہے۔ آخر ایسا کس لیے ہے"۔ فرزانہ بولی۔

"اندھیرا۔ انہوں نے اندھیرے سے فائدہ اٹھایا ہے۔ ہائیں تم
نے مجھے کیا کہا تھا۔ انکل رانگ"۔

"جی ہاں! میں کہہ گئی۔ اگر آپ کو برا لگا ہو تو واپس لے لیتی
ہوں اپنے وہ الفاظ"۔

"ہاں لے لو۔ مجھے انکل وانکل اچھا نہیں لگتا۔ یہ چاپلوسی کسی
اور کے لیے آزماؤ۔ مجھے صرف مسٹر رانگ نمبر کہو۔ اور انتظار کرو۔
ابھی میں کہہ رہا تھا۔ یہ سب اس اندھیرے کی وجہ سے ہوا"۔

"تو آپ نے اندھیرے کا علاج دریافت کیوں نہیں کیا؟" فرحت
بولی۔

"اندھیرے کا علاج۔ کیا مطلب؟" شاید اس نے چونک کر کہا

تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ اندھیرے میں دیکھنے کا بھی کوئی تجربہ
رکھتے ہیں۔"

"میں سال ضائع کیے ہیں صرف اس کام میں۔ لیکن کامیابی
نہیں ہو سکی۔ بس میں اندھیرے کی صورت میں بے کار ہو
جاتا ہوں۔"

"آپ ہمیں اس کام پر لگا دیں"۔ رفعت کی آواز ابھری۔

"لگ۔۔۔ کس کام پر؟"

"یہ کہ ہم اندھیرے پر تجربات کریں"۔

"ارے تم کیا سائنس دان ہو؟۔۔۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے
وقت ضائع نہ کرو۔۔۔ مجھے صرف یہ سوچنے دو کہ میں اب پاگل
نگران بنایا جا رہا ہوں"۔

"سوچئے۔۔۔ ضرور سوچئے۔۔۔ خوب سوچئے۔۔۔ لیکن ایک اور بات
بھی ساتھ ہی سوچتے رہئے گا۔۔۔ میرا مشورہ ہے"۔ شوکی نے کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ موت تو آخر آ کر رہے گی"۔

"جب تک نہیں آتی۔۔۔ اس وقت تک تو حکمرانی کر لوں"۔
انہوں نے ہنس کر کہا۔

"اور موت کے بعد۔۔۔ جو سب سے بڑے حاکم کے سامنے

ہوا ہے۔۔۔ اس بارے میں سوچا ہے کبھی"۔

"نہیں۔۔۔ ہم لوگ مرنے کے بعد کی زندگی کو نہیں مانتے"۔
اس نے حقارت زدہ انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ قدرت خود منوا لے گی آپ سے۔۔۔ اب
ہمارے لیے کیا حکم ہے؟"

"آرام کرو۔۔۔ میں ذرا انہیں تلاش کر لوں"۔

بات چیت کا سلسلہ بند ہو گیا۔۔۔ وہ سوچ میں ڈوب گئے۔۔۔ ان
میں سے ہر ایک سوچ رہا تھا کہ آخر انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی
اندھیرا کرنے میں کس طرح کامیاب ہو گئے۔۔۔ اور یہ خیال انہیں کس
طرح آ گیا کہ اندھیرے میں رانگ نمبر انہیں نہیں دیکھ سکے گا۔

پھر بہت سا وقت گزر گیا۔۔۔ اور رانگ نمبر نے ان سے کوئی بات
نہ کی۔۔۔ نہ انہیں اس کی آواز سنائی دی۔۔۔ آخر دوسرے دن کہیں جا
کر اس نے انہیں مخاطب کیا۔

"وہ لوگ نہیں مل سکے۔۔۔ اور اب میں نے ایک نئی بات سوچی
ہے"۔

"کیا بات۔۔۔ وہ کیا مسٹر رانگ نمبر؟" انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"کیا بات۔۔۔ یہ کہ ان لوگوں کو تم لوگ تلاش کر سکے۔۔۔ ان کا
سراغ تم لگا سکے اور جہاں بھی مل جائیں۔۔۔ انہیں فوراً ختم کر دو
گے۔۔۔ آخر روشنی کے ہوتے ہوئے۔۔۔ میں انہیں کیوں نہیں دیکھ

سکا"۔

"انہوں نے میک اپ کر لیا ہو گا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے
جواب دیا۔۔۔ "لیکن میک اپ کے باوجود میں انہیں دیکھ
سکتا تھا۔۔۔ ایک بات ہو سکتی ہے۔۔۔ جو تم لوگوں کے کام آ سکے گی۔
مطلب ہے۔۔۔ ان کی تلاش کے سلسلے میں کام آ سکے گی اور وہ یہ
ایک بار پھر تم کو سمجھنے کے لیے پورا دارالحکومت اندھیرے میں ڈوب
جائے"۔

"کیا"۔ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"اور اب میں تمہیں نشان پر بھیج رہا ہوں۔۔۔ انہیں
تلاش کرو۔۔۔ اور ختم کرو"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی ان پر غنودگی طاری ہو گئی۔۔۔ آنکھ کھلی
تو وہ انسپکٹر جمشید کے گھر میں تھے۔۔۔ اور ساتھ ہی کسی نے دروازے
کی گھنٹی بجائی۔

☆○☆

جیت لیں گے

ان کے سامنے پروفیسر داؤد کا ایک ماتحت کھڑا تھا۔۔۔ اس کی انچارج
تھی۔۔۔ انہیں وہاں دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی۔۔۔ کیونکہ
ان کا خیال تھا۔۔۔ رانگ نمبر نے وہاں کا محل تو ضرور ہی تبدیل کر دیا ہو
گا۔۔۔ لیکن شاید ابھی اسے اتنا وقت نہیں ملا تھا۔۔۔ یا یہ خیال ہی نہیں
آیا تھا۔۔۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے اس کی ضرورت ہی نہ محسوس
کی ہو۔

"کون ہو تم؟۔۔۔ اور اندر کس طرح داخل ہوئے۔۔۔ جب کہ
باہر فوج اور پولیس کا زبردست پہرہ ہے"۔

"م۔۔۔ میں۔۔۔ ج۔۔۔ دو۔۔۔ گ۔۔۔ کیا"۔ ان الفاظ کے ساتھ
ہی انہوں نے اسے آنکھ مار دی تھی۔۔۔ آنکھ مارتے ہی وہ گڑبڑا گیا اور
کچھ انہیں گھورنے۔۔۔ انہوں نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر اسے خاموش
ہونے کا اشارہ کیا۔۔۔ اور پھر کمرے کی لائٹ آف کرنے کے لیے اشارہ
کیا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا جیسے کہ رہا ہوں ایسا تو میں نہیں کروں

گئے۔ انسپکٹر جمشید سوچ میں پڑ گئے کہ اب وہ اسے کس
سمجھائیں۔ آخر انہوں نے کاغذ قلم جیب سے نکالا اور اس پر لکھا
"انسپکٹر جمشید"۔

اس نے کاغذ لے کر پڑھا اور پھر اس کی آنکھیں مارے
کے پھیل گئیں۔ اس سے پہلے کہ اس کے منہ سے حیرت کی
سے چیخ نکل جاتی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ
دیا۔ اور ساتھ ہی لائٹ آف کر دی۔

اب انہوں نے اپنا منہ اس کے کان سے لگا دیا۔

"پروفیسر صاحب نے کچھ آلات منگوائے ہیں۔ یہ
فرصت ہے۔ میں یہیں رہوں گا۔ اندھیرے میں۔ تم یہ سامان
کر یہیں لے آؤ۔ اور جس قدر تاریکی میں رہ کر کام کرو۔ اتنا ہی
ہے"۔

اس نے سر ہلا دیا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ سمجھ گیا۔ میں
وقت اس کمرے کے دروازہ پر دستک ہوئی' ساتھ ہی کسی نے کہا۔

"یہاں اندھیرا کیوں ہے۔ کون ہے اندر؟"

دونوں ساکت رہ گئے۔ شاید باہر سے کوئی فوجی اندر آیا
سکتا ہے پروفیسر کے ماتحت کی آواز

نے کسی کو اندر آتے دیکھا۔ سایہ سا تو نظر آ ہی گیا تھا۔ انسپکٹر
جمشید اٹھے اور جا کر اسے کمرے کی طرف سے دھکیل دیا۔ اس کے منہ پر
ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے اس کے کان میں کہا۔

"انسپکٹر جمشید ہوں۔ اگر آپ رانگ نمبر کے خلاف ہیں۔ تب
تو ٹھیک ہے۔ اور اگر حقیقت میں اس کے ساتھی بن چکے ہیں تو پھر
اپنی گردن دلوانے کے لیے تیار ہو جائیں"۔

اس نے پرجوش انداز میں سر ہلایا۔ شاید وہ یہ کہہ رہا تھا کہ وہ
رانگ نمبر کا ساتھی نہیں ہے۔ انہوں نے اس کے منہ پر سے ہاتھ ہٹا
لیا۔ اور اس کے کان میں بولے۔

"آواز نہ نکالیے گا۔ اگر رانگ نمبر تک آواز پہنچ گئی تو مشکل
ہو جائے گی۔ پھر انہوں نے اپنا پروگرام بتایا۔ اس طرح تاریکی کرتے
وہ تجربہ گاہ میں داخل ہو گئے۔ اور اندھیرے میں ہی۔ ایک پنسل
ٹارچ کی مدد سے وہ آلات نکال لے جانے لگے۔ عام ملاقاتوں میں
پروفیسر داؤد اپنے آلات اور ان کے کام کاج کے بارے میں بتاتے رہتے
تھے۔ ان کا ایسا کرنا اس وقت انسپکٹر جمشید کے کام آ رہا تھا۔ سارا
سامان سمیٹ کر وہ فوجی کی طرف مڑے۔

"کب اور کیسے آئے تھے؟" سوال انہوں نے کان سے منہ

"اچھا خدا حافظ"۔

اور پھر وہ اسی راستے سے نکل آئے۔ جلد ہی وہ کار کن کے
میں سب کے سامنے بیٹھے تھے۔ اور آلات پروفیسر صاحب کے سامنے
بکھرے پڑے تھے۔ اس گھر میں بھی اب مستقل طور پر اندھیرا تھا
لیکن پروفیسر صاحب پنسل ٹارچ کی مدد سے ان آلات کا جائزہ لے لیتے
اور پھر ان پر اپنا کام شروع کر دیتے۔ وہ انہیں کام کرتے کرتے دیکھتے
رہے اور بور ہوتے رہے۔ وہ آپس میں بات چیت بھی نہیں کر سکتے
تھے۔

وہ بور ہوتے رہے۔ جھکتے رہے۔ لیٹتے رہے۔ بیٹھتے رہے۔
لیکن پروفیسر صاحب بدستور کام میں مصروف رہے۔ انہوں نے تو کمر
تک نہیں کھجلایا تھا' سر تک اوپر نہیں اٹھایا تھا۔ مسلسل اتنی دیر تک
کام کرتے دیکھ کر انہیں ان پر ترس آنے لگا۔ لیکن وہ کچھ بھی کرنے
کے قابل نہیں تھے۔ آخر خدا خدا کر کے پروفیسر صاحب نے سر
اٹھایا۔ اور پنسل ٹارچ سے اشارہ کرنے کے فوراً بعد ٹارچ بجھا دی۔
اس کا مطلب تھا۔ ان کا کام پورا ہو گیا۔ لہٰذا وہ اٹھے اور تجربہ گاہ
سے نکل گئے۔ اس وقت بھی وہ مکمل تاریکی میں تھے۔ انہیں کم از
کم یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ تاریکی میں رانگ نمبر انہیں نہیں دیکھ
سکتا۔ اور اس وقت تک پہلی کام کی بات یہ انہیں معلوم ہوئی تھی۔

وہ پیدھے اس کار کن کے کمرے آئے جو دھاتی کے روپ میں
اس گھر میں مکمل طور پر تاریکی تھی۔ یہاں تک وہ ایسے راستوں
سے گئے جو عام طور پر تاریک رہتے ہیں۔ اب وہ اس گھر
میں داخل ہونے میں آ گئے۔ یہاں روشنی کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔
باہر نہیں جا سکتی تھی۔

"ابا جان اوپر کیا ہے انکل؟" فاروق نے پروفیسر داؤد کی
طرف دیکھا۔

"میں بھی ایک چھوٹا سا بلیک ہول تیار کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں
کامیاب ہو گیا تو پھر فوری طور پر یہ بتا سکوں گا کہ بلیک ہول کو
کیا جا سکتا ہے"۔

"بڑے نیک ہے۔ آپ پورے آرام اور اطمینان سے یہ تجربہ
کریں۔ ہم ذرا اس پر غور کر لیں کہ مجرم کا سراغ کیسے لگائیں۔
جب تک اس کا سراغ نہیں لگایا جاتا۔ اس وقت تک کام
چلے گا"۔

"ٹھیک ہے۔ یہ تمہارا کام ہے۔ تم کرو۔ میں اپنا کام کروں
گا"۔

وہ ان کے پاس سے ہٹ کر تہ خانے کے دوسرے حصے میں آ
گئے۔

"ابا جان! اب ہم کھل کر کام کرنا چاہتے ہیں"۔ محمود نے منہ

بولا۔

"لیکن میرے خیال میں۔۔۔ ہمیں اس قدر احتیاط کی ضرورت
ہے کہ پتا نہیں چلتا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جب آپ پتا نہیں چلتے تو ہمیں کیسے اندازہ ہو سکتا ہے کہ
قدر احتیاط کی ضرورت ہے۔۔۔ خیر ہم کر لیں گے احتیاط ورنہ ہمارا
چاہتا ہے کہ اڑ کر رانگ نمبر تک پہنچ جائیں اور اسے گرفتار کر
لیں"۔

"یہ کام اتنا آسان نہیں۔۔۔ سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہو
مجرم ہے کون؟"

"جی کیا فرمایا۔۔۔ مجرم ہے کون؟" وہ ایک ساتھ دبی آواز
بولے۔۔۔ تو آواز بلند کرنا بھی احتیاط کے خلاف تھا۔

"ہاں! مجرم ہے کون؟"

"لیکن یہ ہم کس طرح معلوم کر سکتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے' ہم معلوم کر سکتے ہیں"۔

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ کیسے؟" آصف نے بوکھلا کر کہا۔

"اپنے دماغوں سے کام لے کر۔۔۔ اگر ہم نے اس کا سراغ لگا
تو پھر اس تک پہنچنا مشکل نہیں ہو گا"۔

"میرا بھی یہی خیال ہے"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

"تو پھر سنو۔۔۔ شہر غائب ہونے کے بعد ہمارے پاس اتوار کا

تھا۔ ہم ادھر پہنچے تو شہر غائب تھا۔۔۔ ہوٹل میں ہماری ملاقات بابو
ہوئی تھی۔۔۔ بابو سے ہم پروفیسر سیانی تک پہنچے تھے۔۔۔ پروفیسر
اور اس کے ملازم آدم خور قسم کے لوگ ثابت ہوئے تھے۔۔۔ یہ
پروفیسر سیانی اب بھی غائب ہے۔۔۔ سنا ہے' یہ شخص سائنس دان بھی
ہے۔ ایک تو میں اس شخص کا سراغ لگانا چاہتا ہوں۔۔۔ دوسری طرف
ہمارے سامنے ایک مسئلہ ہے۔۔۔ ڈاکٹر خیم کٹانا سے ٹکرائے تھے۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا
اور کامران مرزا' ڈاکٹر خیم کٹانا سے ٹکرائے تھے۔۔۔ ان کے بیان کے مطابق
ڈاکٹر خیم کٹانا ان کے دوست سجاد عرفانی کے تھے۔۔۔ ان کے بیان کے مطابق
انہوں نے ان کی تجربہ گاہ کے آلات کو جام کر دیا تھا۔۔۔ وہاں انسپکٹر
کامران مرزا نے شاکر کا سراغ لگایا۔۔۔ شاکر سے وہ کھیرا جانور تک پہنچے۔۔۔
کامران مرزا نے جانور سے ڈاکٹر خیم کٹانا تک۔۔۔ لیکن اس کے بعد تحقیقات کا
سلسلہ بند ہو جاتا ہے۔۔۔ اور رانگ نمبر ہمیں لپیٹ میں لے لیتا ہے۔۔۔
اب ہم بہت مشکل سے اس کی لپیٹ سے فارغ ہوئے ہیں۔۔۔ لہٰذا اب
ہمارے کام شروع کریں گے"۔

"لیکن انکل۔۔۔ ان لوگوں کا تعلق دارالحکومت سے نہیں ہے۔۔۔
گم شدہ شہر خدا کے آس پاس کی بستیوں سے ہے"۔ آصف نے
اعتراض کیا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم وہیں جائیں گے"۔

"لیکن اس طرح تو ہمیں دیکھ لیا جائے گا"۔

"نہیں۔۔۔ ہم صرف رات کی تاریکی میں سفر کریں گے۔۔۔ اس

وقت تک ہمیں کم از کم یہ بات تو معلوم ہو ہی گئی ہے کہ کوئی
ہمیں نہیں دیکھ سکتا"۔

"ہاں! یہ بھی بڑی بات ہے"۔

"لہٰذا ہم صرف رات کے وقت سفر کریں گے۔۔۔ لیکن
لائٹ کے بغیر چلائیں گے"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ اس طرح تو ایکسیڈنٹ کا خطرہ
رہے گا"۔

"مجبوری ہے۔۔۔ ایسا تو کرنا ہی ہو گا۔۔۔ ورنہ ہم
گے۔۔۔ فی الحال تو ہم صرف اس وجہ سے بچے ہوئے ہیں کہ
دیہاتی لوگوں کا میک اپ کیا ہوا ہے اور دیہاتی لوگوں کی طرف
ابھی تک توجہ نہیں دی۔۔۔ دوسرے یہ کہ ہم نے زیادہ
اندھیرے میں گزارا ہے۔۔۔ ورنہ وہ اپنے آلات کے ذریعے
طرح ہمیں تلاش کر رہا ہو گا"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔۔۔ اگر کہیں ہم اس کے ہتھے
تو۔۔۔ تو کیا بنے گا؟" شوکی کانپ گیا۔

"مقبو"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"اتنی خوفناک باتیں تو نہ کرو بھئی"۔ آصف نے
طرف دیکھا۔

سفر کے۔۔۔ جتنی باتیں کرتا ہیں۔۔۔ پھر سفر کے دوران مکمل خاموش
رہنا ہو گا"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"جی بہتر۔۔۔ لیکن یہ اجازت آپ منہ بنا کر کیوں دے رہے
ہیں۔۔۔ خوش ہو کر بھی تو دے سکتے تھے"۔ فاروق نے بھی جواب میں
منہ بنایا۔

"نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کرنا پڑ رہا ہے۔۔۔ یعنی اجازت دینا پڑ
رہی ہے"۔

"ہوں! ارے آپ کے لیے ایسا کرنا پسند نہیں تو ہم آپ کی
اجازت واپس کر دیتے ہیں"۔ محمود بولا۔

"کیا چیز واپس کر دیتے ہیں؟" خان رحمان بے خیالی کے عالم میں
بولے۔

"جی اجازت"۔ آفتاب بولا۔

"اچھا! اجازت۔۔۔ اچھا کیا واپس کر دی"۔ خان رحمان نے خوش
ہوتے ہوئے کہا۔

"یار تم بھی ان کی باتوں میں آ جاتے ہو"۔

"اور تم تو جیسے کہیں آتے ہی نہیں ان کی باتوں میں"۔ خان
رحمان نے جھلا کر کہا۔

"اچھی بھلی کام کی باتیں ہو رہی تھیں۔۔۔ یہ ہم کیا لے بیٹھے"۔

"اوہ ہاں واقعی۔۔۔ چلو بھئی۔۔۔ صرف کام کی باتیں کرو"۔ جمشید نے چونک کر کہا۔

اور وہ سب مسکرا دیئے۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہمیں پہلے غذا کی طرف جانا ہے اور وہاں پروفیسر سیلانی کا سراغ لگانا ہوگا۔۔۔ کیا خبر۔۔۔ پروفیسر سیلانی ہی نمبر ہو۔۔۔ اور پھر ہم انسپکٹر کامران مرزا کی طرف جائیں گے۔۔۔ اور سکاٹا کو چیک کریں گے۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ وہی رانگ نمبر ہو"۔

"ہم بھی چن کر رکھا ہے۔۔۔ رانگ نمبر"۔ محسن نے بات بنایا۔۔۔ اور وہ مسکرانے لگے۔

"تیسرے دن پروفیسر داؤد نے گویا اعلان کیا۔

"میں نے تیاری مکمل کر لی ہے۔۔۔ اب ہم روشنی میں جائیں گے اور دن کے اوقات میں بھی ہر طرف گھوم پھر سکیں گے۔ رانگ نمبر ہمیں دیکھ نہیں سکے گا"۔

"کیا!!!" احتیاط کے باوجود وہ چلا اٹھے۔

"بھئی ذرا آہستہ آواز میں۔۔۔ پروفیسر صاحب۔۔۔ آپ کی مدد سے ہم اس کی نظروں میں آنے سے تو بچ جائیں گے۔ ہماری آوازیں تو سن سکے گا؟"

"نہیں! میں نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے۔۔۔ وہ آواز نہیں سن سکے گا"۔

"بہت خوب! تب تو پھر آپ جلدی کریں"۔ محمود نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"جلدی کروں۔۔۔ لیکن کس سلسلے میں؟"

"اس کی نظروں اور کانوں سے بچنے کے سلسلے میں"۔

"وہ تو میں کر بھی چکا۔۔۔ نظر نہ آنے والی لہریں تم سب کو اپنے گھیرے میں لے چکی ہیں۔۔۔ یہ دن رات تم سب کو اپنی لپیٹ میں لیے رہیں گی"۔

"وہ بابا۔۔۔ تو کیا اب ہم بول سکتے ہیں۔۔۔ باہر نکل کر گھوم پھر سکتے ہیں۔۔۔ آزادانہ انداز میں غذا کی طرف سفر کر سکتے ہیں"۔

"ضرور کیا۔۔۔ بالکل"۔ وہ پرجوش انداز میں بولے۔

"بہت خوب! مزا آ گیا۔۔۔ یہ ہوئی نا بات"۔ وہ سب جلدی جلدی بولنے لگے۔۔۔ ان کی خوشی بہت بڑھ گئی تھی۔

آخر وہ باہر نکل آئے۔

"ضرور انکل۔۔۔ کیا ہم میک اپ بھی اتار دیں"۔

"عام لوگوں کی نظروں سے اگر بچنا ہے تو نہ اتاریں۔۔۔ رانگ نمبر چونکہ دور دراز جگہ بیٹھا ہے اور صرف آلات کی مدد سے ہم سب کو دیکھ اور سن سکتا ہے۔۔۔ لہٰذا اس کے لیے میک اپ کی بھی ضرورت نہیں رہ گئی۔۔۔ لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ عام لوگ بھی تم لوگوں کو نہ پہچانیں تو پھر یہی مناسب رہے گا کہ میک اپ ختم نہ کرو"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم لوگ میک اپ میں رہیں گے"۔

انہوں نے باہر نکل کر خان رحمان کے گھر کا رخ کیا۔۔۔ کیونکہ وہاں سے بڑی کاریں لینا تھیں۔۔۔ وہاں پہنچ کر خان رحمان نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔۔۔ اندر سے ایک چنگھاڑتی آواز سنائی دی۔

"ٹھہر جاؤ۔۔۔ کم بختو۔۔۔ ابھی تمہیں بتاتا ہوں۔۔۔ بڑا بگڑ گئے ہو۔۔۔ تم یوں باز نہیں آؤ گے"۔

آواز کے ساتھ دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ کھل گیا۔۔۔ یہ ضرور تھا' غصے میں بھرا ہوا ضرور' ساتھ ہی وہ چلا اٹھے۔

"آخر یہ کیا بدتمیزی ہے؟"

"کس بدتمیزی کی بات کر رہے ہو؟" خان رحمان نے جواب میں کہا۔

"ارے بابا۔۔۔ میں تو اس خیال میں تھا کہ بچے ہیں۔۔۔ شرارت کر رہے ہیں۔۔۔ آپ لوگوں کو شرم آنی چاہیے۔۔۔ بار بار گھنٹی بجا کر اور غائب ہو جاتے ہیں۔۔۔ ہے کوئی تک"۔

"ہم گاڑی لے جا رہے ہیں! اور بس"۔ خان رحمان نے آواز میں کہا۔

"کک۔۔۔ گاڑی لے جا رہے ہیں۔۔۔ کیا مطلب؟"

"مطلب سمجھنے کی کوشش کرو بے وقوف"۔ خان رحمان

"بے وقوف ہو گے تم خود۔۔۔ جانتے نہیں۔۔۔ میں کون ہوں؟۔۔۔ ضرور ہم خان ایم اے۔۔۔ ملازم آف خان رحمان صاحب"۔ اس نے بگڑ کر کہا۔

"یہ تم ایم اے کب سے ہو گئے؟"

"صد ہو گئی۔۔۔ آپ کو اتنا بھی نہیں پتا؟" اس نے آنکھیں نکالیں۔

"ہاں! نہیں پتا"۔ اب انہوں نے اصلی آواز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تو خان صاحب ہیں۔۔۔ آ گئی شامت"۔ اس نے کہا اور فوراً جھک کر کان پکڑ لیے اور لگا تھر تھر کانپنے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" خان رحمان چلائے۔

"وہی۔۔۔ جس کا ابھی حکم ملنے والا ہے"۔

"ہم گاڑی لے جا رہے ہیں۔۔۔ کسی کو بھی نہ بتانا کہ ہم یہاں آئے تھے اور گاڑی لے گئے ہیں"۔

"توبہ کے سہ۔۔۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا"۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔

اور پھر وہ وہاں سے نکل آئے۔

"انکل۔۔۔ کیا وہ لہریں ہماری گاڑی کے گرد بھی ہیں؟" آصف نے پوچھا۔

"چلیں! تم فکر نہ کرو۔ اور اب ہم تمہارے کہنے پر
رانگ نمبر میں چھان سکتا ہے" نہ تو ڈاکو ہیں نہ کچھ
وہ سے طرف رانگ کا تھوڑی ہی ڈاکو ہیں نہ کچھ کہا پھر وہ
نہیں کچھ کہا۔ اس لیے کہ ہم دیہاتیوں کے بیک اپ میں ہیں"۔
"چلیں۔ ٹھیک ہے۔ ہم تو خاموش ہو کر لگ آ گئے
اور لگ ؟؟ اگر خاموش تھے"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔
وہ کی یہ شہری مدد پار کرنے والے دوا پر پہنچے۔ انہیں
روک لیا پولیس۔ کچھ شہر سے باہر جانے والی ہر گاڑی کی تلاشی
دی تھی۔
"ارے باپ رے۔ اب کیا ہو گا؟" خان رحمان گھبرا کے
"تم ادھر آ جاؤ خان رحمان۔ اب ڈرائیونگ میں کمال
انسپکٹر جمشید نے کہا۔
انہوں نے جگہ بدل لی۔ آخر ان کی باری آ گئی۔ پولیس
ان کی طرف بڑھا اور کار میں دیہاتیوں کو دیکھ کر حیران ہو کر بولا
"اپنے شناختی کارڈ دکھائیں"۔
انسپکٹر جمشید نے اپنا کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔
"ٹھیک ہے۔ آپ جا سکتے ہیں۔ ان سے کہا گیا تھا
تلاش کر لی گئی"۔
انہوں نے کار آگے بڑھا لی۔

"تب یہ کیا ہو گیا؟"
"ہمیں! اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا"۔
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔
"کیا مطلب۔ آخر کیسے۔ ہماری الجھن دور کریں نا آپ"۔
حسن جلدی جلدی بولا۔
"بھئی۔ اس وقت رانگ نمبر کی حکومت ہے۔ لیکن اس
حکومت کو لوگوں نے دل سے تو قبول نہیں کیا۔ کیا خیال ہے۔ اب
تم ہمیں گرفتار کرنے کا۔ ہر حال میں گرفتار کرنے کا۔ اسی
لیے ہر طرف ناکہ بندی کی گئی ہے۔ لیکن خاموشی پہلے والے دل سے تو
رانگ نمبر کے ساتھی نہیں ہیں۔ ان کے دل تو ہمارے ساتھ ہیں۔
یہی اتنی سی بات رانگ نمبر کو معلوم نہیں"۔
"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات۔ اب تو مزا آنے لگا ہے"۔
حسن نے خوش ہو کر کہا۔
"ہاں آنے لگا ہے۔ لیکن مجرم کو تلاش کرنے میں دانتوں پسینہ
آ جائے گا"۔
"چلیے کوئی بات نہیں۔ دانتوں پسینے کی خیر ہے۔ خدا کا شکر
کہیں آنکھوں پسینہ نہیں آئے گا"۔ حسن نے خوش ہو کر کہا۔
فاروق اور فاروق اسے گھور کر رہ گئے۔
"کیا۔ آپ دونوں مجھے کھا جانے والی نظروں سے کیوں دیکھ

رہے ہیں"۔
"ہماری نقل کرنے کی کوشش کر رہے ہو تم۔ ہم تم سے کہہ
لیں گے"۔
میں اس وقت کار کی زوردار بریک لگی۔ ان سب کو زوردار
دھچکا لگا۔ نظریں اوپر اٹھائیں تو ان کے ہوش اڑ گئے۔

☆○☆

چم پانگ

"کک۔ کون؟" شوکی نے خوف زدہ انداز میں کہا۔
"ہم۔ ہیں۔ یقین کریں"۔ باہر سے گھبرائی ہوئی آواز سنائی
دی۔
"جاؤ شوکی۔ دروازہ کھول دو۔ ہم انسپکٹر جمشید کے گھر میں
ہیں۔ یہ اچھا ہے۔ اس نے ہمیں یہاں اتار دیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا
نے خوش ہو کر کہا۔
شوکی فوراً دروازے پر پہنچا۔
"کون ہے۔ نام بتاؤ نا"۔
"کک۔ وہ میں ہوں۔ آپ سمجھ جائیں نا بس"۔
شوکی نے دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ گویا انہیں
دروازے کے ذریعے اندر داخل نہیں کیا گیا تھا۔ بلکہ ہول اوپر سے
اندر اتار گیا تھا۔
"اچھا سمجھ گیا۔ بھاگ جاؤ"۔ شوکی نے ہاتھ نچایا۔
"کک۔ کیا فرمایا۔ بھاگ جاؤ"۔

"اچھا اب تم ہم نہیں ہو گے تو پھر ہو گے۔"
"جواب ملا۔ آپ سمجھے نہیں۔"
"نہیں۔ کیوں نہیں۔ آپ سمجھا نہیں۔"
"نہیں نہیں۔ بات تو کوئی بھی ہے۔ تم لوگ ہمیں کی ا
ہی ہے۔ ہمیں کو دینے کو تم لوگ ہمیں کا بلاک نہیں۔"
"نہیں نہیں۔ کیا تم لوگ ہمیں کی کوشش کر رہے ہو؟"
"ہاں۔ کی ہاں ہماری مجبوری ہے۔"
"نہیں کیا مجبوری ہے؟"
"ہمیں آپ سے واقعہ کھل دیں۔ آپ خود سمجھ جائیں گے۔"
اس شوکی نے انسپکٹر کامران مرزا کے اشارے پر دروازہ کھ
دیا۔ اور انہوں نے دیکھا۔ باہر ایک شخص ایم کھڑا تھا۔
"یہ تو اپنا ہی ایم صاحب ہیں۔"
"جی ہی ایم نہیں۔ ایس ایم۔ فرزانہ نہیں
ہیں ہاں اسلام کر رہا ہیں۔"
"کوئی بات نہیں۔ کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"
"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔"
وہ اندر آ گیا۔ پہلے ان سب کو حیرت زدہ انداز میں دیکھ
چونک کر بولا۔
"ہیں۔ باقی ساتھی کہاں ہیں؟"

میں اٹک گیا تھا۔ تو میں کھجور میں اب تک اٹکا ہوا ہوں۔"
ارے تو کیا واقعی آسمان سے گرے تھے؟" انسپکٹر کامران
نے حیران ہو کر کہا۔
"جی ہاں بس یہی سمجھ لیں۔ ویسے دراصل میں سوچ
رہا تھا۔ اور میری ریڑھ کی ہڈی پر چوٹ لگ گئی تھی۔"
"ارے ارے باپ رے۔" شوکی کانپ اٹھا۔
"کیوں۔ کیا ہوا؟۔ آپ کیوں کانپ اٹھے۔"
"ہم۔ میں چوٹ کی ہڈی پر ریڑھ سے بہت ڈرتا ہوں۔"
نے بدستور کانپتے ہوئے کہا۔
"تم تو شوکی اس طرح ڈر رہے ہو۔ جیسے ابھی کمزور
تمہاری۔ ہائیں تم نے کیا کہا تھا۔ چوٹ کی ہڈی پر ریڑھ۔"
چونکی۔
"وہ معاف کیجئے گا۔ الٹ پلٹ کر گیا۔"
"تم خواب میں روزانہ فاروق کو تو نہیں دیکھتے رہتے۔" ا
مسکرائی۔
"جی نہیں تو۔ وہ تو میرے خواب میں تین دن پہلے
تھے۔" شوکی نے بوکھلا کر کہا۔
"حد ہو گئی بھئی۔ ہم باتیں کیا کر رہے تھے اور شہزا
گئی۔ ہاں تو ٹی ایس ایم۔ تمہاری ریڑھ کی ہڈی پر

تو پھر کیا ہوا؟"
"میں اٹک۔ تین چار ماہ بستر پر پڑا رہا۔ اب پھر نے چلنے کے
ہوا ہوں تو اٹھ کر سب سے پہلے ادھر آیا ہوں۔"
"پہلی بات تو یہ کہ ان کا نام بس اٹک نہیں۔ یہ اٹک کامران
ہیں۔ اور دوسری بات۔ یہ تم پھرنے چلنے کی بجائے۔ چلنے
نہیں کہہ سکتے تھے۔"
"ہائیں۔ اس سے کیا فرق پڑ گیا۔ ویسے ایسے الفاظ میں چوٹ
ہو۔ نہیں۔ ریڑھ پر چوٹ کے بعد بولنے لگا ہوں۔"
"حیرت ہے۔ چوٹ تمہارے دماغ پر لگی ہو تو پھر ایسا ہو سکتا
ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا بولے۔
"ہم۔ پتا نہیں۔ یہ تو ڈاکٹر صاحبان ہی بتا سکتے ہیں۔" اس
نے گھبرا کر کہا۔
"اچھا بھائی۔ تنگ نہ کرو۔ تو تم حالات سے بالکل بے خبر
ہو؟"
"ہاں ابھی۔ کٹ کر رہ گیا تھا۔ ساری دنیا سے۔"
"لیکن تم نے ہمیں کیوں اطلاع نہ دی۔"
"میں نے آپ لوگوں کو پریشان کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔"
"یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔ کم از کم تم انسپکٹر جمشید کو تو اطلاع

"جی میں کیا بتاؤں ابھی۔ آپ سنائیے۔ اور باقی ساتھی
ارے آپ نے کیا کیا تھا۔ وہ مل گئے تو آپ کے ہاتھوں زخمی
بھی گئے۔ یہ میں نے کیا سنا تھا۔ کک۔ کہیں میرے لئے تو
ہو گئے"۔

"بہت جلد خیال آ گیا۔ خیر آ ہی گیا۔ اگر نہ آتا تو بھی
کر لیتے"۔ فرزانہ نے جلدی جلدی کہا اور ساتھ میں بڑا سا منہ
بنایا۔

"ہاں مسز ٹی ایس ایم۔ ہم لوگ جو تمہیں یہاں نظر آ
ہیں۔ ہم سب مسٹر رانگ نمبر کے ساتھ ہیں۔ اتنا تو تم جانتے
کے کی ملک پر اس وقت رانگ نمبر کی حکومت ہے"۔

"جی ہاں۔ یہ تو خیر مجھے معلوم ہے"۔

"بس تو پھر۔ ہم حکومت میں ہیں۔ جب کہ باقی ساتھی باغیوں
میں شامل ہیں۔ اور مسٹر رانگ نمبر نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم انہیں
قابو کر کے ختم کر دیں۔ لہٰذا تم بتاؤ۔ وہ کہاں ہیں؟" انہوں نے
آنکھیں نکالیں۔

"کہ۔ میں۔ بتاؤں۔ وہ کہاں ہیں۔ مجھے کیا معلوم۔ میں
تو یہی آپ سے پوچھ رہا تھا۔ وہ کہاں ہیں؟"

"وہ تو ایکٹنگ کر رہے تھے۔ فرزانہ۔ فرحت۔ رفعت۔
اسے پکڑ لو۔ اور الٹا لٹکا دو۔ جب تک یہ نہیں بتا دیتا کہ وہ لوگ

ہیں۔ اسے چھوڑا نہیں جائے گا"۔

"ارے ارے۔ انکل کامران مرزا۔ یہ آپ ہی ہیں یا نقلی
کامران مرزا ہیں۔ کیونکہ ایسا حکم تو نقلی انسپکٹر کامران مرزا ہی
دے سکتے ہیں۔ اصلی تو ہرگز نہیں دے سکتے"۔

"تمہاری بھول ہے۔ یہ حکم سو فیصد اصلی انسپکٹر کامران مرزا
کا دیا ہوا ہے۔ اور یہ لوگ بھی بالکل اصلی ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو۔
تمہاری جان بچ جائے تو ان کا پتا بتا دو"۔

"اگر مجھے معلوم ہوتا۔ تو بھی نہ بتاتا۔ لیکن مجھے تو واقعی
معلوم نہیں ہے"۔

"یہ ایسے نہیں بتائے گا۔ تم نے سنا نہیں"۔ انسپکٹر کامران
نے انہیں گھورا۔

وہ اچھل کر کھڑے ہو گئے۔

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ میری چوٹ پر ریزہ کی بڑی لگ گئی
ہے۔ الٹا لٹکانے سے وہ چوٹ پھر سے ہری ہو جائے گی۔ لہٰذا کم از
کم مجھے الٹا نہ لٹکائیں"۔

"اچھا خیر۔ سیدھا لٹکاؤ اسے"۔

"سیدھا کیسے لٹکائیں انکل۔ ہمیں تو بس الٹا لٹکانا آتا ہے"۔
فرزانہ نے منہ بنایا۔

"لو بھئی فرحت۔ باندھ کر رسیاں اوپر کھینچ لو۔ یہ

سیدھا لٹک جائے گا"۔

"لیکن میرا خیال ہے انکل۔ اس بے چارے کو معلوم
وہ کہاں ہیں"۔

"اس کے باوجود یہ ہمیں بتا سکتا ہے کہ وہ کہاں ہیں"
کامران مرزا بولے۔

"کک۔ کیوں انکل۔ کیا آپ کے خیال میں میں
ہوں۔ یا علم غیب جانتا ہوں"۔

"نہیں۔ تم نجومی نہیں ہو۔ اور غیب کا علم تو تمہارے
کسی کو معلوم نہیں۔ لیکن تم اپنے دوست کو کیوں آواز نہیں
وہ ابھی اڑ کر چلا آئے گا اور خبر لے آئے گا کہ انسپکٹر
کے ساتھی کہاں ہیں۔ بس پھر اس جگہ پہنچ کر ان کی زندگی
کرنا ہمارا کام ہو گا"۔

"نن۔ نہیں۔ اتنی باتیں خوفناک نہ کریں انکل"
ایم گھبرا گیا۔

"جب تک اسے باندھا نہیں جائے گا۔ اور بندھ
جائے گا۔ اس وقت تک یہ نہیں اگلے گا۔ نہ اپنے
دے گا۔ ارے میں کہتا ہوں۔ آواز دو اس جن کے بچے
"اچھی بات ہے۔ آپ مجھے لٹکائیں نہ۔ میں
بات کر کے آتا ہوں"۔ ٹی ایس ایم نے فوراً کہا۔

"نہیں۔ تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ شم شانگ کو تو یہیں بلاؤ"۔

"شم شانگ۔ یہ کس بلا کا نام ہے"۔

"وہی تمہارا دوست"۔

"اس کا نام چم پانگ ہے"۔ ٹی ایس ایم نے برا مان کر کہا۔

"اچھا بھائی مان لیا۔ بلاؤ اسے"۔

"یہاں سے وہ میری آواز نہیں سنے گا"۔

"اچھی بات ہے۔ فرزانہ تمہارے ساتھ جائے گی۔ تاکہ تم
فرار نہ ہو جاؤ۔ ہاتھ آیا شکار نکل نہ جائے"۔

"کیا کہا۔ میں شکار ہوں"۔

"ہاں! شکار ہو تم۔ اور بھی بہت کچھ ہو تم"۔

"چلئے خیر۔ میرے نزدیک آپ کی کوئی حیثیت تو ہے"۔ ٹی
ایس ایم خوش ہو گیا۔

"کیا۔ اور سنئے۔ ان کے نزدیک آپ کی کوئی حیثیت تو
ہے"۔ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"گویا معافی چاہتا ہوں۔ یہ سارا اس چوٹ کا اثر ہے"۔

"حیرت ہے۔ چوٹ لگی ریزہ پر اور ضائع ہو گیا دماغ۔ خیر
یہ انہوں کا مسئلہ ہے۔ تم دونوں جاؤ۔ اور اس جن کے بچے کو پکڑ

"اسے بار بار جن کا پتہ نہ کہیں۔ ناراض ہو جائے کہ
ماہ سے سویا پڑا ہے"۔
"کیا کہا۔ جیسے ماہ سے سویا پڑا ہے"۔
"ہاں! یہ اس کا سونے کا پیٹ ہے۔ جگایا جانا بھی پسند
کرے گا"۔
"ہاں جناب۔ آپ صاحب فرزانہ"۔
فرزانہ نے برا سا منہ بنایا اور اس کے ساتھ گھر سے باہر
آئی۔
"دیکھو۔ کوئی چالاکی کرنے کی کوشش نہ کرنا"۔
"جی۔ کک۔ کیا مطلب؟"
"چالاکی کا مطلب چالاکی ہی ہوتا ہے۔ بے وقوفی نہیں
ہونے کی کوئی کوشش نہ کرنا۔ دھوکا دینے کی کوشش نہ کرنا
ورنہ ایک اشارے پر تم پھانسی پر چڑھ جاؤ گے"۔
"کک۔ کیوں مذاق کرتی ہیں۔ کیا آپ لوگ واقعی
کے ساتھی بن گئے ہیں۔ یا پھر کوئی ڈراما ہے"۔
"دماغ تو نہیں چل گیا۔ خیر ابھی معلوم ہو جائے گا
تمہیں فرار تو ہونے نہیں دیں گے"۔

"میں تو بیمار رہا ہوں۔ بستر پر پڑا رہا ہوں"۔ اس نے جل کر کہا۔
"یہ کہانی۔ بیماری یا چوٹ کی جھوٹ بھی ہو سکتی ہے"۔
"جناب۔ لگا لیں اندازے۔ میں اب کچھ نہیں بولوں گا
ورنہ"۔ اس نے تلملا کر کہا۔
اور پھر وہ گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔ ٹی ایس ایم نے دستک
دی۔
"کک۔ کون؟" اندر سے گھبرائی ہوئی خوفناک آواز سنائی دی۔
"یہ میں ہوں ٹی ایس ایم"۔ اس نے کہا۔
"ٹی ایس ایم۔ اچھا تو پھر اندر آ جاؤ۔ دروازہ بند نہیں ہے"۔
"میرے ساتھ فرزانہ صاحبہ بھی ہیں"۔
"تو پھر کیا ہوا؟"
"آپ کب جاگے۔ آپ تو سو رہے تھے"۔
"ابھی ابھی۔ تھوڑی دیر پہلے جیسے ماہ پورے ہوئے ہیں۔ ابھی
جاگا ہوں۔ ابھی تک تو جمائی پر جمائی آ رہی ہے"۔
"اوہ اچھا۔ ہم اندر آ رہے ہیں"۔
"ضرور ضرور۔ شوق سے۔ آیئے فرزانہ صاحبہ اتنے دنوں بعد
آپ سے مل کر خوشی محسوس کر رہا ہوں"۔ تو انگ کی آواز آئی

"انسپکٹر جمشید والے مکان میں اس وقت انسپکٹر کامران مرزا
موجود ہیں"۔
"اچھا تو پھر۔ اس سے کیا ہوتا ہے۔ اور تم یہ بات کیوں
کہہ رہے ہو ٹی ایس ایم"۔
"وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ انہیں تم سے کچھ کام ہے"۔
"تو پھر چلو۔ اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی"۔
"فلاں کہا۔ اس سے بری بات اور کیا ہو گی"۔ ٹی ایس ایم نے
برا سا منہ بنا کر کہا
"کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی"۔
"تمہارے ذریعے انسپکٹر کامران مرزا، انسپکٹر جمشید وغیرہ کو تلاش
کرنا چاہتے ہیں"۔
"کیا مطلب۔ کیا وہ گم ہو گئے ہیں؟"
"جی نہیں۔ گم نہیں ہو گئے۔۔۔ حکومت وقت کے خلاف ہو
گئے ہیں۔ اور انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھی حکومت کے ساتھ
ہیں۔ لہٰذا مسٹر رانگ نمبر نے انسپکٹر کامران مرزا کو حکم دیا ہے کہ ان
لوگوں کو تلاش کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے"۔ ٹی ایس ایم نے
جلدی جلدی کہا۔
"کک۔ نن۔ نہیں۔۔۔ نہیں"۔

انہوں نے جم پانگ کی پھنسی پھنسی آواز سنی۔۔۔ پھر انہیں یوں
لگا جیسے اس کا گلا کوئی گھونٹ رہا ہو۔۔۔ اور پھر تو اس کی چیخیں بلند
ہونے لگیں۔

☆○☆

یہ سب کیا ہے

انہوں نے دیکھا۔ سڑک کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑا اژدہا
کو اٹھا ہوا کھڑا تھا۔ اور اگر انسپکٹر جمشید گاڑی کو روک نہ لیتے تو
اس وقت اژدہے کی لپیٹ میں ہوتی۔

"یہ۔ یہاں اژدہا کہاں سے آ گیا؟"

"ہاں۔ ان اطراف میں اژدہے ہوتے ہیں۔ میں پہلے
دیکھ چکا ہوں"۔ منور علی خان بولے۔

"لیکن اب کیا کریں۔ یہ تو راستا روکے کھڑا ہے"۔

"میں راستا صاف کرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر وہ نیچے اتر آئے۔ اور اژدہے کی طرف بڑھے۔
اژدہا ٹس سے مس نہ ہوا۔ اسی طرح کھڑا رہا۔ جونہی منور
نزدیک پہنچے۔ اس نے ایک پھنکار ماری اور اپنا سر ان کی طرف
کر لیا۔ انہوں نے دیکھا۔ منور علی خان اس سے ذرا ہی فاصلے

طرف گیا۔ اژدہا گھبرا کر پیچھے ہٹا اور دیکھتے ہی دیکھتے سڑک سے اتر کر
پہاڑ پر چڑھ گیا اور منور علی خان ہنستے ہوئے ان کی طرف مڑے۔

"حیرت ہے۔ کمال ہے۔ تعجب ہے۔ آپ نے اس قدر
آسانی سے اس سے نجات حاصل کر لی"۔

"میں اسی کا نام تجربہ ہے۔ ورنہ اس وقت ہم لوگ اس
اژدہے کی وجہ سے سخت مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ اگر اسے مارتے
تو بھی اس کے زہر کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ زندہ پکڑنے
کی کوشش میں بھی کئی اس کی لپیٹ میں آ جاتے۔ لہٰذا میں نے اسے
بھگانا ہی مناسب خیال کیا۔ اژدہا اور کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا۔
جتنا وہ آگ سے ڈرتا ہے۔ اگرچہ کچھ اژدہے ایسے بھی ہوتے ہیں۔
جن کے سانس باہر نکالنے سے گھاس پھونس میں آگ لگ جاتی ہے۔
لیکن آگ سے وہ بھی ڈرتے ہیں"۔

بہت خوب۔ مزا آ گیا۔ اب چلیں"۔

"ہاں بالکل۔ اب وہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھے گا"۔

"لیکن انکل۔ وہ پھر سڑک روک سکتا ہے۔ آپ نے تو یہ
ترکیب کر لی۔ لیکن دوسرے راستا طے کرنے والوں کو کس قدر پریشانی
ہو گی۔ یہ سوچ لیں آپ"۔ محمود جلدی جلدی بولا۔

"[illegible]

"نہیں۔ نہیں۔ ہم اس کا کیا کریں گے بھلا"۔

"تو پھر یہاں سے ہٹا دوں"؟

"یہ بہتر ہو گا"۔

"پہلے کوئی اور وقت ہوتا تو۔ تو میں اسے زندہ پکڑ کر
گھر کا رخ کرتا۔ بہت پیسے ملتے۔ لیکن اب میں اسے مار
ہی کر رہتا ہوں۔ تاکہ یہ کسی اور کو پریشان نہ کر سکے۔ دراصل یہ
ہے۔ اسے کھانے کے لیے کئی دن سے کچھ نہیں مل سکا۔ اسی لیے
تنگ آ کر یہ سڑک پر آ گیا تھا۔ اب مجھے اس کی تلاش میں پہاڑ
میں داخل ہونا پڑے گا"۔

"کوئی بات نہیں انکل۔ انسانیت کے لیے یہ ضروری ہے"۔
فاروق نے کہا۔

"ہاں ضرور کیوں نہیں"۔ وہ مسکرائے۔

اور پھر منور علی خان نے اپنے بیگ میں سے شکاری چاقو
گوشت کے کچھ ٹکڑے نکالے۔ اس گوشت پر کوئی عجیب سی خوشبو
لگی ہوئی تھی۔

"اس خوشبو پر وہ دوڑ کر آئے گا۔ اور میرے خنجر کے ہاتھوں
مارا جائے گا"۔

"لیکن کیا اس طرح آپ اس کے زہر کی زد میں نہیں آ جائیں
گے"۔

"[illegible] کچھ نہیں ہو گا۔ ایسے زہر پہلے ہی میرے جسم میں موجود
[illegible]

"[illegible] نہیں۔ چاہیں پھر"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"[illegible] وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔ گوشت کے ٹکڑے انہوں نے
[illegible] کے راستے پر پھینک دیئے۔ اور خود انتظار کرنے لگے۔ جلد ہی
[illegible] اژدہے کی پھنکار سنی اور وہ انہیں آتا نظر آیا۔ لیکن اس
[illegible] کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ سیدھا گوشت کے ایک
[illegible] کی طرف گیا۔ ایسے میں منور علی خان نے اس کا نشانہ لیا اور
[illegible] سے چاقو کھینچ مارا۔ چاقو اس کے کھلے منہ میں داخل ہوتا
[illegible] گیا۔ اور پھر اژدہا بہت زور سے پھنکارا۔ اس نے ایک
[illegible] بہت لمبی کھائی۔ اپنی دم زور دار انداز میں پٹخی اور پھر ساکت
[illegible] ہو گیا۔

"چاقو اب اس کے اندر ہی اندر کاٹتا جا رہا ہے۔ کچھ دیر
[illegible] ہم سے دور رہیں۔ ہٹتا رہے گا۔ چاقو اس کے لیے اتنا ہی
[illegible] ہلاکت ہے"۔

"[illegible] لیکن۔ انکل اس طرح تو آپ اپنے چاقو سے ہاتھ تو
[illegible] دھو بیٹھے"۔

"چاقو کی کوئی بات نہیں۔ میرے پاس اور بہت چاقو ہیں۔ [illegible]
[illegible] لیکن۔ یہ اب زندہ نہیں بچے گا۔ اگر یہیں تک نہ چلا ہو تو

میں اس کی لاش کو بھی فروخت کر سکتا تھا۔۔۔ کیونکہ اس کی کوئی
کام آتی ہے"۔

"چلیے۔۔۔ بس"۔ آفتاب نے بوکھلا کر کہا۔

اور وہ آگے روانہ ہوئے۔

"حیرت ہے انکل! آپ نے تو اسے ہاتھ تک نہیں لگایا اور
کا کام تمام کر دیا"۔

"شکاری کی زندگی بہت عجیب ہے۔۔۔ جنگلوں میں دن رات
کرتے ہوئے یہ تجربات آ گئے ہیں"۔ وہ بولے۔

آخر وہ خدا کے پاس پہنچ گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے اس
شہر کا رخ کیا۔ جس کے ہوٹل میں ان کی ملاقات ہاجرہ سے ہوئی
تھی۔ ہاجرہ سے وہ گودادا تک پہنچے تھے۔ اور وہاں سے پروفیسر
تک۔ اس وقت انہیں پروفیسر سیلانی کی تلاش تھی۔ اس کے
خانے سے ملنے والی لاش کو دیکھ کر اس وقت انہوں نے صرف یہ فیصلہ
کیا تھا کہ اس گھر میں آدم خوروں کا گروہ رہتا تھا اور جس
معاملے سے دور تک ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن اب وہ کوئی
تلاش کرنے نکلے تھے۔ پہلے انہوں نے اس قسم کی کوئی کوشش
کی تھی۔ جلد ہی وہ پروفیسر سیلانی کی عمارت کے سامنے پہنچ گئے۔
گاڑی انہوں نے ایک طرف کھڑی کر دی۔ عمارت کا دروازہ اندر سے
بند تھا۔ یہ دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی تھی۔ انہوں نے دستک دی

دیر عمر تو ہی نظر آیا۔ اور کھوئی کھوئی نظروں سے انہیں دیکھنے
لگا۔

"کیا چاہیے؟" اس نے منہ بنایا۔ غالباً وہ ہاجرہ کو دیکھ کر
منہ بنایا تھا۔

"ہمیں پروفیسر سیلانی سے ملنا ہے"۔

"یہاں کوئی پروفیسر سیلانی نہیں رہتے۔ یہاں صرف ہم رہتے
ہیں"۔

"اور آپ یہاں کب سے رہتے ہیں؟"

"جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے"۔

"کیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ چند دن پہلے تک تو یہاں پروفیسر
رہتے تھے"۔

"کون پروفیسر سیلانی؟" اس نے بھنا کر کہا۔

"تو پھر آپ رہ گئے۔۔۔ اپنا تعارف کرا نہیں سکتے تھے۔ آخر
آفتاب نے نرم آواز میں کہا۔

"دیکھیے۔۔۔ ابھی چند دن پہلے کی بات ہے۔۔۔ ہم نے اس عمارت
کے اندر پروفیسر سیلانی سے ملاقات کی تھی۔۔۔ لیکن آپ کا کہنا ہے کہ
یہاں کوئی پروفیسر نہیں رہتا"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ اس نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ تو ابھی بھی نہیں معلوم کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک

آپ ہی بتائیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ اگر یہ مکان آپ کا ہے تو
کسی اور کے استعمال میں کس طرح تھا"۔

دراصل میں پندرہ سال تک شہر سے باہر رہا ہوں۔۔۔ اب یہاں
آیا ہوں۔۔۔ میری غیر حاضری میں اگر کسی نے میرے مکان پر قبضہ کر لیا
تھا تو اس کا مجھے کوئی علم نہیں۔۔۔ میں تو جب یہاں آیا ہوں تو
دروازے پر وہی تالا لگا تھا جو میں پندرہ سال پہلے لگا گیا تھا۔ اندر بھی
کوئی تبدیلی نہیں تھی۔۔۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ پندرہ سال پہلے یہاں
جو پڑوسی رہتے تھے۔۔۔ ان میں سے اب کوئی نہیں رہتا۔ وہ اپنے
مکان بیچ گئے۔ یا ویسے ہی کہیں اور منتقل ہو گئے۔ کیونکہ چند کمروں
میں تالے بھی لگے ہوئے ہیں۔۔۔ اندر بھی مجھے کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی
تھی۔۔۔ لہٰذا میں آپ کی بات پر کس طرح یقین کر لوں"۔

"او کے۔۔۔ ہم ابھی اس پولیس آفیسر کو بلاتے ہیں۔۔۔ جسے ہم
نے یہاں بلایا تھا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ پولیس کا اس معاملے سے کیا تعلق؟"

"جن لوگوں نے آپ کے مکان پر قبضہ کر رکھا تھا۔۔۔ وہ یہاں
جرم کرتے تھے۔۔۔ لوگوں کو قتل کر دیتے تھے۔۔۔ انسانی ہڈیوں کا ایک
انبار آپ کے تہ خانے سے ملا تھا"۔

"کیا کہا۔۔۔ تہ خانہ۔۔۔ نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ میرے مکان میں کوئی
خانہ نہیں ہے"۔

نہیں ہے۔۔۔ وہ تہ خانہ ان لوگوں نے بنایا ہو گا۔۔۔ اب تو اس
شہر کو پتا ہی ہو گا"۔

وہ پولیس اسٹیشن پہنچے۔۔۔ لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت اور
بڑھ گئی کہ وہاں وہ پولیس انسپکٹر نہیں تھا۔۔۔ نہ وہ خود نظر آیا۔ پوچھنے پر
پتا چلا کہ ان لوگوں کو ادھر ادھر تبدیل کر دیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کی
کارکردگی میں بے تحاشا انسان غائب ہوئے تھے اور آخر کار پروفیسر
کے تہ خانے سے انسانی ہڈیاں برآمد ہوئی تھیں۔

وہ مکان کو ساتھ ہی لائے تھے۔۔۔ یہ بیان سن کر وہ دھک
رہ گئے۔ اب اسے ان کے بیان پر یقین آیا۔۔۔ وہ اسے ساتھ لے
کر ان کے گھر آئے اور پورے گھر کو دیکھا بھالا۔۔۔ تہ خانہ کھول کر
دیکھا۔ وہاں اب تک بے تحاشا بدبو تھی۔۔۔ اگرچہ انسانی ڈھانچے
وہاں سے نکال لی گئی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ پروفیسر سیلانی اور اس کے ساتھی بدروح
بن گئے ہیں۔۔۔ انہوں نے خود کو اس حد تک چھپا لیا ہے کہ ہم انہیں
کہیں بھی تلاش نہ کر سکیں۔ لیکن ہم بھی انہیں تلاش کر کے رہیں
گے"۔

اب انہوں نے تہ خانے کی بہت باریک بینی سے تلاشی لی۔۔۔ تہ
خانے کی دیواروں پر تین چار جگہ صرف ایس لکھا نظر آیا۔۔۔ یہ حرف
دیوار میں انگلی ڈبو ڈبو کر لکھا گیا تھا۔۔۔ لیکن جتنی جگہ بھی لکھا گیا

تھا۔ بالکل ایک جیسا تھا۔ مطلب یہ کہ ان میں ذرا بھی فرق
تھا۔ کیا لکھنے والا بہت ماہر تھا۔ خان سے اور اگلی سے لکھا
کے باوجود ایسی یوں لگا جیسے ان میں بال برابر بھی فرق نہ ہو۔
جمشید نے اس حرف کو بالکل اسی انداز میں اپنی نوٹ بک میں لکھ
"جیسی سے سیلانی بنتا ہے۔ کیا خیال ہے؟"
"ہوں تو نہیں۔ اس سے نہ جانے کتنے نام بنتے ہیں۔"
مسکرایا۔
"لیکن وہ خود تو سیلانی کہلاتا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔
"تو آپ مجھے کیوں گھور رہے ہیں؟" فاروق گھبرا گیا۔
"صرف ایسے نام بتاؤ۔ جو ایس سے بنتے ہیں۔ لیکن
تعلق اس کیس سے بھی ہو۔"
"شاکر۔ پروفیسر سجاد عرفانی۔" محمود نے فوراً کہا۔
"ہاں! یہ نام انسپکٹر کامران مرزا کی طرف سے سنائے
تھے۔ پروفیسر سجاد عرفانی تو خیر ان کا بچپن کا دوست ہے۔ البتہ
کی تجربہ گاہ میں ملازم تھا اور آفات میں میرا بھی اسی نے ساتھ
لیکن شاکر اپنا نام صرف ایس سے ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ اسے
ایچ لکھنا پڑتا۔ لہٰذا کم از کم یہ ایس شاکر نے نہیں لکھا تھا۔
شاکر تو خلک کے دوسری طرف تھا۔ اس طرف نہیں۔ پھر
پروفیسر سیلانی نے لکھا تھا۔ چلو اس کے ایس لکھنے کا انداز بھی

بہت خوب! اس کا مطلب ہے۔ وہ پہلا آدمی ہے جو ہماری
میں آیا ہے۔ پروفیسر سیلانی۔"
"لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کہاں ہے؟"
"ہم پہلے یہی معلوم کریں گے کہ وہ کہاں ہے۔ اب اس سے
بات کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اس مکان کو بھی وہ مالک مکان
سے خفیہ میں استعمال کرتا رہا ہے۔ مالک مکان ملک سے باہر چلا گیا
اس کا چوکی آگے پیچھے کوئی نہیں تھا' اس لیے وہ درمیان میں
نہیں گیا۔ جب ملازمت سے فارغ ہو گیا۔ تب آیا۔ اس
تک پروفیسر سیلانی یہاں سے چلا گیا تھا۔ لہٰذا مالک مکان کو کوئی
معلوم نہ ہو سکی۔ یہ تو ہم تھے۔ جن کی وجہ سے اسے معلوم
اس مکان کو کوئی استعمال کرتا رہا ہے۔"
مطلب یہ کہ پروفیسر سیلانی اس طرح غائب ہے۔ جیسے گدھے
کے سر سے سینگ۔"
"جی ہاں۔ بالکل۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔
"خیر بات نہیں! ہم اس کا سراغ لگا کر رہیں گے۔"
وہ باہر نکل آئے۔ آس پاس کے لوگوں سے پروفیسر سیلانی کے
میں معلومات حاصل کرنے لگے۔ لیکن کوئی اس کے بارے
نہ بتا سکا۔ آخر انسپکٹر جمشید نے اس کی تصویر اپنے ہاتھ سے

بنائی اور ان لوگوں کو دکھائی۔ تب انہوں نے سر ہلا دیا۔
"ہاں! اس شکل و صورت کے آدمی کو ہم اکثر آتے
آتے جاتے دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی
وہ کیا کرتے تھے۔ آج تک کسی کو معلوم نہیں ہو سکا۔ پھر
کہاں سے کیا تھا۔ پھر کہاں رہتا رہا ہے۔ یہ بھی کسی
نہیں۔"
اب وہ کچھ مایوس ہونے لگے۔ لیکن انسپکٹر جمشید
باری۔
"کم از کم آپ لوگ اتنا تو بتا سکتے ہیں۔ کہ وہ کہاں
تھا۔ آس پاس کسی ہوٹل میں جاتا تھا۔ کھانا وانا کھاتا۔"
"ہاں بالکل۔ یہ بات ہے۔ وہ ہوٹل فور سیزن
تھا۔ صبح کا ناشتا بھی وہیں کرتا تھا۔ اس بات پر ہم لوگوں
ہوئی تھی۔"
"کیوں! اس میں حیرت کی کیا بات؟"
"آس پاس کئی بہت اچھے ہوٹل ہیں۔ بہت
بہترین۔ معیاری۔ لیکن وہ ان میں کھانا کھانے کی بجائے
دراز ہوٹل فور سیزن پر میں کھانا کھاتا تھا۔"
"اوہو! اچھا۔ یہ فور سیزن کہاں واقع ہے؟"
"شہر کے دوسرے سرے پر۔"

بہت خوب۔ تو بھئی۔ پہلے ذرا ہوٹل فور سیزن کا چکر لگا
شاید وہاں سے کوئی سراغ مل جائے۔"
"چلیے۔" وہ ایک ساتھ بولے۔
وہ اسی وقت ہوٹل فور سیزن پہنچے۔ اس میں داخل ہوتے
نہ جانے کیوں عجیب سا احساس ہوا۔ خود بخود رونگٹے کھڑے
ہونے لگے۔
"ہم۔ میں یہاں خوف محسوس کر رہا ہوں۔" تھن نے گویا
اعلان کیا۔
"صرف تم ہی نہیں۔ میرا خیال ہے۔ میں بھی خوف محسوس
کر رہا ہوں۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔
"کیا مطلب۔ کیا آپ بھی انکل؟" آصف نے چونک کر کہا۔
"ہاں! میں بھی۔ میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی ہے کہ یہ
ہوٹل خطرناک ہے۔ اس میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن اس
کے باوجود ہم داخل ہونے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ پروفیسر سیلانی کا سراغ
بہت ضروری ہے۔"
"چلیے پھر۔ بسم اللہ کیجیے۔" آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔
وہ سب کاؤنٹر پر پہنچے۔ کاؤنٹر کلرک نے چونک کر انہیں
دیکھا۔ اپنے سامنے بہت سے دیہاتیوں کو دیکھ کر اس کا منہ بن گیا۔
"کیا بات ہے؟"

مگر ہے چاہتیں۔"

"ہاں یہ معلوم ہے۔ بی کہ وہ پلنگ سو رہا ہے ایک رات کا

ہے۔"

"جس کو خراب پلنگ سو رہا ہے۔" فاطمہ رحمان نے بڑا سا منہ

بنا کر کہا۔ "کیا یہ کہانی آپ کو زیادہ نہیں لگتا؟"

میں اس وقت بالکل ہی کوئی جواب نہ دے سکا۔

"یہ سب کیا ہے؟"

☆○☆

اندھیرے کا علاج

خدا خدا کر کے جم پلنگ کی چیخیں رکیں۔

"کیا ہوا بھئی جم پلنگ۔ خیریت تو ہے؟" فرزانہ نے

گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

جم پلنگ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ دونوں نے حیران ہو

کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ارے جم پلنگ بولو۔ کیا بات ہے؟ مارے سسپنس کے برا

حال ہے۔" بی فیس ایم نے جھلا کر کہا۔

"مشکل۔ شاید جم پلنگ اب کمرے میں نہیں ہیں۔ یا تو انہیں

فوری ضرورت کے تحت کہیں جانا پڑا ہے۔ یا پھر انہیں غائب کر دیا گیا

ہے۔" فرزانہ نے بڑا سا منہ بنایا۔

"کیا کہا۔ غائب کر دیا گیا ہے۔ ایک جن کو۔" بی فیس ایم

کے لہجے میں بلا کی حیرت تھی۔

"ہاں پلنگ۔ یہ کام اس کے لیے ذرا بھی مشکل نہیں۔"

فرزانہ بولی۔

"کیا مطلب۔ کس کے لیے؟"

"جس کی اس وقت پورے ملک پر حکومت ہے۔ یعنی مسٹر رانگ نمبر کے لیے۔"

"ارے باپ رے۔ آپ تو بہت خوفناک باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ٹی ایس ایم کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ کہ رانگ نمبر نے اسے غائب کر دیا ہو۔ وہ کل کامران مرزا کو رانگ نمبر کے نام کے سلسلے میں چم پانگ سے مدد لینے والے تھے۔ یعنی اس کے ذریعے وہ کل جمشید کو تلاش کروائیں۔ اس طرح چم پانگ تو رانگ نمبر کے نام آتا۔"

"اب اس بارے میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہو کہ اسے رانگ نمبر نے غائب کیا ہے۔ کیا خبر جن کے فرشتے نے کسی خدمت کے تحت اسے کو تلاش غائب کر لیا ہو۔"

"ہوں خیر۔ تو اب بتیں۔"

"اوہاں وہاں پہنچے۔ انسپکٹر کامران مرزا نے سر۔ [illegible] کی طرف دیکھا۔

"مطلب کل ایم اسے اپنے ساتھ نہیں لا سکے۔"

"کیا۔ کیا بات ہے؟"

"فرشتے نے جلدی جلدی بات بتا دی۔

"تب یہ کام رانگ نمبر کا نہیں ہو سکتا۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"!!!"۔ انہوں نے رانگ نمبر کی تو لا سنی۔

"کیا ہوا مسٹر رانگ نمبر۔ آپ کس خوشی میں ہنس رہے ہیں؟"

"بہت مزا آیا۔" اس نے کہا اور پھر ہنسنا شروع کر دیا۔

"اور آپ کو کس بات پر ہنسی آ رہی ہے؟"

"چم پانگ کو بلیک ہول میں بند کرتے ہوئے بڑا مزا آیا۔ اس کے رونے والے عجیب و غریب آوازوں نے بہت مزا دیا۔ مجھے اب تک ہنسی آ رہی ہے۔"

"کیا کہا آپ نے۔ آپ نے چم پانگ کو بلیک ہول میں بند کر دیا ہے۔" فرشتے کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں! اور۔ کیا نام لیا تم نے۔ چم پانگ۔ اور میں کیا کہہ رہا ہوں۔ چم پانگ۔ !!!"۔

"[illegible] نے ایسا کیوں کیا سر۔ وہ تو ہمارے بہت کام آ سکتا تھا۔ میں تو اس کی مدد سے انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔"

"غلط ارادہ تھا۔ انسپکٹر کامران مرزا۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ۔ تمہارا ایک غلط قدم تمہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلیک ہول میں اتار سکتا ہے۔ اور پھر تم واپس اس دنیا میں نہیں آ سکو گے۔"

"یہ۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔۔۔ میں نے کب غلط قدم اٹھایا؟" انسپکٹر کامران مرزا نے کانپ کر کہا۔

"چم پانگ کے ذریعے تم میری تلاش شروع کرا سکتے تھے۔ یہ بات میرے لیے خطرناک ہوتی۔۔۔ کیونکہ میں جہاں موجود ہوں وہاں چم پانگ آسانی سے پہنچ جاتا۔"

"ارے!" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ یہ میں جانتا ہوں کہ کون مجھ تک پہنچ سکتا ہے اور کون نہیں۔۔۔ لیکن خیر۔۔۔ یہ خطرہ تو میں نے اب ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔۔۔ اب چم پانگ تو اس دنیا میں دوبارہ کبھی نہیں۔۔۔ چاہے کچھ ہو جائے۔۔۔ کیونکہ۔"

"کیونکہ کیا؟"

"کیونکہ۔۔۔ میں نے اس بلیک ہول کو سیل کر دیا ہے۔ اب یہ کبھی نہیں کھل سکے گا۔۔۔ میں چاہوں تو بھی نہیں کھل سکے گا۔ مجھ سے بڑا سائنس دان چاہے، تب بھی نہیں کھل سکے گا۔"

"اوہ اوہ"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔۔۔ ٹی ایس ایم کا تو رنگ [illegible] گیا۔ اس نے کانپ کر کہا۔

"کیا آپ کی موت کی صورت میں بھی وہ آزاد نہیں ہو سکے گا۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔ وہ اب گیا۔۔۔ میں نے اس بلیک ہول کو [illegible]

[illegible] ہے۔ جلا دیا ہے۔"

"نہیں"۔ ٹی ایس ایم چلا اٹھا۔

"[illegible] مسٹر انسپکٹر کامران مرزا"۔

"[illegible] فرمائیے"۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"[illegible] شارجستان نے بھی میرے مقابلے پر جاپان کی ہے۔ اور ان [illegible] حکومت نے خود کو میرے حوالے کر دیا ہے۔ اب میں سوچ رہا [illegible] وہاں اپنا نائب کسے مقرر کروں۔۔۔ اس طرح بریگ میں مجھے [illegible] مقرر کرنا ہوں گے۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا آپ" انسپکٹر جمشید اور ان [illegible] ساتھیوں کو میرے حوالے کر دیں تو میں شارجستان کا حکمران آپ [illegible] مقرر کروں گا۔ صرف حکمرانی میری ہو گی"۔ اس نے جلدی جلدی [illegible]

"ہم ان کی گرفتاری کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔۔۔ آپ خود [illegible] سکتے ہیں۔۔۔ وہ آپ کی نظروں سے اگر اوجھل ہو سکتے ہیں تو انہیں [illegible] کرنا کس قدر مشکل کام ہو گا"۔

"ہاں! میں یہ بات محسوس کر سکتا ہوں۔۔۔ اسی لیے میں تم لوگوں [illegible] شروع سے خوف زدہ تھا۔۔۔ اور اب بھی ہوں۔۔۔ اور جب تک [illegible] انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی مل نہیں جاتے اور میں انہیں بلیک ہول [illegible] نہیں کر دیتا۔۔۔ اس وقت تک میں سکون کا سانس نہیں لے [illegible] گا۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔۔۔ شروع سے ہی تم سب کو بلیک

ہوں میں کیوں نہ قید کر دیا۔ اس وقت میں یہ خیال کرتا تھا کہ تم لوگ
ہو گیا۔ لیکن پھر کسی نے خیال دلایا۔ کہ نہیں۔ ایسی بات نہیں
تم لوگ بہت خطرناک ہو۔ اس کے کے کے مقابلے میں تم بہت
خطرناک چیز ہوئے ہو۔ لہٰذا تم لوگوں کا بندوبست کرنا بہتر ہو
گا۔ اب میں سوچتا ہوں یہ مشورہ بہت بہتر تھا۔ شہر غائب کرنے سے
پہلے مجھے تم لوگوں کو غائب کرنا چاہیے تھا۔ لیکن خیر۔ اب بھی کچھ
نہیں بگڑا۔ تم ان لوگوں کو تلاش کر ہی لو گے"۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ ہماری نظروں
سے بچ نہیں سکیں گے۔ چم پانگ کے بعد اب میں دوسرے
اسکالات پر کام کروں گا۔ اور بہت جلد انہیں آپ کے سامنے کھڑا
دوں گا۔ لیکن آپ پہلے میری حیرت دور کر دیں"۔

"حیرت دور کر دوں۔ آپ کس بات پر حیران ہیں؟"

"آخر۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی۔ آپ کی نظروں سے
غائب کس طرح ہو گئے"۔

"بھئی میں بھی انسان ہوں۔ نیند مجھے بھی تو آتی ہے۔ میرے
ماتحتوں کو بھی آتی ہے۔ بھول بھی تو ہو سکتی ہے۔ بس۔ انہوں نے
نہ جانے کیا چالاکی کھیلی۔ میں اب تک حیران ہوں۔ اور ہم نے
اپنے آدمی پورے ملک اور ملک کے باہر آس پاس گھما گھما کر دیکھ
ڈالے ہیں۔ لیکن کسی آدمی میں میں انہیں نہیں دیکھ سکا۔ اگر

ہوتے۔ تب بھی وہ مجھے اصلی شکل میں نظر آتے۔
ان سب باتوں کے باوجود وہ نظروں میں نہیں آئے۔ اسی لیے تو
میں نے یہ کام آپ لوگوں کے ذمے لگایا ہے۔ کیونکہ آپ ایک
دوسرے کو زیادہ جانتے ہیں۔ ایک دوسرے کے طور طریقوں کو جانتے
ہیں۔ بلکہ آپ لوگوں کے طریقے ایک ہی ہیں"۔

"ہاں! یہ بات ہے۔ اور ہم بہت جلد انہیں تلاش کر لیں
گے۔ ہم ابھی اور اسی وقت اس کام پر شروع ہو رہے ہیں"۔

"ہم۔ میں۔ میں کیا کروں۔ میرا ساتھی مجھ سے بچھڑ گیا"۔

"ہاں! ختم کہانی ہو گئی"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ میں چم پانگ کو بھلا نہیں پاؤں گا۔
میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔ اس گھر میں اس کی یادیں بسی ہوئی ہیں"۔

اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا اور پاگلوں کے سے انداز
میں اپنے گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ جاتے ہوئے اسے دیکھتے رہ
گئے۔ کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ روک کر کرتے بھی کیا؟
اس وقت وہ حد درجے غمگین تھا۔ آخر برسوں کا ساتھی بچھڑ گیا تھا۔

"آپ نے انکل۔ چم پانگ کے ذریعے ابابیل وغیرہ کو تلاش
کرنے کی سوچی اور رانگ نمبر کیا سوچ بیٹھا"۔

"بھئی ہمیں اس سے کیا۔ اب ہم دوسرے طریقوں سے انہیں
تلاش کریں گے۔ اور میرا خیال ہے۔ ہمارے لیے یہ ذرا بھی مشکل

نہیں ہے۔ ہم ابھی اور اسی وقت ان کی تلاش میں نکل رہے ہیں
اب تلاش کر کے ہی پھاریں گے"۔

"انسپکٹر کامران مرزا کے یہ سب کیسے ممکن ہوا ہے"۔ رانگ نمبر
کی آواز سنائی دی۔

"ہاں صاحب"۔ وہ بولے۔

"یہ کہ آپ واقعی میرے ساتھی بن گئے ہیں اور انسپکٹر جمشید
وغیرہ کو بھی بڑے پیمانے پر تلاش کر لیں گے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے"۔

"ہم ایسا نہیں کریں گے۔ لیکن یہ جانتے ہوئے کہ اس
وقت انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی غلطی پر ہیں۔ ہم
ان کے لیے آپ سے معافی مانگ لیں گے۔ اور انہیں رہا کر
دیں گے"۔

"ہمارا خیال ہے۔ میں سمجھا تھا۔ آپ مجھے دھوکا دینے
کی کوشش کریں گے"۔

"آپ کو غلط فہمی ہوئی"۔ رانگ نمبر نے یہ کہا اور چلا۔

"کیا کہا۔ میری غلط فہمی۔ یہ کیا بات ہوئی"۔

"آپ کا یہ خیال کہ ہم آپ کو دھوکا دیں گے۔ یہ آپ کی
غلط فہمی نہیں تھی تو اور کیا تھی"۔ رانگ نمبر نے جلدی جلدی میں کہا۔

"تم تھا کیا کہنا چاہتے ہو"۔ رانگ نمبر نے۔

"یہ کہ۔ میں تو غلط فہمی ہی کہنا چاہتا ہوں"۔ اس نے پھر

[illegible]

"ہاں صاحب! ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ بلکہ جا کر ان
کی تلاش کر کے تم لوگوں کو بھی کسی ایک جیل میں بند کر
دیں گے۔ ہم بھیجنے کے لیے اس قدر کمینہ ہے۔ کہ پہلے کسی کو پکڑ
کے لیے پانی لینا ہے۔ کل سے پانی لینا کیا مشکل ہے۔ یہ کوئی
مشکل نہیں ہے۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"ہاں جناب! بہت مشکل ہے"۔ شوکی نے پرخلوص انداز میں
کہا۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"ہاں کیا۔ بہت مشکل ہے"۔

"ہم سرکاری نلکوں سے پانی لینا بہت مشکل ہے۔ ان میں سے
پانی کی جگہ ہوا آتی ہے۔ اور لوگ ان سے نلکی کے پیچھے کا
پانی پیتے ہیں"۔

"یہ اور اور کی باتیں ہے۔ تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔ ایسی سزا
دوں۔ پھر وہ حشر کے لیے تم ایک جیل میں چلے جاؤ گے"۔

"نہیں۔ نہیں۔ غلطی ہو گئی۔ ہاں"۔ شوکی کے منہ سے
ایسے ایسے الفاظ نکلے۔ ساتھ ہی وہ ان کی نظروں سے غائب ہو
گئے۔

"آپ یہ پھر وہ حشر ہمارے آپ مذاق کر رہے ہیں"۔

"نہیں یہ پھر وہ حشر شوکی کو نظر نہیں آئیں گے"۔ رانگ نمبر

بولے۔

"لیکن اس کا کیا فائدہ؟"

"ہم لوگوں کو یہ پیغام بھیجا کر میں جب چاہوں۔ تم لوگوں کو ہلاک کر سکتا ہوں۔ اگر یہ چاہتے ہو تو ہمارے ایک ملک کے لوگ کا چاہتے ہو تو صرف اور صرف میری ہدایات پر عمل کرو۔"

"یہ کیا کہ پورے ایک ملک پر حکومت۔ تم اندر چلو۔"

"نہیں نہیں۔ ایکسٹینشن نہیں۔" راشد نمبر نے بھی چلا کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اگر یہ ایکسٹینشن ہے تو پھر میں تیار ہوں۔" وہ بولا تھا۔

اور پھر ٹھیک چوبیس منٹ بعد انہوں نے شوکی کو پاگل اس کو پاگل۔ وہاں سے وہ غائب ہوا تھا۔

"اپنی گھڑی دیکھو شوکی۔"

اس نے گھڑی دیکھی۔ پھر دیوار پر لگے کلاک میں وقت دیکھا۔ شوکی کی گھڑی پورے منٹ پیچھے تھی۔

"اس کا مطلب ہے۔ میں چوبیس منٹ یہاں سے باہر رہا ہوں۔"

"چلو شوکی۔ وہ اس قدر تیاری سے ہمیں غائب کر گیا ہے۔ لیکن تو ہی ہے ہم کسی طرح مقابلہ کر لے سکتے ہیں۔ ایکسٹینشن بے وقوفی ہے۔ خود سے ایک ملک کے لوگ حکومت کرنے کے

ہم اس ملک کے مکمل طور پر نگران ہوں گے۔ ہمیں گرفتاری ہی ہوگی۔"

"ہاں ہاں۔ انہیں تلاش کر کے کچلنا۔ جلدی کرو۔ ہاں ہاں۔ اگر مجھے علم ہو گیا۔ تو وقت تم سب کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"ہمارے ہاتھ سے نہیں نکل جانے کا مطلب راشد نمبر ہمیں ہمارے کیے کیے کے لیے رک گیا۔"

"کیا؟"

"کہ ہم وقت کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔"

"ہم لوگوں میں اس پر بات ہوئی ہے۔ فضول باتیں بند کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ مسٹر راشد نمبر۔ اب آپ دیکھیں گے کہ ہم کس قدر ایسی حالات کرتے ہیں۔ اور ہاں۔ آپ ایسی کس کی حکومت دے رہے ہیں؟"

"آپ اس ملک کے علاوہ اور کسی ملک کی۔"

"مجھے اس ملک کی کیوں نہیں۔"

"اگر میں بھول کے لیے تمہاری سازشوں سے محفوظ ہو جاؤں۔"

"اگر ہم لوگوں کی طرف سے آپ کو کوئی خطرہ ہے۔ تو ہم

سب کو ٹھیک ہو کر میں بند کیوں نہیں کر دیتے۔ آپ تو اس کے لئے اور میں کہا۔

"تم لوگوں سے جتنے بڑے کام لے چکا ہوں۔ ایک ہوا سے بھی نہیں لے سکتا۔ ہمارے لیے کام لوگوں کو نگران مقرر کر دوں گا۔ کیا میں یہ کام ایک ہوا سے ہوں؟"

"نہیں۔ یہ کام تو واقعی نہیں لے سکتے۔"

"جب وقت پوری دنیا کے ملکوں پر نظر رکھنا ہی ہوگا۔ میں نہیں ہو گا۔ لہٰذا ہر ملک پر اپنے آدمی مقرر کر دوں گا۔"

"ہم کچھ سمجھے۔ اور اب ہم روانہ ہو رہے ہیں۔ آپ ہمیں اب کام کرنے دیں۔"

"لیکن اتنا خیال رہے۔ ہو سکتی تم لوگ حکومت کا خیال کر سکو۔ میں تم لوگوں کو ایک ہوا میں بند کر دوں گا۔" اس نے غراتے ہوئے کہا۔

میں اس لیے انہوں نے ایک عجیب سی آواز سنی۔ پھر آواز بند کے اس پاس کی نہیں تھی۔ بلکہ جس جگہ راشد نمبر تھا۔ اس جگہ کی تھی۔ یہ بات انہوں نے صاف طور پر محسوس کی تھی۔

"کیا ہوا مسٹر راشد نمبر؟"

"کچھ نہیں راشد نمبر کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ "کیا ہوا کوئی واقعہ پیش آ گیا؟" انہوں نے کہا۔ "نہیں ہوا کوئی واقعہ نہیں۔"

"میرا خیال ہے اس نے ہر عالم کا علم کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ اس لیے وہ ہمارے ساتھیوں سے خوفزدہ ہے۔ خود حکومت کا لالچ دے کر صلاح حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ اس کو ہمارے کر سکے۔ پھر وہ ہم سے خوف نہیں محسوس کرے گا۔"

"ہاں۔" انہوں نے جلدی جلدی کہا۔

"نہیں فرزانہ۔ تمہارا یہ خیال درست نہیں ہے۔ وہ ہم سے ڈرتا ہے۔ ہم کوئی نہ کوئی راستہ تلاش کر لیتے ہیں۔"

"تب پھر۔ اس کے لیے ہم لوگوں کو ختم کر دینے میں کیا حرج ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔ اسے واقعی ہم جیسے لوگوں کی ضرورت ہو۔ ہم اس بات میں کیوں پڑیں۔ ہمیں تو وہ کرنا ہے۔ جس کا اس نے ہمیں حکم دیا ہے۔ آؤ اب چلیں۔ یہ پھر پوچھیں گے کہ وہاں کیا ہوا ہے۔" ایکسٹینشن کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا اور پھر سب لوگ کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ وہ اس وقت شدید الجھن محسوس کر رہے تھے۔ راشد نمبر کے ساتھ کیا معاملہ پیش آ گیا ہے۔

"سنو بھئی۔ میرا ایک آئیڈیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایکسٹینشن جمشید

اپنے ساتھیوں کو لے کر ضرور خنڈا کی طرف گئے ہوں گے۔ ہمارے شہر کی طرف جائیں گے۔ تاکہ ڈاکٹر حیم کٹاٹا وغیرہ کو پکڑ سکیں۔ لہٰذا ہم پہلے خنڈا اور اس کے نزدیک والے شہر کی طرف جائیں گے۔ اگر وہ وہاں نہ مل سکے۔ تو پھر اپنے شہر کا رخ کریں گے۔"

"لیکن انکل۔ ہمیں مسٹر رانگ نمبر کی طرف سے کوئی پیغام تو ملا ہوتا۔ اب اگر ہم کار سے گئے تو کتنے گھنٹے لگیں گے؟"

"اوہ ہاں۔ کیا خیال ہے مسٹر رانگ نمبر؟"

"اس کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

"ہم شہر کے گورنر سے ہیلی کاپٹر مانگ لیتے ہیں۔ اسے ہم آخر رانگ نمبر نے ہمارے بارے میں کچھ ہدایات دی ہوں گی۔"

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

وہ دروازے کی طرف جاتے جاتے رک گئے۔ انہوں نے فون کے نمبر ملائے۔ یہ اصل میں ایوان صدر کے نمبر تھے۔ ادھر سے فوراً جواب ملا۔

"آپ فوری طور پر ایوان صدر آ جائیں۔ یہ مسٹر رانگ نمبر کا حکم ہے۔"

☆○☆

لال بیگ

سب لوگ اس سمت میں گھوم گئے۔ جس طرف سے آواز آئی تھی۔ انہوں نے دیکھا۔ ایک بہت زیادہ ڈیل ڈول والا آدمی اپنی کرسی پر کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔

"کیا بات ہے جناب۔ کیا ہوا؟" ایک بیرا اس کے نزدیک آیا۔ اس نے اس کی ٹھوڑی پر ایک مکا جڑ دیا۔ بیرا تیورا کر میز پر گرا اور میز اس سمیت الٹ گئی۔ برتن ٹوٹنے کی آوازیں بکھر گئیں۔ انہیں یوں لگا جیسے ہال میں برتن چیخ پڑے ہوں۔

"اے خبردار۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" کلرک اس کی طرف بڑھا۔ وہ انہیں بالکل بھول گیا۔

"اندھے ہو گیا۔ یہ دیکھو۔ کتنا بڑا لال بیگ کھانے کی پلیٹ میں۔" اس نے چیخ کر کہا۔

"کیا۔ لال بیگ"۔ لوگ چلا اٹھے۔ ان کے رنگ اڑ گئے۔

"کوئی اور چیز ہو گی۔ ہمارے ہوٹل میں لال بیگ نہیں ہو سکتا"۔ کلرک دھاڑا۔

[illegible] ہے۔ یہ لال مرچ ہے۔ لال مرچ۔ اس سالن میں [illegible] ڈال جاتی ہیں۔ اس کو اشو کہتے ہیں"۔ کلرک نے بلند آواز میں کہا۔

"تو کیا اس شہر کی سالم مرچوں کی ڈالیں بھی ہوتی ہیں"۔ لمبا تڑنگا آدمی غرایا۔ پھر اس نے کلرک کو گردن سے پکڑ لیا اور دوسرے ہاتھ کی پنکی سے لال بیگ کو ایک ٹانگ سے پکڑ کر اٹھایا۔

"بھائیو۔ ذرا دیکھیں تو۔ یہ لال بیگ ہے۔ یا سرخ رنگ کی مرچ"۔

اب لوگوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا اور پھر بول اٹھے۔

"اس میں شک نہیں۔ یہ لال بیگ ہے"۔

"ہائے اس"۔ ایک اور آواز ابھری۔ لیکن یہ آواز ہوٹل کے ہال سے نہیں۔ بلکہ اوپر ایک گیلری سے آئی تھی۔ سب کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ انہوں نے ایک دبلے پتلے آدمی کو دیکھا۔ اسے دیکھ کر ہال میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ انہوں نے یہ بات صاف طور پر محسوس کی۔ پھر وہ آدمی اٹھا اور ہال کی طرف آنے لگا۔

ایل فول والے آدمی نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ کیونکہ وہ اس کے مقابلے میں بالکل ٹھاٹھ سا بچہ لگ رہا تھا۔

"ہاں تو کیا کہتے ہو تم۔ یہاں کے کھانے میں لال بیگ ہیں"۔ وہ اس کے نزدیک آ کر بولا۔

[illegible] پہلے پوچھ لیتے۔ کوئی اور چیز کیا ہو گی"۔

"کوئی اچھوت ہو سکتا ہے۔ کبھی ہو سکتی ہے۔ کوئی [illegible] سکتا ہے۔ لیکن ہوٹل لال بیگ نہیں ہو سکتا"۔ کلرک نے [illegible] میں کہا۔

"اگر کہو۔ اب اتنی نظریں ہو سکتی ہیں تو لال بیگ [illegible] نہیں ہو سکتا؟"

"اس لیے کہ ہمارے اس ہوٹل میں صرف اور صرف [illegible] کا داخلہ بند ہے"۔ کلرک دھاڑا۔

"ہمت خوب۔ واہ۔ کیا بات ہے۔ ہم بھی سوچ رہے تھے [illegible] تم یہ بات کیوں نہیں کر رہے"۔ لوگ بول اٹھے۔

"کہنے کا کوئی موقع ہی نہیں ملا۔ کہا کیسے"۔ کلرک نے [illegible] کہا۔

"نہیں ادھر آ کر آنکھوں سے دیکھو۔ یہ لال بیگ ہے [illegible] ہے"۔

"ہاں یہ لال بیگ ہی ہے"۔ خود سے چند سیکنڈ تک پلٹ کر دیکھتا رہا [illegible] ہنسنے لگے۔ یہاں تک کہ اس نے پیٹ پکڑ لیا۔

"کیا ہو گیا ہے بھئی؟"

"یہ۔ یہ لال بیگ نہیں ہے"۔ وہ چلا اٹھا۔

"تو پھر" کی آوازیں ابھریں۔

"بال پاپ دیکھو"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

اس نے کھانے کی پلیٹ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔ نہایت اداس نہ لائی پر مکاری ہوا۔ لیے چہرے تھوڑے نے اس کے کہنے پر کھانے کی کوشش نہ کی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ اس جیسے کوئی بھلا بھلا اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لیکن لقمہ کھاتے ہی اسے حلق میں شدید تکلیف اس کا سر گھوم گیا۔ وہ چکرا کر گرا۔

"اب کیا کہتے ہو؟" ننھے منے تھوڑے نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

ڈبل فول والا تھوڑا بھلا کر اٹھا اور اس نے ایک ہاتھ پہلے اور سے کھا لیا۔ لیکن وہ کھاتا تھوڑا فرش پر بیٹھ گیا اور لیا اس نے نہایت الجھن سے کیا تھا۔ ڈبل فول والے کا سکا اس کے اوپر سے گزر گیا۔ ساتھ ہی اس نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر کھینچ لیں۔ وہ چت گرا اب اس ننھے تھوڑے نے کھانے کی پلیٹ میں سے دو فل بیگ دونوں میں لیا اور اس کی طرف بڑھا۔

"جس فل بیگ کو دیکھ کر تم نے اتنا شور مچایا ہے۔ لو اب فل بیگ کو تم پیٹ کے۔ اور چبا کر حلق سے نیچے اتار لو گے"۔

"نہیں۔ نہیں"۔ ڈبل فول والا تھوڑا اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف بڑھا۔ جیسے اسے روکنا چاہتا ہو۔ ننھا منا تھوڑا پرسکون انداز میں کھڑا رہا۔ اور مسکراتا رہا۔

"جس فل بیگ کو اب تمہیں کھانا پڑے گا"۔

ڈبل فول والے نے دونوں ہاتھوں میں اسے دبوچ لیا اور لگا زور لگانے۔

"مجھے تم میں زور ہے۔ لگا اٹھو۔ پھر وقت نہیں دوں گا۔ اب دیکھتے ہو کر لو"۔ ننھے منے نے پرسکون آواز میں کہا۔

وہ زور لگاتا رہا۔ لیکن اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے لوہے کی کسی چٹان پر زور لگا رہا ہو۔ آخر تھک گیا۔ اس کا سانس پھول گیا۔ اب وہ ہانپتا ہوا اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ایک کرسی میں گر کر بے بے سانس لینے لگا۔ ننھا منا تھوڑا فل بیگ ہاتھ میں اٹھائے اس کی طرف بڑھا۔

"لو اب اس کو کھا جاؤ"۔

"نہیں۔ نہیں۔ نہیں"۔ وہ مارے خوف کے چلا اٹھا۔

"تو پھر شور مچانے کی کیا ضرورت تھی۔ خاموشی سے بیٹھے کو بیٹھے۔ وہ دوسری پلیٹ لا رہا ہے۔ وہ آگے بڑھا اور ایک ہاتھ سے اس کا منہ پکڑ لیا۔

"نہیں۔ نہیں"۔ لمبا تھوڑا چلایا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھ لیے۔

"اس کے دونوں ہاتھ چار بندے مل کر پکڑ لیں"۔ وہ بولا۔

چار بندے فوراً اس کی طرف دوڑے۔ اور ہاتھ منہ پر سے اٹھا

لیے۔ اچانک بچہ اس ننھے منے تھوڑے کے ہاتھ سے فل بیگ لے کر چبانے پر تیزی کی گئی۔ پھر اس نے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہ سمجھی۔ تھوڑے سب سے قدرے فاصلے کا اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ فل بیگ والا بچہ اس کے ہاتھ میں تھا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" وہ دھاڑا۔

"جب یہ فل بیگ نہیں کھانا ہو گا"۔ ڈبل جیسے مسکرائے "کیا مطلب۔ کون ہو تم۔ دماغ کہیں کے"۔

"جب معلوم ہی ہے تو پھر پوچھ کیوں رہے ہو۔ دماغ ہی ہوں"۔

"بکو۔ لیا کام کرو۔ کیوں اپنی ہڈیاں تڑوانے کا پروگرام بنا رہے ہو"۔

"ہڈیاں اب تمہاری ٹوٹیں گی۔ تم لوگوں کو فل بیگ کھانا ہے۔ یہ کیسا ہوٹل ہے۔ میں اس ہوٹل کو کھنڈر میں تبدیل کر دوں گا"۔ انہوں نے سادہ آواز میں کہا۔ لیکن ان حالات میں بھی انہوں نے اپنی آواز میں رکھی تھی۔

"کیا۔ کیا کہا۔ تم اور میرے ہوٹل کو کھنڈر میں تبدیل کر دو گے۔ مر جاؤ گے۔ ایسا کرنے والے"۔

"تم پھر آنکھ دیکھتے ہیں۔ تم میں کتنا دم ہے"۔

"ضرور۔ کیوں نہیں"۔

دونوں آمنے سامنے آ گئے۔

"پہلے میں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اندازہ کرنا چاہتا ہوں کہ تم ہو کون"۔ ننھا منا تھوڑا بولا۔

"میں اس سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں۔ کہ تم کون ہو۔ اس ہوٹل سے تمہارا کیا تعلق ہے"۔

"یہ میرا ہوٹل ہے۔ اور میرا نام ہے پہاڑ جان"۔

"ہاں تو تم تمہاری پوری بھی ہے۔ لہٰذا تمہارا نام پوری جان ہونا چاہیے تھا۔ تم۔ گجوری ہے۔ اب تو پہاڑ جان ہی کہنا ہو گا۔ لو پہاڑ جان۔ یہ لو۔ میرا دایاں ہاتھ"۔

اس نے ان کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسا دیں۔ دونوں زور لگانے۔ دونوں ایک دوسرے کی انگلیوں کو موڑ نہ سکے۔ آخر پہاڑ جان بولا۔

"اس مقابلے میں ہم دونوں برابر ہیں۔ یہ بتاؤ تم ہو"۔

"تھوڑے برابر نہیں ہیں"۔ ڈبل جیسے مسکرائے۔

"کیا کہا۔ برابر نہیں ہیں"۔

"کیا برابر نہیں ہیں"۔

"کیا کہنا چاہتے ہو دماغ کہیں کے؟" اس نے چلا کر کہا۔

"میں نے ابھی پورا زور نہیں لگایا"۔ وہ بولے۔

"کیا کہا۔ تم نے ابھی پورا زور نہیں لگایا تھا"۔ وہ پہاڑ کھانے

والے انداز میں بولا۔

"ہاں۔ یہی بات ہے۔ اب میں لگانے لگا ہوں پہلا نمبر اپنی انگلیاں بچانے ہو تو بچالو۔ اب ان کو ٹوٹنے سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"ارے میاں چلو۔ بہت دیکھے ہیں۔ انگلیاں توڑنے والے۔"

"خبردار ہو جاؤ۔ یہ نہ کہنا کہ میں نے دھوکا کیا۔ اپنی انگلیاں موڑ دی۔"

پہلوان نے اپنی طاقت انگلیوں میں سمیٹ لی۔ لیکن اس کے باوجود اس کی انگلیاں مڑتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ ٹوٹنے کے قریب تھیں۔

"اب یا تو تم وہ لال بیگ کھالو۔ یا اپنی انگلیاں تڑوالو۔"

"نہیں نہیں"۔ وہ چلا اٹھا۔

ایسے میں ہیں کے قریب بیٹھے ان کے طرف دوڑ پڑے۔ "ہمیں سے کہو۔ وہیں رک جائیں۔ ورنہ انگلیاں گئیں۔"

"ٹھہرو بھائی۔ وہیں ٹھہرو بھائی"۔

یہ سب اس طرح رک گئے جیسے کرنٹ لگا ہو۔ ادھر انہوں نے کہا۔

"جلدی کرو۔ لال بیگ کھاتے ہو یا انگلیاں تڑواتے ہیں"۔

"میری انگلیاں توڑ کر تم یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جا سکتے"۔

"یہ سوچ لو"۔

"یہی بات ہے۔ تو پھر یہ لو۔ میں توڑ رہا ہوں"۔ اب جو میں نے زور لگایا تو وہ فوراً چلا اٹھا۔

"ٹھہرو۔ میں۔ میں لال بیگ کھا لیتا ہوں"۔

"ہیں۔ ہو گئی ساری اکڑ فوں ہوا"۔ انسپکٹر جمشید نے بڑا سا سفید ہوا ایک لفظ اسے پھوڑ دیا۔ اب کلاہجر کی طرف بڑھے۔ سب دل اپنی آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔

"نہیں میرے دفتر لے گو"۔ پہلوان نے اٹھتے ہوئے کہا اور اپنے دفتر کی طرف چلا گیا۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں تمہارے دفتر آنے کی۔ ضرورت ہو تو میرے کمرے میں آکر مجھ سے ملنا"۔ وہ بولے۔

پہلوان نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب کی حیرت تھی۔

"ہمارے کمرے کون سے ہیں۔ ہمیں فوراً وہاں تک پہنچا دو۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے"۔

"جی سر۔ بس سر"۔

ایسے میں ڈیل ڈول والا آدمی ان کی طرف بڑھنے لگا۔

"آپ۔ آپ حیرت انگیز ہیں۔ میرے پاس کام کریں گے۔ میں جلدی آپ کو بلاؤں گا۔"

"نہیں۔ شکریہ۔ ہم کسی کی ملازمت نہیں کرتے"۔ وہ بولے۔

"جلد بازی نہ کرو"۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"میں نے کہا۔ نہیں"۔ وہ بولے۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔ اس نے کہا اور بڑے سائز اور جسم والا دروازے کی طرف مڑ گیا۔ کسی نے اس کی طرف نہ دیکھا۔ سب لوگ انہیں دیکھ رہے تھے۔ شاید آج جیسا عجیب واقعہ پورے ہوٹل میں پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

آخر انہیں ان کے کمروں میں پہنچا دیا گیا۔ ایک بیرا ہوٹل سامان اٹھا کر لایا تھا۔ مرعوبی کے عالم میں بولا۔

"آپ نے بہت بڑا خطرہ مول لے لیا جناب۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ اس شہر سے فوراً چلے جائیں۔ ورنہ آپ کے مارے جانے پر کم از کم مجھے بہت دکھ ہو گا۔ اس نے یہ الفاظ اس قدر دبی آواز میں کہے کہ صرف انسپکٹر جمشید ہی سن سکے۔ کیونکہ ان کے کان کے پاس کھڑے تھے۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"پہلوان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ اس شہر میں سب لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔ اور پھر مزے کی بات تو یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے بھی پہلوان کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے"۔

"موجودہ حکومت نے۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وہ حیرت زدہ ہو گئے۔

"ہاں پہلوان اب رانگ نمبر حکومت میں شامل ہو چکا ہے"۔

"نہیں۔ نہیں"۔ وہ گھبرا کر بولے۔

"ان حالات میں بھلا آپ کی اس کے مقابلے میں کیا دال گلے گی۔ اگر اس نے رانگ نمبر کو آواز دے ڈالی تو آپ کہاں ہوں گے؟"

"یہ آپ نے بہت خوفناک بات بتائی۔ لیکن آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہے؟"

"ایسے کہ"۔

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے۔ اس وقت بے شمار قدموں کی آواز سنائی دی تھی۔

"اوہ۔ وہ آ گئے۔ میں چلا"۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔ کمرے میں دوسری طرف بھی دروازہ تھا۔

"تم۔ جلدی کرو"۔

وہ کمرے دروازے سے باہر نکل گئے۔ اور پھر زینے تک پہنچ گئے۔ نیچے سے بے شمار آدمی آتے نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔

"وہ رہے"۔ انہیں دیکھتے ہی وہ چلا اٹھے۔

وہ واقعی جزیرے اور آدھے کے دوسرے سرے پر پہنچ
اس طرف سے بھی بے شمار لوگ آ رہے تھے۔ اب وہ
سے گھر گئے۔ اور فرار ہونے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ وہ لوگ
دونوں طرف آ کر رک گئے۔

"اب کیا کریں؟"

"سمجھوتہ کر لیں"۔ فاروق نے فوراً کہا۔

"اس سے تو بہتر تھا۔ ہم نیچے سے ہی باہر نکل جاتے"
آفتاب بولا۔

"اس صورت میں بھی ہم نہ جا سکتے۔ یہ لوگ باہر ہی
گھیرتے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تم لوگوں کو پاڑجان کے دفتر چلنا ہو گا"۔

"اچھا بھائی۔ چلو۔ دیکھتے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں"۔

"ہاں! اب ہوئے نا سیدھے۔ نیچے تو بہت اکڑ رہے تھے"۔

"اب یہ بھی تو کوئی انصاف نہ ہوا۔ ہم چند ہیں اور
مقابلے پر کتنے مسلح آدمی آ کھڑے ہوئے ہیں۔ پھر کھلا میدان
بھی کوئی بات تھی۔ یہاں تو بچنے کی بھی جگہ نہیں"۔

"تو کھلے میدان میں چلیں"۔ ایک بولا۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔ کھلے میدان میں ہم تم سے

"ٹھیک ہے۔ پہلے تم پاڑجان سے بات کر لو۔ پھر ہم تمہاری
بات پر غور کریں گے"۔

"فکر نہ کرو۔ تم اچھے آدمی ہو"۔ انہوں نے خوش ہو کر
کہا۔

وہ انہیں گھیرے میں لے کر اس گیلری میں لائے۔ جس میں
انہیں پہلی بار پاڑجان نظر آیا تھا۔ اس کا کمرہ ہال نما تھا۔ اور وہ
وہیں ایک شاہانہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کمرے میں بھی دیواروں کے
ساتھ مسلح آدمی کھڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی بادشاہ کا دربار
ہو۔

"بہت خوب۔ تو تم انہیں لے آئے"۔

"ہاں باس! یہ تو چوہوں کی طرح پکڑے گئے۔ تاہم ان کی
خواہش ہے۔ کہ ہم کھلے میدان میں ان سے مقابلہ کریں"۔

"تو ان کی خواہش پوری کرو۔ موت گھاٹ لے جاؤ انہیں۔
اور موت کے گھاٹ اتار دو"۔

"بہت بہتر باس"۔

"لیکن ہمارا قصور کیا ہے؟"

"تم نے بھرے مجمع میں پاڑجان سے ٹکر لی۔ جو اس پورے
علاقے کا مالک ہے۔ شہر کا اپنی کمشنر بھی میرے اشاروں پر چلتا ہے۔ اس

لیے کہ راکھ لبر نے حکومت میرے حوالے کر دی ہے۔ اب
میں تم کون ہو۔ کہاں سے نکل آئے ہو"۔

"ہمیں یہ باتیں معلوم نہیں تھیں۔ ہم پر مہربانی کر کے
معاف کر دیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"معافی مل سکتی ہے۔ لیکن ایک شرط پر"۔

"وہ کیا؟"

"تمہیں لال بیگ کھانا پڑے گا"۔

"آخر آپ لال بیگ کھانے پر کیوں تل گئے ہیں۔ کیا رشتہ
ہے آپ کا لال بیگ سے"۔ فاروق نے جل کر کہا۔

"خبردار! میں ایسی بکواس برداشت نہیں کر سکتا"۔

"اچھا تو پھر جیسی بکواس پسند کرتے ہیں۔ سنا دیں۔ ہم دیکھ
لیں گے"۔ آفتاب مسکرایا۔

"دیکھا تم نے۔ یہ تمہارے ساتھی کیسے منہ پھٹ ہیں"۔
دھاڑا۔

"سنا تم نے۔ اب تو اپنے منہ سی لو"۔ انسپکٹر جمشید
طرف پلٹ پڑے۔

"نہیں۔ بہت بہتر۔ اب آپ کو ہماری آواز سننی نہیں
گی۔ اس وقت تک۔ جب تک آپ خود ہم سے بات کرنے
لیے نہیں کہیں گے"۔ محسن نے فوراً کہا۔

ایک دوست کہا۔ یہ ہوئی نا بات"۔ فاروق چہکا۔

"میں بھی محسن کی تائید کرتا ہوں"۔

"یہ گئے۔ یہ خاموش ہوئے ہیں"۔ پاڑجان دھاڑا۔

"یہ تم خاموش ہوئے ہو"۔ انسپکٹر جمشید پھر ان کی طرف پلٹ
گئے۔

"پاڑجان۔ یہ تم کس سے باتیں کر رہے ہو۔ حیرت ہے۔
میں انہیں کہاں نہیں دیکھ رہا۔ میں نے تو ایسے ہی تمہاری خیریت
معلوم کرنے کے لیے سکرین کا رخ اس طرف کر لیا تھا۔ ان کی باتیں
بھی سن رہا ہوں۔ لیکن میں انہیں دیکھ کیوں نہیں رہا۔ یہ۔۔۔ یہ کیسے
ہو سکتا ہے؟"

☆○☆

یہ کیا ہو گیا

چند لمحے خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ پھر انسپکٹر کامران مرزا کی آواز گونجی۔

"میں اس حکم کا مقصد نہیں سمجھا۔ یہ حکم تو مسٹر رانگ نمبر کو ابھی براہ راست بھی دے سکتے تھے۔ ہم انہیں پکڑ چکے ہیں۔ ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل سکا۔"

"مجھ میں پہلے ہی کون سی بات آ رہی ہے۔ کہ یہ آپ کو ملنے پہلے پہلے ایوان صدر چلے گئے۔ جو ہو گا۔ دیکھا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ کہا۔"

وہ باہر نکلے ہی تھے کہ روتے ہوئے نی نی اس ایم پر نظر پڑی۔

"کیا ہوا؟" انسپکٹر کامران مرزا اسے دیکھ کر رک گئے۔

"کچھ نہیں۔ بس چڑیا گھر کا خیال آتے ہی آنسو نکل پڑے۔ پہلے میں اسے یاد کرتے ہوئے گھر کی طرف دوڑ گیا تھا۔ لیکن وہاں جاتے ہی گھر کی دیواریں کاٹ کھانے کو دوڑنے لگیں۔ لہٰذا پھر واپس آ گیا۔ آپ ہی بتائیے۔ میں کیا کروں؟"

"فی الحال تم بھی ہمارے ساتھ آ جاؤ۔"

"جی اچھا۔ ٹھیک رہے گا۔" وہ ایک دم چپ ہو گیا۔

"لیکن اس قدر جلد آنسو کس طرح رک گئے؟"

"خاتونوں کا آج تک کچھ پتا نہیں چل سکا۔ جب دیکھو یہ آنسوؤں سے نہا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور جب دیکھو۔ بند ہو جاتے ہیں۔ تو کہیں گے۔" شوکی نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"اب شوکی بھائی' فاروقی' آفتاب اور محسن کی کمی پوری کریں۔" فرحت نے اعلان کیا۔

"نہیں۔ نہیں تو۔ ان کی کمی بھلا کوئی پوری کر سکتا ہے۔" شوکی بوکھلا کر کہا۔

اور پھر وہ ایوان صدر پہنچ گئے۔ ایک غیر ملکی ٹیوی نے ان کا استقبال کیا۔

"میں ہی گورنر ہوں۔"

"تمہارا شکریہ کہ آپ ہی گورنر ہیں۔" شوکی بولا۔

"جی اور کیا۔ اگر آپ گورنر نہ ہوتے تو ہم کیا کر لیتے۔" فرحت نے جل کر کہا۔

"دیکھئے۔ اس میں میری کوئی مرضی نہیں۔" گورنر نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"مگر میں۔ گورنر بنتے ہیں۔"

"نہیں۔ آپ کو یہاں بلانے ہیں۔"

"تو آپ اس بات کی پروا نہ کریں اور یہ بتائیے۔ ہم کیا ہے؟"

"مسٹر رانگ نمبر کو انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھیوں کا سروس ہے۔ آپ فوراً اٹھا جائیں اور انہیں گرفتار کریں۔"

"یہی مطلب۔ لفظ۔ یہ کیا بلا ہے؟"

"لفظ کے ساتھ والے شہر کا نام ہے۔ ہوٹل فور سیزن میں وہ اس وقت۔"

"تو اچھا۔ لیکن اس کے لیے آپ کو ایک عدد ہیلی کاپٹر کا انتظام کرنا پڑے گا۔ چلا لیں گے ہم خود۔" وہ بولے۔

"تو تیار ہے۔ آپ ایئرپورٹ پر پہنچیں۔" گورنر نے کہا۔

"اگر بات صرف اتنی سی تھی تو آپ فون پر براہ راست بھی کہہ سکتے کہ ہمیں ایئرپورٹ پہنچنا ہے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"یہ رانگ نمبر ہیں۔ انہی کا حکم تھا کہ آپ کو پہلے یہاں لایا جائے۔ پھر حکم ملا جائے۔" اس نے کہا۔

"تو خیر۔ اچھا۔ مسٹر رانگ نمبر۔ آپ ہماری بات سن رہے ہیں۔"

اس کی طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"پتہ ہے۔ یہ رانگ نمبر یک دم خاموش کیوں ہو گئے۔ کیا آپ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ان سے بات کی تھی۔"

"ہاں کی تھی۔ ابھی آپ لوگوں کے آنے سے پہلے بھی کی تھی۔"

"پھر اب وہ ہم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ حالانکہ ہم نے ان کی کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔"

"یہ وہ جانیں۔ مجھ سے انہوں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔"

"اچھی بات ہے۔ بعد میں بات کریں گے۔ فی الحال تو ہم جا رہے ہیں۔"

وہ ایئرپورٹ پہنچے۔ ہیلی کاپٹر ان کے لیے تیار تھا۔ لیکن پائلٹ ندارد۔

"میں خود اڑاؤں گا اسے۔"

"نہیں سر۔ حکم یہی ہے کہ میں اڑاؤں گا۔"

"تو اچھا۔" وہ چونک کر بولے۔

پھر وہ اڑان بھر گئے۔ ہیلی کاپٹر شہر سے باہر ایک میدان میں اترا تھا۔ وہاں ایک گاڑی تیار کھڑی تھی۔ انہیں اس گاڑی میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا۔ گاڑی میں بھی ڈرائیور موجود تھا۔ گاڑی روانہ ہوئی اور پھر ایک ہوٹل کے سامنے رکی۔

"یہ لوگ یہاں ہیں۔ انہیں گرفتار کر کے باہر لے گئیں۔ ا
"یہ لوگ واقعی رانگ نمبر کے ساتھی ہیں۔ تو پھر انہیں گرفتار کر
لے۔ اور اگر رانگ نمبر کے ساتھی نہیں ہیں تو آپ یہ کام نہیں کر
لے۔"

"سر کے" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔ پھر وہ گاڑی سے
کر ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھے۔ کلرک نے ان کو دیکھ
کیا۔

"کون ہیں یہ لوگ؟" وہ بولے۔

"کون لوگ جناب؟"

انسپکٹر کامران مرزا سوچ میں پڑ گئے۔ کہ کیا بتائیں۔ وہ
لوگوں کی حال میں ہیں۔ پھر انہوں نے سوچ کر کہا۔

"یہی لوگ۔ جنہوں نے یہاں گڑبڑ کی ہے۔"

"وہ اس وقت بہت برے پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ کل سے
پہاڑ جان کے کمرے میں ہیں۔ لیکن آپ لوگ کون ہیں؟"

"رانگ نمبر کے کھلاڑی۔" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب۔ رانگ نمبر کے کھلاڑی۔" اس کے چہرے
حیرت تھی۔

"ہاں! انہیں وفاقی حکومت سے ان لوگوں کی گرفتاری کے
بھیجا گیا ہے۔"

میں کی کیا ضرورت تھی۔ ان لوگوں کے لیے تو مسٹر پہاڑ جان
ہی اندر ہی کافی تھا۔"

"رات تک کا حکم ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ آپ رانگ نمبر کے بھیجے ہوئے
ہیں۔"

"باہر وہ گاڑی موجود ہے۔ اس کا رنگ دیکھ لیں۔ وہ گاڑی
نے کرنل ہے۔ اس کے ڈرائیور سے اپنے دربان کے ذریعے
تصدیق کر لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے جل کر کہا۔

"میرا کیا ہے۔ میں تو آپ کو پہاڑ جان کے کمرے تک پہنچا دیتا
ہوں۔ آپ جانیں۔ پہاڑ جان جانے۔ رانگ نمبر جانے۔" اس نے
لاپروائے انداز میں کہا۔

"ہاں ٹھیک۔ اچھا خیال ہے۔ آپ کی تعریف کرنی
پڑے گی۔ لیکن اس وقت ہم جلدی میں ہیں۔" فرزانہ نے جلدی سے
کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ واپسی پر کر لینا۔" شوکی مسکرایا۔

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔" فرزانہ بولی اور پھر کلرک انہیں
کمرے کے دروازے تک لے گیا۔

"اس وقت وہ اس کمرے میں ہیں۔"

"شکریہ۔" یہ کہہ کر انہوں نے دستک دے ڈالی۔ کلرک جانے

کے لیے مڑ گیا۔

"اندر کوئی خوفناک گڑبڑ لگتی ہے۔"

"ہوں شاید۔" شوکی بولا۔

اسی وقت دروازہ کھل گیا۔ دروازہ انسپکٹر جمشید نے کھولا تھا۔

"کون ہو تم۔ کیا تم پہاڑ جان ہو۔" انسپکٹر کامران
بولے۔ فوری طور پر وہ بھی انہیں نہیں پہچان سکے تھے۔

"میں خادم کو حوالہ کہتے ہیں۔"

آواز اگرچہ بدلی ہوئی تھی۔ لیکن وہ فوراً پہچان گئے۔
ایک جھٹکا سا لگا۔ پھر وہ فوراً سنبھل گئے اور بولے۔

"پہاڑ جان کہاں ہے؟"

"وہ لمبا لیٹا ہوا ہے۔ ہم نے انہیں اور ان کے ساتھیوں
خرے کی نیند سلا دیا ہے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

اب فرزانہ، فرحت، رفعت اور شوکی نے بھی انہیں پہچان
لیکن انجان بنے رہے۔

"ہمیں رانگ نمبر نے بھیجا ہے۔ سنا آپ نے۔" یہ
انسپکٹر کامران مرزا اندر داخل ہو گئے۔ ان کے پیچھے ہی باقی لوگ
داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا۔ وہاں پولیس کے سپاہی
ہوئے پڑے تھے۔

"حیرت ہے۔ یہ اتنے بہت سے لوگ۔ آپ لوگوں نے

ان پر قابو کر لیا؟"

"آپ پسند کریں تو آپ کو بھی زیر کر دیا جائے۔" آفتاب
مسکرایا۔

"تم لوگ مسٹر رانگ نمبر کے ساتھی ہو۔ میں جانتا ہوں۔" انسپکٹر
کامران مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

"تو پھر ہمیں گرفتار کر لیں۔" آفتاب نے منہ بنایا۔

"یہ تو خیر کرنا ہی ہو گا۔ ہمیں مسٹر رانگ نمبر نے اس وقت اسی
مقصد کے لیے بھیجا۔"

"سوال یہ ہے۔ کہ آپ لوگوں کو کیوں بھیجا۔ اس نے
آپ سے ہمیں قابو کرنے کے لیے۔ کوئی بیک ہول کیوں نہیں
دیا۔"

"ہو سکتا ہے۔ اس وقت سٹاک میں اس کے پاس کوئی بیک
ہول نہ ہو۔" آفتاب نے خیال ظاہر کیا اور وہ سب مسکرا دیے۔ ایسے
رانگ نمبر کی آواز نکال دی۔

"انسپکٹر کامران مرزا۔ باتیں کیا بگھار رہے ہیں۔ ان لوگوں کو
گرفتار کریں۔"

"کہہ تو آپ گرفتار کریں۔ انہیں گرفتار سمجھیں۔ آخر یہ
آپ کے ساتھی ہیں۔ ان سے کچھ باتیں کرنے دیں۔"

"ٹھیک۔ باتیں بعد میں۔ پہلے گرفتار۔"

"لیکن سر۔ آپ نے ان کے لیے کوئی بلیک ہول کیوں نہیں
بھیج دیا"۔

"یہ تو الجھن پیدا ہو گئی ہے"۔

اپنے میں پروفیسر داؤد انسپکٹر کامران مرزا کی طرف دیکھنے لگے
ان سب نے یہ بات صاف محسوس کی۔ لیکن اس معاملے میں کوئی
نہ بولا۔

"کیا فرمایا سر۔ کیا الجھن پیدا ہو گئی ہے؟"

"سر۔ میں ان لوگوں کو دیکھنے کے قابل نہیں رہا
نہیں یہ کیسے ہو گیا ہے۔ اس لیے میں نے تم لوگوں کو اور
ہے۔ اس دوران یہ لوگ پیارا جان اور اس کے معاملے کو بے کار کر
چکے ہیں۔ لیکن اب میں نے تمہیں مقابلے پر بلایا ہے۔ تم اپنی
ذمت کرو"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"سر۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ آپ کو نظر نہیں
رہے۔ اور ہمیں نظر آ رہے ہیں"۔

"ہاں! اس بات پر تو میں حیران ہوں۔ ارے"۔

"کب آپ نے یہ ارے کس خوشی میں کہا ہے؟" آلاب
"حد ہو گئی۔ یہ بھی کوئی جملہ ہے۔ اب آپ نے اب
خوشی میں کہا ہے"۔ آصف نے بس بھن کر کہا۔

"اب اس چکر میں کون پڑے کہ یہ کوئی جملہ ہے یا نہیں"

"انسپکٹر کامران مرزا تم اب تک حرکت میں نہیں آئے۔ کیا
وجہ ہے کہ تم نے میرا ساتھ دینے کا اس ڈرامے کیا تھا"۔

"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ ابھی آپ ان سب کو دیکھیں
گے۔ وہ فوراً بولے۔

"میں ان سب کو دیکھوں گا۔ کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے۔ جس طرح آپ ہمیں دیکھ سکتے ہیں۔ اسی
طرح اب انہیں بھی دیکھنے لگیں گے"۔

"ہاں! اصل ضرورت اس کی ہے"۔ رانگ نمبر نے خوش ہو
کر کہا۔

"نہیں جناب۔ اصل ضرورت اس کی کیوں ہے؟" فرحت
نے کہا۔

"اس لیے کہ یہ مجھے نظر نہیں آ رہے۔ نظر آ رہے ہوتے تو
اب تک ان لوگوں کو کسی بلیک ہول میں بند کر چکا ہوتا"۔

"ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ یا تو آپ ان سب کو دیکھ
لیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا کہتے کہتے رک گئے۔

"تو کیا؟" رانگ نمبر فوراً بولا۔

"آگے میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن کہہ نہیں سکا"۔

"اگر کیوں؟"

"اس وقت پروفیسر داؤد ان کے بالکل نزدیک پہنچ چکے تھے۔ وہ

سب ان کی طرف سے خاموش تھے۔ اور وہ رانگ نمبر کے ساتھ باتوں
میں مصروف تھے۔

"سر۔ یہاں کچھ عجیب بات ضرور ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا
نے کہا۔ الجھن کا ذکر کیا۔

"ہو گی۔ عجیب بات بعد میں دیکھنا۔ پہلے ان لوگوں کو گرفت
دیکھنا چاہتا ہوں"۔

"یہ ہم میرے دائیں ہاتھ کا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے
"آپ نے کیا کہا۔ دائیں ہاتھ کا"۔ فرزانہ کے لہجے میں حیرت
تھی۔

"ہو میں غلط کر گیا۔ میرا مطلب ہے بائیں ہاتھ کا"۔

"میں کچھ کیا۔ انسپکٹر کامران مرزا۔ تم ڈراما کر رہے ہو
میرے ساتھی ہرگز نہیں ہو۔ تم انسپکٹر جمشید کے ہی ساتھی ہو اور
بات کا اعتبار کرنے کے لیے میں نے تمہیں یہاں بلایا تھا۔ اور
لوگوں سے تو میں خود نبٹ لیتا۔ اب پہلے میں تمہیں اور تمہارے
ساتھیوں کو بلیک ہول میں بند کروں گا۔ کیونکہ تم تو مجھے
رہے ہو۔ تمہیں تو میں بلیک ہول میں بند کر سکتا ہوں۔ باقی
لوگوں سے بعد میں نبٹ لوں گا"۔

"ایک منٹ مسٹر بلیک ہول۔ ایک منٹ"۔ انسپکٹر کامران
نے فوراً کہا۔

"میرا نام بلیک ہول نہیں۔ رانگ نمبر ہے"۔ اس نے جھلا کر
کہا۔

"ہاں! میں غلط کر گیا۔ آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا
مسٹر رانگ نمبر۔ ہم کبھی بھی تمہارے ساتھی نہیں رہے۔ ہم نے تو
ڈرامہ کیا تھا۔ اب جب کہ تم یہ بات بھانپ چکے ہو تو میں بھی اعلان
کر دوں۔ ہم تمہارے ساتھ نہیں ہیں"۔

"تو پھر۔ یہ لو۔ یہ لیا۔ ہیں۔ ہیں۔ ہیں"۔

"کیا ہوا مسٹر رانگ نمبر۔ یہ آپ نے الفاظ کے ٹکڑے کیوں
کیا فرض کر دیے"۔

"یہ۔ یہ۔ یہ کیا ہو گیا؟"

انہوں نے رانگ نمبر کی خوف میں ڈوبی ہوئی آواز سنی۔

☆○☆

شہر کا حملہ

چند لمحے مکمل خاموشی کے عالم میں گزر گئے۔ بار رنگ نے سرگوشی کو توڑ ڈالی۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سب لوگ مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے۔ جب کہ باقی لوگ۔ پیارا جان اور اس کے ساتھی نظر آ رہے ہیں۔"

اس کے یہ الفاظ سن کر پروفیسر والا بچاں کی طرح مسکرا رہے تھے۔ باقی لوگوں کے چہروں پر بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

"وہ ہمارے لب نہ وہ ہماری آواز سن سکتا ہے۔ نہ ہمیں دیکھ سکتا ہے۔ اس سے پوری کامیابی اس کے مقابلے پر ہم ابھی تک حاصل نہیں کر سکے تھے۔ اور اب ہمیں ڈرانے کی بھی ضرورت نہیں۔ انسپکٹر کامران مرزا اور ان کے ساتھی اب اسے نظر نہیں آ سکتے۔ کیونکہ وہ ہمیں۔ اب جیک ہول میں قید کرنے کے قابل نہیں ہیں۔" پروفیسر والا جلدی جلدی بولے۔

"یہ باتیں تو بالکل درست ہیں۔ لیکن ہم تو وہ ہتھیار تھا۔"

ہے تو اس کا عمل ہوا ہے۔ صرف ہم پر اس کا وار نہیں چل سکتا۔ کر سکتے ہیں کہ وہ فی الحال ہم پر قابو نہیں پا سکتے۔ لیکن ہم بھی تو اس کا کچھ بھی بگاڑنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔"

کامران مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"یہی اصل۔ پہلی صورت حال میں اور اس وقت کی صورت میں فرق آ گیا ہے۔ اب ہم آزاد ہیں۔ اس کے خلاف کوشش شروع کر سکتے ہیں۔ اس کی طرف سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔"

"لیکن کب تک۔ وہ بھی آخر سائنس دان ہے۔"

"اس کے علاوہ بھی اس کے پاس ترکیب موجود ہے۔" فرزانہ نے بھاری آواز میں کہا۔

"وہ کیا؟" سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"وہ لوگوں کو ہمارے پیچھے لگا سکتا ہے۔ فرض کیا وہ پورے شہر کو حکم دے کہ ہم لوگوں کو پکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو وہ پورے شہر کو جیک ہول میں بند کر دے گا۔"

"خدا!" وہ سب فرزانہ کی بات سن کر دھک سے رہ گئے۔ ان کے رنگ اڑ گئے۔ یہ خطرہ ہر حال ان کے سروں پر موجود تھا۔

"میرا خیال ہے۔ ابھی فوراً یہاں نکل جانا چاہیے۔ ایسا نہ ہو اس کی کمان میں یہ ترکیب آ جائے اور لوگ ہم پر ٹوٹ پڑیں۔"

"بالکل ٹھیک۔"

انہوں نے اسی وقت دوڑ لگا دی۔ وہ جلد از جلد شہر سے نکل جانا چاہتے تھے۔ ابھی اس وقت انہوں نے اپنے پیچھے لوگوں کو آتے دیکھا۔ وہ چیخ رہے تھے۔ چلا رہے تھے۔ ایک شور تھا۔ جس نے آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔

"چلو جلدی۔ فرزانہ کے ذہن میں اگر یہ بات پکی ہو گئی تو اس وقت ہم کہاں ہوں گے؟۔ مشکل میں پھنس جائیں گے۔" انسپکٹر کامران مرزا نے دوڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب بھی اس مجمعے سے بچ نکلنا آسان کام نہیں۔ دوسری طرف۔ وہ پورے شہر کے لوگوں کو دوڑا سکتا ہے۔ اس صورت میں ہم کہاں ہوں گے۔"

"واقعی یہ بات بڑا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ وہ تو ہر طرف سے ہمیں کی دوڑ لگوا دے گا اور ہمیں چاہنے والے لوگ ہمارے ہی خون کے پیاسے ہو جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ آیئے چلیں۔"

"خدا اپنا رحم فرمائے۔" خوشی نے کانپ کر کہا۔

"فی الحال تو اس ہجوم سے بچ نکلنے کی کوشش۔ اسے ہمیں ہے بیلی کلاہڑ۔" انسپکٹر جمشید چلائے۔

اور پھر ان کا رخ بیلی کلاہڑ کی طرف ہو گیا۔ مجمع ابھی ان سے

ہی تھا۔ وہ بیلی کلاہڑ تک پہنچ گئے۔ اس میں بالکل موجود تھے۔ تھوڑے پھرتے پیچھے اتر گیا تھا۔ انہوں نے آواز دیکھا۔ اس میں داخل ہو گئے۔ اور پھر بیلی کلاہڑ اڑتا چلا گیا۔ انہوں نے اوپر آتے دیکھا۔ لیکن اس کے نزدیک پہنچنے سے پہلے وہ اوپر جا چکے تھے۔ اور جب مجمع اس میدان میں آ گیا۔ تو وہ بلندیوں پر پہنچ چکے تھے۔

"جب ہم پر فوجی طیاروں کے ذریعے حملہ کیا جائے گا۔ اس وقت ہم کسی وادی میں اتر چلیں گے۔ بیلی کلاہڑ میں رہنا بھی خطرناک ہے۔" جمشید نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک وادی میں اتر رہے تھے۔ اور بیلی کلاہڑ اس نے بہت دور چھوڑ دیا تھا۔ اس وادی میں اترنا عام لوگوں کے لیے کی بات نہیں تھی۔ جب کہ وہ ایسی وادیوں میں اترنے کے عادی تھے۔ دوسرے یہ کہ اوپر سے دیکھنے پر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس وادی میں اتر سکتے ہیں۔ کیونکہ دیکھنے پر یہی محسوس ہوتا تھا کہ اس وادی میں نہیں اترا جا سکتا۔ فی الحال ان کے لیے یہی اچھی جگہ تھی۔ اس میں وہ کچھ وقت کے لیے ٹھہر سکتے تھے۔

وہ نیچے اترتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس کی تہ میں پہنچ گئے۔ اب وہ اوپر سے کسی کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔

جلد ہی انہوں نے غباروں کی تعمیر کر لی جنہیں ہم
ترجمانیت کہہ لیتے ہیں۔ کئی گھنٹے تک ایسا ہوتا رہا۔ وہ اس
دیکھتے رہے۔ رات بھی انہوں نے وہیں بسر کی۔ وہ رات بھی
اور وہاں بارش بھی تھی۔ لہٰذا وقت بسر کرنے کا انتظام قدرت نے
تھا۔

آخر تیسرے دن وہ وہاں سے نکلے۔ اب اس جگہ
نہیں تھا۔ پیلی کھڑکی وہ لے جا چکے تھے۔

"اب ہمیں کہاں جانا ہے۔ سوال یہ ہے"۔ انہوں نے
کہا۔

"میں سوچ چکا ہوں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"کیا سوچ چکے ہیں؟" پروفیسر داؤد بولے۔

"کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ ہمیں ایک جگہ جانا ہو گا۔ اس
جگہ کوئی پہاڑ نہیں"۔

"تو پھر کہاں ہے۔ آپ کے ذہن میں ہے"۔

"ٹھیک ہے۔ آیئے چلیں"۔

ان کا سفر شروع ہوا۔ انہیں پیدل چلنا پڑا۔ آخر کئی گھنٹے
پیدل چلنے کے بعد وہ ایک بہت بڑی عمارت میں داخل ہوئے۔ یہ
دراصل ایک گھنٹے تک وہاں مصروف رہے۔ پھر سب باہر نکل آئے
اور اس کے صرف چند منٹ بعد ایک خوفناک دھماکا ہوا۔ اس

کے ساتھ ہی سارا شہر تاریکی میں ڈوب گیا۔
انہوں نے شہر کا پاور سٹیشن اڑا دیا تھا۔ اس
تاریکی میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔
اب وہ شہر کے لوگوں کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اور جب دیکھ
نہیں سکتے تو حکم نہیں دے سکتے تھے۔ لہٰذا ہم اس شہر کے لوگوں سے
محفوظ ہو گئے۔ یہاں ہمارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ شہر کے لوگوں
کی ہم پر صورت حال بتا دیتے ہیں"۔

"بالکل ٹھیک"۔ وہ بولے۔

انہوں نے اطلاع کر کر کے شہر کے لوگوں کو صورت حال
بتائی۔ وہ خوش ہو گئے۔ لیکن پھر انہوں نے سوال کیا۔

"لیکن ہم اندھیرے میں زندگی کیسے بسر کریں گے"۔

"صرف رات کا وقت اندھیرے میں بسر کرنا ہو گا۔ دن کی
روشنی میں تو زندگی معمول کے مطابق گزاری جائے گی"۔

"اور دن کی روشنی میں وہ ہمیں حکم دے سکتے ہیں"۔

"ہمارے پاس پوری رات پڑی ہے۔ ہم اس رات میں بہت
کچھ کریں گے۔ اور پھر دیکھیں گے کہ وہ کیا کر سکتا ہے اور کیا
نہیں۔ سب سے پہلے ہمیں گورنر کو قابو میں کرنا ہو گا۔ کیونکہ گورنر
ہی ان کا اصل آدمی ہے"۔

گورنر ہاؤس کو گھیرے میں لے لیا گیا۔ اور جلد ہی گورنر کو پکڑ
لیا گیا۔ اس کے بعد وہ ایک پیلی کھڑکی میں بند کر دیا گیا۔ وہ
ہو گئے۔ اب ان کی حیثیت معلوم تھی۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ
جا رہے ہیں۔ پھر ایک مقام پر پہنچ کر انہوں نے اپنا قیام شروع
کئی گھنٹے بعد وہاں قیامت خیز دھماکے ہوئے۔ اور پورا ملک تاریکی
ڈوب گیا۔ انہوں نے پورے ملک کو بجلی سپلائی کرنے والے پاور
اڑا دیا تھا۔

"اب پورے ملک میں رات کے وقت اس کی حکومت نہیں
گی۔ اور پورے ملک کو وہ ایک ہوٹل میں بند کر کے کہا کہ
اب ہم نے اسے حفاظتی میں ڈال دیا ہے"۔ انسپکٹر جمشید کی پوری ٹیم
انہیں خیال دیا۔

"لیکن دن کے اوقات میں وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ وہ
جا رہے ایک ہوٹل میں بند کر سکتا ہے"۔ خان رحمان بولے۔

"خوامخواہ کہ ایسی نہیں۔ ہم پر وہ دن میں بھی ہاتھ نہیں
سکتے۔ اور پوری رات وہ مکمل طور پر ہمارے بس ہوا کرے گی۔ لہٰذا
کے دنوں کے لئے مستقل طور پر اس کی کارروائیاں مکمل طور پر
جائیں گی۔ اب یا تو اسے رات کی تاریکی کو دن کی روشنی میں
پڑے گی۔ یا پھر غائب ہو جائے گا اور زیر زمین رہ کر کارروائیاں کرنا
گی۔ لیکن ہم اس سے غافل نہیں رہیں گے۔ اب اس کا
لگانے کی مہم شروع کریں گے۔ وہ ہمارے ہی ملک کا ہے۔ کوئی
ہے۔ لہٰذا ہم اس کی کارروائیوں کا سراغ لگا لیں گے"۔

"کیا کارروائیاں"۔ وہ سب ایک آواز ہو کر بولے۔

"یہ بعد میں بتاؤں گا"۔ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی اس وقت
اور پھر وہاں گئے۔ انسپکٹر جمشید نے صدر صاحب سے ملاقات کی۔
ملاقات میں کہے۔ انہوں نے صدر صاحب سے ملاقات کی۔
حال سنا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ پھر وہ ایک دم ہی اچھل
گئے۔

"لیکن جناب۔ وہ دن کے وقت تو ہر طرح کی کارروائی کر سکتا
ہے"۔

"جی نہیں۔ ایسے لوگ مکمل طور پر کنٹرول چاہتے ہیں۔ جیسے
ہاں میں تو وہ اب بالکل خاموش ہو جائے گا اور اس کا پتا ابھی کل
جائے گا"۔

"کس کا پتا؟" پروفیسر داؤد بے خیالی کے عالم میں بولے۔

"جی اس بات کا کہ وہ اب بھی اپنا مکمل دخل رکھنا چاہتا ہے یا
نہیں"۔

"وہ ہاں۔ اچھا۔ لیکن کیسے۔ جناب یہ بھی تو بتائیے"۔

"وہی بتانے جا رہا ہوں۔ صدر صاحب آپ پورے ملک میں
اعلان نشریات کریں کہ ہم نے رائٹ فیصلہ حکومت کا قلع قمع کر دیا ہے۔ اب
رائٹ فیصلہ نہیں مار سکتے۔ اور بہت جلد تمام سرغنوں اس کا
سراغ لگا لیں گے۔ اس کے بعد رات کی روشنی بحال کر دی جائے

ہے۔ کیا جب تک ہمارے سراغ رساں اس کا سراغ نہیں لگا لیتے
اس وقت تک ملک کے لوگوں کو راتیں تاریکی میں بسر کرنا ہوں گی
کیا عوام اس کے لیے تیار ہیں؟"

"بہت بہتر! میں ابھی یہ اعلان کرا دیتا ہوں"۔

"لیکن کیسے کرائیں گے۔ اب ٹی وی چلیں گے نہ ریڈیو
نہ اخبارات شائع ہوں گے"۔

"اوہ کوئی بات نہیں۔ ہر شہر میں تشکر کے ذریعے اعلان
دیئے جائیں گے۔ مجھے وہی ہے"۔ صدر صاحب مسکرائے۔

"چلیے ٹھیک ہے۔ آپ جیسے بھی یہ اعلانات کرا دیں ہمیں
اس کے بعد ہم رانگ نمبر سے نمٹ لیں گے"۔

"یہی بات ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ بہرحال یہ کارنامہ بھی کیا
تمہارا کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ کوئی انسان شاید اس بارے میں
سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جو تم کر گزرے۔ تم لوگوں کا کارنامہ جب
حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے"۔

"تو کھلوا دیجئے نا بالکل صدر۔ آپ کے لیے کیا مشکل ہے"۔
شوکی نے شاکر کہا۔

"تمہارے دو ساتھی اس بات پر رضامند نہیں ہیں"۔ صدر
صاحب بھی مسکرائے۔

"ہاں کیا فرمایا۔ ہمارے دو ساتھی۔ رضامند نہیں ہیں۔ کیا

ہوا ہے ان کو۔ ہاں ہاں بتائیے کیا۔ ان کے بیوی بچے
بھی پالتی ہے"۔ صدر صاحب نے خوش ہو کر کہا۔

"ہاں صدر۔ ایک دن بھی بات ہوئی۔ میں بیٹھا میں نہ ہاتھ
روٹی کھایا کرتا تھا۔ اب بھی کسی دن یہ تجربہ کرنا چاہیے۔ تاکہ
راتوں کی نیند حرام ہو جائے۔ سو میں نے ایک دن عام کرنے کا بھی
اور جا کر نہ ہاتھ پر روٹی کھانے کا"۔

"صدر۔ کیا واقعی۔ آپ نے ایسا کیا؟"

"ہاں ہاں۔ بالکل"۔

"مگر آپ کو کسی نے نہیں دیکھا؟"

"میں رضائی کوئی کے روپ میں گیا تھا۔ کوئی سوچ سکتا تھا
ملک کا صدر نہ ہاتھ پر بیٹھا روٹی کھا رہا ہے"۔

"یہ سن کر حیرت ہوئی۔ آپ واقعی اس قابل تھے کہ صدر
بنے"۔ خان رحمان جذباتی آواز میں بولے۔

"اب ان باتوں کو چھوڑیں اور اپنا کام شروع کریں۔ میں چاہتا
ہوں۔ آپ لوگ جلد از جلد رانگ نمبر کو ڈھونڈ لیں۔ اور اس سے
نمٹنے کی تدبیر کریں۔ بہرحال ہم اس جلد ہونے سے بڑی مشکل
ملک سے بچ گئے ورنہ ہو جاتی۔ اتنے دن ہو چکے ہیں ہمیں دھمکیاں
دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ ان کی دھمکیوں سے بھی نجات مل
گئی"۔

"ہاں ہاں ہمیں بھی یہی خیال ہے"۔ وہ سب بولے۔

"میں بھی وہاں سے چلے آئے۔ مگر پیچھے حکم جاوید نے
ہمارے لیے حرے کی جگہیں تیار کر دی ہیں۔ صرف چار دو ملک
ہیں جہاں کی جگہیں دیکھ کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اگرچہ
ہمیں کئی دن دکھائی ہی رہتی تھیں۔ لیکن پھر بھی انہیں حیرت
ہوئی"۔

"ہاں وہاں انہیں ایک خلا رہتی تھی۔ کوئی لڑکا دروازے پر کوئی
چیز دے کر جاتے تھے"۔

"ارے بھئی سنو۔ وہ کس نے؟"

"ایک فقیر نے۔ فقیروں جیسا لباس تھا اس کا۔ کہنے لگا۔
یہ اس گھر میں دے دو۔ اتنے سے کام کے اس نے لکھے سو روپے
دے دیئے"۔

"اس کا حلیہ؟"

"دیکھ نہیں سکے۔ میں تو سو کے نوٹ کی طرف دیکھنے لگا تھا"۔
وہ بولے۔

"اچھا خیر۔ کوئی بات نہیں۔ شکریہ۔ تم جا سکتے ہو"۔ محمود نے
ہاتھ اٹھا کر سب کے سامنے رکھ دیا۔

"اس کا حلیہ؟" سب ایک ساتھ بولے۔

"جہاں تک میرا خیال ہے۔ یہ رانگ نمبر کا حلیہ ہے"۔

☆○☆

بیگم کا اندازہ

[illegible] کا اندازہ ہے۔ وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا [illegible]
[illegible] انسپکٹر جمشید نے سب کو گم دیکھ کر جلدی سے کہا۔
"ہاں ٹھیک۔ میں نے کب کہا۔ کہ یہ لیلیٰ کا اندازہ [illegible]
[illegible] چکا۔
"لیکن۔ رانگ نمبر کو غلط لکھنے کی کیا ضرورت تھی آخر؟"
"میں نے کہ پورا ملک اس وقت بجلی کی سہولتوں سے محروم [illegible]
[illegible] میں وہ بھی ہو گیا ہے۔ فون کی لائنیں بھی تو آخر بجلی [illegible]
[illegible]"
"[illegible]۔ واقعی۔ تو پھر کھولیے اس غلط کو۔" شوکی نے بے [illegible]
[illegible] کہا۔
"لیکن بھئی۔ اس طرح نہیں۔ پہلے سب لوگ اندازہ [illegible]
[illegible]۔ اس نے کیا لکھا ہو گا۔"
"[illegible] تو یہ بات بھی طے نہیں ہوئی کہ یہ غلط واقعی رانگ نمبر کا [illegible]
[illegible] ہو گا۔"

"[illegible] بات نہیں۔ ہم فرض کر لیتے ہیں۔ یہ غلط رانگ نمبر [illegible]
[illegible] ہے۔ اب اندازہ لگائیں۔ اس نے کیا لکھا ہو گا۔"
"[illegible] میں اندازہ لگا چکا ہوں۔" ایسے میں شوکی کی آواز ابھری۔
"[illegible] اندازے لگانے میں پیچھے تو پھر ہم بھی نہیں ہیں۔" [illegible]
"[illegible] ماشاء اللہ بلاؤ۔"
"[illegible] بات ہے۔ باری باری سب کے سب اپنے اپنے [illegible]
[illegible] کی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔
"[illegible] نہیں۔" سب اپنے اپنے اندازے لکھنے [illegible]
[illegible] میں انسپکٹر کامران مرزا کی آواز ابھری۔
"[illegible]۔ ٹھیک ہے۔ یہ زیادہ بہتر رہے گا۔"
"تو پھر لکھیں اپنے اپنے اندازے۔"
"[illegible] ہم اس طرح وقت ضائع نہیں کر رہے۔ ابھی ایک [illegible]
[illegible] میں پتہ چل جائے گا کہ اس نے کیا لکھا ہے۔ بس غلط کھول کر [illegible]
[illegible]۔" فی الفور نے بے چین ہو کر کہا۔
"تم دراصل سسپنس میں مبتلا ہو چکے ہو۔ اور جلد از جلد [illegible]
[illegible] چاہتے ہو۔ کہ اس میں کیا لکھا ہے۔ لیکن۔ [illegible] طریقہ [illegible]
[illegible] سے ہم بچنے کے قابل بناتا ہے تو ہی کرو۔" انسپکٹر جمشید نے خوفناک [illegible]
"[illegible] یہ بات تو ہے۔"
"تو پھر۔ سوچ کر لکھیں۔ اس غلط میں کیا لکھا ہے۔"

سب سب کے سب کاغذ قلم سنبھال کر بیٹھ گئے اور لکھنے لگے۔
"[illegible] ہو تو بالکل ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے یہاں انٹرویو ہو [illegible]
[illegible] کوئی امتحان ہو رہا ہو۔ لیکن فرق صرف یہ ہے کہ یہاں [illegible]
[illegible] والا کوئی نہیں ہے۔ سب کے سب امتحان دینے والے [illegible]
[illegible]" نے تبصرہ کر کے کہا۔
"اس وقت ہم سب ایک دوسرے کا امتحان لے رہے ہیں۔ تم [illegible]
[illegible] بات بھی نہیں سمجھتے۔" فاروق نے اسے گھورا۔
"[illegible] سوری۔ معافی چاہتا ہوں۔ آپ کو میری بات ناگوار [illegible]
[illegible]۔"
"[illegible] لکھو۔ اور ذرا جلدی۔ کیونکہ یہ غلط اگر واقعی [illegible]
[illegible] لیلیٰ کی طرف سے ہے۔ تو پھر وہ اس وقت دارالحکومت میں ہی [illegible]
[illegible] ہے اور اس سے اچھا موقع ہمیں پھر کب ملے گا۔"
"لیکن لیلیٰ۔ ابھی تو ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ وہ کون [illegible]
[illegible]۔" محمود نے کہا۔
"لیکن میں اور انسپکٹر کامران مرزا کم از کم یہ اندازہ تو لگا ہی چکے [illegible]
[illegible] ہے کہ تین چار آدمیوں میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے۔"
"[illegible] اچھا۔ تب تو آپ ہمیں بھی ان تین چار آدمیوں کے [illegible]
[illegible]۔" کامران نے چونک کر کہا۔
"[illegible] نہیں۔ ان تین چار آدمیوں کے نام ابھی تم لوگوں کو خود [illegible]

ی بتا دیں گے۔ اور یہ اندازہ بھی لگتا ہو گا کہ رانگ نمبر سے
ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"ارے باپ رے۔ اب تو یہ پورا پورا اشتاق پوچھ
آفتاب نے ہکلا کر کہا۔

"میں کیا ہے تو بن جائے دو۔ تمہارا کیا جاتا ہے"۔ فاروق
جھلا کر کہا۔

"جھلاہٹ کے انگارے چبانے کی ضرورت نہیں۔ ان
سردی کا موسم نہیں ہے۔ منہ جل جائے گا"۔ محمود نے گویا
دیا۔

"اور میں کہتا ہوں۔ ادھر ادھر کی باتیں کر کے تم لوگ
بات کو گول نہ کرو۔ میں جواب لے کر رہوں گا"۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ہم جواب دے کر رہیں گے"۔ فا
بولا۔

"ہاں! شاباش۔ جلدی جلدی لکھ ڈالو۔ دیکھو میں
کامران مرزا بھی لکھ رہے ہیں"۔

"ارے باپ رے۔ تب تو کیا جوشیلے۔ ہم۔ مجھے بھی
پڑے گا"۔ پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"جی بالکل۔ بھلا آپ کو کیوں نہیں لکھنا پڑے گا"۔

"ارے باپ رے۔ لیکن یار میں اندازہ کس طرح لگاؤں

سوم کہ اس نے کیا لکھا ہے"۔ وہ گڑبڑا گئے۔

"میں وہ آپ کے ذہن میں آتا ہے صرف وہ لکھ دیں"۔

"ذہن میں کچھ آئے بھی تو"۔ انہوں نے بے چارگی کے عالم
میں کہا۔

"لکھے نہ لکھے تو آپ کو لکھنا پڑے گا۔ ورنہ یہ کیا کہیں گے۔
آپ تو آؤ سوچیں"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے۔ پہلے سوچوں۔ اور پھر لکھوں"۔ پروفیسر
نے ہکلا کر کہا۔

"اس سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے پروفیسر الگ کہ آپ کچھ پہلے
لیں سوچ بعد میں لکھیے گا"۔ فاروق کی آواز ابھری اور سب مسکرانے
لگے پروفیسر داؤد کا منہ بن گیا۔ تاہم وہ لکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد
سب نے اپنا اپنا اندازہ لکھ لیا۔

"سب سے پہلے کون اپنا اندازہ سنائے گا"۔

"جی! میں سناتا ہوں"۔ شوکی نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے شوکی۔ سناؤ"۔

شوکی نے اپنے کاغذ کی تہ کو کھولا اور پڑھنے لگا۔

"میرا اندازہ ہے۔ یہ غلط رانگ نمبر کا ہی ہے۔ اور اس نے
کہا ہے کہ وہ ہم سے بہت جلد رابطہ کرے گا"۔

"اچھی بات ہے۔ اشتاق۔ تم نے کیا لکھا ہے"۔

"قریب قریب یہی بات"۔ اس نے فوراً کہا۔

"ضرور اشتاق!"

"جی بالکل یہی لکھا ہے"۔ اس نے کاغذ لہرایا۔

"اچھے۔ تمہیں تم"

"میں نے لکھا ہے۔ پلیز ہاؤس اڑا دیجیے تو اس سے کیا
ہے۔ ان کی روشنی میں میں تم لوگوں کے خلاف اب بھی بہت کچھ
سکتا ہوں"۔

"یہی بات ہے۔ ہاں تو اب ٹی ایس ایم سنا دیں"۔

"حیرت ہے الگ"۔ آفتاب بول اٹھا۔

"اور حیرت کس بات پر ہے۔ یہاں حیرت کہاں سے
پڑی۔ اپنا اپنا اندازہ سنایا جائے"۔

"اس کے باوجود مجھے حیرت ہے"۔

"آخر کس بات پر"۔ انہوں نے جل کر کہا۔

"آپ نے ٹی پی او کا بالکل درست نام لے دیا"۔

"اور تم خود اپنے لیے ہوئے نام پر غور کرو۔ ٹی پی او
گئی جلی"۔

"اچھا ہو گئی ہو گی۔ تم نے کون سا درست نام لے دیا"
انسپکٹر جمشید نے جل کر کہا پھر ٹی ایس ایم کی طرف مڑے۔

"ٹھیک۔ جلدی۔ سوچ کیا رہے ہو"۔

"بھئی۔ پہلے یہی کیوں نہ بتا دوں کہ کیا سوچ رہا ہوں"۔ اس
نے خوابیدہ آواز میں کہا۔

"اچھا چلو پہلے یہی بتا دو"۔ انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"میں سوچ رہا ہوں۔ اپنا اندازہ سناؤں یا نہ سناؤں"۔

"حد ہو گئی"۔ محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"ہاں! حد تو واقعی ہو گئی۔ کیونکہ تم نے وہ بات تیرے کی کہنے
کی بجائے یہ کہا ہے۔ حد ہو گئی"۔

"خیر ہے تم لوگوں سے بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہو۔
بات بے چاری بھی کیا سوچتی ہو گی"۔ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"اصل! ہم بات کو کہیں کا کہیں نہیں لے جاتے۔ باتیں ہمیں
نہیں کہیں لے جاتی ہیں"۔ فاروق بولا۔

"اچھا بابا۔ مان لیا۔ ضرور یہی بات ہو گی۔ اور کچھ"۔

"تم کہو۔ ٹی سی پی۔ جلدی بتاؤ"۔

"میرا خیال ہے۔ یہ غلط رانگ نمبر کا ہو ہی نہیں سکتا"۔ ٹی
ایس ایم نے شرما کر کہا۔

"کیوں۔ یہ خیال کیسے قائم کر لیا۔ یہ غلط رانگ نمبر کا کیوں
نہیں ہو سکتا"۔

"بس۔ اب میں کیا بتاؤں۔ کہ کیوں نہیں ہو سکتا۔ اس
بات کو آپ جانے دیں۔ صرف میرے جواب کو کافی سمجھیں"۔

"جی۔ ضرورت پیش آنے کی بھی ایک ہی کہی۔ کسی بھی چیز
کی ضرورت کسی وقت بھی پیش آ سکتی ہے"۔ فاروق نے منہ بنایا۔
"تم چپ رہو۔ ہاں انکل۔ کیا ضرورت پیش آ گئی"۔ آفتاب

"بھئی۔ پتا نہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ خیر میں ابھی اندازہ
لگا لیتا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ یہ خط رانگ نمبر کا ہے۔ اور اس
نے جلدی اندھیرے کا توڑ کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ یعنی پھر وہ
پورے میں بھی اپنے کام کر سکے گا"۔

"چلیے ٹھیک ہے۔ اب باری آتی ہے۔ آفتاب کی۔ آفتاب!
تم نے کیا لکھا ہے"۔

"میں نے لکھا ہے۔ خط رانگ نمبر کا ہے۔ اس نے لکھا
ہے۔ وہ بہت جلد پھر آئے گا۔ اس وقت ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ
سکیں گے۔

"اچھا تو ہم اب بھی کچھ نہیں سکے اس کا"۔

"میرا خیال میں نے یہی لکھا ہے۔ اصل بات تو خط کھلنے پر ہی
ختم ہو گی"۔

"اچھا ٹھیک ہے آفتاب۔ آصف تم بتاؤ"۔

"میں نے بھی بالکل یہی بات لکھی ہے"۔

"اچھا بھئی۔ جیسے تمہاری مرضی۔ ہمیں تو سب کا اندازہ
معلوم کرنا ہے۔ اور بس"۔ انہوں نے بے چارگی کے عالم میں کہا اور
پھر خان رحمان کی طرف مڑے۔

"ہاں خان رحمان۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"میں۔ میں۔ یعنی کہ میں۔ یار جمشید۔ تم میرے اندازے
کو تو بس رہنے ہی دو"۔

"کیوں۔ ایسی کیا بات ہو گئی۔ جو اندازہ لگایا ہے۔ بتاؤ
کوئی حرج نہیں"۔

"تو پھر سنو۔ میں نے لکھا ہے۔ خط رانگ نمبر کا ہے۔ اور
اس نے دھمکی دی ہے کہ پاور ہاؤس دوبارہ جلد از جلد جاری کرو۔
ورنہ میں وہ چابی اڑا دوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے"۔

"کس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے"۔ آصف نے پوچھا۔

"اس چابی کے بارے میں جو لانے کے لیے اس نے کہا
ہے"۔

"چلو ٹھیک ہے خان رحمان۔ یہ ہو گیا تمہارا اندازہ۔ اب
باری ہے پروفیسر داؤد کی"۔

"ارے باپ رے"۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"نہیں انکل۔ اس میں گھبرانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی"۔
آفتاب بولا۔

"اور رضت تم نے"۔

"میرے خیال میں یہ خط رانگ نمبر کا نہیں ہے"۔ اس نے
بتایا۔ "یہ خط تمہارے خیال کے مطابق رانگ نمبر کا ہی
ہے"۔ کئی آوازیں ابھریں۔

"ہاں نہیں ہے۔ لیکن ہے اس کے بارے میں"۔

"تب پھر اس کے بارے میں خط کس نے لکھا ہے"۔

"یہ میں اندازہ نہیں لگا سکی"۔

"اوہ اچھا۔ خیر۔ اتنا بھی کافی ہے۔ ہاں محمود شروع
ہو جاؤ"۔

"خط رانگ نمبر کا ہے۔ اس نے لکھا ہے۔ پاور سٹیشن جل
جانے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑا"۔

"اچھی بات ہے۔ فاروق تم بتاؤ"۔

"جو بات محمود نے لکھی ہے۔ بالکل وہی بات میں نے لکھی
ہے"۔ اس نے فوراً کہا۔

"اور سب سے آخر میں رہ گئی فرزانہ۔ ہاں فرزانہ ہم سب
تمہارا خیال جاننے کے لیے بہت بے چین ہیں"۔

"کیوں ابا جان۔ اور انکل۔ سب سے آخر میں میں کیوں
رہ گئی۔ ابھی آپ دونوں بھی باقی ہیں"۔

"ٹھیک۔ بالکل غلط"۔ ایسے میں بیگم جمشید کی آواز سنائی دی۔
"ابا جان۔ کس غلط بات کی طرف اشارہ ہے"۔

"آپ لوگ مجھے کیوں بھول رہے ہیں۔ میں نے بھی اپنا خیال
لکھا ہے"۔

"بہت خوب! چلو پھر پہلے تم بتاؤ"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں۔ مجھے آپ لوگ بھول گئے۔ اس لیے سب سے آخر
میں بتاؤں گی"۔

"اچھی بات ہے۔ فرزانہ تم بتاؤ"۔

"میرا خیال ہے۔ خط رانگ نمبر کی طرف سے ہی ہے۔ لیکن
اس نے کوئی دھمکی نہیں دی۔ بلکہ اپنی ہار کا اعتراف کیا ہے۔ یعنی
یہ بات تسلیم کی ہے کہ ہمارے مقابلے پر آخر کار وہ شکست کھا گیا"۔

"بہت خوب! اب میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔ میرے بعد
انسپکٹر عمران مرزا اور پھر بیگم"۔ یہ کہہ کر وہ مسکرا دیے۔

"بالکل ٹھیک"۔ سب ایک ساتھ بولے۔

"میرا خیال ہے۔ رانگ نمبر نے اپنا قاصد موالا کسی کے ہاتھ
روانہ کر دیا ہے۔ اور ہمیں یہ اطلاع دی ہے کہ اب ایک نئی طاقت
اس قاصد سے کام لے کر نئے انداز سے ان کے سامنے آئے گی"۔

"نہیں نہیں"۔ وہ مارے خوف کے چلائے۔

"مجھے حیرت ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"اور آپ کو کس بات پر حیرت ہے"۔

"آپ کی بات پر۔ اس لیے کہ میں نے بھی بالکل یہی
سوچا تھا یہی الفاظ لکھے ہیں"۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنا کاغذ کھول کر
کے سامنے رکھ دیا۔

"آخر میں وہ گئیں نگہت۔ اب تم بتاؤ نگہت۔ اگرچہ ہم
تمہیں اس امتحان میں شریک نہیں کیا تھا۔ لیکن تم اپنے طور پر شریک
ہو گئیں۔ لہٰذا ہم تمہیں برابر کا شریک خیال کرتے ہوئے مطالبہ کرتے
ہیں کہ اپنا اپنا خاکہ۔ ہم سب سننے کے لیے بالکل تیار ہیں"۔

"شکریہ! نگہت۔ میں اپنا اندازہ بیان کرتی ہوں۔ خط رانگ نمبر
نے ہی لکھا ہے۔ لیکن اس نے یہ کہ اب اس نے اپنا یہ خط
کسی اور شخص کے ہاتھوں لگا دیا ہے"۔

"یہ بات تو میں نے اور انسپکٹر کامران مرزا نے لکھی ہے"۔
انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"لیکن۔ آپ نے ایک اور خاص بات نہیں لکھی"۔

"اور وہ کیا؟" سب ایک ساتھ بولے۔

اب کافی سسپنس پیدا ہو گیا تھا۔ اور یہ سسپنس پیدا کرنے
میں نگہت جمشید۔ سب کی نظریں ان پر جمی تھیں۔

"جناب سب آپ کا اندازہ سننے کے لیے بے تاب ہیں"۔
"میں نے لکھا ہے کہ میں نے اپنا یہ فارمولا انشارجہ کو فروخت
کیا ہے۔ اب انشارجہ اس انکیلو کے ذریعے تم سے بیچے گا۔ پوری
دنیا میں اس کی حکومت ہو گی"۔

☆○☆

ناک نیلا

سب نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جیسے کہہ
رہے ہوں۔

"ہاں یہ ہو سکتا ہے"۔

"اب خط کھول ہی لیا جائے۔ تاکہ سب کے اندازوں کا
حل پتا چلے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کم از کم میرے اندازے کی تصحیح تو نہیں کیجئے گی"۔ نگہت
بولیں۔

"اگر خط میں وہی بات ہوئی۔ جو تم نے بتائی ہے۔ تو
بہت خوفناک ہو گی"۔

"لیکن آپ نے بھی تو قریب قریب یہی بات لکھی ہے"۔
انہوں نے منہ بنایا۔

"ہاں! لیکن ہمارا اندازہ تھا کہ کسی مقامی آدمی کو فارمولا
دیا ہو گا اس نے۔ یا آس پاس کے کسی ملک کو"۔

"خیر۔ دیکھیے۔ کیا لکھا ہے خط میں ہے"۔ وہ مسکرائے۔

آخر کار خط کھولا گیا۔ پھر جونہی انہوں نے خط کے الفاظ
پڑھے۔ ان کے منہ سے رہ گئے۔ خط واقعی رانگ نمبر کی طرف سے تھا
اس کے الفاظ یہ تھے۔

"آخر کار آپ لوگ ایک ایسی چال چل ہی گئے۔
جس کے بارے میں میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ آپ
لوگوں نے میری ساری طاقت سلب کر لی۔ لیکن میں بھی
آپ ہی کا بیٹا ہوں۔ میں نے بھی فوراً اس کا بدلا لے
لیا۔ اب یہ فارمولا میں نے انشارجہ کے حوالے کر دیا
ہے۔ وہ اس کے تمام نقائص دور کر کے پوری دنیا پر
حکومت کرے گا۔ اس کے بلیک ہول تو پوری دنیا کے لیے
آفت بن جائیں گے۔ اور اس میں زمانہ وقت بھی نہیں
لگے گا۔ کیونکہ فارمولا تو پہلے ہی تیار ہے۔ بس اس کے
نقائص دور کرنے کی ضرورت ہے۔ پھر پاور اسٹیشن کے ایٹم
بم بننے کی صورت میں بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
بلیک ہول اندھیرے میں بھی کام کریں گے اور اس فارمولے
سے بنے بیٹا انشارجہ پوری دنیا کو اندھیرے میں بھی دیکھ سکے
گا۔ آخر طاقت ہو گی۔ رانگ نمبر"۔

دوبارہ خط پڑھا گیا۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھا گیا۔ پھر
کوئی کچھ نہ بولا۔ کمرے میں

"اب۔۔۔ اب کیا ہو گا۔۔۔ اس طرح تو پوری دنیا
قبضے میں آ جائے گی۔۔۔ وہ پہلے ہی پوری دنیا پر حکمرانی کے خواب
رہتا ہے۔۔۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بیکال۔۔۔ بیکال تو پوری دنیا
کرنے کے خواب ایک مدت سے دیکھ رہا ہے۔۔۔ یہ ایجاد اگر
بیچ چڑھ گئی تو کیا ہو گا۔۔۔ کیا ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام نہیں
جائیں گے"۔

"ہاں! ایسا ہی ہے۔۔۔ لیکن اب ہمیں پہلے تو اپنے ملک
اسٹیشن دوبارہ چالو کرنا پڑے گا۔۔۔ تاکہ زندگی معمول پر آ سکے
کے بعد ہم صحیح معنوں میں اس کیس پر کام کر سکیں گے۔۔۔ اس
میں اصل کام پروفیسر صاحب کا ہے۔۔۔ ہمارا کام ہے۔۔۔ اس
ہمارے۔۔۔ مقابلے میں کوئی ہے ہی نہیں"۔

میں اس لمحے دروازے کی گھنٹی بجی۔۔۔ فاروق فوراً بولا۔

"آ گیا کوئی مقابلے پر"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ آیا کوئی بے چارہ ملاقاتی ہے۔۔۔ اور یہ خیال
بیٹھے کہ مقابلے پر کوئی آ گیا۔۔۔ ہے کوئی تک"۔

"پتا نہیں۔۔۔ ہے یا نہیں"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"کیا پتہ ہے یا نہیں"۔ پروفیسر بے خیالی کے عالم میں بولے

"تک۔۔۔ وہ۔۔۔ تک"۔

"اچھا تک۔۔۔ لیکن بھئی۔۔۔ یہ کیا بے تکی باتیں

خدا کر دیں۔۔۔ کوئی بات تک کی بھی کر لیا کرو"۔

اس وقت گھنٹی پھر بجی۔

"بھئی اتنی تک کی بات یہ ہے کہ دروازہ کھول دیا جائے"۔

"ہاں ہاں۔۔۔ بالکل۔۔۔ چلو محمود"۔

محمود اٹھ کر دروازے پر گیا۔۔۔ عادت کے مطابق اس نے دروازہ
کھولنے سے پہلے کہا۔

"کون ہے؟"

"میں۔۔۔ میں۔۔۔ ایک مجبور۔۔۔ ضرورت مند۔۔۔ لاچار"۔

"محمود! یہ تو کوئی سوالی ہے"۔

"تو پھر کچھ روپے دے کر دروازہ بند کر دو۔۔۔ یہ بھی کس وقت
آیا۔۔۔ اس وقت کس قدر اہم باتیں ہو رہی ہیں"۔ منور علی خان نے
جھنجلا کر کہا۔

محمود نے دروازہ کھولا اور پھر الٹ کر اندر کی طرف گرا۔۔۔ اس
کے حلق سے ایک چیخ نکل گئی۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے بلا کی تیزی سے
دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔۔۔ ان کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔۔۔ باہر
کوئی بھی نہیں تھا۔۔۔ نہ دور دور تک کسی کے دوڑنے کے آثار نظر
نہ آئے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ باہر تو کوئی بھی نہیں ہے۔۔۔ کیا دروازے میں
کرنٹ تھا۔۔۔ لل۔۔۔ لیکن دروازہ تو لکڑی کا ہے۔۔۔ اس میں تو کرنٹ آ

ہی نہیں سکتا"۔ وہ بڑبڑائے۔

"یہ کرنٹ ابھی بہت بدلا ہوا ہو گئے ہیں انکل۔۔۔ لکڑی
میں بھی آ جاتے ہیں۔۔۔"۔ محسن بولا۔

"ہیں بھئی۔۔۔ کیا ہے یہ کی اڑا رہے ہو۔۔۔ لکڑی میں کرنٹ"
آفتاب نے جھنجلا کر کہا۔

"ہیں۔۔۔ ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا"۔ محسن
آواز میں منمنایا۔

اس وقت تک انسپکٹر جمشید محمود پر جھک چکے تھے۔۔۔ اچانک
کے حلق سے نکلا۔

"ارے۔۔۔ یہ کیا"

"کک۔۔۔ کیا۔۔۔ کیا؟" باورچی خانے سے بیگم جمشید کی گھبرا
ہوئی آواز سنائی دی۔

"خوف۔۔۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔۔۔ محمود بالکل ٹھیک ہے
لیکن اس کا ہاک نیلا ہو گیا ہے"۔

"ہیں۔۔۔ ہاک نیلا۔۔۔ یہ دو نون والا معاملہ بہت خطرناک ہوتا ہے
انکل"۔ فی فی ایم کی آواز سنائی دی۔

"دو نون۔۔۔ کیا مطلب"۔ وہ چونک کر اس کی طرف مڑے

"ہاک کا نون اور نیلا کا نون۔۔۔ دو نون نہیں ہو گئے کیا"۔
نے کہا۔

"ذرا چپ رہو۔۔۔ کیا یہاں سب نے بے تکی باتیں کرنے کا ٹھیکا
لے رکھا ہے"۔

"ہیں۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ کیس نظر تو نہیں آیا"۔ شوکی نے کھوئے
کھوئے انداز میں کہا۔

"ہیں نظر نہیں آیا؟" خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"جی۔۔۔ نہیں"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ ذرا دیر چپ نہیں رہ سکتے۔۔۔ دیکھتے نہیں۔۔۔ محمود
ہاک نیلا ہو گیا ہے"۔ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"خدا کا شکر ادا کریں۔۔۔ کالا نہیں ہوا"۔ آصف منمنایا۔

"ہاں۔۔۔ خدا کا شکر ہے"۔ خان رحمان فوراً بولے۔

"لیجیے انکل۔۔۔ آپ بھی کس کی باتوں میں آ گئے"۔ فرزانہ نے
بامعنی انداز میں کہا۔

"ہیں تو۔۔۔ میں کسی کی باتوں میں نہیں آیا۔۔۔ میں نے تو بس
ہاک کا شکر ادا کیا ہے"۔

"ہاں انکل۔۔۔ ہاک تو گہرا نیلا ہو گیا ہے۔۔۔ اب کیا بنے گا؟"

"دھو کر دیکھ لیں"۔ انفاق کی آواز سنائی دی۔

"ارے چل گیا ہے کیا۔۔۔ کوئی نیلی روشنائی لگی ہے اس کی ہاک
پر۔۔۔ دھو کر دیکھ لیں"۔

"سب سے پہلے تو اسے ہوش میں لانا ہو گا"۔

"یہ۔ بالکل"۔

انہوں نے اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنا شروع کیں۔ آخر کار محمود نے آنکھیں کھول دیں۔

"ہم۔ مجھے کیا ہوا؟" وہ بول اٹھا۔

"بالکل یہی سوال ہم تم سے کرنا چاہتے ہیں کہ تمہیں کیا ہوا۔ تم نے دروازہ کھولا تھا اور پھر الٹ کر گرے تھے۔ آخر کیا۔ ضرورت پیش آ گئی تھی گرنے کی"۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"مجھے کی آفتاب۔ سنجیدگی"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

آفتاب نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر بوکھلا کر کہا۔

"کک۔ کہاں ہے؟"

"کیا کہاں ہے؟"

"سنجیدگی۔ اور کیا"۔

"موت تیرے کی"۔ اور جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارنا چاہا۔ لیکن وہ تو فرش پر پڑا تھا۔ ہاتھ جو اٹھا تو آصف کے منہ پر لگا۔

"اب ناک اور منہ میں پہچان بھی ختم ہو گئی۔ کمال ہے"۔ آصف تلملا کر بولا۔

"وہ کہاں ہے"۔ فاروق بولا۔

"کون کہاں ہے؟" آصف اس کی طرف پلٹ پڑا۔ اور اس

"کک۔ اور کون"۔

"ہوش بھی۔ پہلے محمود کی بات تو سن لو"۔ پروفیسر داؤد نے جھلا کر کہا۔

"ہاں ہاں۔ محمود۔ تم اپنی بات پوری کرو۔ تم نے دروازہ کھولا تھا"۔

"ہاں کھولا تھا دروازہ۔ تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے۔ دروازہ تو کھولنے کے لیے ہی ہوتا ہے"۔

"جی نہیں۔ بند کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے"۔ فرحت نے جل کر کہا۔

"ہاں واقعی۔ فرحت تمہارا شکریہ۔ دروازہ بند کرنے کے لیے ہوتا ہے"۔

"لیکن تم نے دروازہ کھولا تھا۔ یہ بتاؤ۔ اس کے بعد کیا ہوا"۔

"ہونا کیا تھا۔ کسی نے میرے منہ پر مکا دے مارا تھا"۔

"کیا۔ کیا۔ مکا۔ منہ پر۔ لو وہ میم آ گئے"۔ ڈی ایس ایم جھنجلا کر کہا۔

"تم تم بھی عجیب ہو۔ ابھی دو خون سے ڈر رہے تھے۔ اب مکا سے ڈرنے لگے۔ اب کیا ہم بات چیت کرنا چھوڑ دیں"۔

فاروق نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہیں۔ نہیں۔ ایسا غضب نہ کرنا فاروق"۔ پروفیسر صاحب نے

"آپ کس غضب کی بات کر رہے ہیں۔ انکل"۔

"بات چیت بند کرنے کے غضب کی"۔

"لیکن اس میں غضب کی کون سی بات ہو گی پروفیسر صاحب"۔ خان رحمان نے منہ بنایا۔

"یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ جمشید سے پوچھ لو"۔

"جمشید سے پوچھ لوں۔ کیا پوچھ لوں"۔ خان رحمان نے چڑ کر کہا۔

"یہ کہ اس میں غضب کی کون سی بات ہو گئی"۔

"پہلے محمود سے تو پوچھ لیں"۔

"خیر۔ لیکن مجھے کیا معلوم کہ اس میں غضب کی کون سی بات ہو گئی"۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"ہو بھئی۔ تم سے یہ کب پوچھ رہے ہیں۔ تم سے تو صرف یہ پوچھ رہے ہیں کہ ہوا کیا تھا"۔ منور علی خان نے جھنجلا کر کہا۔

"تو یہ کہا ہوا۔ کسی نے میرے منہ پر مکا مارا تھا"۔

"لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔ میں نے فوراً دیکھا تھا"۔

"تب پھر ہوا نے مکا دے مارا ہو گا"۔ محسن نے جھلا

ہوا کے سے۔ ناک ہلا نہیں ہو جاتا"۔

"ہیں۔ ناک ہلا۔ کیا مطلب؟" محمود بوکھلا اٹھا۔

"بچہ لے تو آ بھئی۔ آج وہ بات ہو کر رہے گی"۔ آفتاب نے

"کک۔ کون سی بات؟"

"بچوں کو دکھلا تو برا مان گئے"۔

"یہ ہو گی۔ آج شاید سب نے اوٹ پٹانگ باتوں کا ٹھیکا لے لیا۔ فراز آئینہ لے آؤ"۔ محمود نے اٹھتے ہوئے کہا۔

بارونی اس کی نظر اپنی ناک پر پڑی۔ وہ زور سے اچھلا۔

"ارے باپ رے۔ اب۔ اب کیا ہو گا"۔

"کیا۔ کیا ہوا؟"

"میرا مطلب ہے۔ اب ہم باہر کس طرح جائیں گے"۔

"یہ اس وقت فاروق کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ وہ بھی الٹ کر

"ارے ارے۔ تمہیں کیا ہوا بھئی؟"

"سب محمود کو بھول کر فاروق کی طرف الٹ پڑے۔ انہوں نے اس کی ناک بھی بہت تیزی سے ہلا ہوتا جا رہا تھا۔

"ارے باپ رے۔ حملہ آور ہمارے گھر میں موجود ہے"۔

"تو کیا تم خیالی۔ بس نظر نہیں آ رہا۔ حملہ۔ تو کیا۔

تمہیں مسٹر اقبال ہیں۔ کیوں جناب۔ آپ اقبال [illegible]
ہے تو ہمیں بتا دیں۔ آپ سے ہمارا پرانا تعلق ہے"۔

جواب میں کوئی آواز سنائی نہ دی۔

انہوں نے خوف زدہ انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا

"یہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ گھر میں کون ہے۔ [illegible]
صاحب۔ کیا آپ کے پاس کوئی تھا۔ اس وقت موجود ہے۔ [illegible]
مدد سے آپ یہاں کسی کی موجودگی کا پتا چلا سکیں"۔

"اوہ نہیں۔ لیکن میں تجربہ گاہ سے لے آتا ہوں [illegible]
نیال ہے۔ میں جاؤں"۔

"آپ خان رحمان کے ساتھ جائیں"۔

میں اس وقت پروفیسر صاحب کے حد سے بھی چل [illegible]
اور انہوں نے ان کا ناک بھی نیلا ہوتے دیکھا۔ اب تو ان کی [illegible]
ہو گئی"۔

"خبردار۔ تم جو کوئی بھی ہو۔ خطرناک کھیل کھیل رہے [illegible]
کیا تم اقبال ہو"۔ انسپکٹر جمشید نے چلا کر کہا۔ ساتھ ہی ان کے [illegible]
پر مکا لگا۔

جونہی وہ گرے۔ باقی لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

مگر لڑنے کی ضرورت نہیں۔ دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جائیں
بھلی صاحب۔ پاؤڈر کا ڈبا میری طرف اچھال دیں۔ جلدی کریں"۔

"یہ۔ پاؤڈر کا ڈبا۔ اس کا کیا ہو گا"۔

"جو آپ جلدی کریں"۔

اس وقت تک وہ سب دیوار کے ساتھ لگ چکے تھے۔ باقی
[illegible] بھی اپنی اپنی کمر دیوار سے لگا چکے تھے۔ سب کے دل دھڑک
رہے تھے۔ اور ہر ایک یہ محسوس کر رہا تھا کہ اب آیا مکا اس کے
[illegible] پر اب گیا۔ ایسے میں انہوں نے بیگم جمشید کی چیخ سنی۔

"اوہ۔ اس نے اپنی جان پر بھی وار کر دیا"۔ یہ کہہ کر فرزانہ ان
کی طرف دوڑی۔ جونہی وہ باورچی خانے کے دروازے پر پہنچی۔
[illegible] کر گری۔ اور اس کا ناک نیلا ہونے لگا۔

"باپ رے۔ یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے ہم سب نیلی ناکوں والے
ہو جائیں گے"۔ فرحت کانپ گئی۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے
[illegible] سے پستول نکال لیا اور ادھر ادھر فائر کرنا شروع کر دیئے۔ چند
[illegible] کے لیے حملہ آور کی کارروائی رک گئی۔ پھر جونہی ان کے پستول
[illegible] کی گولیاں ختم ہوئیں۔ اور وہ گولیاں بھرنے لگے۔ تو آصف کی آواز
[illegible] گونجی۔ اور اس کا ناک نیلا ہو گیا۔

"خبردار۔ باز آ جاؤ۔ ورنہ ہم بہت بری طرح پیش آئیں
گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے چلا کر کہا۔

"بہت بری طرح اچھل۔ پیش آئیں گے"۔ فرحت نے حد
[illegible]

ساتھ ہی اس کی ناک پر مکا لگا۔ وہ گر گئی۔

اس وقت تک گولیاں بھری جا چکی تھیں۔ انہوں نے پھر اندھا
دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ساتھ ہی انہوں نے خان رحمان کی طرف
دیکھا اور بول اٹھے۔

"تم اپنا پستول بھر کر میری طرف اچھال دو"۔

"اچھا"۔ انہوں نے کہا اور پستول اچھال دیا۔

لیکن وہ درمیان ہی کسی نے دبوچ لیا۔

ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا نے فائر کیا۔ ادھر تک پہنچی
روپ جانے کی وجہ سے انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حملہ آور کہاں
ہے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے فرش پر خون گرتے دیکھا۔

وہ بولے۔ انہوں نے کہا اور ایک گولی اور داغ دی۔

اسی وقت پستول ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ حملہ آور نے ہوائی
فائر کیا تھا۔ اور چونکہ وہ اسے دیکھ نہیں رہے تھے۔ اس لیے کہا
پستول پر لگ گئی۔ اور وہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اس پر حملہ آور ہوتے۔ انہوں نے
خون کے قطرات کا سرا دروازے کی طرف ہوتے دیکھا۔

"بھاگ گیا۔ وہ نکلا جا رہا ہے۔ اور وہ زخمی ہے۔ خون کے
[illegible]

[illegible] ہماری رہنمائی کریں گے"۔

وہ اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔

لیکن جونہی وہ دروازے سے نکلے۔ ایک دوسری بات پیش
آئی۔

☆○☆

ٹاٹا

دو آدمی اچانک دروازے پر نمودار ہوئے تھے اور انہیں ہاتھ اور پاؤں پر لے لیا تھا۔ وہ چونکہ اندھا دھند دوڑے تھے۔ لہٰذا اس طرح گر گئے۔ ساتھ ہی وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اور پھر وہ دھک سے رہ گئے۔

ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہم۔ مسٹر راٹھور۔ اور مسٹر جیرال۔ آپ؟"

"ہاں! یہ ہم ہیں۔ مسٹر ابھلال کا زخم ابھی بھر جائے گا اور وہ یہاں ہوں گے۔ ہم نے ان سے کہا تھا کہ بلٹ پروف لباس پہن لیں۔ لیکن انہوں نے ہماری ایک نہیں سنی۔ بہرحال ہم ہی تمہارے لیے بہت کافی ہیں"۔

"آئیے آئیے۔ خوش آمدید۔ ہم تو پہلے ہی سمجھ گئے تھے کہ یہ مسٹر ابھلال کا ہی کام ہو سکتا ہے۔ ویسے آپ لوگوں سے امید نہیں تھی۔ آخر اس طرح چھپ کر وار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جب کہ آپ لوگ تو للکار کر بھی آ سکتے تھے"۔

"ہم نے اپنی آمد کا ہی تو اعلان کیا ہے"۔ راٹھور ہنسا۔

"اچھا۔ تو یہ صرف اعلان ہے۔ بہت خوب صورت اعلان ہے۔ اعلان ہو تو ایسا ہو"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن انکل راٹھور۔ یہ اچانک آمد کیسی؟" آفتاب نے حیران ہو کر کہا۔

"راٹھور کہو"۔ وہ غرایا۔

"ہم۔ معافی چاہتا ہوں مسٹر انکل راٹھور"۔ اس نے کانپ کر کہا۔

"معافی بھی مانگ رہے ہو اور پھر انکل راٹھور کہہ رہے ہو"۔ راٹھور نے اسے گھورا۔

"تم لوگوں نے کیا رانگ نمبر کا خط نہیں پڑھا"۔ جیرال جلدی سے بولا۔

"وہاں! پڑھا ہے۔ پڑھا کیوں نہیں"۔

"بہت خوب۔ تب پھر سمجھ جاؤ کہ ہم یہاں کیوں آئے ہیں۔ تمہارے سائنس دان اس فارمولے کا نقص دور کرنے کی کوشش میں ہیں اور ہم تم لوگوں کو یہاں الجھائیں گے"۔

"صرف الجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارا کام کیوں تمام نہیں کر دیتے آپ لوگ"۔ محمود نے جل کر کہا۔

"مشورہ کا حکم تو یہی تھا اور پیکال کا بھی"۔ راٹھور ہنسا۔

"کیا مطلب۔ پیکال کا بھی۔ پیکال اس حکم میں کہاں سے شامل ہو گیا؟" احمد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"دونوں ملک اس فارمولے میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور ایک ہو کر ہم کریں گے۔ گویا پوری دنیا پر دونوں ملک حکومت کریں گے"۔

"تب پھر۔ ہم لوگوں کا کام تمام نہ کرنے کا مشورہ کس نے دیا"۔

"ہم نہیں سمجھے۔ اس لیے کہ اگر تم لوگوں کو شروع میں ہی ختم کر دیا گیا تو کیا خاک مزا آئے گا"۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ آپ لوگ مزے لینے کے چکر میں ہیں"۔

"ہاں! اور جب تجربہ مکمل ہو جائے گا۔ جب ساری دنیا پر دونوں ملکوں کی حکومت ہو جائے گی۔ اس وقت۔۔۔"۔ راٹھور کہتے کہتے رک گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے مزے لے رہا ہو۔

"تو پھر کیا؟"

"تو تم سب لوگوں کو ایک بلیک ہول میں ہمیشہ کے لیے قید کر دیا جائے گا"۔

"اوہ!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"تب پھر ہم اس وقت سے پہلے ہی اس فارمولے کو تباہ کر دیں گے"۔

"ہاہا۔ ہاہا"۔ تینوں نے مل کر قہقہہ لگایا۔

"یہ پرخوف قہقہہ۔ کس خوشی میں ہے؟" آفتاب کا منہ بن گیا۔

"کیا کہا۔ پرخوف قہقہہ۔ کس خوشی میں"۔ انسپکٹر جمشید ہنس پڑے۔

"تب تم لوگ اس فارمولے کو تباہ بھی نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ ایک بلٹ اور"۔ جیرال مسکرایا۔

"ایک بلٹ اور۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ صرف ایک ہفتے بعد بلیک ہول کام کرنے لگ جائے گا۔ اب اس نظام کو بجلی کے نظام سے الگ کر دیا گیا ہے"۔

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"چلو اب ذرا تھوڑا سا مزا چکھو۔ پھر تفصیلی ملاقات ہو گی"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ اچانک حرکت میں آ گئے۔ اور حرکت میں بھی بجلی کی سی تیزی سے آئے۔ ان کے جسموں پر ان کے ہاتھ لوہے کے گرزوں کی طرح پڑے۔ جس کے ایک ہاتھ بھی لگ گیا پھر نہ اٹھ سکا۔ اب انہیں پتا چلا کہ وہ واقعی ہاتھوں پر لوہے کے خول چڑھائے ہوئے تھے۔ اور جسموں پر بلٹ پروف لباس۔ کیونکہ اس ہڑبونگ میں بھی انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ان پر فائرنگ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ لیکن ان پر ان کی گولیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ لہٰذا وہ قہقہے لگانے لگے۔

جلدی وہ سب لیٹے لیٹے نظر آئے۔

"یہ ہماری آمد کا اعلان تھا۔ ہم جا رہے ہیں۔ ایک ہفتے سے پہلے تمہارے زخم ٹھیک نہیں ہوں گے اور ایک ہفتے تک بلیک ہول پروگرام شروع ہو جائے گا۔ ہمارے سائنس والوں نے ہم سے صرف ایک ہفتے کی مہلت مانگی ہے۔ اور انسپکٹر جمشید۔ پھر تم لوگ بلیک ہول کے بعد اپنا شوق پورا کر لینا۔ بلیک ہول سے نہیں بچ سکو گے۔ یہ دھمکی ہے۔ میرا مطلب جنرل کا۔ یہ دھمکی ہے مسٹر رانا کی۔ اور یہ دھمکی ہے۔ مسٹر اقبال کا!"

"اور میں بھی یہاں پر موجود ہوں"۔ انہوں نے اقبال کی آواز نقل کی۔

"لہٰذا ہم جا رہے ہیں۔ ایک ہفتے بعد ملاقات ہو گی اور وہ آخری ہو گی"۔

اور وہ چلے گئے۔ نہ جانے کس مشکل سے وہ باہر نکل کر عمران کی گاڑی میں بیٹھے اور کتنی دقت سے انسپکٹر کامران مرزا نے گاڑی چلائی۔ یہاں تک کہ وہ ہسپتال پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ ہسپتال کا پورا عملہ ان سے واقف تھا۔ فوراً الٹ آیا۔ ان کا معائنہ کیا گیا۔ نتیجے پاک دیکھ کر انہوں نے حیرت کا اظہار کیا۔ آخر انہوں نے مشورہ کرنے کے بعد بتایا۔

"آپ کو ہسپتال میں پورا ایک ہفتہ گزارنا ہو گا"۔

"ارے باپ رے۔ کیا ہم اس سے پہلے فارغ نہیں کیے جا سکتے"۔

"ہرگز نہیں۔ ایک ہفتہ بھی دن رات محنت کر کے فارغ ہونے کے قابل ہوں گے آپ۔ یعنی ہماری پوری ٹیم آپ کی دن رات دیکھ بھال کرے گی"۔

"ہے بھئی! یہ تو کام خراب ہے"۔ انسپکٹر جمشید کراہ کر بولے۔

"کیا۔ کیا کام خراب ہے۔ آپ کی یہ حالت بنائی کن لوگوں نے"۔ ایک ڈاکٹر نے مسکرا کر کہا۔

"جنرل۔ اقبال اور رانا نے"۔

"ارے۔ کیا!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

"جی ہاں! بس۔ یہ انہیں لوگوں کا کیا دھرا ہے"۔ فاروق نے بڑا منہ بنایا۔

"اور اگر آپ نے ہمیں ایک دن کے اندر اندر چلنے پھرنے کے قابل نہ کیا۔ تو پھر وہ پوری دنیا کو اپاہج بنا دیں گے"۔

"ہیں۔ کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

اب انہوں نے ان تینوں کی دھمکی کی تفصیلات بتائیں۔ وہ سکتے میں آ گئے۔ پھر ایک ڈاکٹر نے کہا۔

"لیکن آپ کے زخم اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ آپ ایک ہفتے سے پہلے چل پھر سکیں"۔

"جب کہ ہمیں کل تک چلنے پھرنے بلکہ بھاگنے دوڑنے کے قابل ہونا ہے۔ سوچیں۔ اس پر غور کریں۔ ورنہ پوری دنیا ان کے قبضے میں ہو گی۔ اس وقت کیا ہو گا۔ ہم ان کے غلام ہو جائیں گے۔ پوری دنیا وہ لوگوں کی غلام ہو گی۔ نہ ہم اپنی مرضی کی زندگی گزار سکیں گے۔ نہ مر سکیں گے۔ وہ جب چاہیں گے ہمیں بلیک ہول میں قید کر دیں گے۔ آپ ابھی یہاں ہسپتال میں بیٹھے رہے ہیں۔ ابھی غائب۔ بتائیے۔ پھر کیا ہو گا؟"

"نہیں۔ نہیں"۔ وہ چلائے۔

"تو پھر جلدی کریں۔ کل کا سورج نکلنے سے پہلے ہمیں چلنے پھرنے کے قابل بنائیں"۔

"اف۔ یہ۔ یہ کیسے ہو گا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہمیں نہیں معلوم۔ یہ کیسے ہو گا۔ ہم تو یہ جانتے ہیں یہ ہو گا۔ ہو کر رہے گا۔ ایسا کرنا ہو گا۔ ورنہ ہم سب ڈوب جائیں گے"۔

"نہیں۔ نہیں۔ بس۔ یہ ناممکن ہے۔ آپ نہیں جانتے آپ کے زخم کس نوعیت کے ہیں۔ ذرا بھی آپ لوگ ہلیں جلیں گے۔ زخم اس حد تک خراب ہو جائیں گے کہ پھر کبھی ٹھیک نہیں ہو سکیں گے"۔

"اچھی بات ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔ اب جو ہو گا

ہمارا کھا سمجھ کر صبر کریں گے۔ اگر غلام بنانا ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"اچھا بھئی۔ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی"۔

"لیکن ابو جان! ایک بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی"۔ ایسے میں فرزانہ بول اٹھی۔

"ہاں وہ کیا؟" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"آخر سات دن ہی کیوں۔ چھ دن کیوں نہیں۔ کیا ہم چھ دن میں تو واقعی چلنے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ جب کہ اس کے بعد ایک دن بعد بالکل ٹھیک ٹھیک چلنے پھرنے کے قابل ہو جائیں گے"۔

"ہاں۔ ڈاکٹر صاحبان۔ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرزانہ نے بہت اچھا نقطہ اٹھایا ہے"۔

ڈاکٹر صاحبان چند سیکنڈ تک فرزانہ کی بات کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ وہ فرزانہ کو گھور گھور دیکھتے رہے جیسے کہ رہے ہوں۔ یہ دماغ تیرے کان سے چلا۔ یہ بات تم نے کیسے سوچ لی۔ جو کوئی اور نہ سوچ سکا۔ پھر پرنسپل ٹائٹ بولے۔

"چھ دن میں آپ لوگ چلنے پھرنے کے قابل ضرور ہوں گے۔ لیکن زخم اس حالت میں ہوں گے کہ چلنے پھرنے سے ان کے خراب ہونے کا امکان باقی ہو گا"۔

"تب پھر ساتویں دن ایسا کیوں نہیں ہو گا۔ یعنی چھٹے
سے غرق ہونے کا امکان کیسے ختم ہو جائے گا۔ مہربانی فرما کر
وضاحت کریں"۔ فرزانہ بولی۔

"وہ ایک بار پھر فرزانہ کو گھورنے لگے۔ ان کے چہرے پر
کی جھلک بھی دکھائی دی۔ آخر ایک ڈاکٹر نے کہا۔

"ساتویں دن بھی بلکہ آٹھویں دن بھی ڈھلوں کے غرق ہو
کا خطرہ ہو گا۔ لیکن چھٹے دن کی نسبت کم"۔

"دیکھئے ڈاکٹر صاحب۔ میں آپ کو ایک اور چیز دکھاتا ہوں
محمود ذرا اپنا پستول دکھانا"۔

"ہیں۔ پستول۔ یہاں پستول کی کیا ضرورت پیش آ گئی"
محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یار آ گئی پیش۔ پیش آنے کا کیا ہے۔ کسی چیز کی ضرورت
کسی وقت بھی پیش آ سکتی ہے"۔ انہوں نے بھنا کر کہا۔

"ہاں! یہ بات بھی ٹھیک ہے"۔ یہ کہہ کر محمود نے
سے اپنا پستول نکال کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

"ڈاکٹر صاحبان۔ آپ جانتے ہیں۔ یہ ایک پستول ہے۔
ہوا پستول"۔

"یہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ بھرا ہوا ہے یا نہیں۔ ہاں یہ پستول
ہے۔ یہ ہم مانتے ہیں"۔ ایک ڈاکٹر نے حیران ہو کر کہا۔ کیونکہ

کہنا چاہتے کہ وہ ایسی بات کیوں کہہ رہے ہیں۔
ہیں دکھاتا ہوں۔ کہ یہ بھرا ہوا ہے"۔ یہ کہہ کر انہوں
جیب میں دکھایا۔ وہ پورا بھرا ہوا تھا۔
نکال کر انہیں دکھایا۔ وہ پورا بھرا ہوا تھا۔
آپ کا اطمینان ہوا یا نہیں؟"
"بالکل ہو گیا۔ لیکن آپ ہمیں کیوں دکھا رہے ہیں۔ یہ بھی
بتائیں"۔
"یہی بتاتا ہوں۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے نشانے
تک جاتے ہیں"۔
"بالکل ٹھیک"۔
"تب ذرا ہاتھ اوپر اٹھائیں"۔ وہ مسکرائے۔
"کیا کہا۔ ہاتھ اوپر اٹھائیں۔ یہ کیا بات ہوئی"۔ ایک ڈاکٹر
حیران ہو کر کہا۔
"ہاں ہاں۔ آپ ذرا ہاتھ اوپر اٹھائیں۔ میں ایک مسئلہ سمجھانا
چاہتا ہوں۔ اور امید ہے کہ آپ کی سمجھ میں آ جائے گا"۔
"یہی بات ہے۔ لیکن آپ ہمیں حیران کیے دے رہے
ہیں"۔
"کوئی بات نہیں جناب۔ حیران ہونا صحت کے لیے بہت اچھا
ہے۔ بلکہ کبھی کبھی تو ضروری ہو جاتا ہے"۔
"لیکن حیرت میں مبتلا کرنے کی کوئی وجہ بھی تو ہونی چاہیے"۔

"وجہ بھی بیان کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں"۔
"یہی بات ہے۔ یہ لیجئے۔ ہم نے ہاتھ اوپر اٹھا دیے"۔
کے ہاتھ اٹھ گئے۔
"شکریہ۔ اب ہاتھ نہ گرائیے گا۔ جس نے ہاتھ گرایا
کوئی اس کے جسم کے پار ہو گی"۔
"یہ مذاق کی کونسی قسم ہے"۔ سپرنٹنڈنٹ نے بھنا کر کہا۔
"پہلے آپ یہ بتائیں۔ کچھ دیر پہلے یہاں مسٹر اقبال نامی
رانا آئے تھے یا نہیں؟"
ان کے رنگ اڑ گئے۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید فرمائے۔
"ہاں۔ جس نے ہاتھ نیچے کیا۔ میں اسے اڑا دوں گا۔
لاؤ نہیں کروں گا۔ مجھے غدار بالکل اچھے نہیں لگتے"۔
"نہیں۔ نہیں۔ نہیں"۔ وہ کانپنے لگے۔
"جلدی بتاؤ۔ بات"۔ وہ طنزیہ لہجے میں بولے۔
"جی۔ جی ہاں۔ آپ کی طرف جانے سے پہلے وہ یہاں
تھے۔ انہوں نے بتایا تھا۔ دنیا اب بلیک ہول کی ایجاد کی
انکار جو اور بیکال کے قبضے میں آ جائے گی۔ اور ایسا چند دن کے
اندر ہونے والا ہے۔ اگر ہم لوگ ان کا ساتھ دیں تو غلاموں کی
نہیں، حکمرانوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔ سو ہم نے ان کی
مان لی"۔

"وہ دن کی بات تھی کیا؟"
"جی کی بات۔ یہی تھی کہ آپ کو ایک ہفتے سے پہلے کسی
سے ہسپتال سے فارغ نہ کیا جائے"۔
"اوہ۔ تو یہ بات تھی۔ بہت خوب فرزانہ۔ تم نے بہت
سے زیادہ ذہانت کا ثبوت دیا۔ ہاں اب بتاؤ ہم کتنے دن میں ٹھیک ہو سکتے
ہیں"۔
"چھ میں کہتے ہیں"۔
"انسپکٹر کامران مرزا۔ میڈیکل ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ کو فون
کیجیے۔ ہم ان سے علاج نہیں کرائیں گے۔ اور اکرام کو بھی"۔
"یہی بات ہے"۔
انہوں نے فون کیا۔ جلدی ہی وہاں اکرام اور اس کا عملہ پہنچ
گیا۔ ساتھ ہی ڈاکٹروں کی ایک اور ٹیم پہنچ گئی۔ اس ہسپتال کے
سب کو گرفتار کر لیا گیا۔ اور پھر ملک بھر کے بڑے بڑے ڈاکٹر وہاں
پہنچ گئے۔ پورے چوبیس گھنٹے تک ان کا علاج کیا گیا۔ فضا میں پر
کھل گئیں۔ اور آخر کار چوبیس گھنٹے کے بعد وہ چلنے پھرنے کے
قابل ہو گئے۔ ڈاکٹروں کی گرفتاری اور ہسپتال سے فارغ ہونے کی
کہانی صیغہ راز میں رکھی گئی۔ کسی کو کانوں کان پتا بھی نہ چلا اور
وہ گھر پہنچ گئے۔ جب کہ بظاہر وہ سب ابھی ہسپتال میں ہی تھے۔ گھر
پر ضروری سامان ساتھ لے کر اور پروفیسر داؤد اپنی تجربہ گاہ سے

اتنی ضرورت کی چیزیں ساتھ لے کر ایک خلیہ نکالنے پر
خلیہ نکالنے کے بارے میں انسپکٹر جمشید کو یقین تھا کہ کسی
کسی کو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ لہٰذا وہاں
اپنی تیاریاں شروع کیں۔ چوں کہ گھنے وہاں صرف ہونے اور
ملے بالکل تبدیل ہو گئے۔ اس قدر کہ کوئی نزدیک سے اور
دیکھنے پر بھی انہیں نہیں پہچان سکا تھا۔ انہیں اس بات کا بھی
کہ جمال، اقبال اور راشد بھی نہیں پہچان سکیں گے، اس
تھی۔ اس بار بیک اپ میں پروفیسر داؤد کی مدد لی گئی تھی۔ اس
ایسے کیمیکلز استعمال کیے تھے کہ ملے ہوئے انداز میں تبدیلی
تھے۔ اور اصل چہروں کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"اب اس وقت کے بعد ہماری سابقہ حیثیت ختم ہو
بھی نور ہوں گے۔ فرضی نام۔ اپنا فرضی نام ہر آدمی یاد
کیونکہ سب کو سب کے فرضی نام یاد نہیں رہ سکتے تھے۔
اس تہ خانے سے نکل آئے۔ وہ اب غیر ملکی سیاح نظر آ رہے
جو سیاحت کے ساتھ ساتھ سفرنامے بھی لکھتے ہیں۔ معلومات
کرتے پھرتے ہیں۔

"میرے ذہن میں ایک خیال بار بار آ رہا ہے۔ اس
معاملے میں پروفیسر سجاد عرفانی کی تجربہ گاہ کا جام ہونے سے
تھا۔ آخر رانگ نمبر نے ان کی تجربہ گاہ کو کیوں سیل کیا تھا۔

ہم سے کیا فائدہ اٹھایا تھا۔ اور کیا اب ان کی تجربہ گاہ کے آلات
ہم کر رہے ہیں؟"

"بہت خوب! بہت اچھا سوال ہے۔ ہم اپنی تحقیق انہی سے
شروع کر لیتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے ان کی تائید کی۔

وہ ہوائی جہاز کے ذریعے انسپکٹر کامران مرزا کے شہر پہنچے۔
پروفیسر سجاد عرفانی اپنی تجربہ گاہ میں ہی تھے۔ جب ان کے کارڈ انہیں
پہنچے گئے۔ انہوں نے فوراً ہی انہیں اندر بلا لیا۔ نہایت گرم جوشی
سے ملے۔ انسپکٹر جمشید نے بات چیت کا سلسلہ شروع کیا۔

"ہم سیاح لوگ ہیں۔ سفرنامے بھی مرتب کرتے ہیں۔ کیا
آپ اس سلسلے میں ہماری کچھ مدد فرمائیں گے؟"

"فرمائیے۔ میں کیا خدمت کر سکتا ہوں"۔

"اس ملک میں جب بلیک ہولز والا معاملہ شروع ہوا تو اس سے
پہلے آپ کی تجربہ گاہ کے آلات کو جام کیا گیا تھا"۔

"جی ہاں! بالکل یہی بات ہے"۔

"شکریہ۔ کیا اب آپ کے آلات کام کر رہے ہیں؟"

"جی ہاں بالکل"۔

"آپ کیا خیال کرتے ہیں۔ دشمن نے۔ یعنی رانگ نمبر نے
آپ کے آلات جام کیے تھے؟"

"بھلا اور کون کر سکتا تھا"۔

"سوال یہ ہے کہ کیوں؟"

"میں آج تک سمجھ نہیں سکا"۔ وہ مسکرائے۔

"اچھی بات ہے۔ لیکن میں ایک وجہ بتا سکتا ہوں کہ آپ
کیونکہ میں نے اس معاملے پر بہت غور کیا ہے"۔

"اچھا۔ وہ کیا؟" ان کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ کہ۔ آپ کی تجربہ گاہ کے ذریعے۔ اس کے پروگرام
خلل ڈالا جا سکتا تھا"۔

"کیا!!!" وہ چونکے۔

"جی ہاں! اس کے بہاؤ کیا اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے
ہی فرمائیے۔ اور کیا وجہ ہو سکتی تھی"۔

پروفیسر سجاد عرفانی سوچ میں پڑ گئے۔ آخر کافی دیر
نے سر اٹھایا اور بولے۔

"سوچ سوچ کر میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کے علاوہ
بات نہیں ہو سکتی تھی"۔

"تو پھر کیا آپ ہمیں اپنی تجربہ گاہ کا معائنہ کرنے کی اجازت
دے سکتے ہیں؟"

"نہیں۔ میں غیر ملکیوں کو اپنی تجربہ گاہ کے معائنے کی اجازت
نہیں دے سکتا"۔

"خیر۔ کوئی بات نہیں۔ آپ کی مرضی"۔ وہ بولے۔

"اچھا ایک سوال اور۔ کیا آپ خود بھی سمجھتے ہیں کہ آپ اپنی
تجربہ گاہ کے ذریعے اس کے پروگرام میں خلل ڈال سکتے تھے"۔

"نہیں۔ میرا ایسا خیال نہیں تھا۔ میری تجربہ گاہ بہت مختصر
ہے۔ بہت چھوٹی"۔

"تب پھر کیا وجہ تھی کہ اس نے آپ کی تجربہ گاہ کو جام کر
دیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"میں خود ابھی تک نہیں سمجھ پایا"۔ انہوں نے کہا۔

"اگر آپ ہمیں تجربہ گاہ کے معائنے کی اجازت دے دیتے"۔

"میری تجربہ گاہ میرے ملک اور قوم کی امانت ہے۔ لہٰذا میں
غیر ملکیوں کو اس کے معائنے کی اجازت نہیں دے سکتا"۔ انہوں نے
بات کاٹ دی۔

"یہی بات ہے۔ آپ سے مل کر بہرحال ہمیں خوشی ہوئی۔
ایک آپ سے ایک سوال اور ہے۔ کیا آپ بلیک ہول کے خلاف
کوئی ایجاد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں"۔

"نہیں۔ بالکل نہیں۔ وہ تو کوئی بہت بڑا اور خوفناک سائنس
دان ہے۔ جس نے بلیک ہول جیسی ایجاد کر لی۔ میں تو اس بارے
میں سوچ بھی نہیں سکتا"۔ انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"بہت خوب! تب پھر ہم چلتے ہیں"۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
پروفیسر سجاد عرفانی انہیں رخصت کرنے دروازے تک آئے۔

بہت بہت شکریہ"۔ انسپکٹر جمشید نے ان سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

"ہم کے۔۔۔ ٹاٹا"۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

باہر نکل کر انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ پروفیسر سجاد عرفانی کچھ چھپا رہے ہیں"۔

"کی۔۔۔ کیا مطلب؟"

ان سب کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆○☆

کیا!!!

چند لمحے تک وہ ان کی طرف دیکھتے رہے۔

"نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"آپ شاید میرا مطلب غلط سمجھ گئے۔۔۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ مجھے ان پر کسی قسم کا شک ہے۔۔۔ لیکن کسی وجہ سے وہ کوئی بات چھپا رہے ہیں"۔

"ہاں! یہ بات ہو سکتی ہے"۔

"تب پھر ہمارے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ وہ کیا چھپا رہے ہیں"۔ پروفیسر داؤد نے کہا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔۔۔ انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

"لیکن کیسے۔۔۔ سوال یہ ہے۔۔۔ ہم اس وقت سیاحوں کے روپ میں ہیں۔۔۔ وہ زیادہ چھان بین سے شک میں پڑ جائیں گے"۔

"ہوں۔۔۔ یہ بات بھی ہے۔۔۔ فرزانہ تم ہی کوئی ترکیب بتا دو"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"جی ترکیب۔۔۔ لیکن یہاں صرف میں تو نہیں [illegible] علاوہ یہاں فرحت اور راحت بھی تو موجود ہیں"۔

"چلو تینوں میں سے کوئی بتا دے۔۔۔ اور جلدی۔۔۔ [illegible] بہت کر کھڑے ہوتے ہیں"۔

وہ ان کی تجویز کو سے دور ہٹ گئے۔۔۔ تینوں سوچ میں [illegible] ہوئی تھیں۔

"جی معلوم ہو گیا۔۔۔ ان تینوں کا دماغ خالی ہو چکا ہے اب [illegible] مل کر ترکیب سوچنا ہو گی"۔ آصف مسکرایا۔

"ضرور کیوں نہیں۔۔۔ تمہیں وہ کام کس نے ہے؟" فرزانہ نے [illegible] سامنے بلایا۔

وہ بھی سوچ میں ڈوب گئے۔۔۔ لیکن کافی دیر گزرنے پر بھی [illegible] ترکیب ذہن میں نہ آئی۔

"حیرت ہے۔۔۔ آج ان ترکیبوں کو ہو کیا گیا ہے؟" [illegible] بولے۔

"تم لوگ بھی کوشش کریں یا اکیلی"۔ فرحت بولی۔

"یہ بھی بات ہے"۔

اب تو سب سوچ میں پڑ گئے۔۔۔ لیکن ترکیب اب [illegible] سوجھی۔

"معلوم ہو گیا۔۔۔ ہمارے دماغ خالی ہو گئے ہیں۔۔۔ ہم کر [illegible]

[illegible] پاس نہیں رہ گئے۔۔۔ اف بابا اب کیا ہو گا"۔

"اف۔۔۔ اف۔۔۔ اف"۔ بی ایس ایم کی لڑکھڑاتی آواز سنائی [illegible]

"ہاں کہنا چاہتے ہو بھئی؟" انسپکٹر جمشید نے الجھن کے عالم میں [illegible]

"[illegible] اف کو مالابی زبان میں کہہ رہے ہیں شاید"۔ شوکی بولا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں"۔ بی ایس ایم نے فوراً کہا۔

"تو پھر۔۔۔ بتاؤ نا بھئی"۔

"میں کہنا یہ چاہتا ہوں۔۔۔ کہ اگر میں کوئی ترکیب بتاؤں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔۔۔ غصہ تو نہیں آئے گا؟"

"جناب یہ بھی کوئی اعتراض کی بات ہو گی" وہ بولے۔

"میں آپ کی بات نہیں کر رہا۔۔۔ ان محترماؤں کو ضرور اعتراض ہو گا۔ مجھ پر انہیں غصہ بھی آئے گا۔۔۔ کہیں گی کیا بولی۔۔۔ کیا بولی [illegible] چلے ہیں ترکیب بتانے۔۔۔ یا پھر کہیں گی۔۔۔ لو بی مینڈکی کو [illegible] زکام۔۔۔ بلکہ کہیں گی۔۔۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھول گیا۔۔۔ یا پھر کہیں گی۔۔۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں کی جگہ۔۔۔ یہاں بی ایس [illegible] ترکیب بتانا تمہارے بس کا روگ نہیں"۔

"اوہو۔۔۔ تم نے تو بھئی بی ایس پی ایس صاحب۔۔۔ آج محاورات [illegible] کی لگا دی۔۔۔ بار کمال ہے"۔ پروفیسر داؤد ہنس پڑے۔

[illegible]

"ہمارے بائیک۔ کمال ہے۔ یہ۔ یہ ترکیب کی ایس ایم نے بتائی ہے۔ فرزانہ۔ فرحت۔ رضیہ۔ تم کہاں ہو۔ آواز دو تم بچوں کو یاد کرتا ہوں"۔ انہوں نے گڑگڑاتے ہوئے آواز دی۔

"ہے۔ وہ۔ بس کیا بتائیں۔ ہم کہاں ہیں۔ ہماری تو خود کوئی نہیں آیا کہ ہم کہاں ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں۔ ہم وہاں ہیں۔ جہاں سے ہم کو بھی کچھ ہماری خبر نہیں آتی"۔

"یہ۔ یہ تو شاید شعر ہے۔ کسی شاعر کا"۔ منور علی خان نے کرب کے انداز میں کہا۔

"شعر ہے۔ خدا کا۔ شعر نہیں ہے۔ کسی شاعر کا۔ درد کا بوجھ کہا"۔ فاروق نے سکون کا سانس لیا۔

"لیکن۔ لیکن یہ ترکیب کیا ہوئی۔ جس پر تم سب اچھل پڑے"۔ پروفیسر داؤد نے پوچھا۔

"چل ہے پروفیسر صاحب۔ میں نہیں اچھلا تھا"۔ خان بولے۔

"تو اس لیے خان دخان۔ کہ تم اس کی ترکیب کو سمجھے نہیں۔ تو کیا باقی لوگوں کی سمجھ میں ترکیب آ گئی ہے"۔ خان

[illegible]

"تو پھر۔ تم کوئی ترکیب بتانے چلے تھے۔ تو بتاؤ نا۔ یہ کیا کہنے لگے ہو۔ یہ سب نہیں سمجھ بھی نہیں آتی۔ بڑا کام تو ہم کی باتیں۔ بلکہ تمہاری تعریف کریں گے"۔

"ہیں۔ بھئی تعریف۔ ارے باپ رے۔ ہمارے۔ ہمارے تعریف ہاں کہا"۔

"ہاں اچھا۔ لیکن۔ نہیں۔ تم بتاؤ۔ ضرور بتاؤ"۔ پروفیسر بولے۔

"ہاں ہاں۔ بتاؤ۔ ہم وعدہ کرتے ہیں۔ کچھ نہیں کہیں گے"۔

"اچھی بات ہے۔ کمال آمران مرزا آپ بیان کریں"۔

"ایک منٹ۔ پہلے اپنے اخلاق پر غور کر لو۔ کیا کہا تم نے کمال آمران مرزا"۔ آفتاب نے آنکھیں نکالیں۔

"ارے ارے باپ رے۔ یہ میرے منہ سے کیا نکل گیا"۔

"ہاں وہ میں نے بتایا ہے"۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تو میں کہہ رہا تھا کمال کامران مرزا۔ آپ اپنے لیے اپنا میک اپ کر لیں"۔

"کیا کہا۔ میں اپنے لیے اپنا میک اپ کر لوں۔ یہ کیا بات ہوئی"۔ انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے نکلا۔ لیکن پھر فوراً بات

"ہاں۔ کیا بات ہے۔ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا بھلا"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ہاں۔ ایسا اس لیے نہیں ہو سکتا کہ میں نے سنا تھا۔ آپ کو شدید زخمی حالت میں ہسپتال میں داخل کیا گیا ہے"۔

"آپ کو کس طرح پتا چلا؟"

"ہیں سمجھ لیں۔ پتا چل گیا کسی طرح"۔ وہ مسکرائے۔

"آپ کو میرا آنا عجیب سا لگا ہے شاید"۔

"صرف اسی لیے کہ میں نے آپ کے ہسپتال میں داخل ہونے کی خبر سنی تھی"۔

"وہ خبر غلط تھی۔ اچھا ہاں۔ آپ سنائیں۔ اب آپ کی تجربہ گاہ کا کیا حال ہے۔ دراصل میں اسی سلسلے میں آیا ہوں"۔

"لیکن آئے کیسے۔ باہر تو کوئی گاڑی نہیں ہے"۔

انسپکٹر کامران مرزا چکرا کر رہ گئے۔ کہ وہ اس سوال کا کیا جواب دیں' پھر فوراً سنبھل گئے اور بولے۔

"وہ۔ دراصل۔ ایک دوست کی گاڑی پر آیا ہوں"۔

"وہ اچھا۔ آیئے۔ سنایئے۔ رانگ نمبر والے معاملے کا کیا بنا"۔

"رانگ نمبر نے اپنا فارمولا آگے انشارجہ اور بیگال کو بیچ دیا ہے۔ اب وہ اس پر کام کر رہے ہیں۔ اور ایک ہفتہ تک اس کے

ذریعے نیک ہوں بنانے اور ان سے کام لینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر ساری زندگی کے لیے دنیا پر ان کی حکومت ہو گی اور ہم غلامی کی زندگی بسر کریں گے۔ لف مالک۔"

"کاش میں کوئی بہت بڑا سائنس دان ہوتا۔ اور ان سے لڑ سکتا۔" انہوں نے حسرت زدہ انداز میں کہا۔

"اچھا یہ بتائیں۔ آپ کی تجربہ گاہ کے آلات کا اب کیا حال ہے؟"

"وہ اب ٹھیک ہے۔ رائفل نمبر کی بازیابی کے بعد ہی کام شروع کرنے لگے تھے۔"

"چلیے یہ اچھا ہوا۔ خوش ہوئی یہ سن کر۔ لیکن میں کیا کروں ہوں۔ آخر اسے آپ کی تجربہ گاہ منتقل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"اس پر حیرت آج تک مجھے بھی ہے۔"

"ہاں تجربے میں ان آلات کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں۔ کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"اعتراض کی کیا بات ہے۔ اس میں۔" اور وہ رک گئے۔ "آپ ایکٹو کیوں ہیں؟"

"بچے اس وقت دوسری طرف موجود ہیں۔" انہوں نے آہستہ سے انداز میں کہا۔

"اوہ اچھا۔ آئیے۔ آج ایک اور عجیب بات ہوئی ہے۔" انہوں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"وہ کیا؟"

"کچھ دیر پہلے کچھ سیاح لوگ تجربہ گاہ دیکھنے کے لیے آئے۔ میں نے انہیں دکھائی نہیں۔ اس لیے کہ وہ غیر ملکی تھے۔ اور میں غیر ملکیوں کو اپنی تجربہ گاہ کبھی نہیں دکھاتا۔"

"پھر آپ اچھا کرتے ہیں۔"

"انہیں لے اندر آئے۔ تجربہ گاہ جوں کی توں موجود تھی۔ کیا کہ آپ کام کر رہے تھے۔"

"آج کل آپ کسی خاص تجربے پر تو کام نہیں کر رہے؟"

"نہیں۔ جب سے یہ رائفل نمبر والا واقعہ پیش آیا ہے۔ کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ اب پھر اس کا دھڑکا لگا ہے۔"

"آپ کے خیال میں رائفل نمبر کے فارمولے کا مقابلہ ہم کس طرح کر سکتے ہیں۔ اگر ہم کر سکتے ہیں یا نہیں؟"

"مجھے تو یہ سب قریب قریب ناممکن لگتا ہے۔"

"کافی دیر تک تجربہ گاہ میں گھومتے پھرتے رہے۔ اچانک انہوں نے پوچھا۔

"آپ کا کوئی اسسٹنٹ نظر نہیں آ رہا۔"

"فارغ کر دیا ہے۔ کوئی ضرورت نہیں۔" انہوں نے مایوسانہ انداز میں

کہا۔

"اچھا۔ میرا خیال ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"لیکن۔ آپ جائیں گے کیسے؟"

"یہاں سے کچھ فاصلے پر دوست کی گاڑی مجھے مل جائے گی۔ آپ فکر نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے۔ جیسے آپ کی مرضی۔ لیکن نہ آپ نے کھانا نہ پیا۔ نہ بیٹھ کر بات چیت کی۔"

"میں صرف آپ کی تجربہ گاہ کی خیریت معلوم کرنے آیا تھا۔" اور وہ باہر نکل آئے۔

پرانے دوستوں کے درمیان پہنچے تو ان کی نظریں ان پر جم گئیں۔

"نہیں۔ پروفیسر جلد عرفانی کچھ نہیں چھپا رہا تھا۔ میں غیر ملکیوں کو اپنی تجربہ گاہ دکھانے سے گھبراتا ہے۔" انہوں نے کہا۔

"اچھا۔ اس کا مطلب ہے۔ میرا اندازہ غلط تھا۔" انہوں نے جھینپ کر کہا۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"خیر کوئی بات نہیں۔ اب آپ اپنا میک اپ اتار دیں۔ واپس سیاح کے بھیس میں آ جائیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہمارے پاس وقت کم ہے اور تفتیش کی گاڑی ہے کہ اٹک اٹک جا رہی ہے۔ آخر اب ہم کیا کریں۔"

"یہ بات واقعی سوچنے کی ہے۔ ہم کہیں نہ کسی ہوٹل جا کر ایک کمرے لے کر وہاں ٹھہریں اور یہ طے کریں کہ اب کیا کرنا ہے۔"

"ایک دو میلے دور ہٹ کے ہوٹل میں آ گئے۔ میں انہوں نے دو کمرے لے لیے۔ اب وہاں دماغ لڑانے لگے۔

"ہم اب تک رائفل نمبر کا سراغ نہیں لگا سکے۔ اگر کم از کم اس نمبر کا سراغ لگا لیتے تو شاید بہت کچھ کر سکتے تھے۔"

"اب پھر لے دے کر یہ کر سکتے ہیں کہ اخبار چھپتے ہیں۔ اور ان میں جاسوس دانوں سے ٹکرا جاتے ہیں۔ جو اب فارمولے پر کام کر رہے ہیں۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"واہ۔ بہت خوب۔ یہ ہوئی نا بات۔" پروفیسر داؤد اچھل پڑے۔

"یہاں تو خیر ہمیں جانا ہی ہو گا۔ لیکن میں چاہتا تھا۔ کہ پہلے رائفل نمبر کا سراغ لگا لیں۔" انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"میں بھی یہی چاہتا تھا۔"

"بہت خوب۔ تو پھر جلد از جلد سراغ لگا لیا جائے۔ کیونکہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔" خان رحمان بولے۔

"اس بارے میں میرا مکمل ترین شک پروفیسر سیلانی کی طرف جاتا

ہے کہ وہ ایسا غائب ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ
لیکن ہم اس کی حویلی کی۔ اس کے سامان کی تلاشی تو لے سکتے
ہو سکتا ہے اس کی کسی چیز سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس نے
گھر بنائی ہوئی ہے۔ اور یہ کہ وہ تجربہ گاہ کہاں ہے۔" انسپکٹر
مرزا نے جلدی جلدی کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ ہم یہ کام پہلے کریں گے۔ لیکن"
جملے کہتے کہتے رک گئے۔

"اب یہ لیکن کہاں سے ٹپک پڑا"۔ محمود بولا۔

"پروفیسر ہمایوں کے ساتھ ہم ایک اور شخص کو بھی روک
چاہتے ہیں۔ کیونکہ میرا مکمل شک اس کی طرف جاتا ہے"۔ انسپکٹر
جمشید مسکرائے۔

"ارے باپ رے۔ یہ تو شک کا شک سے مقابلہ ہو گیا"۔
"خیر یہ بات نہیں۔ دیکھا جائے گا۔ کس کا شک درست
ہوتا ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ہو سکے مجھے بھی یہ مقابلہ منظور ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے
کہا۔

"بھئی تم تو آپس میں لڑنے لگے۔ وہ دوسرا کون ہے جس کو
کرنا ضروری ہے"۔

"ڈاکٹر نسیم کمبلا!!" انہوں نے ایک دم کہا۔

"ہاں!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔
ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

☆○☆

خط کے الفاظ

چند لمحے تک وہ سب ایسے گم صم بیٹھے رہے۔ آخر
کی آواز خالی دی۔

"یہ آپ نے کیا کہا انکل۔ آپ شاید بھول رہے ہیں"۔
"میں کیا بھول رہا ہوں۔ یہ ابھی تو بتایا تھا"۔ وہ حیران ہو
"ڈاکٹر نسیم کمبلا کا ہاتھ پروفیسر ہمایوں کی تجربہ گاہ کو
دینے میں تھا۔ یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے۔ ہم نے اسے گرفتار
تھا۔ گرفتار کرنے کے بعد اسے پولیس اسٹیشن لے گئے تھے۔
لمبی چوڑی باتیں ہوئی تھیں۔ وہاں سے ہاتھ بھی اس کے ہاتھ
ہو گیا تھا۔ یہ بات ثابت ہو گئی تھی کہ ڈاکٹر نسیم کمبلا نے ہی پروفیسر
صاحب کی تجربہ گاہ کو سیل کیا تھا۔ اور پھر وہ دونوں غائب میں
غائب ہو گئے تھے۔ اگر ڈاکٹر نسیم کمبلا خود رانگ نمبر ہے تو اس
لیے ایسا کرنا کیا مشکل تھا۔ اور اگر وہ رانگ نمبر نہیں ہے تو پھر
نمبر کا ساتھی تو لازمی ہے۔ اور رانگ نمبر نے اسے بچانے کے لیے
وہاں سے بلیک میل سے اچک لیا تھا۔ ان باتوں میں تو آپ کی

کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن وہ اسی وقت سے غائب ہیں"۔
"ہر بات اس سے کیا ہوتا ہے۔ اب جب کہ بلیک میل کی
بات ختم ہو گئی ہے تو کیا وہ وہاں نہیں لوٹ آئے ہوں گے"۔
"وہاں بلیک میل سے اس دنیا میں ضرور لوٹ آئے ہوں
گے لیکن اپنی رہائش پر تو نہیں آ گئے ہوں گے۔ وہ کہیں وہیں ہوں
گے جہاں رانگ نمبر ہے"۔

"بہت خوب۔ یہ ایسا ہے بالکل درست ہے۔ ہم اس کی
رہائش کو تو چیک کر ہی سکتے ہیں۔ شاید وہاں سے رانگ نمبر کا کوئی
سراغ مل جائے"۔

"ٹھیک ہے۔ وہ بہت اہم جگہ ہے اس لحاظ سے ہمیں فوراً
اس طرف کا رخ کرنا چاہیے"۔

وہ اسی وقت ہوائی سفر کے ذریعے ڈاکٹر نسیم کمبلا کے گھر پہنچے۔
اس کی رہائش سنسان پڑی تھی۔ اب نہ دروازے پر وہ چوکیدار تھا۔
نہ کوئی اور۔ یوں لگتا تھا کہ ایک زمانے سے وہاں کوئی آیا نہ ہو۔
دروازے پر پولیس کا لگایا ہوا تالا تھا۔ جسے سیل کر دیا گیا تھا۔

انہوں نے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ وہ سیدھے اس
کمرے میں گئے۔ جس میں نسیم کمبلا نے ان سے ملاقات کی تھی۔

"مجھے ایک عجیب سا خیال آ رہا ہے انکل"۔ آصف کی آواز
ابھری۔

"ہاں ہاں۔۔۔ کہاں تک پہنچے؟"

"ہاں ہاں۔۔۔ بڑے تیزی سے کام کر رہے ہیں۔۔۔ آپ سے صرف
یہی کہنا تھا کہ شاہ جہستان کی حکومت نے ہے ہاتھ کا مطالبہ کیا
ہے کہ نہیں۔"

"ابھی تک نہیں کیا۔۔۔ اس پر مجھے بھی حیرت ہے۔"

"بہت خوب! اگر وہ کوئی مطالبہ کریں تو فوراً ہمیں۔۔۔ اسے رانگ
نمبر بلیک ہول میں بند کر دیا تھا۔۔۔ اس کے بعد سے اب تک اس
کی آواز کم ہماری طرف نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہے۔" صدر بولے۔

اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔۔۔ ڈاکٹر نیم کتابی کی رہائش بھی
سیدھی سادی تھی۔۔۔ دور دور تک کوئی دوسری کوٹھی نظر نہیں آ رہی
تھی۔۔۔ انہوں نے اس کی تلاشی شروع کی۔۔۔ چھان پھٹک شروع کی۔۔۔
کتابوں وغیرہ۔۔۔ خوب دیکھی گئیں۔۔۔ رہائشی حصے کے پچھلے طرف
ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ تھی۔۔۔ اس کو دیکھ کر وہ چونک اٹھے۔۔۔
یہ تجربہ گاہ حیرت زدہ رہ گئے۔۔۔ آخر انہوں نے کہا۔

"بالکل ہے۔۔۔ یہ تجربہ گاہ اگرچہ چھوٹی سی ہے۔۔۔ لیکن اس کے
ساتھ کام کریں گے تو جیسے دنیا کا بہترین سائنس دان یہاں رہتا تھا
ہے۔۔۔ یہ تجربہ گاہ بلیک ہول ایجاد کرنے کے لئے بالکل چوکور نہیں
ہے۔"

"لیکن ابھی۔۔۔ اس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ ڈاکٹر نیم
کتابی ایک سائنس دان تھا۔۔۔ لہٰذا وہ رانگ نمبر ہو سکتا ہے۔"

"ضرور ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم
ہاتھ روکے کر بیٹھ جائیں۔۔۔ کہ مطلب نیم کتابی نے تو خود کو بند
بند کر لیا ہے۔۔۔ اب ہم کس طرح اسے کرید کر نکالیں گے۔۔۔ ہمارے
منصوبے کو ناکام بنا سکتے ہیں۔"

"ہاں ہاں! یہ تجربہ گاہ۔۔۔ بہت بہت ہے۔۔۔ بڑے بڑے
ہے۔۔۔ اور حیرت اس بات پر ہے کہ آخر یہ بہت قیمتی آلات اور
کتابیں کہاں سے حاصل کیے؟"

"شاہ جہستان سے۔۔۔ یہ تو ثابت شدہ بات ہے کہ اس کا خود
ہے ہاتھ سے تھا۔۔۔ اور ہے ہاتھ بھی اس کے ساتھ غائب ہوا تھا
اور وہ سفیر تھا شاہ جہستان کا۔۔۔ لہٰذا یا تو یہ سامان شاہ جہستان نے دیا
ہے۔۔۔ یا کسی سے منگوا کر ڈاکٹر نیم کتابی کو دیا ہو گا۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔۔۔ تجربہ۔۔۔ پروفیسر صاحب۔۔۔ اب یہ
تجربہ گاہ ہے اور کیا تجربہ نکالتے ہیں؟"

"یہ کہ نیم کتابی کسی حیرت انگیز ایجاد کے چکر میں تھا اور
چکر میں بلیک ہول ایجاد ہو گیا۔۔۔ بس اس نے دنیائے حکومت کے
خواب دیکھ لیا۔ لیکن ہماری وجہ سے اس کا یہ پروگرام خاک میں مل
گیا۔۔۔ بجلی کے بغیر اس کا یہ پروگرام جاری نہیں رہ سکتا تھا۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ کہاں تک پہنچے؟"

"ہاں ہاں۔۔۔ بڑے تیزی سے کام کر رہے ہیں۔۔۔ آپ سے صرف
یہی کہنا تھا کہ شاہ جہستان کی حکومت نے ہے ہاتھ کا مطالبہ کیا
ہے کہ نہیں۔"

"ابھی تک نہیں کیا۔۔۔ اس پر مجھے بھی حیرت ہے۔"

"بہت خوب! اگر وہ کوئی مطالبہ کریں تو فوراً ہمیں۔۔۔ اسے رانگ
نمبر بلیک ہول میں بند کر دیا تھا۔۔۔ اس کے بعد سے اب تک اس
کی آواز کم ہماری طرف نہیں ہوئی۔"

"ٹھیک ہے۔" صدر بولے۔

اور انہوں نے ریسیور رکھ دیا۔۔۔ ڈاکٹر نیم کتابی کی رہائش بھی
سیدھی سادی تھی۔۔۔ دور دور تک کوئی دوسری کوٹھی نظر نہیں آ رہی
تھی۔۔۔ انہوں نے اس کی تلاشی شروع کی۔۔۔ چھان پھٹک شروع کی۔۔۔
کتابوں وغیرہ۔۔۔ خوب دیکھی گئیں۔۔۔ رہائشی حصے کے پچھلے طرف
ایک چھوٹی سی تجربہ گاہ تھی۔۔۔ اس کو دیکھ کر وہ چونک اٹھے۔۔۔
یہ تجربہ گاہ حیرت زدہ رہ گئے۔۔۔ آخر انہوں نے کہا۔

"بالکل ہے۔۔۔ یہ تجربہ گاہ اگرچہ چھوٹی سی ہے۔۔۔ لیکن اس کے
ساتھ کام کریں گے تو جیسے دنیا کا بہترین سائنس دان یہاں رہتا تھا
ہے۔۔۔ یہ تجربہ گاہ بلیک ہول ایجاد کرنے کے لئے بالکل چوکور نہیں
ہے۔"

"ہاں ہاں! یہ تجربہ گاہ۔۔۔ بہت بہت ہے۔۔۔ بڑے بڑے
ہے۔۔۔ اور حیرت اس بات پر ہے کہ آخر یہ بہت قیمتی آلات اور
کتابیں کہاں سے حاصل کیے؟"

"شاہ جہستان سے۔۔۔ یہ تو ثابت شدہ بات ہے کہ اس کا خود
ہے ہاتھ سے تھا۔۔۔ اور ہے ہاتھ بھی اس کے ساتھ غائب ہوا تھا
اور وہ سفیر تھا شاہ جہستان کا۔۔۔ لہٰذا یا تو یہ سامان شاہ جہستان نے دیا
ہے۔۔۔ یا کسی سے منگوا کر ڈاکٹر نیم کتابی کو دیا ہو گا۔"

"ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔۔۔ تجربہ۔۔۔ پروفیسر صاحب۔۔۔ اب یہ
تجربہ گاہ ہے اور کیا تجربہ نکالتے ہیں؟"

"یہ کہ نیم کتابی کسی حیرت انگیز ایجاد کے چکر میں تھا اور
چکر میں بلیک ہول ایجاد ہو گیا۔۔۔ بس اس نے دنیائے حکومت کے
خواب دیکھ لیا۔ لیکن ہماری وجہ سے اس کا یہ پروگرام خاک میں مل
گیا۔۔۔ بجلی کے بغیر اس کا یہ پروگرام جاری نہیں رہ سکتا تھا۔"

"ہاں۔۔۔ کسی کو کسی خط میں کوئی خاص بات نظر آئی؟"

"نہیں۔۔۔ سب خط فضول قسم کے ہیں۔"

"لیکن میرے خیال میں ان میں سے ایک خط ایسا ضرور ہے"۔ پائپ کا ہمران مرزا مسکرائے۔

"کون سا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"یہ تمام خطوط اشاراتی زبان میں ہیں۔ دیوانوں کی طرح لکھی گئی ہیں۔ مطلب کہ وہ غیر الفاظ میں ہیں۔ مثلاً میں نے یہ ایک خط لکھا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

پیارے دوست فلاں فلاں

آپ کا خط ملا۔ آپ کی ہر بات میرے لیے قابل قبول ہے۔ ہم مل کر یہ کام ضرور کر گزریں گے۔ اور اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ ایک دن آئے گا۔ دنیا ہمارا لوہا مانے گی۔ بس ذرا احتیاط کی ضرورت ہے۔ اور مکمل رازداری کی بھی۔ آپ کا دوست

ڈاکٹر ایس کے

اس خط کا کوئی جواب ایس فائل میں نہیں ملا۔ نہ وہ خط اس فائل میں ملا جس کا یہ جواب ہے۔ اب یہ پروفیسر ایس کے کون ہے۔ یہ ہمیں کون بتائے گا۔ بہرحال اس سے یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ یہ شخص اپنے ایک دوست کے ساتھ مل کر کسی منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ اور ظاہر ہے۔ وہ منصوبہ کوئی انوکھی ہو گی۔ لیکن ان سے رابطہ ہو سکے گا۔ ایک سوال۔ مگر ان کے سوچے ہوئے منصوبے سے کیسے

ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے پوری دنیا پر چھانے کا خواب دیکھا ہو گا۔ ہم تسیم کتابا کو کہاں سے لائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دوست ہی ہو۔ لیکن میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ دوست ضرور کوئی غیر ملکی ہو گا۔ ہٹتے خط تسیم کتابا کو ملے۔ ان سب خطوط میں کسی نے بھی اپنا اصل نام نہیں لکھا۔ سب کے سب دوستوں نے اپنے اپنے نام لکھے ہیں۔ آخر کیوں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی"۔

"ہوا ارے!! ہائیں!!!"۔ ایسے میں فرزانہ زور سے اچھلی۔ سب کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی۔

"کیا ہوا؟" سب اس کی طرف مڑے۔

"ہم سب کی عقلیں گھاس چرنے چلی گئی ہیں"۔ فرزانہ نے کوسنے کوسنے انداز میں کہا۔

"بہت خوب! مبارک ہو"۔ فاروق خوش ہو گیا"۔

"کیا کہنا چاہتی ہو فرزانہ؟"

"ہمارے پاس رنگ نمبر کا ایک عدد خط موجود ہے۔ ہم نے اس خط کی تحریر کو تسیم کتابا کو ملنے والے خطوط کی تحریر سے ملا کر نہیں دیکھا۔ جب کہ کرنے والا کام اصل میں یہ تھا"۔

"لیکن اس سے بھی کیا ہو گا۔ یہاں کون سا ان دوستوں کے نام ہم اور پتے درج ہیں"۔

"ابھی۔ اس تحریر سے ملتا جلتا کوئی خط اگر مل جاتا ہے تو شاید

کوئی کام کی بات ہمارے ہاتھ لگ جائے"۔

"بات معقول ہے"۔ پروفیسر بولے۔

"اچھی بات ہے"۔ یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے وہ خط کھولا جس میں رانگ نمبر نے لکھا کہ وہ فارمولا انتشار چھ اور چھ کے ہاتھوں فروخت کر دیا ہے۔

اس خط کی تحریر کو باقی خطوط سے ملا کر دیکھا جانے لگا۔ اس میں ہم میں انیس بیس ہو گی۔ اور آخر کار وہ ایسے نو عدد خطوط الگ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جن کی تحریر اس خط سے ملتی جلتی تھی۔ ان خطوط میں غیر الفاظ ہی تھے۔ اصل نام نہیں تھے۔ پتے نہیں تھے۔ شاید یہ خط وقتی لکھے جاتے رہے تھے۔ ان میں وہی باتیں تھیں۔ بس ہم بہت جلد کامیاب ہونے والے ہیں۔ اب ہم ضرور دنیا پر حکومت کریں گے۔ ایک دن آئے گا جب دنیا ہماری غلام ہو گی۔

"اس کا مطلب ہے۔ یہ دونوں ایک مدت سے دنیا کو اپنا غلام بنانے کے چکر میں تھے۔ اور اب یہ کہاں ہیں۔ اگر ہمیں مل جائیں تو پہلے ہم انہیں کوئی مار دیں اور پھر ان کی لاشوں سے پوچھیں۔ دنیا کو غلام بنانے کا خواب کیسا رہا"۔ پروفیسر داؤد نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"لیکن ہم وہیں کے وہیں ہیں۔ ہم اب تک رانگ نمبر کا کوئی سراغ نہیں لگا سکے"۔

"ہمارے پاس ہماری زندگیوں کا بدنام ترین کیس ہے۔ اس میں ہم ابھی تک کچھ نہیں کر سکے۔ اگر اتفاق سے وہ بجلی پاور چھ کرنے والوں تک پہنچ جاتا تو اس وقت ہم انکے غلام ہوتے۔ لیکن اس کیس سے تو ہم اب بھی نہیں بچ سکیں گے۔ افسوس"۔ خان رحمان نے افسردہ لہجے میں بولے۔

"گھبرانے، پریشان ہونے اور بچ سی کی باتیں کرنے سے کبھی کچھ نہیں ملا کرتا۔ ہمیں عقلوں پر زور دینا ہو گا۔ ہمارے پاس ایک عدد خط موجود ہے۔ اور ہم نے اب تک اکرام سے اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں لی"۔

"جی انکل اکرام۔ بھلا۔ وہ کیا کریں گے۔ یہ کسی عادی مجرم کا خط تو ہے نہیں۔ کہ وہ ریکارڈ سے نکال کر بتا دیں گے"۔

"میرا ذہن کہتا ہے۔ یہ شخص۔ یعنی رانگ نمبر ضرور بچپن سے جرائم کی گود میں پلتا رہا ہے۔ دنیا کو غلام بنانے کا خواب اچانک نہیں آ سکتا"۔

"آپ۔ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"رانگ نمبر کا تعلق ولد الحکومت سے ہے۔ اگر اس کا بچپن۔ جرائم کی گود میں پلا ہے تو بڑا ہونے تک ضرور یہ کسی بار گرفتار ہوا ہو گا۔ اور اکرام اس سلسلے میں بہت مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح پہلی بجانے میں کامل کر دیتا ہے۔ جو ہمارے لیے بہت

مشکل ثابت ہوتے ہیں۔"

"چلئے خیر۔ یہ بھی کر لیتے ہیں۔ اب ہمیں دارالحکومت میں کیا خوف ہو سکتا ہے۔ وہاں اب ہمیں کوئی نہیں پہچانے گا۔"

"بالکل ٹھیک۔"

وہ غلط لے' یہ لوگ دارالحکومت پہنچے۔ اور اکرام کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اکرام یہ کام ملنے پر بہت خوش ہوا اور بولا۔

"آپ مجھے کتنا وقت دیتے ہیں۔"

"میں اصل بکی چیز ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہمارے لئے یہ چھپنے گھٹنے کا دن ہونا چاہیے تھا۔ پھر ہم اس میں سے آپ کو زیادہ گھنٹے دے سکتے تھے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

اکرام مسکرایا اور چلا گیا۔ ٹھیک دو گھنٹے بعد اس کی آواز ان کو سنائی دی۔

"میں نے میدان مار لیا ہے۔ وہ واقعی سزا یافتہ ہے۔"

"فائل لے آؤ۔"

اس وقت وہ ایک خیمہ لگانے پر تھے۔ اکرام سے ملاقات بھی انہوں نے خیمہ لگانے میں ہی کی تھی۔ جلد ہی وہ فائل لئے وہاں آ گیا۔ اس نے مجرم کی فائل ان کے سامنے کھول کر رکھ دی۔

"اس کا نام ہے رانا بادل۔ نواب غازی کا بیٹا ہے۔ سائنس کا طالب علم زندگی میں پہلی بار اس نے جو جرم کیا' وہ یہ تھا کہ اپنے

[illegible] یونیورسٹی سے سائنسی آلات چرا لیے تھے۔ اس وقت اسے [illegible] کیا گیا اور آلات واپس لے لیے گئے۔ کالج میں بھی اس [illegible] اس بار اسے جیسے ماں کی سزا ہوئی۔ باپ فوت ہو چکا [illegible] شراب اور جوئے میں اڑا چکا تھا۔ لہٰذا اس کی [illegible] دولت کوئی نہیں تھا۔ یہ ادھر ادھر کام کرنے لگا اور [illegible] تعلیم حاصل کرتا رہا۔ یونیورسٹی سے پھر اس نے آلات [illegible] اور پھر نہیں پکڑا گیا۔ اس کے بعد سے یہ بالکل غائب ہے۔ [illegible] اس کی تحریر بالکل اس تحریر سے ملتی ہے۔ جو خط آپ کو ملا [illegible]

"ہوں! نواب غازی کہاں رہتا تھا؟"

"اس کا پتا فائل میں ہی موجود ہے سر۔ وہ واقعی ایک نواب [illegible] نواب خاندان سے تھا۔ اور اس کا خاندان کسی زمانے میں [illegible] کیا کرتا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے۔ حکومت کرنے کے جراثیم اسے وراثت [illegible] لے تھے۔ اکرام کیا تم ہمیں نواب غازی کی رہائش گاہ تک لے جا [illegible]"

"کیا فائدہ سر۔ اس نے تو وہ حویلی اپنی زندگی میں فروخت کر [illegible] تھی۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم اس حویلی کو ضرور دیکھیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ آدھ گھنٹے بعد وہ اس [illegible] قدیم حویلی کے قصے لگا دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ اکرام [illegible] اب ان کے ساتھ جیپ میں تھا۔

☆○☆

کہ لیں اتفاق

انہیں گھنٹی کی آواز سنائی نہیں دی تھی۔ انہوں نے فرزانہ کی [illegible] کیا تو وہ مسکرائی۔

"ہاں! بہت دور کہیں گھنٹی بجی تو ہے۔ وہاں سے یہاں تک [illegible] میں کچھ وقت لگے گا۔"

"کوئی بات نہیں! ہم یوں بھی انتظار کرنے کے عادی ہوتے جا [illegible]" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور آخر بھاری دروازہ تیز چرچراہٹ کی آواز سے کھلا' انہیں [illegible] جیسے صدیوں بعد کھلا ہو۔ اب جو ان کی نظریں اس شخص پر [illegible] جس نے دروازہ کھولا تھا تو اچھل پڑے۔ وہ چولی تھا۔ سیاہ [illegible] پروفیسر سیالانی کا ملازم۔ جس سے ان کی ملاقات ہو چکی [illegible]

"ہیں۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں؟" محمود نے کھوئے کھوئے انداز [illegible]

"کیا دیکھ رہے ہیں؟"

اور اچانک محمود کو یاد آیا کہ وہ اس وقت سیاحوں کے
ہیں"۔

"ایسا لگتا ہے۔۔۔ جیسے آپ کو ہم نے کہیں دیکھا ہے۔
افریقی ہیں"۔ اس نے جلدی سے بات بنائی۔

"نہیں۔۔۔ لیکن میرا دادا افریقی تھے۔۔۔ میں یہیں پیدا ہوا ہوں"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ ہم اس حویلی کے مالک نواب غازی صاحب
چاہتے ہیں"۔

"نواب غازی۔۔۔ کس زمانے کی بات کر رہے ہیں۔۔۔ وہ
یہاں اس نام کے ایک صاحب رہتے تھے۔۔۔ پھر وہ حویلی فروخت
چلے گئے"۔

"اوہو اچھا۔۔۔ تب پھر موجودہ مالک کا کیا نام ہے؟"

"پروفیسر سیالانی"۔

ان کے منہ سے زوردار انداز میں کیا!!! نکلتے نکلتے رہ گیا۔
مشکل سے انہوں نے اپنی حیرت چھپائی اور انسپکٹر کامران مرزا سے
سے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم ان سے ہی ملاقات کر لیتے ہیں۔۔۔ شاید
غازی کے بارے میں وہ کچھ بتا سکیں"۔

"نہیں جناب۔۔۔ وہ کچھ نہیں بتا سکیں گے۔۔۔ پہلے بھی کئی
آتے رہے ہیں ان کے بارے میں پوچھنے کے لیے۔۔۔ لیکن انہیں

ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے"۔

"پھر بھی آپ انہیں ہماری آمد کی اطلاع دیں"۔

"جناب جب انہیں نواب غازی کے بارے میں کچھ
معلوم ہی نہیں ہے"۔

"دراصل ہم سیاح ہیں اور اس حویلی کے بارے میں ہمارے
پاس کچھ اطلاعات ہیں۔۔۔ وہ اطلاعات ضرور ان کے لیے فائدہ مند ہوں
گی"۔

"کس کے لیے؟" اس نے پوچھا۔

"حویلی کے موجودہ مالک کے لیے"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ میں انہیں بتا دیتا ہوں۔۔۔ اگر انہوں نے پسند
کیا تو ملاقات کریں گے"۔

چوکی چلا گیا۔۔۔ پانچ منٹ تک وہ بور ہوتے رہے۔۔۔ آخر سیاہ فام
کی کال نظر آئی۔

"حیرت ہے"۔ فاروق نے اس پر نظر پڑتے ہی کہا۔

"کس بات پر حیرت ہے آپ کو؟" اس نے فاروق کو گھورا۔

"اس بات پر کہ مجھے کس بات پر حیرت ہے۔۔۔ ویسے آپ کا
شکریہ"۔

"حیرت کی وجہ بتائی نہیں اور اوپر سے شکریہ ادا کر دیا۔۔۔ اب یہ
شکریہ کس سلسلے میں"۔

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ نن۔۔۔ نو۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ وہ
پروفیسر صاحب ذرا غسل خانے میں تھے"۔

"چلو یہ بھی اچھا ہو گیا"۔ آفتاب نے سکون کا سانس لیا۔

"اچھا ہو گیا۔۔۔ کیا مطلب؟"

"ہمارے اندر داخل ہونے کے بعد اب وہ غسل خانے
نہیں جائیں گے"۔ وہ مسکرایا۔

"ہر فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کرو"۔

"جی بہتر"۔

"ہاں تو جناب۔۔۔ اب آپ کھڑے ہمارے ساتھ کیا دیکھ
رہے ہیں۔۔۔ کچھ تو کہئے کہ"۔ انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک گئے۔

"جی ہاں کیوں نہیں۔۔۔ پروفیسر سیالانی صاحب نے آپ لوگوں
سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا ہے۔۔۔ ان کا کہنا ہے کہ انہیں
سیاحوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ اور نہ اس حویلی سے"۔

"اوہو۔۔۔ حد ہو گئی۔۔۔ ارے صاحب ان کے فائدے کی بات
ہے۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ حویلی کے نیچے کوئی خزانہ موجود ہو"۔

"نہیں خزانوں سے بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔ چوکی نے
بتایا۔

"لیکن حویلی کی تاریخ بہت پراسرار ہے"۔

"نہیں حویلی سے دلچسپی نہیں تو اس کی تاریخ سے کیا

ہے"۔ اس نے کہا۔

"بھئی بات ہے۔۔۔ لیکن آپ مہربانی فرما کر ایک بات لکھ
لیں"۔

"میرے پاس قلم نہیں ہے۔۔۔ نہ کاغذ"۔ اس نے بہانہ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ اپنے خوبصورت دماغ میں لکھ لیں"۔ محمود نے
انداز اختیار کیا۔

"کیا کہا۔۔۔ خوبصورت دماغ"۔ اس نے پھاڑ کھانے والے انداز
میں کہا۔

"غلط کہ گیا۔۔۔ اپنے بدصورت دماغ میں لکھ لیں"۔

"کیا کہا۔۔۔ بدصورت دماغ"۔ اس نے چلا کر کہا۔

"مت تیرے کی۔۔۔ آپ تو کسی طرح بھی خوش نہیں ہو
رہے۔۔۔ اچھا بابا۔۔۔ جیسا کہا بھی دماغ ہے۔۔۔ بس لکھ لیں اس میں"۔

"سوال یہ ہے کہ کیا لکھوں؟"

"اسی حویلی میں انہیں بہت جلد دلچسپی پیدا ہونے والی ہے"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ یہ بھی کوئی لکھنے کی بات ہے۔۔۔ ارے میاں
کیا"۔ اس نے ہاتھ نچایا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ آیئے بھئی چلیں"۔ محمود نے کہا۔

"لیکن ہم ملاقات کیے بغیر نہیں جائیں گے"۔ انسپکٹر کامران مرزا
نے بیانا مارا۔

"کیا کہا۔ ملاقات کیے بغیر نہیں جائیں گے۔ کہہ دو ان سے زبردستی ملاقات کرنے والے ہیں"۔

"سیاح"۔ فاروق نے فوراً جواب دیا۔

اس نے برا سا منہ بنایا۔ اور اندر کی طرف مڑ گیا۔ ایک اشارہ کامران نے بلند آواز میں۔ وہ اوندھے منہ گرا۔ وہ سب اندر داخل ہو گئے۔ اور تیزی کی طرف آگے بڑھنے لگے۔

"ارے ارے۔ یہ کیا۔ وہ خون پی جائے گا"۔ چھلانگ لگا کر کہا۔

"لیکن کس کا؟" آفتاب نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"میرا اور کس کا"۔ وہ پھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔

"تو پھر ہمیں کیا"۔

"وہ تمہارا بھی خون پی جائے گا"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا"۔

"کیوں۔ تم اسے نہیں جانتے"۔ وہ پھنکارا۔

"اور تم ہمیں نہیں جانتے۔ بلکہ وہ بھی نہیں جانتا۔ چلو سلیمان صاحب"۔ شوکی بولا۔

"سلیمان صاحب۔ یہ کیا نام ہوا۔ پروفیسر سیلانی کہو"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

"ہاں ہاں اوئی۔ یہ نام لیتے ہوئے دراصل مجھے کچھ کچھ

تو ہے"۔

"تمہارا گھر ہے۔ خوب سا نہیں کہتا"۔ محسن نے طنزیہ

"تم لوگ کہیں پاگل تو نہیں ہو"۔

"سیاح کم از کم تو ہے پاگل تو ہوتے ہیں"۔ فرحت مسکرائی۔

"لیکن تم لوگ مجھے پورے پاگل لگتے ہو۔ خیر جاؤ۔ مجھے کیا۔ اب نتیجے کی ذمہ داری تم پر ہو گی ہاں"۔

"ٹھیک ہے۔ ہم خود نتیجے سے بات کر لیں گے۔ کہ وہ اپنی ذمہ داری ہم پر کیوں ڈال رہا ہے"۔ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"مجھے کیا۔ تم خود اپنی زندگیوں کو خطرات کے حوالے کر رہے ہو"۔ وہ چلایا۔

"بھائی کیوں حلق پھاڑ رہے ہو۔ ہم میں سے ایک بھی بہرا نہیں ہے"۔ آصف نے تلملا کر کہا۔

"اور کیا حلق بھی کوئی پھاڑنے کی چیز ہے"۔

"پچھتاؤ گے۔ تم سب بہت پچھتاؤ گے"۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم عادی ہیں پچھتانے کے"۔ آصف نے منہ بنایا۔

اب وہ اس سے کافی فاصلے پر آ چکے تھے۔ وہ اپنی دوربین سے انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر اندر کی

کوشش نہیں کی تھی۔ پھر انہوں نے اس کے الفاظ سنے۔

"افسوس! میرے اتنا سمجھانے کے باوجود تم لوگ پھنس گئے۔ ارے بے وقوفو۔ پروفیسر سیلانی نے تو میری بات سنتے ہی کہہ دیا تھا کہ ان لوگوں کو فوراً اندر لے آؤ۔ لیکن میں تم لوگوں کو بچانا چاہتا تھا۔ اگر تم چلے گئے ہوتے تو میں ان سے کہہ دیتا کہ وہ واپس چلے گئے ہیں"۔

انہوں نے اس کے یہ الفاظ سنے اور مڑ کر دیکھا۔ وہ اب ہاتھ کے اشارے سے انہیں واپس آ جانے کے لیے کہہ رہا تھا۔

"افسوس! ہم واپس نہیں جا سکتے۔ ہمیں اندر جانا ہی ہو گا"۔

"تو یوں کہو۔ تمہیں موت کے منہ میں جانے کا شوق ہے"۔

"نہیں شوق نہیں ہے۔ ہمیں اپنا کام کرنے کا شوق ہے۔ ہمیں کا شوق ہمیں موت کے خوف سے زیادہ ہے۔ اچھا خدا حافظ۔ اب ہم نہیں گے نہیں ہمارے ساتھ۔ چلو"۔ پروفیسر سیلانی نے حکم دیا۔ "اور کہ تم باہر کھڑے رہ کر نگرانی کرتے رہو۔ اور جب تک واپسی نہ جا لے۔ تم اندر نہیں آؤ گے۔ یہی حکم ملا ہے نا۔

"ہاں! یہی حکم ملا ہے"۔

"اور تم۔ تمہارا حصہ نہیں ملے گا تمہیں"۔

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکا۔

"ہم جانتے ہیں۔ پروفیسر سیلانی آدم خور ہے"۔

"کیا!!" تم لوگوں کو کیسے معلوم ہے یہ بات؟"

"ہمیں ہو گئی معلوم کسی طرح"۔

"اور اس کے باوجود تم لوگ اندر جا رہے ہو"۔

"ہاں! ہم چاہتے ہیں۔ لوگوں کو اس کی آدم خوری سے نجات دلانا"۔

"مشکل ہے۔ تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ وہ بہت طاقتور ہے۔ انسانی گوشت کھا کھا کر اس میں دس بھینسوں جتنی طاقت آ گئی ہے۔ اور بھینسا تو ایک بھی بہت ہوتا ہے"۔

"اف مالک! کیا تم بھی آدم خور ہو"۔

"میں بھی آدم خور تھا۔ لیکن اب نہیں رہا۔ تاہم میں اب پروفیسر سیلانی کا غلام ہوں۔ اور میں اس کی غلامی چھوڑ نہیں سکتا ورنہ وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا"۔ اس نے دبی آواز میں

"اگر تم چاہو تو ہم تمہیں اس غلامی سے نجات دلا سکتے ہیں"۔

"ارے میاں جاؤ۔ تم تو خود اس کے جال میں پھنس چکے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں۔ تم کس جال میں پھنس گئے ہو"۔

"تم ہماری نہیں۔ اپنی فکر کرو"۔ محمود نے بھنا کر کہا۔

"اور مجھے تم لوگوں کا فکر کھائے جا رہا ہے۔ کیونکہ اب تم اس جال سے باہر نہیں نکل سکو گے"۔

"خدا اپنا رحم کرے"۔ تصف کے منہ سے نکلا۔

"ہائیں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا"۔ وہ دھک سے رہ گیا۔

"کیوں۔۔۔ کیا بات۔۔۔ کیا؟"

"تم۔۔۔ تم۔۔۔ تم لوگ تو غیر ملکی سیاح نہیں ہو"۔

"ہاں تو پھر۔۔۔ ہیں تو کیا ہوا"۔

"غیر ملکی سیاح ہیں اور کہہ رہے ہیں۔۔۔ اللہ اپنا رحم فرمائے"۔

"تو کیا کوئی غیر ملکی مسلمان نہیں ہو سکتا"۔ انسپکٹر جمشید جلدی سے بولے۔

"ہو سکتا ہے۔۔۔ بالکل ہو سکتا ہے"۔ اس نے فوراً کہا اور حویلی سے نکل گیا۔ ساتھ ہی انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔

"یہ کیا۔۔۔ اس نے تو دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے"۔ شوکی گھبرا گیا۔

"ہاں۔۔۔ دروازہ باہر سے بند کر دیا ہے تاکہ ہم لوگ فرار نہ ہو سکیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"ایک منٹ میں دیکھ کر آتا ہوں۔۔۔ آفتاب نے کہا اور دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔ باقی سب وہیں کھڑے رہے۔ آفتاب دروازے کے پاس پہنچا۔۔۔ اور اس نے دروازے کو کھینچ کر دیکھا۔ لیکن اس کو واقعی باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔

"دروازہ بند کر دیا گیا ہے"۔

[illegible] نہیں۔۔۔ ہمیں باہر جانے کی کوئی جلدی نہیں ہے۔۔۔ [illegible] تو اس پر توجہ دیں گے۔۔۔ آ جاؤ۔ پہلے پروفیسر [illegible] کر لیں"۔

"[illegible] بالکل"۔ آفتاب نے کہا اور ان کی طرف دوڑ [illegible] ایک لمحے اسے زور دار ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل فرش پر [illegible] کے بالکل سامنے ہی ایک لمبی سی سڑک تھی۔۔۔ جو [illegible] تک جا رہی تھی۔

"[illegible] سنبھل کر"۔ انسپکٹر کامران مرزا گھبرا گئے۔

"[illegible] تیزی سے اٹھا، لیکن وہیں جم کر رہ گیا۔

"[illegible] تو بھئی۔۔۔ وہیں کیوں کھڑے ہو گئے"۔ وہ بھنا اٹھے۔

"ہاں! میں سوچ رہا ہوں"۔

"[illegible] سوچ رہے ہو۔۔۔ جلدی سے سوچ چکو"۔ فاروق نے جل کر [illegible]

"یہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔۔۔ جس سے میں ٹھوکر کھاتا۔ [illegible] لوگوں کی بلا لائق ہے۔۔۔ سڑک پر کم از کم تین چار جگہیں تو [illegible] جن سے تم ٹھوکر کھا سکتے"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"[illegible] تم سمجھے نہیں"۔ آفتاب جل گیا۔

"[illegible] سمجھا دو نا"۔ محمود بولا۔

"یہاں سڑک بالکل ہموار ہے۔۔۔ پھر میں نے ٹھوکر کس چیز سے

"ہاں! اب بتاؤ۔۔۔ بالکل وہ جگہ کہاں ہے۔۔۔ جہاں تم [illegible] کھائی ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"بالکل ٹھیک جگہ۔۔۔ میرے خیال میں وہ یہ جگہ ہے"۔ [illegible] سوچ کر کہا۔

"[illegible] تم یہ کہہ رہے ہو کہ میرا خیال ہے وہ یہ جگہ ہے [illegible] جگہ بالکل ٹھیک کیسے ہو سکتی ہے۔۔۔ پھر تو یہ صرف ایک خیال [illegible] فاروق چلا کر بولا۔

"[illegible] سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں اس جگہ [illegible] ہوں۔۔۔ اور یہ کہ میں اس جگہ کو پہلے فرض کر کے پھر [illegible] [illegible]

اور وہ ہنسنے لگے۔۔۔ پھر انہوں نے [illegible] ایک [illegible] [illegible] تم نے اس دائرے کے اندر [illegible] [illegible]

"[illegible] تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں"۔

"[illegible] شکر ہے"۔ وہ بولے اور پھر اس دائرے کے اندر سب [illegible] جم کر رہ گئے۔۔۔ لیکن سڑک کے اس حصے میں نہ کوئی [illegible] تھا۔ نہ گڑھا۔ انسپکٹر جمشید نیچے جھکے اور ہاتھ پھیر کر دیکھنے لگے۔

"بالکل ہموار ہے۔۔۔ بالکل"۔ وہ بڑبڑائے۔

"تب پھر اس کو اتفاق ہی کہہ سکتے ہیں"۔

"[illegible] کہ بس اتفاق مجھے کیا فرق پڑتا ہے"۔

"[illegible]۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا"۔

"[illegible]۔ انہوں نے فرزانہ کی طرف منہ میں اونچی آواز سنی۔۔۔ پھر [illegible] فاروق بری طرح اچھل اور دور جا کر گری۔

☆○☆

ہو چکا ہے

وہ گھبرا گئے۔ جلدی سے فرزانہ کی طرف لپکے۔ فرزانہ
لمبے لمبے سانس لے رہی تھی اور اس کی پیشانی سے خون رس رہا تھا۔
خون دیکھ کر وہ اور بھی گھبرا گئے۔

"یہ۔ یہ کیا۔ خون کیسے نکل آیا؟"

"مس۔ مسٹر۔ مسٹر" فرزانہ ہکلائی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" انسپکٹر جمشید الجھن کے عالم میں بولے۔

"نکل۔ نکلن۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"اب ہمیں کیا پتا کہ کیا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بھی تو
کی ہے۔" آفتاب نے جل بھن کر کہا۔

"تو تم کون مرچیں چبانے لگے۔ اچھل کر کرسی میں اور
نہیں آ رہا ہے۔ یہ کوئی تک۔" فرزانہ پھر چلائی۔

"تکلیں۔ تمہاری پیشانی پر زخم کیوں ہے۔ تم اگلی
تھیں۔ تمہیں سڑک میں کیا نظر آیا تھا؟"

"ایک سفید ہیولیٰ تھی۔ بے۔ دم۔ اور اس میں سے

"اس بنگلے میں میری پیشانی میں سوراخ ہو؟"۔

"جی نہیں"۔ وہ ایک ساتھ چلائے۔

"میں نے اسے لگتے دیکھا۔ ورنہ چل نہ سکتی"۔

"جی مالکہ۔ یہ سڑک کہیں جادو کی سڑک تو نہیں ہے"۔
نے آہستہ کر کہا۔

"بار چپ رہو۔ کہیں سڑک بھی جادو کی ہوتی ہے"۔ شوکی
کی طرف لپکا۔

"تم نے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا"۔

"جیسے۔ میں خوف محسوس کر رہا ہوں۔ یہ حویلی ہمارے لیے
جادو ثابت ہو جائے۔ اس میں سے نکل چلتے ہیں"۔ ایسے ہی
سر ہلا دیا۔

"لیکن کیسے نکل چلتے ہیں۔ دروازہ تو پہلے ہی باہر سے بند کیا جا
چکا ہے"۔

"ہوں۔ تب پھر اندر چلتے ہیں۔ پروفیسر سیانی سے ملاقات
کرتے ہیں۔ اب یہاں کیوں کھڑے ہیں ہم"۔

"اچھی بات ہے۔ سڑک کے اس حصے سے باہر نکل کر
کمرے میں چلیں"۔

"چلو اتار رہم لیا ہے"۔ فاروق نے آنکھوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ کیا بات ہو گئی؟"

"اب سڑک سے ہی باتیں کرتا ہوں گی"۔ اس نے
کے انداز میں کہا اور سب مسکرانے لگے۔

"اب وہ آگے بڑھے۔ ایسے میں محمود اچانک گرا۔ وہ
پر کھلا تھا۔

"اب تمہیں کیا ہوا؟" انسپکٹر کامران مرزا نے گھبرا کر کہا۔

"پتا نہیں۔ اکل۔ بس اچانک گر پڑا ہوں۔
مجھے معلوم نہیں"۔

"اچھا خیر۔ کرتے رہو۔ دیکھا جائے گا"۔ انسپکٹر جمشید
سرد آہ بھری۔

آخر وہ رہائشی حصے تک پہنچ گئے۔ ان کے سامنے ایک
چوڑی دیوار تھی۔ دیوار کے درمیان میں بڑا دروازہ تھا۔ دائیں
بائیں۔ تین تین دروازے تھے۔ محمود نے آگے بڑھ کر دائیں
درمیانی دروازے پر دستک دی۔ یہاں گھنٹی کا بٹن نہیں تھا۔
اس نے دستک دی۔ دروازہ خود بخود کھل گیا۔

"ہم۔ میرا ہی خیال درست تھا"۔ شوکی کی آواز ابھری۔

"کون سا خیال؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"یہ کہ۔ یہ حویلی جادو کی ہے"۔

"چپ رہو بھئی۔ سب لوگ مل کر بور نہ کرو۔ پورا کرنے
لیے پروفیسر سیانی ہی کیا کم ہیں"۔ انہوں نے جھلائے ہوئے انداز

دروازہ کھلنے پر اندر انہیں کوئی نظر نہ آیا۔ وہ اندر داخل ہو
کر بھی کیا سکتے تھے۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئے دروازہ خود بخود
بند ہو گیا۔

"لیجیے بھی بند ہو گیا"۔ شوکی کی آواز ابھری۔ آواز میں سہما ہوا
خوف۔

"ہوں اس کمرے میں تو گھپ اندھیرا ہے۔ یا اللہ رحم۔ جمشید
کہا ہے"

"فاروق کی جیب کو دیکھ لیں"۔

"ہم۔ میں ابھی نکالتا ہوں ٹارچ"۔ اس کی آواز سنائی دی۔

"ہاں۔ لیکن بھئی۔ مہربانی فرما کر پہلی مرتبہ ہی نکال لینا۔ یہ
زمانے بھر کی چیزیں باری باری نکالتے چلے جاؤ"۔ محمود نے گھبرا
کر کہا۔

"اچھی بات ہے۔ کوشش کرتا ہوں"۔

اور پھر کمرے میں ٹارچ کی روشنی لہرائی۔ فاروق نے چیخ کر
کہا۔ "یہ کیا"۔ اس کے منہ سے چیخ کے انداز میں نکلا۔

"کیا۔ کیا؟" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"یہ۔ آپ کہاں ہیں؟"

"ہم یہیں ہیں اور کہاں ہوتے"۔

"اچھا۔۔۔ لیکن آپ مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے"۔

"حق نہیں ہے۔۔۔ ٹارچ روشن کرو۔۔۔ تم شاید ابھی تک سوئچ سے ٹارچ نکالنے میں کامیاب نہیں ہوئے"۔

"کیا!!!" فاروق نے حلق پھاڑا۔

"کیا ہے۔۔۔ کیوں اس قدر زور سے چلا رہے ہو؟" انسپکٹر جمشید چلا اٹھے۔

"تو پھر اور کتنے زور سے چلاؤں۔۔۔ ٹارچ روشن ہے۔۔۔ اور تم میں سے کوئی مجھے نظر نہیں آ رہا۔۔۔ جب کہ میں آپ کی آوازیں سن رہا ہوں۔۔۔ اور آپ میری۔۔۔ لیکن آپ کو ٹارچ کی روشنی نظر نہیں آ رہی۔۔۔ نہ میں نظر آ رہا ہوں"۔

"کیا!!!" وہ سب پورے خوف سے چلائے۔

"اب آپ سب کیوں اس قدر زور سے چلائے ہیں"۔

"فاروق ٹارچ بند کرنا ذرا۔۔۔ پروفیسر داؤد جلدی سے بولے۔

"اچھا۔۔۔ اچھا"۔ اس نے کہا اور ٹارچ بند کر دی۔

"کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا۔۔۔ وہ سب اسے نظر آنے لگے۔

"خدا کا شکر ہے۔۔۔ اب آپ مجھے نظر آ رہے ہیں"۔ فاروق نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو بھئی۔۔۔ کمرے میں گھپ اندھیرا ہے"۔

"ہے اب رہے۔۔۔ ہے۔۔۔ یہ میں اس قدر اندھیرے میں کیسے ہوں"۔ فاروق کی آواز میں حد درجے کی شامل ہو گئی۔

"ہے۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ شوکی بھائی کا خیال درست تھا۔۔۔ یہ حویلی بھوتوں کی حویلی ہے۔۔۔ یا پھر یہ حویلی بھوتوں کی حویلی ہے۔۔۔ ایسے لوگوں کی جو روشنی چرا لیتے ہیں۔۔۔ اور اندھیرے کو جگا دیتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے جلدی سے کہا۔

"کیا کہا۔۔۔ روشنی چرا لیتے ہیں۔۔۔ اور اندھیرے کو جگا دیتے ہیں"۔ پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"سچ نہیں۔۔۔ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ یہ کمرہ ہے یا بھول بھلیاں۔۔۔ فاروق ذرا ٹارچ پھر روشن کرنا"۔

"مم۔۔۔ مجھے ڈر لگتا ہے۔۔۔ آپ پھر غائب ہو جائیں گے"۔

"ابھی ہم تمہیں غائب نظر آئیں گے۔۔۔ ویسے تو کمرے میں میں ہی ہوں گے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ میں ٹارچ روشن کر رہا ہوں"۔ اس نے کہا اور ٹارچ روشن کر دی۔۔۔ فوراً ہی وہ لوگ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"لیجئے آپ پھر غائب ہو گئے"۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ ہم کمرے میں ہی موجود ہیں۔۔۔ آگے آؤ اور ہمیں پکڑ کر دیکھ لو"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا اور اپنے دونوں ہاتھ آگے کر دیئے۔

"لیکن آپ مجھے نظر نہیں آ رہے۔۔۔ آپ کو ٹارچ کی روشنی اب بھی نظر آتی ہے یا نہیں؟"

"نہیں کمرے میں گھپ اندھیرا ہے"۔

"کیوں مذاق کرتے ہیں"۔

"میں ایسے میں تم سے مذاق کروں گا۔۔۔ آگے بڑھو اور مجھے چھو لو"۔ انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

"آگے تو میں بڑھ چکا ہوں"۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"تب پھر۔۔۔ تم نے مجھے چھوا کیوں نہیں۔۔۔ میں بھی تمہیں چھونے کی کوشش کر رہا ہوں"۔

"میں ہاتھ چلا رہا ہوں۔۔۔ لیکن آپ کے جسم سے ٹکرا ہی نہیں رہے"۔

"میرا بھی یہی حال ہے۔۔۔ تمہاری آواز سن رہا ہوں۔۔۔ اور محسوس کر رہا ہوں کہ تم میرے بالکل آس پاس ہو۔۔۔ لیکن تمہارا جسم میرے ہاتھوں سے نہیں ٹکرا رہا۔۔۔ اف مالک۔۔۔ آخر یہ سب کیا ہے۔۔۔ پروفیسر صاحب۔۔۔ کیا آپ وضاحت کر سکتے ہیں؟"

"پروفیسر داؤد کی طرف سے انہیں کوئی جواب نہیں سنائی دیا۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ بولیے۔۔۔ میں نے کیا کہا ہے"۔

"بول تو رہے ہیں"۔ فاروق کی آواز سنائی دی۔۔۔ لیکن آواز حد درجے خوف میں ڈوب چکی تھی۔

"کیا کہا۔۔۔ بول تو رہے ہیں"۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"ہاں! انہوں نے آپ کی بات کا جواب بھی دیا ہے۔۔۔ کیا آپ کو سنائی نہیں دیا"۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔ کیوں میرے ساتھیوں۔۔۔ آپ سب نے پروفیسر صاحب کی آواز سنی ہے؟"

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ بالکل نہیں"۔ وہ ایک ساتھ بولے۔

"حیرت در حیرت۔۔۔ میں ان کی آواز سن رہا ہوں۔۔۔ آپ لوگ میری آواز سن رہے ہیں۔۔۔ یہ سب کیا ہے"۔

"تم پروفیسر صاحب سے پوچھو۔۔۔ کیا وہ ہماری آواز بھی سن رہے ہیں"۔

"اچھا۔۔۔ پروفیسر صاحب۔۔۔ کیا آپ باقی ساتھیوں کی آوازیں سن رہے ہیں"۔

"نن۔۔۔ ہا"۔ فاروق نے ان کی آواز سنی۔

"یہ آپ نے نہیں کہا یا ہاں"۔ فاروق نے بوکھلا کر پوچھا۔

"کبھی آواز سنائی دیتی ہے۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ ان حالات میں میں کیا کر سکتا ہوں"۔ وہ بولا۔

"آپ نے پروفیسر انکل کا جواب سنا لیا جان"۔

"نہیں۔۔۔ بالکل نہیں"۔

اس نے ان کا جواب انہیں سنا دیا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے شاید آج جیسے حالات میں ہم کبھی
گھرے ہوں گے"۔ فاروق بولا۔

"شاید نہیں۔۔۔ یقیناً"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔ "اچھا
"اچھا تم ٹارچ بجھا دو"۔

"جی بہتر۔۔۔ بجھا دیتا ہوں۔۔۔ میرا کیا جاتا ہے۔۔۔ یہ کہہ کر
نے ٹارچ بجھا دی"۔

"اب۔۔۔ اب میں کیا کروں؟"

"پروفیسر صاحب۔۔۔ آپ میری آواز سن رہے ہیں"۔

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"فاروق۔۔۔ تم یہی سوال ان سے پوچھو"۔

"پروفیسر انکل۔۔۔ کیا آپ ابا جان کی آواز سن رہے ہیں؟"

ان کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔

"وہ کوئی جواب نہیں دے رہے"۔

"بس تو پھر۔۔۔ صبر کرو۔۔۔ ہم"۔ انسپکٹر جمشید کہتے کہتے رک
گئے۔

"ہم کیا۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ خاموش ہو جاؤ۔۔۔ مجھے سوچنے دو"۔ انہوں نے
جل کر کہا۔

"اور پھر کچھ دیر تک وہاں خاموشی رہی۔۔۔ آخر انسپکٹر جمشید

پھر کہا۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ آپ کہاں ہیں؟"

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملنے پر انہوں نے پاگلوں کی
طرح کمرے میں ایک چکر لگایا۔۔۔ وہ کسی سے نہ ٹکرائے۔ اب تو
انہیں اور حیرت ہوئی۔۔۔ کم از کم انہیں اپنے کسی ساتھی سے تو ٹکرانا
چاہیے تھا۔۔۔ لیکن ان کا جسم تو کسی سے بھی نہیں ٹکرایا تھا۔

"اُف۔۔۔ فاروق۔۔۔ تم۔۔۔ تم تو یہیں ہو نا؟"

"ہم۔۔۔ میں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ میرا خیال تو یہی ہے کہ میں یہاں
ہوں"۔

"اور باقی لوگ۔۔۔ کیا یہی ہیں"

"ہاں! یہیں ہیں انکل"۔ آصف کی آواز سنائی دی۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ سب لوگ ہیں تو کمرے میں ہی۔۔۔ لیکن
ہم ایک دوسرے کو چھو کیوں نہیں سکتے۔۔۔ دوسرے یہ کہ ہم پروفیسر
صاحب کی آواز کیوں نہیں سن رہے۔۔۔ ارے ہاں فاروق۔۔۔ ٹارچ
بجانے کے بعد انہیں آواز دو"۔

"پروفیسر انکل۔۔۔ کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟"

"ان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"نہیں ابا جان! ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں مل رہا"۔

"آؤ۔۔۔ اس کمرے سے نکل جائیں"۔ انہوں نے کانپ کر کہا۔

"لیکن کیسے۔۔۔ کمرے کا دروازہ تو بند ہے"۔

"اُف مالک۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ سب کیا ہے"۔ وہ گھبرا کر بولے۔

"ہم۔۔۔ شاید۔۔۔ ہم شاید"۔ انہوں نے انسپکٹر کامران کی
آواز سنی۔

"فاروق! ایک بار پھر ٹارچ روشن کرو"۔

"جی اچھا۔۔۔ میرا کیا جاتا ہے۔۔۔ میں تو روشن کر ہی دوں گا"
اس نے کہا اور ٹارچ کا بٹن دبا دیا۔

"کیوں۔۔۔ روشنی کر دی یا نہیں؟"

"کر چکا ہوں۔۔۔ لیکن اب بھی آپ لوگ مجھے نظر نہیں آ
رہے"۔

"اور نہ ہم تمہیں دیکھ سکتے ہیں۔۔۔ خیر۔۔۔ پروفیسر صاحب کو
پکارو"۔

"پروفیسر انکل۔۔۔ آواز دیں۔۔۔ ہم آپ کو یاد کرتے ہیں"۔

ان کی طرف سے کوئی جواب نہ سنائی دیا۔

"وہ جواب نہیں دے رہے۔۔۔ یا دے رہے ہیں تو ہم سن نہیں
رہے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ اب مجھے پروفیسر سیلانی سے بات کرنے دو"
انہوں نے کہا اور بلند آواز میں کہنے لگے۔

"مسٹر پروفیسر سیلانی صاحب۔۔۔ آپ جو کچھ بھی ہیں۔۔۔ جہاں

جہاں بھی ہیں۔۔۔ ہم سے بات کر لیں۔۔۔ ہم آپ کی کاری گری کے
اس حد تک قائل ہو چکے ہیں کہ اب مزید کوئی بات کرنے کی طاقت
نہیں رہ گئی۔۔۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"جو میں چاہتا تھا۔۔۔ وہ ہو چکا"۔ انہوں نے پروفیسر سیلانی کی
آواز سنی۔

اس آواز کو سن کر وہ بہت زور سے اچھلے۔

☆○☆

گھر کی بات

اس کی آواز بالکل صاف تھی.... ان سب نے سنا
تھی.... لہٰذا انہیں قدرے خوشی کا احساس ہوا۔

"یہ خدا کا شکر ہے.... آپ کی آواز تو سنائی دی.... آخر یہ
کیا ہے؟.... آپ ہمیں اپنے سامنے بلائیں.... اور بات کریں"۔

"یہ خواہش بھی پوری کروں گا.... اس بار تم لوگوں نے
اپ بہت زبردست کیا ہے.... اگر تم لوگوں کو اس حویلی میں دیکھ
ہوتا تو مجھے بھی پتا نہ چلتا.... یہاں آکر تم پکڑے گئے"۔

"آپ.... آپ کون ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے
میں کہا۔

"پہچانا نہیں اب تک"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"آپ.... آپ تو وہی رانگ نمبر ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا
کہا۔

"درست سمجھے"۔

"لیکن.... یہاں تو پروفیسر سیلانی رہتے ہیں۔

ہے.... لیکن تم ایسا کر نہیں سکو گے.... اس لیے کہ میں
سے باہر ہوں اور اب تو میں نے پروفیسر داؤد کو بھی ایک بلیک
بند کر دیا ہے.... پہلے جو بچی کچی امید کی جا سکتی تھی.... اب وہ بھی
کر سکو گے"۔

"اچھی بات ہے.... آپ ملاقات تو کر لیں.... جب آپ
تک محفوظ ہیں تو ڈر کیسا؟"

"میں کیوں ڈرنے لگا"۔

"آپ نے خود ہی کہا تھا کہ اگر ڈرتے ہیں تو صرف ہم سے"۔

"ہاں! یہ پہلے کی بات تھی.... لیکن اب تو میں ہر خطرے
بے فکر ہو گیا ہوں.... پہلی بات تو یہ کہ اب اس منصوبے کو اشارہ
اور بیگال آگے بڑھائیں گے' دوسری بات یہ کہ وہ مکمل طور پر میرے
ساتھ ہیں.... میرے ہی اشارے پر انہوں نے میری حفاظت کے لیے
یہاں اپنے تین اہم ترین آدمیوں کو بھیج دیا ہے"۔

"بہت خوب! اس کا مطلب ہے.... جیرال' ابطال اور راؤر
کے اشارے پر اس طرف آئے ہیں"۔

"اور کیا.... جب میں نے فارمولا ان کے حوالے کیا تو انہوں
نے بھی میری حفاظت کی ذمہ داری لے لی.... یہ اور بات ہے کہ
نے کچھ چھوٹے چھوٹے بلیک ہول اپنے ذاتی استعمال کے لیے روک
تھے.... اور ان کی مدد سے میں اب بھی تم لوگوں کے مقابلے میں

"ان سے بھی ملاقات کرا دوں گا.... فکر نہ کریں"۔ اس نے
ہنس کر کہا۔

"پروفیسر داؤد کہاں ہیں؟"

"ان کی مجھے بہت ضرورت تھی.... میں نے اپنے پاس بلا لیا۔
اب وہ تم لوگوں کے پاس واپس نہیں آئیں گے"۔

"نن.... نہیں.... یہ نہ کہیے"۔ انسپکٹر جمشید چلائے۔

"اب یہ ہو چکا"۔ وہ بولا۔

"ان کے بغیر ہم اپنے آپ کو نامکمل خیال کرتے ہیں"۔

"یہی میں چاہتا ہوں.... تم لوگ ہمیشہ نامکمل رہو"۔

"لیکن مسٹر رانگ نمبر.... آپ نے تو اپنا یہ فارمولا.... یعنی بلیک
ہول والا فارمولا.... انشارجہ اور بیگال کو فروخت کر دیا تھا"۔ شوکی بولا۔

"ہاں بالکل کر دیا ہے.... اب وہی اس پر عمل کر رہے ہیں....
لیکن اپنی ضرورت کے لیے چند چھوٹے موٹے بلیک ہول تو میں نے بھی
اپنے پاس رکھے ہیں.... اصل کام اب وہ کریں گے"۔

"ہم آپ سے ملنا چاہتے ہیں"۔

"اچھی بات ہے.... اس کا بھی انتظام کر دیا جائے گا لیکن تم
لوگ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے"۔

"کیا مطلب.... کون سے مقصد میں؟"

"مجھے گرفتار کرنا چاہتے ہو.... یا مجھے ختم کرنے کا پروگرام

بہت دور ہوں"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"ایک طرف تو تم کہتے ہو.... تم نے اپنی حفاظت کے لیے
کے تین اہم آدمی منگوا لیے ہیں.... دوسری طرف کہہ رہے ہو
تو اب بھی بہت طاقتور ہو.... بات سمجھ میں نہیں آئی"۔ آفتاب
نے پریشان بنایا۔

"اصل میں میں اس ملک میں بس تم لوگوں سے خوف زدہ تھا....
ابھی سے ہی.... اور یہ خوف میرا پیچھا نہیں چھوڑتا.... یہی وجہ ہے
میرے خوف کو محسوس کرتے ہوئے یہ تین آدمی بھیجے گئے ہیں"۔

"اور پروفیسر داؤد کو بھی تم نے قید کر دیا ہے.... اب تو ہم سے
خطرہ اور بھی کم ہو گیا ہے.... پھر وہ تینوں دنیا کے اہم ترین اور خطرناک
ترین آدمی ہیں.... ان کی موجودگی تو ہمیں بھی پریشان کر دیتی ہے....
اب نہیں کیا پروا.... مہربانی فرما کر پروفیسر صاحب کو چھوڑ دو"۔
عمران نے درخواست کی۔

"ناممکن.... میں تم لوگوں کو ان سے فائدہ اٹھاتے نہیں دیکھ
سکتا"۔

"اچھی بات ہے.... اب ہمیں اس حویلی کی سیر تو کرنے دیں"۔

"ضرور کیوں نہیں.... یہ حویلی ایک طرح سے اب تم لوگوں کی
ہی ہے.... اس لیے کہ اسی میں تم لوگوں کو رہنا ہو گا"۔

"اور وہ قوم خوری والی کیا بات ہے؟"

"ایسی کوئی بات نہیں... میں آدم خور ہرگز نہیں ہوں۔"

"لیکن پروفیسر سیلانی؟" انہوں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں! پروفیسر سیلانی تو ضرور آدم خور تھا... اب وہ نہیں رہا"۔

"ت... تو کیا آپ خود پروفیسر سیلانی نہیں ہیں... ہم حویلی میں انہی سے ملنے آئے تھے"۔

"پروفیسر سیلانی سے ملاقات ضرور کرو... مجھے کوئی اعتراض نہیں... میں جانتا ہوں... تم بھی مجھ تک پہنچنے کے چکر میں ہو... میں نے اب اس بات کی اہمیت کو ختم کر دیا... اگر تم لوگ مجھ تک پہنچ بھی جاتے ہو... تب بھی بلیک ہول پروگرام نہیں رکے گا... اب یہ کام میرے ہاتھ میں نہیں رہا... لہٰذا اب تمہیں چاہیے... فکر چھوڑو اور انشارجہ اور بیگال کے پیچھے لگو... ان کے خیال... تمہیں سنبھالنے کے لیے پہلے ہی یہاں آئے ہوئے"۔

"چلیے ٹھیک ہے... ہم آپ کے مشوروں پر عمل کریں... لیکن کم از کم ایک بات تو بتا دیں... اور وہ یہ کہ اندھیرا ہو... صورت میں آپ صرف رات کے وقت بے بس ہوتے تھے... تو آپ سب کچھ کرنے کی پوزیشن میں تھے... پھر آپ نے بلیک پروگرام ختم کیوں کر دیا؟"

...کر لیں گے... لیکن اتنی دیر میں انشارجہ اور بیگال درمیان میں ...ے اور میں نے ان سے معاہدہ کر لیا۔

"...ش آپ ایسا نہ کرتے... یہ ایجاد اپنی حکومت کے حوالے ...ے یعنی ہمارے حوالے... ہم اس ایجاد سے حیرت انگیز حد تک ...ے اٹھاتے"۔ انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

"لیکن ایسا کر کے مجھے کیا ملتا... تعریفی سرٹیفکیٹ... یا ایک ...ی رہائش... میرے اعزاز میں بہت سی دعوتیں... اور بس... ...ب کہ اس طرح میں پوری دنیا کا حکمران بن سکتا تھا... کم از کم اپنے ...ا تو تھا ہی... ویسے تو خیر... وہ میں اب بھی بنوں گا"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"معاہدے میں طے پایا ہے کہ پاک لینڈ کا حکمران میں رہوں ...باقی ساری دنیا کے ملکوں پر ان کا قبضہ ہو گا... اب میں اپنا ...ت بھی کر چکا... اب یہ فیصلہ تم خود کرو کہ مجھ تک پہنچنا ضروری ...یا انشارجہ اور بیگال تک... پھر تم جو بھی میں آئے کرتے پھرنا... ...کوئی غرض نہیں ہو گی... کیونکہ اب میں تمہاری پہنچ سے بہت دور ...چکا ہوں... ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"۔

"ہائیں... تو کیا آپ ستاروں سے آگے جا چکے ہیں"۔ آفتاب ...لہجے میں ہلکی حیرت تھی۔

"...ہی سمجھ لیں"۔

"اچھا... پھر تو واقعی بہت مشکل ہے... اس لیے ...پاس ابھی ایسی کوئی گاڑی نہیں کہ ہم ستاروں سے آگے پہنچ ...پہلے کوئی گاڑی ایجاد کریں گے... پھر آپ کی خدمت میں ...گے"۔ فاروق نے چلے کٹے انداز میں جلدی جلدی کہا۔

حویلی میں اچانک روشنی ہو گئی... انہیں یوں محسوس ...خواب دیکھتے رہے ہوں... یہ دیکھ کر انہیں اور بھی حیرت ...پروفیسر داؤد بھی ان کے درمیان تھے... وہ اب تک اسی جگہ ...تھے... پروفیسر انکل... آپ کو واپسی مبارک ہو"۔

"کک... کیوں... میں کہاں چلا گیا تھا؟"

"ایک بلیک ہول میں"۔

"یار کیوں مذاق کرتے ہو"۔ انہوں نے بوکھلا کر کہا۔

"اپنی گھڑی کو ہماری گھڑیوں سے ملا کر دیکھ لیں"۔

گھڑیاں ملائی گئیں... پروفیسر داؤد کی گھڑی قریباً پندرہ ...تھی۔

"ارے باپ رے... اس کا مطلب ہے... میں پورے ...منٹ تک بلیک ہول میں رہا ہوں"۔ وہ گھبرا گئے۔

"ہاں! لیکن اس نے کہا تھا کہ وہ آپ کو ہمیشہ کے لیے ...ہول میں قید کر چکا ہے... حیرت ہے... پھر کیوں چھوڑ دیا... کیا ...رانگ نمبر... یہ کیا بات ہوئی"۔ محمود نے ہانک لگائی۔

لیکن اس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔

"ہم... میں... میں گھر جانا چاہتا ہوں"۔ ایسے میں انہوں نے ...پیر عمران مرزا کی آواز سنی۔

"یہ آپ کو ایسے میں گھر کی کیا سوجھ گئی"۔ انسپکٹر جمشید چونکے۔

"اندھیرے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھ گئی ہے"۔ وہ ...کر ...ے۔

"خیر... اگر آپ کا جانا اتنا ہی ضروری ہے تو آپ چلے جائیں... لیکن پہلے پروفیسر سیلانی سے تو ملاقات کر لیں... وہ آدم خور رہا ہے... ...اس کی گرفتاری ضروری ہے"۔

"یہ کام آپ کرتے رہیے گا... میں جا رہا ہوں... کوئی میرے ساتھ چلنا پسند کرے گا"۔

وہ سب ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے... جیسے کہ رہے ...ہوں ان حالات میں کون جائے"۔

"ش... شاید تم میں سے کوئی میرے ساتھ جانا پسند نہیں کر ...رہا۔ خیر... میں جا رہا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ مڑے۔

"لیکن انکل... آپ جائیں گے کیسے... یہ بھی تو سوچیں... ...بیرونی دروازہ تو بند ہے"۔

"میرا خیال ہے... بیرونی دروازہ کھل چکا ہو گا"۔

"چلیے پھر دیکھ لیتے ہیں... لیکن ہم سب کو حیرت ہے... آخر

آپ ایسے میں کیوں جانا چاہتے ہیں؟"

"بس گھر کی یاد آ گئی"۔ وہ بولے۔

"گھر کی یاد۔۔۔ یہ تو ہم نے پہلی بار سنا ہے۔۔۔ آپ کو گھر کی یاد
گئی ہے"۔ آصف نے کہا۔

"بھئی گھر کی یاد کا کیا ہے۔۔۔ کسی وقت بھی آ سکتی ہے"۔
مسکرائے۔

اور پھر وہ انہیں حیران پریشان چھوڑ کر چلے گئے۔

"دروازہ بند ہو گا اور یہ واپس آ جائیں گے۔۔۔ فکر نہ کرو"۔
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تو کیا ان کا انتظار کریں؟"

"ہاں! کوئی حرج نہیں۔۔۔ بس وہ آتے ہی ہوں گے"۔

وہ انتظار کرتے رہے۔۔۔ لیکن ان کی واپسی نہ ہوئی۔۔۔ اب ن
سب نے دروازے کا رخ کیا۔۔۔ دروازہ واقعی کھلا تھا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ جا چکے ہیں۔۔۔ خیر"۔

"اب ہم بھی اس حویلی کے اندر جا کر کیا کریں گے۔۔۔ نکل چلیں
یہاں سے"۔ فرزانہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ مجھے ڈر محسوس ہو رہا ہے"۔

"حیرت ہے۔۔۔ اس کیس میں جتنا تم ڈر رہی ہو اور کوئی نہیں

یہاں تک کہ ہمارے ساتھ بے چارے ڈی ایس ایم تک ہیں۔۔۔
ہمیں بھی ڈر نہیں لگ رہا"۔

"اور سب کو لگ رہا ہے۔۔۔ اس کا اظہار نہیں کر رہے۔۔۔ کیوں
ساتھیو"۔

"خیر۔۔۔ جس کسی کو ڈر لگ رہا ہے۔۔۔ وہ باہر ٹھہرے۔۔۔ باقی
لوگ پروفیسر سیلانی سے ملاقات کریں گے اور اسے گرفتار کر کے باہر
لائیں گے"۔

"آئیں پھر"۔

اور وہ اندر کی طرف چل پڑے۔۔۔ وہ ملازم پھر انہیں نظر نہیں
آیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی جادوئی چکر میں پھنس گئے ہوں۔۔۔
اب وہ رکے بغیر آگے بڑھنے لگے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی
دی۔

"ہم۔۔۔ میں۔۔۔ میں"۔

"کک۔۔۔ کیا کہنا چاہتے ہو جمشید۔۔۔ تمہارا ہکلانا مجھے اچھا نہیں
لگ رہا"۔ خان رحمان بولے۔

"میں انسپکٹر کامران مرزا کی کمی بہت شدت سے محسوس کر رہا
ہوں"۔

"ابھی تو انہیں گئے صرف چند منٹ ہوئے ہیں ابا جان"۔ فرزانہ
بولی۔

"ہاں! اس کے باوجود میں کمی محسوس کر رہا ہوں"۔

"لیکن ان کی واپسی میں تو ابھی کم از کم آٹھ دس گھنٹے
جائیں گے"۔ آصف نے فوراً کہا۔

"ہوں خیر۔۔۔ آؤ"۔ انہوں نے کندھے جھٹکے اور آگے بڑھے
کئی کمرے اور برآمدے عبور کرنے کے بعد آخرکار وہ ایک بڑے ہال
میں پہنچے۔۔۔ اس ہال کا منظر بالکل پروفیسر سیلانی کے تہ خانے جیسا تھا
وہی انسانوں کو ذبح کرنے والی چھریاں وہاں موجود تھیں۔۔۔ دیواروں پر
خون کے چھینٹے اور لوتھڑے چپک کر خشک ہو چکے تھے۔

"اف مالک۔۔۔ کس قدر ہولناک جگہ ہے"۔ شوکی کی فرزانہ
کانپتی آواز سنائی دی۔

"ابھی تم لوگوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو گا۔۔۔ تم میں سے ایک
ایک کو ذبح کیا جائے گا اور تم کچھ نہیں کر سکو گے"۔ انہوں نے پروفیسر
سیلانی کی آواز صاف پہچانی۔

ساتھ ہی پروفیسر سیلانی ان کے سامنے کھڑا نظر آیا۔

"پکڑ لو۔۔۔ انہیں اور ایک ایک کر کے چبوترے پر ڈال کر ذبح کر
دو۔۔۔ بلاوجہ ہمارے دوست رانگ نمبر انہیں ڈھیل دے رہے ہیں۔
لیکن میں ڈھیل دینے کے حق میں نہیں ہوں۔۔۔ میں ہاتھ آئے شکار کو
چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں"۔

اچانک سو کے قریب آدمی اس ہال کے نہ جانے کس حصے سے

ان پر ٹوٹ پڑے۔۔۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے خنجر اور چھوٹی چھوٹی
کلہاڑیاں تھیں۔۔۔ انہوں نے یک دم چھلانگیں لگائیں اور ہال کے
دوسرے سرے پر پہنچ گئے۔۔۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں پستول
نظر آیا۔ ان کے باقی ساتھیوں نے بھی پستول نکال لیے۔

"خبردار۔۔۔ ہمیں خالی ہاتھ نہ سمجھنا"۔

وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے۔۔۔ اور پھر آگے بڑھنے لگے۔

"میں فائر کرنے لگا ہوں"۔ انسپکٹر جمشید غرائے۔

"ارے۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا ہائیں"۔ ایسے میں فرزانہ کی آواز سنائی
دی۔

"کیا کیسے ہو گیا۔۔۔ کس بات کی طرف اشارہ ہے۔۔۔ حملہ آور
ہماری طرف پہنچنے کے لیے تیار ہیں۔۔۔ ایسے میں تم کس بات کی طرف
اشارہ کر رہی ہو"۔ انسپکٹر جمشید نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اس بات کی طرف۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ"۔

فرزانہ کے منہ سے کوئی جملہ نہ نکل سکا۔۔۔ اس کی آنکھیں
مارے حیرت اور خوف کے پھیل گئیں۔

☆⓪☆

آؤ دیکھا نہ تاؤ

"فرزانہ جلدی کہو۔ کیا بات ہے۔۔۔ ایک طرف یہ لوگ بھی اور تلواریں اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔۔۔ دوسری طرف تمہارا سوال ہے۔۔۔ کیا کہنا چاہتی ہو"۔

"پروفیسر انکل وہ لڑکیں کیا ہوئیں۔۔۔ جو ہمیں بلیک ہول سے لا رہی تھیں۔۔۔ یہ تو خود چند منٹ کے لیے بلیک ہول میں چلے گئے تھے۔۔۔ ان حالات میں تو وہ ہمیں چٹکی بجاتے۔۔۔ بلیک ہول میں بند کر سکتا ہے"۔

"ہاہاہا۔۔۔ ہاہاہا"۔ انہوں نے زور کا قہقہہ لگایا۔

"لیجئے۔۔۔ مسٹر رانگ نمبر بھی واپس آ گئے"۔

"میں گیا ہی کب تھا۔۔۔ میں تو آپ کی باتیں سنتا رہا تھا"۔

"لیکن پروفیسر صاحب۔۔۔ یہ کیسے ہو گیا۔۔۔ آپ بتائیں"۔

"ان لوگوں نے پہلے میری لہروں کا جال توڑا تھا۔۔۔ اس کے بعد ہمیں اس چکر میں لیا تھا۔۔۔ ورنہ یہ ایسا نہیں کر سکتے تھے۔۔۔ انہوں نے ہم حفاظتی لہروں سے محروم ہو گئے"۔ انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں

کہا۔

"اور ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا بھی ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔۔۔ شاید وہ اس خیال کے آتے ہی نکل گئے تھے۔۔۔ کہ ہم لہروں کی حفاظت سے باہر آ گئے ہیں"۔

"اب۔۔۔ اب کیا ہو گا"۔

"کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ بس تم دیکھتے جاؤ۔۔۔ میں آج ان آدم خوروں کی ایسی کی تیسی کر کے رکھ دوں گا۔۔۔ چلے ہیں ہمارا گوشت کھانے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے پستول کا ٹریگر دبا دیا۔۔۔ لیکن فائر نہ ہوا۔

"ہائیں۔۔۔ یہ کیا"۔

"تم لوگ اگر بلیک ہول میں جا سکتے ہو تو تمہارے پستول کیوں بے کار نہیں ہو سکتے"۔

"اوہ۔۔۔ اچھا"۔ انسپکٹر جمشید نے جل کر کہا اور اپنا پستول اس حملہ آور پر کھینچ مارا۔۔۔ جو سب سے آگے چلا آ رہا تھا۔۔۔ اور کوئی دم میں ان کے سروں پر پہنچنے والا تھا۔۔۔ وہ تیورا کر گرا۔۔۔ ساتھ ہی انسپکٹر جمشید نے اس کی تلوار اٹھا لی۔۔۔ جو اس کے ہاتھ سے نکل کر انہی کی طرف گھسٹ آئی تھی۔

جونہی تلوار ان کے ہاتھ میں آئی۔۔۔ انہوں نے اس کو بلا کی

رفتار سے گھمانا شروع کر دیا۔۔۔ اس قدر تیز گھمائی انہوں نے کہ ہوا بند ہو گئی۔۔۔ ان آدم خوروں کو بھلا کب اس قدر تیز تلوار چلانا آتی تھی۔۔۔ وہ بوکھلا کر پیچھے ہٹنے لگے۔۔۔ یوں بھی تلواریں ان میں صرف چند ایک کے پاس تھیں۔۔۔ باقی لوگوں کے پاس خنجر تھے۔ خنجروں سے تو گھومتی تلوار کا مقابلہ نہیں ہو سکتا تھا اور ادھر انسپکٹر جمشید کا ہاتھ رک نہیں رہا تھا۔۔۔ برابر گردش کر رہا تھا۔۔۔ اچانک ایک حملہ آور کی گردن تن سے جدا ہو گئی۔۔۔ اس کا دھڑ گر کر تڑپنے لگا۔ ایسے میں خان رحمان نے گرنے والے کی تلوار اٹھا لی۔۔۔ ادھر خود خان نے اپنے بیگ سے ایک شکاری چاقو نکالا۔۔۔ اب یہ بھی جنگ میں شامل ہو گئے۔۔۔ یہاں تک کہ ان کے باقی ساتھیوں کے ہاتھ بھی خنجر آ گیا۔۔۔ اور وہ موقع محل دیکھ کر ان کا صفایا کرنے لگے۔۔۔ آخر پندرہ منٹ بعد وہ سب لوگ زخمی یا مردہ حالت میں پڑے تھے۔ ان سب کے جسم بھی زخموں سے چور ہو چکے تھے۔۔۔ اور جگہ جگہ سے خون رس رہا تھا۔۔۔ وہ سب خون میں لت پت ہو چکے تھے۔۔۔ اس قدر خون ریز لڑائی انہوں نے بہت کم لڑی ہو گی۔

"مسٹر سیلانی۔۔۔ تمہارے آدم خور تو گئے کام سے۔۔۔ اب تم بھی آ کر دو دو ہاتھ کر لو۔۔۔ تاکہ کوئی حسرت نہ رہ جائے"۔

"ضرور کیوں نہیں"۔

نہ جانے کون سے کمرے سے پروفیسر سیلانی بھی نکل آیا۔۔۔ لیکن

اس کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہیں تھا۔۔۔ انہوں نے دیکھا۔۔۔ وہ پروفیسر سیلانی ہی تھا۔

"ہم تو اس خیال میں تھے کہ پروفیسر سیلانی ہی رانگ نمبر ہے"۔

"بالکل غلط خیال ہے۔۔۔ تمہارا۔۔۔ تم نے میرے سو ساتھی مار ڈالے۔۔۔ اب تم لوگوں کو زندہ رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔۔۔ لہٰذا تم سب کو اب مرنا پڑے گا"۔

"وہ تو خیر بعد کی بات ہے۔۔۔ پہلے اس کی وضاحت کرو۔۔۔ یہ اپنے انسپکٹر کامران مرزا کہاں چلے گئے"۔

"چلے گئے ہیں تمہارے ساتھی اور پوچھ رہے ہو مجھ سے۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی"۔

"ہم نے سوچا۔۔۔ شاید آپ کو معلوم ہو"۔

"نہیں۔۔۔ مجھے کوئی اندازہ نہیں۔۔۔ انسپکٹر جمشید میں خالی ہاتھ ہوں۔۔۔ تم دیکھ رہے ہو نا"۔

"ہاں! دیکھ رہا ہوں"۔

"اچھا تو پھر تم بھی مجھ سے خالی ہاتھ مقابلہ کیوں نہیں کر لیتے"۔

"یہ بات ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! یہی بات ہے۔۔۔ تم مجھ سے خالی ہاتھ مقابلہ کر لو۔۔۔ اگر تم نے مجھے شکست دے دی تو تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جیت ہو گی۔۔۔ لیکن اگر تم ہار گئے انسپکٹر جمشید تو پھر تمہارے ساتھیوں کی بھی ہار

جمی جائے گی"۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے"۔

"تب پھر یہ تلوار۔ خون چکاتی تلوار گرا دو۔ اور میرا
کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ"۔

انسپکٹر جمشید نے تلوار گرا دی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کھڑے
"اور۔ اب ہم کیا کریں ابا جان"۔ محمود نے پریشان ہو کر
"لڑائی دیکھو۔ تیل دیکھو' تیل کی دھار دیکھو"۔ وہ
میں بولے۔

"آپ کا مطلب ہے۔ لڑائی کا تیل"۔ فاروق کے لیے
حیرت تھی۔

"اس قدر خون آلود کمرے میں بھی۔ جہاں انسانی لاشیں
پڑی ہیں۔ تم سنجیدہ نہیں رہ سکتے"۔ آصف نے منہ بنایا۔

"یہ انسان نہیں تھے۔ درندے تھے۔ انسانوں کا
تھے"۔ فاروق نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"ایک طرف ہو جاؤ"۔ سلیمانی کسی چیلے کی طرح دہاڑا۔
اس کی آواز اس حد تک خوفناک بھی ہو سکتی ہے۔ یہ
نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"یہ۔ یہ آواز آپ کی اپنی تھی"۔ شوکی کانپ گیا۔

"نہیں! یہ رانگ نمبر کی آواز تھی"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"اوہ! تو آپ ہی رانگ نمبر ہیں"۔

"نہیں۔ میں تو رانگ نمبر کا پابند بھی نہیں۔ وہ تو بہت بڑی
چیز ہیں۔ میں تو ان کا ایک ادنیٰ سا ساتھی ہوں۔ آج رانگ نمبر نے مجھ
سے کہا تھا کہ لو شکار ہاتھ لگے ہیں۔ اگر میں نے انہیں کھا پی کر ہضم
کر کے دکھا دیا تو وہ پورے ایک ملک کی حکمرانی مجھے سونپ دے گا"۔

"اوہ۔ تو کیا رانگ نمبر بھی آدم خور ہے"۔

"نہیں۔ وہ آدم خور نہیں ہے۔ لیکن مجھ سے نفرت نہیں
کرتا۔ اس لیے کہ میں اس کا غلام ہوں۔ اور بعض اوقات غلاموں
کی کوئی گندی عادت بھی برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ بس مجھ میں یہ گندی
عادت ہے۔ اور میرے اور گرو بھی آدم خور جمع ہو گئے تھے۔ انہیں
اس لیے میری گندی عادت کو برداشت کرنا پڑا"۔

"لیکن وہ تم سے کام کیا لیتا رہا ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"اپنی تجربہ گاہ میں ہی ہم سے کام لیتا رہا ہے۔ آلات کو کھولوں
کرنا اور اسی کا کام تھا"۔ اس نے کہا۔

"کیا!!!" وہ چلا اٹھے۔

"کیوں۔ اس میں چلانے کی کون سی بات ہے"۔ اس کے لہجے
میں حیرت تھی۔

"تب ہم تم سے نہیں لڑیں گے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"!!!۔ ڈر گئے انسپکٹر جمشید"۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

"نہیں۔ میں کیوں ڈرنے لگا۔ لیکن میں تم سے لڑ نہیں
سکتا"۔

"تو کیوں۔ وجہ؟"

"تم ہی تو وہ شخص ہو۔ جو میں اس کی تجربہ گاہ کو
کے بعد۔ کہاں ہے تجربہ گاہ۔ میں ابھی یہ معلوم ہو جاتا ہے
ہاں۔ پھر ہم اس سے نمٹ لیں گے"۔

"یہی بات تو یہ کہ تم اس سے اس صورت میں بھی نہیں
سکو گے"۔ وہ ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب۔ کہاں نہیں لڑ سکتے۔ ہم اس کی تجربہ
کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے"۔

"نہیں بجا سکتے۔ کیونکہ وہ جگہ وہ ہے کہ اگر
تجربہ گاہ تک پہنچ ہی نہیں سکو گے"۔

"کیوں نہیں پہنچ سکتے۔ تم ہمارے ہاتھ لگ گئے ہو"

"تو کیا میں نہیں جانتا۔ تجربہ گاہ کہاں ہے۔ وہ جب
ہے۔ ہمیں ایک ہوٹل کے ذریعے تجربہ گاہ میں بلا لیتا ہے۔ اور
چاہتا ہے واپس بھیج دیتا ہے۔ اور انہیں کیا معلوم ہے۔ ایک ہوٹل کے
کہاں لے جاتا ہے۔ وہ جگہ کہاں ہے۔ ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے"۔

"اوہ۔ اوہ"۔ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہے نا عجیب بات"۔

[illegible]

"اچھی بات ہے۔ اگر تم ضرور ہی لڑنا چاہتے ہو تو تمہاری
مرضی۔ ویسے میں تو چاہتا تھا۔ رہنے دیتے ہیں"۔

"نہیں۔۔۔ میں ان ہاتھوں سے تمہاری عزت کرنا چاہتا ہو
وہ غرایا۔

"جانے دو بھائی۔۔۔ بڑے بڑے عزت کی حسرت لیے ر
سے رخصت ہو گئے"۔

"لیکن میں یہ حسرت لیے رخصت نہیں ہوں گا۔ بھر
خوشی لے کر جاؤں گا"۔

"جس ملک پر تمہیں حکومت ملے گی۔۔۔ اس پر تم آخر کب
حکومت کرو گے۔۔۔ ایک دن تو مرنا پڑے گا"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"یہ بات کتنے لوگ سوچتے ہیں بھلا۔۔۔ کہ میں سوچوں"۔

"نہ سوچو۔۔۔ ہونا تو یہی ہے"۔

"بک بک نہ کرو۔۔۔ اور لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔۔۔ پھر نہ کہو
نے اچانک حملہ کر دیا ہے"۔

"اچھا تمہاری مرضی۔۔۔ آؤ"۔

وہ ان کی طرف ایک ایک قدم بڑھنے لگا۔۔۔ اور پھر ان کے
نزدیک پہنچ گیا۔۔۔ انہوں نے کوئی حرکت نہ کی۔۔۔ اس کے حملے کا
کرتے رہے۔۔۔ اچانک وہ سرسراتی آواز میں بولا۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔ انسپکٹر جمشید میں جانتا ہوں"۔

"میں بھی جانتا ہوں"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا جانتے ہیں۔۔۔ آپ کیا جانتے ہیں' انسپکٹر جمشید"

پھر۔

"یہ کہ آپ جانتے ہیں"۔

"لیکن کیا؟" وہ چیخ پڑا۔

"یہ آپ نے ابھی نہیں بتایا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں نے سنا ہے۔۔۔ کہ آپ کے یہ بچے۔۔۔ جو چھوٹی پارٹی
کہلاتے ہیں۔۔۔ ادھر ادھر کی بہت ہانکتے رہتے ہیں۔۔۔ لیکن میں تو اب
یہ دیکھ رہا ہوں کہ ادھر ادھر کی یہ نہیں۔۔۔ آپ ہانکتے ہیں"۔

"کیا آپ اسی بات کے جاننے کا دعویٰ کر رہے تھے"۔ ان کے
لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں۔۔۔ وہ دوسری بات تھی"۔

"اور تیسری بات کیا تھی"۔

"انسپکٹر جمشید سنجیدگی۔۔۔ سنجیدگی اختیار کرو انسپکٹر جمشید"۔ اس
نے پرزور انداز میں کہا۔

"کیوں۔۔۔ ایسی کیا بات ہو گئی۔۔۔ اس کمرے میں لاشیں ہیں۔۔۔
یہ لاشیں تمہارے ساتھیوں کی ہیں۔۔۔ میرے ساتھیوں کی نہیں"۔

"ان لاشوں کا انتقام تو خیر اب میں لینے والا ہوں۔۔۔ اور تمہیں
کتنے دل کا بھاؤ معلوم ہونے والا ہے"۔

"اور وہ بات جو تم جانتے ہو۔۔۔ کیا ہے"۔

"!!!!۔۔۔ آخر پوچھ بیٹھے نا۔۔۔ یہی میں چاہتا تھا۔۔۔ تم پوچھو۔۔۔ وہ

کیا بات ہے"۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ بات۔۔۔ میں دراصل یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں جانتا ہو
وقت تمہارے تاثرات کیا ہیں۔۔۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ میرے ا
رسید کرو گے اور میں دور جا گروں گا۔۔۔ لیکن ایسا نہیں ہو گا
"دو ہاتھ میں بھی نہیں ہو گا۔۔۔ تین میں بھی نہیں"۔

"ارے تو مجھے گن کر ہاتھ مارنے کی ضرورت ہی کیا ہے
ان گنت ہاتھ رسید کر دوں گا"۔ انہوں نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ ہوئی نہ بات۔۔۔ لیکن افسوس۔۔۔ تم ایسا نہیں
کر سکو گے۔۔۔ ان گنت ہاتھ تو تم مار ہی نہیں سکو گے"۔

"لڑنے سے پہلے جو لوگ لمبی چوڑی باتیں کرتے ہیں
پسند نہیں۔۔۔ بھئی تم لڑائی شروع کرو۔۔۔ جو ہو گا۔۔۔ ابھی سب
لیں گے"۔

"نہیں انسپکٹر جمشید۔۔۔ میں پہلے ہی بتا دینا چاہتا ہوں کہ
گا۔۔۔ کیا ہونے والا ہے"۔ اس نے پرغرور انداز میں کہا۔ ا
قدم اور آگے بڑھا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ بتاؤ پھر کیا ہو گا"۔

"میں نے بے تحاشا انسانوں کا خون پیا ہے"۔

"جانتا ہوں پروفیسر سیلانی۔۔۔ جانتا ہوں"۔ انسپکٹر جمشید

کے انداز میں کہا۔

اس نے انہیں گھور کر دیکھا۔۔۔ پھر پھنکارا۔

"تم اس خیال میں ہو کہ مجھے آسانی سے زیر کر دو گے۔۔۔ جیسے
تم نے میرے ساتھیوں کو کیا ہے۔۔۔ کر دو مجھے زیر۔۔۔ ایک ہاتھ
میں۔۔۔ دو ہاتھوں میں۔۔۔ تین ہاتھوں میں۔۔۔ جتنے ہاتھ مار سکتے ہو مار
لو۔۔۔ پھر میں تمہیں مہلت نہیں دوں گا۔۔۔ ہاں۔۔۔ جونہی تمہارے ہاتھ
رکے۔۔۔ میں تم پر وار کر دوں گا صرف اور صرف ایک۔۔۔ ہاں انسپکٹر
جمشید۔۔۔ تم میرے صرف ایک ہاتھ کی مار ثابت ہو گے اور بس۔۔۔ یہ
میرا دعویٰ ہے۔۔۔ تم اور تمہارے یہ سب ساتھی یہ بات نوٹ کر لیں
اگر کوئی نوٹ نہیں کر سکے گا تو تمہارا وہ ساتھی جو چلا گیا۔۔۔ اسے انسپکٹر
کامران مرزا کہتے ہیں۔۔۔ تمہاری اس پارٹی میں اس کا بھی وہی مقام
ہے۔۔۔ جو تمہارا۔۔۔ اس لیے جب اس نے جانا چاہا تو جانے دیا گیا۔۔۔ یہ
سوچ کر کہ وہ بھی دل کی حسرت پوری کر لے۔۔۔ جہاں جانا چاہتا ہے۔۔۔
ہو آئے۔۔۔ لوٹ کر تو آخر اسے یہیں آنا ہو گا۔۔۔ اپنے ساتھیوں کے
لیے۔۔۔ اسے بھی آنا ہو گا۔۔۔ اور پھر میں اس کے بھی صرف ایک ہاتھ
رسید کروں گا۔۔۔ اس کے بعد وہ بھی تمہارے پاس آ جائے گا۔۔۔ جانتے
ہو۔۔۔ کہاں۔۔۔ ایک بلیک ہول میں۔۔۔ !!!!۔۔۔ مارو۔۔۔ انسپکٹر
جمشید مجھے مارو۔۔۔ پھر موقع نہیں دوں گا۔۔۔ اب موقع ہے۔۔۔ میں پورا
کا پورا تمہارے سامنے ہوں اور دیکھ لو۔۔۔ میرے جسم پر کوئی حفاظتی

لباس بھی نہیں ہے۔ میں نے کوئی لوہے کا لباس نہیں پہن رکھا۔
اب انسپکٹر جمشید کا پارہ چڑھ چکا تھا۔ انہوں نے مکا لہرایا
تھا۔ ایک مکا ناک کر اس کے ناک پر دے مارا۔

☆○☆

جیرال کی آواز

ان سب نے صاف طور پر دیکھا۔ مکا سیلانی کے ناک پر ہی لگا
تھا۔ صاف طور پر اس لیے کہ سیلانی نے ہلنے جلنے یا وار بچانے کی کوئی
کوشش نہیں کی تھی۔
"ایک معاہدہ پہلے ہی ہو چکا ہے انسپکٹر جمشید"۔ سیلانی نے مکا
کھانے کے بعد بھی مسکراتے ہوئے کہا۔
اس کا انسپکٹر جمشید کے مکے نے کچھ بھی نہیں بگاڑا تھا۔ ناک
بھی اپنی جگہ موجود تھی۔ اور یہ بات ان سب کے لیے ہولناک
تھی۔ ان کے خیال میں تو اس کے ناک کو پچک جانا چاہیے تھا اور
وہ لہولہان ہو جانا چاہیے تھا، لیکن ایسی کوئی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔
"اور وہ کیا؟" انسپکٹر جمشید نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
وہ سب یہ حیرت انگیز تبدیلی بھی دیکھ رہے تھے۔ کہ ان کے
ساتھی کو غصہ آ رہا تھا۔ جب کہ سیلانی بدستور مسکرا رہا تھا۔ اس کی
مسکراہٹ خود انہیں بھی غصہ دلا رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ یہ
محسوس کر رہے تھے کہ غصہ انسپکٹر جمشید کے لیے بہت خطرناک ثابت

ہو سکتا تھا۔ آج تک ہوتا یہ آیا تھا کہ انہیں غصہ بالکل
نہیں تھا۔ بلکہ وہ دشمن کو غصہ دلا دیا کرتے تھے۔
"معاہدہ یہ ہو چکا ہے کہ۔۔۔ نہ میں کوئی ہتھیار استعمال
کروں گا۔۔۔ نہ تم۔ اور نہ تمہارے ساتھی"۔
"ہوں! ٹھیک ہے۔۔۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں
استعمال کرنے پر اتر آؤں گا"۔ انہوں نے بھی غصے میں آ کر کہا۔
"ابا جان! ہوشیار۔۔۔ آپ غصے میں آتے جا رہے ہیں
علامت خطرے کی ہے"۔ فرزانہ چلائی۔
انسپکٹر جمشید کو ایک جھٹکا لگا۔۔۔ ان کے چہرے پر حیرت
آئی۔۔۔ انہیں یوں لگا جیسے اب تک نیند میں رہے ہوں۔۔۔ وہ
ایک جھرجھری لی۔۔۔ اور بولے۔
"شکریہ فرزانہ۔۔۔ تم نے مجھے نیند سے جگا دیا"۔
"کیا فرمایا آپ نے۔۔۔ نیند سے جگا دیا"۔ آفتاب کے لہجے
حیرت در آئی۔
"ہاں! نیند سے جگا دیا۔۔۔ مجھ پر نیند سوار ہو رہی تھی۔
نیند کی وجہ سے مجھ پر غصہ چھا رہا تھا۔۔۔ میں نہیں جانتا۔۔۔ ایسا
رہا تھا۔۔۔ شش۔۔۔ شاید۔۔۔ اس کمرے میں کوئی چیز ایسی ہے۔
لوگ نیند محسوس نہیں کر رہے"۔ انہوں نے پوچھا۔
"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ شش۔۔۔ شاید کر رہے ہیں۔۔۔ ابا جان

کر رہے ہیں۔۔۔ لیکن ہم غصے میں نہیں ہیں"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔
"غصے میں بھی ہو۔۔۔ اپنا جائزہ لو"۔
انہوں نے محسوس کرنے کی کوشش کی اور پھر ایک ساتھ
بولے۔
"آپ کا ہی خیال درست ہے۔۔۔ ہم واقعی غصے میں بھی ہیں"۔
"تب پھر۔۔۔ تم بھی خود کو سنبھالو۔۔۔ یہ بھی خطرناک ہے"۔
ان سب نے ایک جھرجھری لی اور پھر یوں لگا جیسے وہ ہوش میں
آئے ہوں۔۔۔ سیلانی جوں کا توں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اچانک بولا۔
"تم لوگ ہوش میں آ گئے۔۔۔ مبارک ہو۔۔۔ لیکن تمہارا ہوش
میں آنا بھی تمہارے کام نہیں آئے گا۔۔۔ انسپکٹر جمشید تم نے دوسرا وار
نہیں کیا۔۔۔ شاید ہاتھ پر چوٹ زیادہ آئی ہے"۔
اب انہیں یاد آیا۔۔۔ ان کے ہاتھ پر واقعی کافی چوٹ آئی تھی۔۔۔
اور وہ سوچ رہے تھے کہ دوسرا مکا مارنے کے بعد ہاتھ میں سکت رہ
جائے گی یا نہیں۔۔۔ اچانک انہوں نے دوسرے ہاتھ کا مکا اس کے
ہونٹوں پر دے مارا۔۔۔ یہ سوچ کر ہونٹ نازک ترین چیز ہیں۔۔۔ ان کا
مکا ہونٹوں پر لگا۔۔۔ ان سب نے سیلانی کے ہونٹوں سے خون کا فوارہ
چھوٹتے دیکھا۔
"وہ مارا۔۔۔ آپ کا یہ مکا کامیاب رہا"۔ فرزانہ چلائی۔
"نہیں۔۔۔ کچھ ایسا کامیاب نہیں رہا"۔ انسپکٹر جمشید نے انکار

میں سر ہلایا۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ نہیں کامیاب رہا۔۔۔ آپ اس کے
سے خون نکلتے نہیں دیکھ رہے"۔

"ہاں! دیکھ رہا ہوں۔۔۔ لیکن میرے مکے سے اس کے
کے دانت ٹوٹ جانے چاہئیں تھے۔۔۔ جب کہ ایسا نہیں ہوا۔
ہونٹ پھٹے ہیں۔۔۔ وہ بھی اس لیے کہ اس نے کوئی حرکت نہیں
اگر یہ ذرا حرکت کر لیتا تو میرا مکا شاید ہونٹوں پر نہ لگتا۔۔۔ اور
چوٹ آتی"۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا ہونٹوں پر مکا لگنے سے بھی آپ کے ہاتھ
چوٹ آئی ہے"۔

"ہاں۔۔۔ میرا ہاتھ آخر دانتوں سے ٹکرایا ہے۔۔۔ اس کے
ٹوٹے نہیں۔۔۔ میرے ہاتھ پر چوٹ ضرور لگی ہے۔۔۔ اب بتاؤ۔۔۔
سے زیادہ نازک کون سا حصہ ہے کہ میں اس پر مکا ماروں"۔

"آنکھ"۔ شوکی چلایا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ میں آنکھ پر وار کروں گا"۔

"اور منہ کی کھاؤ گے انسپکٹر جمشید"۔ سیلانی نے کہا۔

"دیکھا جائے گا۔۔۔ منہ کی کھاتا ہوں یا ہاتھ پیر کی"۔ انہوں
برا سا منہ بنایا۔

اور پھر ان کا مکا اس کی آنکھ پر لگا۔۔۔ انہیں اپنے ہاتھ کی

ہوں محسوس ہوئی۔۔۔ کیونکہ مکا آنکھ پر لگنے کی بجائے۔۔۔ پیشانی اور کنپٹی
کی ہڈی سے ٹکرایا تھا۔۔۔ آنکھ تک تو پہنچا ہی نہیں تھا۔۔۔ ان کے منہ
سے ایک چیخ نکل گئی۔

"دیکھا انسپکٹر جمشید۔۔۔ میں نے کہا تھا۔۔۔ تم میرا کچھ نہیں بگاڑ
سکو گے۔۔۔ اپنے ہاتھ تڑوا بیٹھو گے۔۔۔ اب جو کرنا ہے۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔
میری ابھی مجھے بھی ایک ہاتھ رسید کرنا ہے۔۔۔ اور میرا تو بس ایک
ہاتھ کافی ہو جائے گا"۔

"حیرت ہے"۔ ایسے میں رفعت کی آواز سنائی دی۔

"کس بات پر حیرت ہو گئی اس وقت"۔ آصف جھلا کر اس کی
طرف مڑا۔

"اس بات پر کہ جب رانگ نمبر کے پاس اتنا طاقت ور آدمی
موجود تھا تو اسے اپنی جان کی حفاظت کے لیے جیرال، اقبال اور راٹور کو
بلانے کی کیا ضرورت تھی"۔

"اس سوال کا جواب سیلانی صاحب ہی دے دیں تو بہتر رہے
گا"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"یہ ان کی پیشکش تھی۔۔۔ رانگ نمبر نے انکار نہیں کیا اور
انہوں نے ان تینوں کو بھیج دیا۔۔۔ ورنہ میرے ہوتے ہوئے۔۔۔ مسٹر
رانگ نمبر کو کسی کی ضرورت نہیں۔۔۔ ان کی حفاظت کے لیے میں اکیلا
کافی ہوں"۔

"لو بھئی۔۔۔ سنبھلو مسٹر سیلانی۔۔۔ اس بار کا وار خالی نہیں
جائے گا"۔

"فضول۔۔۔ اپنی انگلی نہ تڑوا بیٹھنا۔۔۔ ویسے مجھے کوئی
نہیں"۔ اس نے فوراً کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ دھک سے رہ گئے۔

"تم نے اب یہ سوچا ہے کہ تمہارا مکا میری آنکھ تک نہیں
تو کیا ہوا۔۔۔ تمہاری انگلی تو پہنچ سکتی ہے۔۔۔ لیکن تمہاری انگلی
جائے گی۔۔۔ میری آنکھ پر خراش تک نہیں آئے گی"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ میرا مکا تمہارے ہونٹوں پر لگا اور
پھٹ گئے۔۔۔ تو آنکھ کیوں محفوظ رہے گی"۔

"اگر انگلی تڑوانے کا شوق زیادہ ہے تو پھر میں کیا کر سکتا ہوں"

"تب پھر تم نے آنکھ کے اوپر کوئی نظر نہ آنے والا شیشہ
ہے۔۔۔ جو ٹوٹ نہیں سکتا"

"تم ادھر آؤ"۔ اس نے شوکی کو اشارہ کیا۔

"کک۔۔۔ کیوں۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے۔۔۔ میں نے تو
نہیں۔۔۔ نن نہیں۔۔۔ آن میں۔۔۔ اوہو یہ بھی نہیں۔۔۔ ہاں یاد آیا۔
میں کوئی گستاخی بھی نہیں کی۔۔۔ پھر"۔

"میں کہتا ہوں۔۔۔ ادھر آؤ"۔

"یار ٹی ایس ایم۔۔۔ تم آگے چلے جاؤ۔۔۔ میری جان

کر کہا۔

"کیا بات ہوئی۔۔۔ بلا وہ آپ کو رہا ہے۔۔۔ اور بھیج آپ مجھے
رہے"۔ ٹی ایس ایم نے بوکھلا کر کہا۔۔۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔۔۔
آواز قدرے دوڑ گئی۔

"ارے۔۔۔ آؤ ادھر۔۔۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ میں اعلان کیے
دیتا ہوں کہ نہیں کروں گا۔۔۔ جب وار کروں گا۔۔۔ بتا کر تمہیں پوری طرح
موقع دے کر کروں گا"۔

ٹی ایس ایم ڈرتا گھبراتا۔۔۔ شرماتا جھجکتا آگے بڑھا۔

"کک۔۔۔ کف۔۔۔ چج۔۔۔ چج"۔ اس کے منہ سے نکلا۔

"یہ کون سے الفاظ کی زبان ہیں"۔ شوکی نے بوکھلا کر کہا۔

"میرا وقت ضائع نہ کرو۔۔۔ میری آنکھ کو چھو کر دیکھو۔۔۔ اور
انسپکٹر جمشید کو بتا دو کہ ان پر کوئی خول نہیں چڑھا ہوا"۔

"ہیں! اتنی سی بات"۔

"ہور کیا میں تمہیں پکڑ کر منہ میں ڈالنے والا تھا۔۔۔ احمق کہیں
کے۔۔۔ آنکھ کو چھو کر دیکھو"۔

"کک۔۔۔ کرنٹ۔۔۔ کرنٹ تو نہیں لگے گا"۔

"نہیں لگے گا کرنٹ۔۔۔ میں بجلی کا بنا ہوا نہیں ہوں"۔

"واہ۔۔۔ بجلی کا بنا ہوا۔۔۔ کیا خوب نام ہے۔۔۔ افسوس یہ کسی
کا نام نہیں ہو سکتا"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"خدا کا شکر ہے۔ تم نے جملہ تو تبدیل کیا"۔

"پتا نہیں۔ تم کن باتوں میں لگ گئے ہو"۔ سیلانی نے جھ
کہا۔

"ہم ذرا سانس لے رہے ہیں سنکل ایلانی"۔

"سانس لے رہے ہو۔ تم تو کہہ رہے تھے کہ سانس لے
ہو اور انسپکٹر جمشید نے بھی اب تک تین مکے مارنے کے سوا کچھ
ہے"۔

"تم نے مجھے صرف مکے مارنے کی اجازت دی ہے۔ یہ تو
بات نہ ہوئی"۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"تو پھر۔ تم کیا چاہتے ہو"۔

"میں جس رخ سے چاہوں۔ لڑوں۔ وار کروں"۔

"تمہیں پوری اجازت ہے۔ انسپکٹر جمشید۔ جس طرف سے
اور جیسے چاہو مجھ پر وار کرو۔ کوئی قید نہیں ہے"۔

"ہاں! یہ ہوئی نا بات۔ اب دیکھنا میرا کمال"۔ انسپکٹر جمشید
مسکرائے۔

"کک۔ کیا مطلب؟"

"جس دیکھتے جاؤ۔ میرا یہ وار تمہیں لے بیٹھے گا"۔

"ارے میاں جاؤ۔ بلاوجہ گیدڑ بھبکیاں دے رہے ہو"۔

"اچھی بات ہے۔ تو پھر تیار ہو جاؤ۔ میں وار کرنے

ہوں"۔

"میں تو کب سے انتظار کر رہا ہوں"۔ وہ جھلا

انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ پھر اس پر ایک
نظر ڈالی۔ تیزی سے آگے بڑھے۔ جھکے اور اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا
لیا۔ ساتھ ہی انہوں نے اسے سر سے بلند کر لیا۔ اتنے بھاری بھرکم
اور سانڈ جیسے آدمی کو وہ یوں دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیں گے۔ یہ تو
انہوں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اور نہ یہ بات سیلانی کے وہم و
گمان میں تھی۔ لہٰذا وہ چلا اٹھا۔

"ارے ارے۔ یہ کیا؟"

"تم نے خود اجازت دی ہے۔ اب بتاؤ۔ تمہیں کون سی دیوار
پر دے ماروں"۔

"نن۔ نہیں"۔ وہ کانپ گیا۔

"حیرت ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے تم کس قدر بڑھ چڑھ کر
باتیں بنا رہے تھے۔ اور اب کانپ رہے ہو"۔

"ہاہاہا"۔ ایسے میں تین آدمیوں کے زور زور سے ہنسنے کی
آوازیں سنائی دیں۔ پھر جمال، اقبال اور راشد اندر داخل ہوئے۔
عین اس وقت انسپکٹر جمشید نے اسے دیوار پر دے مارا۔ اس کے منہ
سے چیخ نکل گئی۔ لیکن وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ دیوار سے ٹکرانے
کے بعد وہ سیدھا ہوا اور ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ اس طرح ہانپ رہا تھا

جیسے بہت دور سے دوڑ کر آیا ہو۔

"یہ قہقہہ کس خوشی میں؟" انسپکٹر جمشید ان کی طرف متوجہ
"ارے! ہمیں یہاں دیکھ کر تم لوگوں کو حیرت نہیں ہوئی
جمال ہنسا۔

"نہیں۔ حیرت کیوں ہوتی۔ جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ
لوگ اس بار رانگ نمبر کے طرف دار بن کر یہاں آئے اور حویلی
رانگ نمبر کے ایک ساتھی کی ہے"۔

"لیکن ہنسنے کی وجہ تو پوچھ لیں"۔ اقبال کی آواز سنائی دی۔

"چلئے۔ اگر آپ لوگ وجہ بتانے کے لیے اس قدر بے
ہیں تو بتا دیں"۔ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"ہماری پروفیسر سیلانی سے شرط لگی تھی۔ سیلانی کا کہنا تھا
آپ لوگوں کو تگنی کا ناچ نچا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ
طاقتور ہے۔ اس کے جسم پر چوٹ ہاتھ وغیرہ سے تو لگتی بھی نہیں
لکڑی یا لوہے کے ڈنڈے سے مارا جائے تو تب کہیں جا کر اس پر
ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کا خیال تھا کہ یہ آپ لوگوں کو مار مار کر بھرکس
نکال دے گا۔ جب کہ ہمارا خیال تھا کہ یہ آپ لوگوں کا بال بھی
نہیں کر سکے گا۔ سو یہی ہوا۔ اسی لیے ہم ہنس رہے ہیں۔ کیوں
پروفیسر سیلانی۔ اب کیا خیال ہے"۔

"آپ۔ آپ ٹھیک کہتے تھے۔ یہ لوگ واقعی خطرناک ہیں

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مجھ جیسے بھاری بھرکم آدمی کو یہ اس قدر
آسانی سے اٹھا لیں گے"۔

"تم کیا ہو سیلانی۔ یہ تو پہاڑ جیسے آدمی کو اتنی آسانی سے اٹھا
لیتے ہیں۔ اور اپنے اس داؤ سے انسپکٹر جمشید یا انسپکٹر کامران مرزا نے
بڑے بڑے دشمنوں کو چت کیا ہے۔ ہم ان کی تاریخ جانتے
ہیں۔ تم نہیں جانتے"۔

"اب۔ اب مان گیا ہوں"۔ اس نے ہانپ کر کہا۔

"اور یہ جاننے کے لیے تم نے اپنے اتنے آدمی ختم کروا
دیئے۔ چ چ"۔ راشد بولا۔

"کوئی بات نہیں۔ ان بیکار لوگوں کی ضرورت بھی کیا ہے
ہمیں"۔

"پھر اب کیا کرنا ہے۔ ان لوگوں کو جانے دیا جائے یا حویلی میں
قید کر دیا جائے؟"

"قید کیا جائے گا انہیں۔ یہ اس قابل نہیں کہ آزاد پھریں"۔
سیلانی غرایا۔

"لیکن اس صورت میں مزا نہیں آئے گا۔ یہ سوچ لیں"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکا۔

"ہم برابر کے مقابلے کے عادی ہیں۔ جب تک مقابلے میں
کوئی نہ ہو، مزا نہیں آتا۔ ہم چاہتے ہیں۔ ہمارے ملک اس

فارمولے پر کام کرتے رہیں۔۔۔ اور یہ آزاد رہ کر بھی ہمارے خلاف
نہ کر سکیں گے۔۔۔ اس ایجاد کا کچھ نہ بگاڑ سکیں۔۔۔ پھر خدا ہی
حکومت ہو جائے اور یہ بھٹکتے پھریں۔۔۔ کچھ نہ کر سکیں۔۔۔ اور
صورت میں ممکن ہے' جب ہم انہیں قید نہ کریں"۔

"تب پھر۔۔۔ آپ لوگ اس بارے میں مسٹر رانگ نمبر سے
کریں"۔ سیلانی نے کہا۔

"ان کا تو بس ایک ہی مطالبہ ہے"۔ راٹور ہنسا۔

"اور وہ کیا؟" سیلانی جلدی سے بولا۔

"یہ کہ یہ لوگ ان تک نہ پہنچنے پائیں۔۔۔ اور بس۔۔۔ اور
بات کی ہم نے ذمے داری لی ہے۔۔۔ دیکھ لیں اس وقت بھی
یہاں آئے تو ہم بھی یہاں پہنچ گئے۔۔۔ یہ جہاں بھی جائیں گے۔ ہم
معلوم ہوتا رہے گا۔۔۔ یہ ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکیں
گے۔۔۔ لہٰذا انہیں بھٹکنے دیں"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ اگر اس بات پر مسٹر رانگ نمبر کو کوئی
اعتراض نہیں تو میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔۔۔ آپ کو
سے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں"۔

"آپ سے پوچھا ہے۔۔۔ آپ کے ساتھیوں کی ہلاکت کی خبر
پر"۔

"مجھے ان کی کوئی پروا نہیں"۔ اس نے کندھے اچکائے

"آپ لوگ یہاں سے جا سکتے ہیں"۔ جیرال نے ان کی طرف
کرتے ہوئے کہا۔

"افسوس! ہم کیسے جا سکتے ہیں۔۔۔ ہاتھ آئے شکار کو چھوڑ کر کیسے
جا سکتے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا ہم ہاتھ آیا شکار ہیں؟"

"ہاں! آپ لوگ ہمارے سامنے ہیں۔۔۔ اور ہمارے ہاتھ ہی
سلامت ہیں۔۔۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ لوگ ہمیں غلام بنانے
کے چکر میں ہیں۔۔۔ ان حالات میں بھلا ہم کیا کر سکتے ہیں۔۔۔ سوائے اس
کے کہ آپ کو گرفتار کر لیں یا آپ کو جان سے مار ڈالیں"۔

"ارے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ مسٹر سیلانی کہاں چلے گئے؟" ایسے میں
انہوں نے خان رحمان کی آواز سنی۔

اب سب نے دیکھا۔۔۔ کمرے میں اب پروفیسر سیلانی موجود نہیں
تھے۔ تھوڑی دیر پہلے جس جگہ اسے انسپکٹر جمشید نے پھینکا تھا۔۔۔ وہاں
اب صرف اس کے زخموں سے گرنے والا خون موجود تھا۔

"رانگ نمبر نے بلیک ہول کے ذریعے اسے اٹھا لیا ہو گا یہاں
سے"۔ جیرال نے منہ بنایا۔

"مسٹر جیرال۔۔۔ ایک سوال پوچھوں"۔ انسپکٹر جمشید نے چبھتے
ہوئے لہجے میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"کیا آپ نے اب تک۔۔۔ مسٹر رانگ نمبر سے
ہے"۔

"نہیں۔۔۔ وہ ہمارے سامنے بھی نہیں آیا"۔

"بہت خوب! ہمارا بھی یہی خیال تھا۔۔۔ کیا وہ آپ کے
پیچھے کے کسی آدمی کے سامنے آیا"۔

"نہیں بالکل نہیں"۔ راٹور نے کہا۔

"تب پھر۔۔۔ یہ پروفیسر سیلانی ہی رانگ نمبر ہے۔۔۔ یہ ہمارا
ہے انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہو سکتا ہے۔۔۔ ہم نے بھی اس پر بہت غور کیا ہے"۔ جیرال
بولا۔

"دوسری بات۔۔۔ اگر آپ لوگوں نے اب تک رانگ نمبر
دیکھا نہیں۔۔۔ اور یہ بھی آپ کو معلوم نہیں کہ رانگ نمبر کہاں
رہتا ہے۔۔۔ یا کہاں مل سکتا ہے۔۔۔ تو آپ ہم لوگوں کو اس عمل
سے روک کیسے سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا

"یہ کوئی مشکل نہیں۔۔۔ ہم لوگ آپ لوگوں کی موجودگی سے
وقت باخبر رہیں گے"۔ جیرال نے کہا۔

"کسی وقت تو چوک ہو سکتی ہے"۔

"ہوں۔۔۔ ہم آپ کو کھو بیٹھے تھے۔۔۔ اور اس پر رانگ نمبر
ہمارا خوب مذاق اڑایا تھا۔۔۔ لیکن اب ہم نے اس کا انتظام کر لیا ہے

آپ وہاں ہماری نظروں سے پیچھے نہیں رہ سکیں گے"۔ جیرال بولا۔

"تب پھر مسٹر جیرال۔۔۔ یہ بھی تو کوئی انصاف نہیں ہوا اور اب
آپ بے اصول مجرم نہیں رہے جو کبھی ہوا کرتے تھے۔

"میں اب بھی بااصول ہوں۔۔۔ اور تم لوگوں کو پوری آزادی
دینے کے حق میں ہوں۔۔۔ مگر میرے یہ دونوں ساتھی اور رانگ نمبر
بالکل تیار نہیں"۔

"تب پھر آپ ان کا ساتھ چھوڑ دیں۔۔۔ اور ساتھ چھوڑ کر یا تو
ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں۔۔۔ یا پھر واپس چلے جائیں۔۔۔ اور عافیت کر
دیں۔۔۔ آپ اصول پسند ہیں"۔

"کیا!!!"

جیرال کی آواز میں بے پناہ گونج پیدا ہو گئی۔

☆○☆

چیونٹیوں کو دیکھا

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے... پھر اقبال کی آواز ابھری۔

"یہ کیا مسٹر جیرال... آپ اتنی زور سے کیوں چیخے؟"

"انہوں نے میری اصول پسندی کو للکارا ہے"۔

"یہ آپ کو چکر دے رہے ہیں"۔ راٹو نے بھنا کر کہا۔

"نہیں... بات واقعی اصول کی ہے... یا تو ان لوگوں کو بالکل آزادانہ کام کرنے دیا جائے' ورنہ پھر میں آپ لوگوں کے ساتھ کام نہیں کروں گا"۔

"یہ... یہ آپ کہہ رہے ہیں... مسٹر جیرال... آپ"۔

"ہاں! میرا ان لوگوں سے بہت پرانا تعلق ہے... آپ لوگوں سے بھی بہت پرانا"۔ جیرال نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"اچھی بات ہے... آپ اگر علیحدہ ہونا چاہتے ہیں تو ہو جائیں... ہم رانگ نمبر کی ہدایات پر عمل کریں گے... ہاں"۔ راٹو نے ضدی انداز میں کہا۔

"اور مسٹر اقبال... آپ کیا کہتے ہیں؟"

"وہی... جو مسٹر راٹو نے کہا ہے... میں ان کا ساتھ دوں گا"۔ اقبال بولا۔

"تب پھر... میں جا رہا ہوں"۔

"آپ جا سکتے ہیں... ہم آپ کو روکیں گے نہیں"۔

"شکریہ... میں چلا"۔ جیرال نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ان کے نزدیک سے گزرتے ہوئے اس نے ان پر ایک نگاہ ڈالی... پھر بولا۔

"اب تو آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں"۔

"نہیں... لیکن ایک درخواست ضرور ہے"۔

"اور وہ کیا؟" جیرال نے حیران ہو کر کہا۔

"اس کیس میں آپ ہمارا ساتھ دیں"۔

جیرال کے جسم کو ایک جھٹکا لگا... اس کی نظریں ان پر جم گئیں... پھر اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی تو اصول کی خلاف ورزی ہو گی... کیوں ہو گی نا"۔

"ہاں... شاید"۔ انسپکٹر جمشید نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا... اور جیرال ہوا کے جھونکے کی طرح کمرے سے نکل گیا... عین اس وقت رانگ نمبر کا قہقہہ گونجا۔

"ہاہا... بے وقوف جیرال... اس نے میری طاقت کا بالکل غلط

رہ لگایا۔

وہ اس قہقہے کو سن کر چونک اٹھے۔

"یہ... یہ قہقہہ... تو بالکل سیلانی جیسا نہیں ہے"۔

"نہیں... میں... بس اس کی نقل اتارنے کی کوشش کر رہا تھا"۔ رانگ نمبر ہنسا۔

"نقل کر رہے تھے... یا آپ پروفیسر سیلانی ہی ہیں"۔ شوکی نے ہنستے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں! اس ذکر کو چھوڑو... اور یہ پوچھو... جیرال پر کیا گزری"۔ رانگ نمبر کی شوخ آواز ابھری۔

"کیا مطلب... کیا ہوا اس کے ساتھ"۔ انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"بے چارہ... مارا گیا... بے موت"۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"وہ اپنی اصول پسندی کی موت مارا گیا... جونہی یہاں سے نکلا... میں نے ایک بلیک ہول کے ذریعے اسے اچک لیا... ساتھ ہی میں نے اس بلیک ہول کو آگ لگا دی... وہ اس کے اندر ہی جل کر راکھ ہو گیا"۔

"نن نہیں... نہیں"۔ وہ چلائے۔

"تم لوگ تو اس طرح چلا رہے ہو... جیسے وہ کوئی تمہارا قریبی

ساتھی تھا... جب کہ وہ تمہارا دشمن تھا... بہت پرانا دشمن تھا"۔

"ہاں! وہ دشمن تھے... لیکن اس کی دشمنی ہمیں بہت پسند تھی... باقی تمام دشمنوں کی نسبت ہم اس کی دشمنی کو پسند کرتے تھے... ورنہ دشمنی کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی... جسے کوئی پسند کرے... رانگ نمبر کی دشمنی... تم نے غلط کہا ہے"۔

"نہیں... میں نے درست کہا ہے... ایک طرف اس نے اصول پسندی ظاہر کی... دوسری طرف بے اصول پن پر اتر آیا"۔

"کیا مطلب... وہ بے اصولی پر کس طرح اتر آیا بھلا"۔

"ہم سے بھی تو اس نے معاہدہ کیا تھا"۔

"لیکن آپ لوگوں نے اس کی مرضی کے خلاف اس سے کام لینا چاہا تھا... سو اس نے انکار کر دیا' جب کہ اس نے یہ معاہدہ ہرگز نہیں کیا تھا کہ کام بھی ان کی مرضی کے مطابق کرے گا... جیرال ایسا وعدہ بھی کسی سے نہیں کرتا' اس لیے کہ وہ تو صرف اپنے اصولوں کے مطابق کام کرتا ہے"۔

"ٹھیک ہے... اب جو ہونا تھا... ہو گیا... وہ تو اب گیا' واپس نہیں آئے گا... تم لوگ بھی اب یہاں سے جانا چاہو تو ہم نہیں روکیں گے... تم آزادانہ کام کر سکو گے... کوئی روک ٹوک نہیں ہو گی"۔

"لیکن ہم ہر وقت رہیں گے آپ کی نظروں میں"۔ شوکی نے جھنجلایا۔

"ہاں! مجبوری ہے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ لیکن رات کی تاریکی میں آپ لوگ ہ
کس طرح دیکھ سکیں گے"۔

"رانگ نمبر کوئی چھوٹے سائنس دان نہیں ہیں۔۔۔ انہوں
پوری دنیا کو مصیبت میں ڈال دیا ہے۔۔۔ انشارجہ اور بیگال نے تو
مندی کی کہ اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔۔۔ ورنہ وہ بھی گئے
ہے"۔

"لیکن ہمارا اصول اس طرح چلے جانے کا نہیں ہے
جائیں گے تو آپ لوگوں کو گرفتار کر کے جائیں گے۔۔۔ اور آپ
ساتھ لے کر جائیں گے"۔

آپ کو یہاں سے نکال کر باہر پھینک دینا رانگ نمبر کے
ہاتھ کا کھیل ہے۔۔۔ پہلے یہ سوچ لو"۔

"وہ ایک دوسری صورت ہو جاتی ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"میں تو سمجھتا ہوں۔۔۔ آپ سب سے انسپکٹر کامران مرزا
متعلق ہے۔۔۔ اپنی جان بچا کر نکل گئے"۔ راٹور ہنسا۔

"ایسا نہیں ہے"۔ آصف چلا اٹھا۔۔۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"واقعی ایسا نہیں ہے۔۔۔ وہ کسی وجہ سے گئے ہیں۔۔۔ جان
جانے والے ایسے آسان نہیں ہم"۔ فاروق نے آفتاب کے کندھے
ہاتھ رکھ دیا۔ [illegible]

"اوہ شکریہ"۔ اس نے فوراً کہا۔

"مسٹر رانگ نمبر۔۔۔ آخر ہمیں ان لوگوں سے لڑنے کی ضرورت
کیا ہے۔۔۔ ہم کیوں اپنے ہاتھ پیر تھکائیں۔۔۔ ہمارا کام تو اس وقت
شروع ہو گا۔۔۔ جب آپ انہیں اپنے تک آنے سے نہیں روک سکیں
گے"۔

"بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ میں انہیں اٹھا کر دور پھینک دیتا ہوں"۔

"تو کیا ہوا۔۔۔ ہم پھر یہاں آ جائیں گے"۔

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا"۔ رانگ نمبر کی آواز ابھری۔

"کس بات کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا"۔

"یہاں لوٹ کر آنے کا"۔

"کاش ہمیں اس عمارت کو دیکھنے کی اجازت دے دی جاتی۔۔۔
ہم رانگ نمبر تک پہنچ جاتے"۔ پروفیسر داؤد کی آواز ابھری۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب پروفیسر انکل"۔ فرحت نے چونک کر کہا۔

"ہاں! رانگ نمبر کی تجربہ گاہ کا راستہ ضرور اسی عمارت سے جاتا
ہے"۔ پروفیسر بولے۔

"یہ۔۔۔ یہ بات آپ اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے
ہیں"۔

"مم۔۔۔ پتا نہیں۔۔۔ میں اس کی وجہ نہیں جانتا۔۔۔ لیکن مجھے
اس بات پر یقین ضرور ہے"۔

"تب پھر ہم اس عمارت کی تلاشی لیں گے"۔ انسپکٹر جمشید
پرجوش انداز میں کہا۔

"آپ سن رہے ہیں مسٹر رانگ نمبر۔۔۔ اب کیا آپ انہیں
کی اجازت بھی دیں گے"۔

"نہیں یہ اس جگہ سے نکل بھی نہیں سکیں گے"۔ رانگ
آواز سنائی دی۔۔۔ اور پھر ان کی حالت یک دم عجیب ہو گئی۔
یوں لگا جیسے زمین گھوم رہی ہو۔۔۔ پھر انہیں اپنے ہوش گم
محسوس ہوئے۔۔۔ اور پھر یوں لگا جیسے ان کے دماغ بجھ گئے ہوں
کے بعد انہیں کوئی ہوش نہ رہا۔

انہیں ہوش آیا تو وہ اپنے ملک کے ساحل پر تھے۔۔۔ لوگ
کے گرد جمع تھے۔۔۔ ایسے میں انہوں نے کئی ایمبولینسوں کی آواز
سنیں۔۔۔ گاڑیاں ان کے پاس آ کر رک گئیں۔

"نہیں۔۔۔ اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ ہم ٹھیک ہیں"۔

"لیکن یہاں سے کسی نے فون کیا تھا کہ بہت سے لوگ
کے کنارے بے ہوش پڑے ہیں۔۔۔ شاید وہ سمندر میں ڈوب گئے
اور لہروں نے انہیں ساحل پر لا پھینکا"۔

"یہ بات تو ٹھیک ہے۔۔۔ لیکن اب ہم ہوش میں آ چکے ہیں
بالکل ٹھیک ہیں۔۔۔ ہاں آپ ہمیں شہر تک ضرور لے چلیں"۔

"چلئے سر"۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"سر۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ آپ نے مجھے سر کیوں کہا؟"

"کیوں سر۔۔۔ کیا آپ انسپکٹر جمشید نہیں ہیں۔۔۔ اور یہ رہے
پروفیسر داؤد۔۔۔ جناب خان رحمان۔۔۔ اور آپ کے باقی ساتھی۔

"اوہ اچھا۔۔۔ تو آپ ہمیں پہچانتے ہیں"۔

"اور آپ کو ملک میں کون نہیں پہچانتا"۔

"بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ مہربانی کر کے ہمیں شہر لے چلیں"۔

"آپ کو ہوا کیا تھا؟"

"رانگ نمبر کی مہربانی ہے"۔

"کیا مطلب۔۔۔ اس کی مصیبت تو ختم نہیں ہو گئی"۔

"نہیں۔۔۔ اب وہ پہلے کی نسبت زیادہ زور شور سے وار کرے
گا۔ پہلے ہم نے اس پر اندھیرے کا وار کیا تھا۔۔۔ اب وہ اس اندھیرے
کے وار کو بے اثر کرنے کے چکر میں ہے۔۔۔ اور اس سلسلے میں اس
نے انشارجہ اور بیگال کی خدمات حاصل کر لی ہیں۔۔۔ بلکہ انہیں سارا
معاملہ سونپ دیا ہے"۔

"نہیں۔۔۔ نہیں"۔ وہ چلا اٹھے۔

"آپ لوگ خوف زدہ نہ ہوں۔۔۔ بس اللہ سے دعا کریں۔۔۔
قیامت کے نزدیک دجال کا فتنہ ہو گا۔۔۔ جو اس روئے زمین پر سب سے
بڑا فتنہ ہو گا۔۔۔ لیکن یہ رانگ نمبر کا فتنہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔۔۔ دجال
سے پہلے اس نے دجال کی یاد دلا دی ہے"۔

اور پھر وہ شہر پہنچ گئے۔۔۔ یہ دارالحکومت تھا۔۔۔ خود کو اپنے
میں پا کر انہیں خوشی ہوئی۔۔۔ گھر پہنچے تو بیگم جمشید نے دروازہ کھولا
اچھل پڑیں۔

"یہ کیا۔۔۔ آپ کے سیاحوں والے چہرے کیا ہوئے"۔

"بلیک ہول کی نظر ہو گئے"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھیں۔

"بھئی پہلے اندر تو آنے دیں۔۔۔ تھکے ماندے ہیں آخر"۔

اندر آ کر انہیں ساری بات بتائی گئی۔۔۔ پھر سب نے ان کے
ہاتھ کی پکی ہوئی مزے دار چیزیں کھائیں۔۔۔ اور اٹھ کھڑے ہوئے

"کیوں! اب پھر کہاں؟"

"ہم وہیں جائیں گے۔۔۔ جہاں پروفیسر سیلانی رہتا ہے۔۔۔ پروفیسر
سیلانی ہی رانگ نمبر ہے۔۔۔ اسی حویلی سے رانگ نمبر کی تجربہ گاہ کا سراغ
ملے گا"۔

"لیکن اب آپ مکمل طور پر اس کی نظروں میں ہیں"۔

"تو کیا کریں"۔

"وہ تو آپ کو کسی وقت بھی بلیک ہول میں بند کر کے کہیں بھی
پھینک سکتا ہے۔۔۔ آپ کب تک ہوش میں آنے کے بعد اس شرارت
کا ابلاغ کرتے رہیں گے"۔

"سنو بیگم۔۔۔ میں نے چیونٹیوں کو دیکھا ہے"۔

"کیا بات ہوئی۔۔۔ میں نے چیونٹیوں کو دیکھا ہے۔۔۔ چیونٹیوں کو
ہم سب نے دیکھا ہے"۔

"وہ دیکھنا اور ہے۔۔۔ میرا دیکھنا اور ہے۔۔۔ پروفیسر داؤد کا دیکھنا
اور ہے"۔

"واہ جمشید۔۔۔ بہت خوب صورت بات کہی"۔ پروفیسر داؤد
چہکے۔

"لیکن انکل۔۔۔ ہمیں تو اس میں کوئی خوبصورتی نظر نہیں آ
رہی"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"میں نے چیونٹیوں کو دیکھا ہے۔۔۔ انہیں اپنے بل تک جانا ہوتا
ہے۔ دیوار پر چڑھ رہی ہیں۔۔۔ گر رہی ہیں۔۔۔ پھر چڑھ رہی ہیں۔۔۔ سو
بار بھی اگر گرتی ہیں تو پھر بھی چڑھنے کا عمل ترک نہیں کرتیں۔۔۔ لیکن
میں نے آج تک کسی چیونٹی کو تھک ہار کر بیٹھتے نہیں دیکھا۔۔۔ میں نے
ان کی حرکات کا بہت غور سے جائزہ لیا۔۔۔ ہم تو پھر انسان ہیں بیگم"۔

"جائیے۔۔۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں"۔

"اور میری بھی انہوں نے بیگم شیرازی کی آواز سنی۔۔۔ دیکھا تو وہ
دروازے میں کھڑی تھیں۔۔۔ انہیں دروازہ بند کرنے کا خیال نہیں رہا
تھا۔

"اب کیا کریں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیوں۔۔۔ کیا ہوا؟" بیگم شیرازی جلدی سے بولیں۔

میرا مطلب ہے۔۔۔ ہم جانے کے لیے بالکل تیار ہیں اور
آ رہی ہیں۔۔۔ اصولی طور پر تو ہمیں کچھ دیر آپ کے پاس
جانا ہے"۔

"نہیں۔۔۔ آپ جائیں۔۔۔ میں تو معمول کے مطابق ابھی
کچھ دیر بھائی صاحب کے پاس بیٹھ کر آپ شب کا لیتی ہوں
انہیں تنہائی کا احساس کم ہو جاتا ہے۔۔۔ کچھ مجھے"۔ انہوں نے کہا

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ کیوں نہیں۔۔۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں
دن رات یہیں رہا کریں۔۔۔ جب تک ہم واپس نہیں آ جاتے"۔

"میری بہن! آج میں ایک بات کہہ دوں"۔ ایسے میں
رحمان کی آواز سنائی دی۔

"کیا؟"

"آپ اور پروفیسر صاحب شادی کیوں نہیں کر لیتے۔۔۔
میں کیا حرج ہے"۔

"ارے۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ یہ بات آج تک ہم لوگوں کے ذہن
کیوں نہیں آئی"۔ انسپکٹر جمشید اچھل پڑے۔

"آئی بھی کیسے۔۔۔ ہر وقت تو وہاں جاسوسی گھسی رہتی ہے"
انہوں نے جل بھن کر کہا۔۔۔ اور وہ سب مسکرا دیے۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ آپ کیا کہتے ہیں"۔

"ہم۔۔۔ میں۔۔۔ یعنی کہ میں"۔ وہ بوکھلا گئے۔

"ہہ۔۔۔ پتا نہیں"۔

"اچھا آپ کا جواب مل گیا۔۔۔ بھائی صاحب۔۔۔ اب آپ کیا کہتے
ہیں"۔

"ہہ۔۔۔ پتا نہیں"۔ وہ بولیں۔

"ہم سمجھ گئے"۔ محمود نے ہانک لگائی۔

"خود کیا سمجھ گئے۔۔۔ یہ بھی تو بتاؤ"۔ انسپکٹر جمشید نے بڑھ کر
پوچھا۔

"یہ کہ جب وہ پتا نہیں تھیں میں مل جائیں تو اس کا مطلب
ہوتا ہے۔۔۔ پتا ہے"۔

"وہ نہیں پتا ہے۔۔۔

"ہم ان دونوں کو سوچنے کی مہلت دیتے ہیں۔۔۔ اس کم کے
کرنے ہی ان سے بات کی جائے گی۔۔۔ ویسے میں یہ سمجھتا ہوں۔۔۔
یہ جیسے دار بات ہو گی"۔

"لیکن بھئی۔۔۔ میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں"۔

"جی نہیں۔۔۔ آپ بوڑھے نہیں ہوئے۔۔۔ ہم بوڑھوں کے ساتھ
بار بار کرتے ہیں۔۔۔ اور تھکتے بھی نہیں"۔ شوکی نے فوراً کہا۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ میں شوکی کی تائید کرتا ہوں"۔ خان رحمان نے
کہا۔

اور پھر وہ باہر نکل آئے۔۔۔ بذریعہ ہوائی جہاز۔۔۔ ایک بار پھر خدا

کے ساتھ والے شہر کا سفر کیا گیا۔۔۔ ایسے میں شوکی کی آواز سنائی دی
"بہت دن ہو گئے۔۔۔ میں ایک بات کہنے کی خواہش کو
محسوس کرتا ہوں۔۔۔ لیکن کہہ نہیں پایا اب تک"۔
"حیرت ہے۔۔۔ آخر ایسی کون سی بات ہے۔۔۔ اور یہاں کس
کسی پر کوئی پابندی ہے"۔
"بات پابندی کی نہیں"۔ شوکی نے منہ بنایا۔
"تو پھر۔۔۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ بات بتانے کی صورت
تمہارا مذاق اڑایا جائے گا۔۔۔ اگر یہ بات ہے تو میں ان سب کے
کرتا ہوں۔۔۔ ہرگز مذاق نہیں اڑائیں گے"۔
"میں مذاق اڑائے جانے کی پروا نہیں کرتا"۔ شوکی بولا۔
"تو پھر کیا بات ہے؟"
"اس لیے نہیں بتا پایا کہ۔۔۔ رانگ نمبر سن لے گا"۔
"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔۔۔ چند لمحے تک
رہی پھر انسپکٹر جمشید نے کہا۔
"دیکھا جائے تو اس کیس میں ہم مجرم کی انگلیوں پر ناچ
ہیں۔۔۔ اور ہم ناچنے پر مجبور ہیں۔۔۔ اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے
اب تک۔۔۔ اس وقت بھی اگر وہ چاہے تو ہمیں بلیک ہول میں
دے تو فوراً کر سکتا ہے۔۔۔ لہٰذا شوکی کی بات درست ہے۔۔۔ یہ اپنی
کی بات بتائے تو کیسے۔۔۔ لہٰذا میں نے ایک بات سوچی ہے"۔

"اور وہ کیا؟" سب نے ایک ساتھ کہا۔
"جی! آپ سب بھی وہ بات سوچ لیں"۔
"ہیں۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی"۔
وہ سب حیرت زدہ انداز میں بولے۔

☆○☆

ہائیں یہ کیا

"یہ تم نے کیا کہا جمشید"۔ پروفیسر داؤد بولے۔
"بات یہی ہے پروفیسر صاحب۔۔۔ اسے کیس میں ہم اشاروں
باتیں بھی نہیں کر سکتے۔۔۔ آواز میں بات کرنا تو دور کی بات
فرض کیا۔۔۔ رانگ نمبر اشاروں کی زبان جانتا ہو تو۔۔۔ اور جمال
خیال ہے۔۔۔ اجمال اور رانو تو بہرحال جانتے ہوں گے"۔
"تب پھر۔۔۔ ہم وہ بات بھلا کس طرح سوچ لیں۔۔۔ جو
سوچی ہیں۔۔۔ اور جمشید۔۔۔ کیا تم وہ بات سوچ سکتے ہو"۔
"میں سوچ نہیں سکتا۔۔۔ لیکن میں ایک تجربہ ضرور کر
ہوں"۔ وہ مسکرائے۔
"اور وہ تجربہ کیا ہے؟"
"شوکی۔۔۔ ذرا میری آنکھوں میں دیکھنا"۔ انسپکٹر جمشید بولے
"لیکن میں تو اس طرف بیٹھا ہوں"۔ شوکی نے گھبرا کر کہا
"اوہ ہاں۔۔۔ اچھا خیر۔۔۔ تم محمود سے اپنی سیٹ تبدیل کر
اور یہاں بیٹھنے کے بعد میری آنکھوں میں دیکھو"۔

"جی بہتر"۔ اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ ادھر محمود بے
سب کو بتانا اٹھ گیا۔
اس کے خیال میں شوکی ہیرو بننے کے چکر میں تھا اور یہ بات
سمجھ نہیں آئی۔
"آخر تم کیا کرنا چاہتے ہو جمشید۔۔۔ کیا آنکھوں آنکھوں سے
بات کرو گے"۔ پروفیسر صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔
"ہاں! کیوں نہیں"۔ وہ بولے۔
اور پھر شوکی ان کے سامنے جا بیٹھا۔۔۔ دونوں نے ایک دوسرے
آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔۔۔ چند منٹ تک وہ آنکھوں میں
دیکھتے رہے۔۔۔ آخر انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔
"ٹھیک ہے شوکی۔۔۔ میں سمجھ گیا۔۔۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو"۔ ان
لہجے میں یقین تھا۔
"یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" پروفیسر داؤد بے یقینی کے عالم میں
بولے۔
"آپ نے میری بات پر یقین نہیں کیا۔۔۔ یہ بات میرے لیے
تعجب کرنے کی ہے"۔ انہوں نے فوراً کہا۔
"اوہ نہیں جمشید۔۔۔ بات یہ نہیں تھی"۔ انہوں نے بوکھلا کر
کہا۔
"تب پھر۔۔۔ کیا بات تھی"۔

"مجھے دراصل حیرت تھی کہ اس طرح بھی بات کہی
ہے"۔

"یہ ایک نیا تجربہ تھا۔۔۔ آئندہ ہم اس کی مشق کریں گے
کام میں بھی مہارت حاصل کریں گے ان شاء اللہ۔۔۔ ویسے ہمیں
خوشی ہو رہی ہے کہ چلو ایک بات ایسی ہے۔۔۔ جو ہم نے کی ہے
اس کو نہ بلیک ہول سن سکا۔۔۔ نہ ابتسال۔۔۔ نہ راٹور۔۔۔ ولو ہز آ
فاروق نے شوخ انداز میں کہا۔

"لیکن جمشید۔۔۔ باقی لوگوں کو کس طرح پتا چلے گا"۔

"میں کوشش کرتا ہوں۔۔۔ آپ میرے پاس آجائیں"۔

شوکی وہاں سے اٹھ گیا اور پروفیسر صاحب آکر بیٹھے۔
انہوں نے ان کی آنکھوں میں میں آنکھیں ڈال دیں اور وہ بات
کی کوشش شروع کر دی۔۔۔ جو انہیں شوکی نے بتائی۔۔۔ اس بار
نسبت زیادہ وقت لگا۔۔۔ کیونکہ انسپکٹر جمشید پروفیسر داؤد کے دماغ میں
آنکھوں کے اشارے جلد نہ اتار سکے۔۔۔ تاہم کچھ دیر کی محنت کے
آخر انہوں نے کہہ دیا۔

"اف جمشید۔۔۔ میں یہ بات جان گیا ہوں"۔ ان کا لہجہ
پرجوش تھا۔

"چلئے شکر ہے۔۔۔ ایک اور کامیابی۔۔۔ اب میں خان رحمان
دماغ میں بات اتاروں گا۔۔۔ شوکی تم بھی شروع ہو جاؤ۔۔۔ سب سے

محمود نے محنت کرو"۔

"او کے انکل"۔

اب محمود نے شوکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔۔۔ ادھر
انسپکٹر جمشید خان رحمان سے جڑے بیٹھے تھے۔

"کیا ایسے میں ایک سوال کر سکتا ہوں"۔ ایسے میں ٹی ایس ایم
کی آواز ابھری۔

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں"۔

"آنکھوں کی زبان جو ہم سمجھ رہے ہیں۔۔۔ وہ غلط بھی تو ہو سکتی
ہے"۔

"ہاں! اس کا امکان ہے۔۔۔ لیکن اب اس کا بھی میں نے طریقہ
سوچ لیا ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا۔۔۔ بھلا اس کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے"۔

"اب میں محمود سے پوچھوں گا۔۔۔ کہ اس نے کیا سمجھا ہے۔۔۔
اگر اس نے وہی بتایا جو اسے سمجھایا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ
آنکھوں کی زبان کامیاب جا رہی ہے"۔

"بہت خوب جمشید۔۔۔ مان گیا میں تمہیں۔۔۔ اب میری شادی ہو
کر رہے گی"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ کیا بات ہوئی"۔ خان رحمان نے انہیں گھورا۔

"یار میرا مطلب ہے۔۔۔ سمجھنے کی کوشش کرو نا"۔ انہوں نے

گڑبڑا کر کہا۔

"چلئے سمجھنے کی کوشش کر لیتے ہیں۔۔۔ سمجھائیے"۔

"لو ہو۔۔۔ میرا مطلب ہے خود بخود سمجھ جاؤ نا"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ ہم سمجھ گئے خود بخود"۔

"ہاں۔۔۔ لیکن کیا سمجھ گئے۔۔۔ کہیں غلط نہ سمجھ گئے ہوں"۔
پروفیسر داؤد گڑبڑا گئے۔

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اب اس کیس میں کامیابی کا ریکارڈ
پیدا ہو گیا ہے۔۔۔ ہم کامیاب ہوں گے تو اپنے گھروں کو جائیں گے نا
وہاں جائیں گے تبھی شادی ہو سکے گی"۔ خان رحمان جلدی جلدی
بولے۔

"یب۔۔۔ بالکل ٹھیک"۔

"ویسے آپ نے ایک اعلان کر دیا۔۔۔ یہ کہ آپ شادی کے لیے
تیار ہیں"۔

"اس میں حرج کیا ہے۔۔۔ ثواب کا کام ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"بالکل۔۔۔ عین اسلامی کام ہو گا"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

اور ایک بار پھر آنکھوں کی زبان کا پروگرام شروع ہو گیا۔
یہاں تک کہ شوکی کی بات ہر ایک تک پہنچ گئی۔۔۔ اب ان سب نے
اس پر غور کرنا شروع کیا۔۔۔ بات دل کو لگتی محسوس ہوئی۔۔۔ اور دل
ہی دل میں شوکی کی تعریف کرنے لگے۔۔۔ آخر وہ خدا کے ساتھ والے

شہر کے ایئرپورٹ پر اترے۔

"پہلے ہم پروفیسر سیلانی کی حویلی کی طرف جائیں گے"۔

"او ہاں! بالکل ٹھیک"۔

انہوں نے ایک بڑی گاڑی کرائے پر لی اور حویلی کی طرف روانہ
ہوئے۔ اور پھر وہ اس جگہ کے نزدیک پہنچ گئے۔

"ارے۔۔۔ یہ کیا؟" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ہائیں۔۔۔ یہ کیا"۔ خان رحمان چلائے۔

"اف مالک۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا ہے"۔

ان سب کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ
گئیں۔۔۔ حویلی غائب تھی۔

☆○☆

پہلے لوگ

انسپکٹر کامران مرزا ایئرپورٹ سے اتر کر سیدھے گھر پہنچے
دستک دی تو بیگم شہناز نے دروازہ کھولا۔

"ارے آپ اکیلے۔ السلام علیکم"۔ انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! میں اکیلا آیا ہوں۔ باقی ساتھیوں کو ایک جگہ چھوڑ
ہوں۔ اور اب یہاں سے فارغ ہو کر سیدھا وہیں جاؤں گا"۔ انہوں
نے جلدی جلدی کہا۔

"اکیلے یہاں آنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی"۔

"ایک چیز کی تلاش میں آیا ہوں۔ تم دروازہ بند کر لو۔
بہت دھیان کی طرف دھیان رکھنا۔ کیونکہ کوئی اندر داخل ہونے
کوشش کر سکتا ہے"۔

"جی بہتر آپ فکر نہ کریں۔ پہلے کچھ کھا تو لیں"۔

"نہیں۔ پہلے میں اپنا کام ختم کروں گا"۔ یہ کہہ کر وہ
میں گھس گئے۔ اور شہناز بیگم پریشان کھڑی رہ گئیں۔

لائبریری میں انہوں نے فائلیں فرش پر ڈھیر کر دیں۔ پھر

ایک فائل کی ورق گردانی کرتے چلے گئے۔ انہیں ایک چیز کی تلاش
تھی۔ ان کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ فائلوں کے اوراق
پلٹتے پلٹتے ان کی پیشانی پر پسینے کے قطرات آ گئے۔ ناکامی کے خوف
نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ کھٹکے کی حالت کے بعد بھی انہیں
چیز نہیں ملی تھی۔ جس کی تلاش تھی۔ اور آخر کار۔ تھی کھٹکے
کے۔ وہ چیز انہیں مل گئی۔ وہ جلدی جلدی اس پر نشان لگانے
لگے۔ پھر اچانک وہ بہت زور سے اچھلے۔ پھر کی آنکھیں مارے حیرت
اور خوف کے کھل چکیں۔

"نہیں۔ نہیں۔ یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ وہ
بھرائی ہوئی آواز میں بڑبڑائے۔

اپنے میں شہناز بیگم گھبرا کر لائبریری کے دروازے پر آ گئیں۔

"کیا ہوا۔ خیر تو ہے"۔

"ہاں ہاں۔ خیریت ہے۔ تم چلیں۔ کھانا کھائیں"۔ وہ
گھبرائے۔

"جی کیا فرمایا۔ کھانا کھائیں"۔

"ہاں! اس لئے کہ میرا کام مکمل ہو گیا ہے۔ کھانے کھاتے ہی
میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اس لئے کہ مجھے جلد از جلد
اپنے ساتھیوں کے پاس جانا ہے۔ اور وہاں جانے سے پہلے میں چیک
کر لوں گا"۔

"اچھی بات ہے۔ کھانا تیار ہے"۔

"چیک اپ کرنے اور کھانے سے فارغ ہوتے ہی وہ باہر
گئے۔ ان پر جوش کی کیفیت طاری تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کسی
اڑ کر وہاں پہنچ جائیں۔ انہوں نے ایک بہت خاص بات معلوم
تھی۔ اور اس خاص بات کا بتانا بہت ضروری تھا۔ وہ سوچتے
تھے۔ جب وہ یہ بات انہیں بتائیں گے تو ان کا کیا حال ہو گا۔
خیالات میں گھرے۔ آخر وہ اس شہر تک پہنچ گئے۔ ایئرپورٹ
انہوں نے ایک ٹیکسی لی اور اس جگہ پہنچے۔ جہاں انہوں نے
ساتھیوں کو چھوڑا تھا۔ لیکن ان کی شکل گم ہو گئی۔ وہ حویلی
تھی۔ اب وہاں میدان تھا۔

"کہیں میں کسی غلط جگہ پر تو نہیں آ گیا"۔ وہ بڑبڑائے
چاروں طرف نظر دوڑائی۔ آس پاس چند عمارات تھیں۔ وہ ایک
طرف بڑھ گئے۔ دستک دی تو ایک نوجوان آدمی باہر نکلا۔

"یہاں ایک حویلی تھی۔ بہت پرانی سی۔ اب یا تو میں
جگہ آ گیا ہوں یا پھر میں خواب دیکھ رہا ہوں"۔

"نہ آپ غلط جگہ آئے ہیں اور نہ خواب دیکھ رہے ہیں
حویلی بالکل اسی جگہ تھی۔ لیکن اب نہیں ہے اور اس بات پر
پاس کے سب لوگ حیران ہیں۔ لیکن اتنے بھی نہیں۔ اس
آخر ٹھٹا جتنا بڑا شہر غائب ہو چکا ہے۔ لہٰذا اب ایسی باتوں پر کیا

ہوتا"۔

"ہوں۔ بات معقول ہے۔ خیر۔ میں بھی حیران نہیں ہوتا۔
لیکن جو شخص اس حویلی میں رہتا تھا۔ اس کے بارے میں تو آپ کچھ
بتا سکتے ہیں"۔

"ہاں ضرور۔ کیوں نہیں۔ وہ بہت پراسرار آدمی تھا۔ اس
سے سب لوگ خوف کھاتے تھے۔ نہ جانے کیوں۔ ایک زمانے سے
ہم نے اس حویلی میں دیکھتے چلے آئے ہیں۔ لیکن وہ بہت کم حویلی
سے باہر آتا تھا۔ سنا ہے۔ اس کا نام پروفیسر سیلانی تھا"۔

"شکریہ۔ کبھی آپ نے یہاں دوسرے لوگوں کو آتے جاتے
دیکھا تھا"۔

"جی نہیں۔ نہ کبھی کسی کو آتے دیکھا' نہ جاتے دیکھا۔
سوائے ایک دو دن کے۔ کچھ لوگوں کو کل یہاں آتے دیکھا گیا۔
ویسے اس حویلی کو پولیس نے سیل کر دیا تھا۔ اب وہ سیل کیسے ٹوٹ
گئی۔ یہ مجھے معلوم نہیں"۔

"بہت خوب! آپ کا شکریہ"۔

اور وہ وہاں سے ہٹ آئے۔ اب یہاں رکنے کا کوئی فائدہ
نہیں تھا۔ اپنی دھن میں وہ چلے جا رہے تھے کہ ایک آواز نے ان کے
قدم روک لیے۔

"آپ اس حویلی کی تلاش میں ہیں۔ ہیں نا"۔

آواز ایک عورت کی تھی۔۔۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک عورت اپنی کوٹھی کا دروازہ کھولے کھڑی تھی۔۔۔ انہیں بہت حیرت ہوئی۔

"آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی؟"

"بس ہو گئی معلوم۔۔۔ اگر آپ کو حویلی کے بارے میں یا پھر سلیانی کے بارے میں کچھ پوچھنا ہے تو اندر آ جائیں۔۔۔ میں بہت دلچسپ انگیز باتیں جانتی ہوں"۔

"بہت خوب۔۔۔ چلئے کوئی تو ایسا ملا"۔ انہوں نے خوش ہو کر کہا۔

اور پھر وہ اندر داخل ہو گئے۔۔۔ عورت انہیں ڈرائنگ روم میں لے آئی۔

"میری معلومات بہت قیمتی ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"میں اس دنیا میں بالکل اکیلی ہوں۔۔۔ میرا کوئی بھی نہیں۔ لہٰذا"۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔۔۔ بلا جھجک کہیں"۔

"آپ کو معلومات کا معاوضہ ادا کرنا ہو گا"۔

"میں معاوضہ ادا کر دوں گا، لیکن سب سے پہلے میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہو گئی کہ میں اس حویلی کے بارے میں فکرمند ہوں"۔

میرے پاس ایک دوربین ہے۔۔۔ میں نے اس حویلی کو غائب ہوتے بھی دیکھا تھا۔۔۔ پھر اس حویلی کے چکر میں جو لوگ ہیں، انہیں آتے کر وہاں جاتے دیکھا تھا۔۔۔ اور سچ تو یہ ہے کہ جب آپ اور آپ کے ساتھی اندر گئے تھے اور پھر صرف آپ واپس آئے تھے تو میں بہت حیران ہوئی تھی۔

"کیا مطلب۔۔۔ تو آپ نے اس وقت بھی مجھے باہر آتے دیکھا تھا"۔

"جی بالکل"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ لیکن آپ کو حیرت کس بات پر ہوئی تھی"۔

"اس بات پر کہ آپ باہر کیسے آ گئے۔۔۔ اس حویلی میں میں نے لوگوں کو جاتے تو اکثر دیکھا ہے۔۔۔ واپس باہر آتے کسی کو نہیں دیکھا۔

"اوہ۔۔۔ لیکن اس طرف ایک ہمسائے نے تو بتایا ہے کہ اس نے کسی کو کبھی اندر جاتے دیکھا نہ آتے دیکھا"۔

"ہر آدمی کا ذہن جاسوسی نہیں ہوتا۔۔۔ نہ ہر آدمی کے پاس جاسوسی آلات ہوتے ہیں"۔

"آپ نے دوربین کا ذکر کیا ہے۔۔۔ کیا اس کے علاوہ بھی آپ کے پاس آلات ہیں"۔

"ہاں! کیوں نہیں۔۔۔ کیا آپ دیکھنا پسند کریں گے"۔

"ضرور کیوں نہیں"۔

وہ انہیں اوپر والی منزل پر لے آئی۔۔۔ وہ یہ دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے کہ وہاں تو ایک اچھی بھلی تجربہ گاہ تھی۔۔۔ انہوں نے سوچا۔۔۔ اس تجربہ گاہ کو دیکھ کر تو شاید پروفیسر داؤد بھی حیران ہوئے بغیر نہیں رہیں گے۔۔۔ پھر وہ بولے۔

"یہ تجربہ گاہ دیکھ کر حیرت ہوئی۔۔۔ آپ تو اس کا مطلب سمجھنے والی سائنس دان ہیں"۔

"اس میں شک نہیں"۔ وہ مسکرائی۔

"تب پھر آپ نے وہ بات کیوں کہی تھی"۔ انسپکٹر کامران نے بولے۔

"کون سی بات؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"وہی معاوضے والی"۔

"اوہ۔۔۔ وہ بات میں نے غلط نہیں کہی تھی۔۔۔ میں اپنا سارا سرمایہ اس شوق پر لگا چکی ہوں اور اب آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ پہلے میرا خاوند تھا۔۔۔ وہ کماتا تھا اور میں اس کی کمائی میں سے زیادہ تر اس شوق پر لگا دیتی تھی۔۔۔ اس کے مرنے کے بعد میں نے بچا کچھ اس پر لگا دیا۔۔۔ اسی لئے میں نے وہ بات کہی تھی۔۔۔ میں یہ بات لوگوں سے بھی کہتی ہوں"۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا اور لوگ بھی اس حویلی کے چکر میں رہتے رہتے ہیں"۔

ہاں بہت لوگ۔۔۔ اب تو میری آمدنی کا ذریعہ ہی وہ لوگ ہیں"۔

"میں سمجھ گیا"۔ وہ مسکرا دیئے۔

"کیا مطلب۔۔۔ آپ کیا سمجھ گئے"۔

"لیکن یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے"۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھی۔

"آپ شہر کے مشہور اور مال دار لوگوں کو خط لکھتی ہیں اور اس حویلی کی دلچسپ و غریب داستانیں انہیں سناتی ہیں۔۔۔ پھر جو لوگ یہاں کھنچے آ جاتے ہیں۔۔۔ انہیں بالکل اسی طرح اپنی کوٹھی میں لے آتی ہیں۔۔۔ جس طرح مجھے لائی ہیں۔۔۔ اور اس کے بعد آپ معاوضہ لے کر ان کو حویلی کے بارے میں انہیں بتاتی ہیں۔۔۔ میں نے غلط تو نہیں کہا"۔

اس وقت وہ مسکرائے بھی۔

"تب پہلے آدمی ہیں۔۔۔ جنہوں نے میری یہ چوری پکڑی ہے۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔۔۔ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گی"۔

"یہ آپ بہت بھول رہی ہیں"۔

"کیا مطلب؟"

"چونکہ میں نے آپ کی چوری پکڑ لی۔۔۔ اس لئے آپ کو یہ کام اب آپ آئندہ ایسا نہیں کریں گی۔۔۔ بلکہ۔۔۔ آپ ایسا ہی کرتی رہیں گی۔۔۔ یہ آپ کی عادت بھی تو بن چکی ہے"۔

"ہش۔۔۔ شاید۔۔۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ کیا میرا ایسا کرنا
ہے"۔

"ہاں! جرم بھی ہے۔۔۔ آخر اس طرح آپ لوگوں کو
ہیں"۔

"اوہ! تب تو میں واقعی معافی مانگتی ہوں اور آیندہ ایسا نہیں
کروں گی"۔

"خیر خیر۔۔۔ اب آپ مجھے حویلی کے بارے میں بتائیں۔۔۔ میں
آپ کا معاوضہ ادا کر دوں گا اور آپ کو مشورہ بھی دوں گا"۔

"مشورہ۔۔۔ کیسا؟" وہ بولی۔۔۔ لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ مشورہ کہ آپ کو اپنی زندگی کس طرح گزارنا چاہیے"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ پہلے تو پھر مشورے کی بات ہو جائے"۔

"چلیے یونہی سہی۔۔۔ آپ ان تمام آلات کو فروخت کر دیں۔
اور عورتوں کے لیے ایک سلائی کڑھائی کا مرکز کھول لیں۔۔۔ ان سے
فیس لیا کریں اور انہیں سلائی کڑھائی کی تعلیم دینے کے لیے باہر
عورتیں ملازم رکھ لیں۔۔۔ اس طرح آپ کا ایک سکول سا قائم ہو جائے
گا"۔

اور میری سائنس دانی کا کیا ہو گا"۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"سچ بتائیں۔۔۔ کیا آپ نے آج تک کوئی چیز ایجاد کی ہے"۔
انہوں نے اسے گھورا۔

"نہیں۔۔۔ لیکن مجھے امید ہے۔۔۔ میں ایک نہ ایک دن کوئی
ایسی چیز ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔۔۔ اور دنیا میں تہلکہ
مچا دوں گی"۔

"نہیں مچا سکیں گی۔۔۔ کیا آپ بلیک ہول سے بھی اوپر کوئی چیز
ایجاد کر سکیں گی"۔

"بب۔۔۔ بلیک ہول۔۔۔ ارے نہیں۔۔۔ توبہ"۔ اس نے بوکھلا کر
کہا۔

"تب پھر یہ حویلی۔۔۔ جو کل تک آپ کے سامنے تھی۔۔۔ ایک
بلیک ہول کی مدد سے ہی تو غائب ہوئی ہے"۔

"ہاں! یہ تو خیر ٹنڈا شہر کی گمشدگی سے ہی ثابت ہے"۔ اس نے
کہا۔

"بس تو پھر۔۔۔ آپ جان لیں۔۔۔ آلات آپ کے لیے بے کار
ہیں۔۔۔ کوئی سائنس دان۔۔۔ نیا نیا بننے والا سائنس آپ کے آلات کو
خریدے گا۔۔۔ اور آپ کو اچھے پیسے مل جائیں گے۔۔۔ پھر آپ اپنا
سکول کھول سکتی ہیں"۔

"اچھا خیر۔۔۔ میں آپ کے مشورے پر غور کروں گی۔

"غور نہیں۔۔۔ آپ کو ایسا کرنا پڑے گا۔۔۔ اگر آپ نے ایسا
نہیں کیا تو آپ کو پھر جیل جانا پڑے گا۔۔۔ اور وہاں خود کڑھائی سلائی
سیکھنا پڑے گی۔۔۔ پھر دوسری عورتوں کو سکھانا پڑے گی"۔

"ہیں۔۔۔ جیل۔۔۔ کیا مطلب؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"جیل کا مطلب تو بس جیل ہی ہوتا ہے"۔

"نن نہیں۔۔۔ آپ آپ کا تعلق پولیس سے ہے"۔

"محکمہ سراغرسانی سے"۔ وہ مسکرائے۔

"ارے باپ رے۔۔۔ مجھے معاف کر دیں۔۔۔ چلیں میں معاوضے
کے بغیر ہی آپ کو بتا دیتی ہوں"۔

"نہیں۔۔۔ میں چونکہ آپ کا کوئی خط پڑھ کر نہیں گیا۔۔۔ اس
لیے میں تو معاوضہ ادا کروں گا۔۔۔ اب بتائیں۔۔۔ آپ کیا جانتی ہیں اس
حویلی کے بارے میں؟"

"بہت کچھ۔۔۔ اور یہ بہت کچھ اس قدر حیرت انگیز ہے کہ میں
کیا بتاؤں"۔

"بتانا تو آپ کو پڑے گا"۔

"دراصل ہم لوگ یہاں اس وقت سے رہتے ہیں۔۔۔ جب اس
حویلی کو تعمیر کیا گیا تھا"۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا یہ حویلی پرانی نہیں ہے۔۔۔ میرا مطلب
ہے۔۔۔ سو دو سو سال پرانی نہیں ہے"۔ وہ چونک اٹھے۔

"نہیں۔۔۔ یہی تو مزے کی بات ہے"۔ اس نے کہا۔

"مزے کی نہیں۔۔۔ حیرت کی۔۔۔ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ وہ
بہت پرانی حویلی نظر آتی تھی"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"صرف نظر آتی تھی۔۔۔ پرانی وہ چالیس سال سے زیادہ کی نہیں
ہے۔۔۔ اس کو بنایا ہی اس طرح سے گیا ہے۔۔۔ یعنی اس طرح کہ وہ
پرانی پرانی نظر آئے۔۔۔ پرانے انداز کی اگر آپ کوئی عمارت بنائیں گے
تو جدید عمارت تو نظر نہیں آئے گی۔۔۔ پھر جب بناتے وقت اس بات
کا خیال بھی رکھا جائے کہ وہ کسی طرح بھی نئی نظر نہ آئے"۔

"اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ یہ بات زبردست ہے"۔ وہ بولے۔

"ہے نا۔۔۔ ہاں تو یہ حویلی میرے خاوند کے باپ کے سامنے بنی
تھی۔۔۔ انہوں نے ہی مرتے وقت مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا۔۔۔
میرے خاوند کو بھی۔۔۔ پھر وہ بھی فوت ہو گئے"۔ وہ بولی۔

"اچھا خیر۔۔۔ آگے چلیں"۔

"میں جب سے اس گھر میں آئی ہوں۔۔۔ میں نے صرف راتوں
کو اس حویلی میں لوگوں کو داخل ہوتے دیکھا ہے۔۔۔ دن کے وقت میں
کبھی کوئی نہیں آیا اس کی طرف۔۔۔ آپ پہلے لوگ ہیں جو دن کے
وقت میں آئے ہیں"۔

"کیا مطلب۔۔۔ لوگ۔۔۔ میں آپ کو لوگ نظر آتا ہوں"۔

"آپ اکیلے نہیں۔۔۔ آپ کے ساتھی بھی"۔ اس نے عجیب
سے انداز میں کہا اور وہ بری طرح اچھلے۔

☆○☆

رسی

"تو بھئی۔۔۔ انہوں نے کام دکھا دیا۔۔۔ حویلی غائب کر دی۔۔۔ ہم
ہم لوگ ٹامک ٹوئیاں مارتے رہ جائیں"۔ انسپکٹر جمشید نے جھلا
ہوئے لہجے میں کہا۔

"کوئی بات نہیں ابا جان۔۔۔ مار لیں گے ٹامک ٹوئیاں۔۔۔ ہمارا
جاتا ہے"۔

"انہوں نے سوچا۔۔۔ کہیں ہم اس حویلی کے ذریعے رانگ نمبر
تک نہ پہنچ جائیں۔۔۔ لہٰذا حویلی ہی غائب کر دی"۔ شوکی نے مسکرا
کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا ہم اس حویلی کے ذریعے رانگ نمبر تک پہنچ
سکتے تھے"۔

"شش۔۔۔ شاید۔۔۔ کیونکہ پروفیسر سیلانی حویلی کے اندر ہی غائب
اس کے رانگ نمبر ہونے کے امکانات بہت زیادہ ہیں"۔

"یار خان رحمان۔۔۔ تم ایک خط کھینچ سکتے ہو۔۔۔ یا دائرہ بنا سکتے
ہو"۔

"بھئی تو ایک سکول کا بچہ بھی لگا سکتا ہے۔۔۔ اور دائرہ بھی بنا سکتا
ہے۔ یہ کیا بات ہوئی"۔ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"اوہ! تم میرا مطلب نہیں سمجھے۔۔۔ جس جگہ حویلی تھی۔۔۔ اس
جگہ کے ارد گرد دائرہ بنا سکتے ہو یا نہیں"۔

"نہیں۔۔۔ اس لیے کہ ایسے کوئی آثار موجود نہیں ہیں"۔

"خیر۔۔۔ میں خود کوشش کرتا ہوں"۔

"لیکن۔۔۔ ایسا دائرہ بنا کر کیا ہو گا"۔

"پتا نہیں۔۔۔ کچھ ہو گا یا نہیں۔۔۔ یہ بعد کی بات ہے"۔ یہ کہہ کر
وہ آگے بڑھ گئے۔

"فاروق اپنی جیب میں سے کوئی نوک دار چیز نکالو۔۔۔ جس سے
زمین پر دائرہ بنایا جا سکے"۔

"تو میں چاقو کیوں نہ نکال دوں"۔ محمود نے کہا۔

"اوہ ہاں۔۔۔ چاقو زیادہ مناسب رہے گا"۔

محمود نے مسکرا کر ایڑی سے چاقو نکال دیا۔۔۔ فاروق کا ہاتھ جیب
میں ہی رہ گیا۔۔۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور بولا۔

"اس میں مسکرانے کی کیا بات ہے"۔

"تو پھر مسکرانے کی بات کس میں ہے"۔ محمود ہنسا۔

"میں تم سے مغز نہیں مار رہا"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"ارے۔۔۔ تو کیا ابھی یہ جملہ تم نے کسی اور سے کہا تھا۔۔۔ اس
میں مسکرانے کی کیا بات ہے"۔

"میں نے دیواروں سے کہا تھا۔۔۔ سنا تم نے"۔

"لیکن یہاں تو دیواریں بھی نہیں ہیں"۔ محمود نے ادھر ادھر
دیکھا۔

"میں اس حویلی کی دیواروں سے بات کر رہا ہوں۔۔۔ جو پہلے
یہاں تھیں۔۔۔ اب بھی کہیں نہ کہیں تو ہوں گی"۔ اس نے اور بھی
جل بھن کر کہا۔

"ارے تو کاٹ کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو"۔

"یار دکھنے ہو گئے۔۔۔ ہم نے کچھ کھایا نہ پیا"۔

"اوہ! باپ رے۔۔۔ گگ۔۔۔ کیا بات یاد دلا دی ظالم"۔ پروفیسر
داؤد پیٹ پکڑ کر بولے۔

"ہم۔۔۔ معافی چاہتا ہوں۔۔۔ بات واپس لیتا ہوں"۔ فاروق بوکھلا
اٹھا۔

"اب کیا فائدہ۔۔۔ اب تو بھوک چمک گئی ہے"۔

"فکر نہ کریں۔۔۔ اب ہم کھانا حویلی میں کھائیں گے"۔ شوکی
مسکرایا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ حویلی تو غائب ہے۔۔۔ ہم اس میں کھانا
کس طرح کھائیں گے"۔

"میری آنکھوں پر ایک عینک ہے"۔ ایسے میں انہوں نے فاروق

کی آواز سنی۔

"عینک ہوتی ہو گی۔۔۔ ہمیں اس سے کیا؟" آصف نے ہانک
لگائی۔

"اور یہ عینک میں نے ابھی ابھی اپنی جیب سے نکالی ہے۔۔۔
جیب میں ہاتھ میں نے کسی نوک دار چیز کی تلاش میں ڈالا تھا۔۔۔ کیونکہ
ابا جان نے ایسی کسی چیز کا مطالبہ کیا تھا۔۔۔ لیکن محمود نے چاقو نکال کر
دے دیا۔۔۔ اور میرا ہاتھ بے چارہ جیب میں رہ گیا۔۔۔ اب میرا ہاتھ کیا
کرتا۔۔۔ مرتا کیا نہ کرتا۔۔۔ وہ جیب میں موجود چیزوں کو ٹٹولنے لگ گیا۔۔۔
اسے میں ہاتھ سے یہ عینک ٹکرا گئی۔۔۔ اور میں نے اس کو نکال کر
آنکھوں پر لگا لیا"۔

"اچھا کیا بھائی۔۔۔ اچھا کیا۔۔۔ بور نہ کرو"۔ محمود نے منہ بنایا۔

"ہاں اور کیا۔۔۔ آخر اس قسم کی فضول باتوں سے کیا فائدہ۔۔۔
بات ہی کرنا ہے تو کوئی کام کی بات کیوں نہ کی جائے"۔ آفتاب نے جھلا
کر کہا۔

"اور میں نے عینک آنکھوں پر لگا لی"۔ فاروق نے پھر کہا۔

"ارے تو ہم کیا کریں۔۔۔ عینک لگا لی۔۔۔ عینک لگا لی۔۔۔ ہے کوئی
غم۔ عینک لگائی ہے۔۔۔ کوئی توپ کا گولا تو نہیں لگا لیا"۔ آصف چلا
اٹھا۔

"فاروق نہ تنگ کرو۔۔۔ اس وقت ہم سب پریشان ہیں"۔ فرزانہ

نے جھکے جھکے انداز میں کہا۔

"فرحت۔۔۔ رفعت۔۔۔ تم رہ گئیں۔۔۔ تم بھی کچھ کہو۔۔۔ میں یہ نہیں مانوں گا"۔ فاروق مسکرایا۔

"برا ماننے کے لیے تمہارے پاس ہے ہی کیا"۔ فرحت نے پھر کھانے والے انداز میں کہا۔

"حد ہو گئی۔۔۔ کہہ رہی ہو۔۔۔ برا ماننے کے لیے میرے پاس ہے ہی کیا۔۔۔ ارے بھئی یہ عینک ہے تو سہی"۔

"پھر وہی عینک۔۔۔ کیوں اس بے چاری کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہو"۔

"میں نہیں۔۔۔ یہ عینک میرے پیچھے پڑ گئی ہے"۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید پہلی بار چونکے اور فاروق کی طرف مڑے۔۔۔ اور پھر ان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں۔

"ارے۔۔۔ یہ عینک۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تو وہی ہے"۔

"یہ تو وہی ہے۔۔۔ کیا مطلب"۔

"ایک بار پروفیسر صاحب نے یہ عینک ایجاد کی تھی۔۔۔ اس کے ذریعے دیوار کے دوسری طرف دیکھا جا سکتا ہے"۔

"اوہ ہاں! اب یاد آیا۔۔۔ لیکن اس میں حیرت کی کیا بات ہے"۔

"اگر حیرت کی بات نہ ہوتی تو میں کیوں عینک عینک کی رٹ لگاتا۔۔۔ لیکن ابھی ہمیں اس عینک کا بطور جائزہ لینا ہے۔۔۔ پہلے ابا

پہلے آپ عینک لگا کر دیکھیں"۔ اس نے کہا اور عینک ان کی طرف بڑھا دی۔

اب سب لوگ عینک کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ادھر انسپکٹر جمشید نے عینک لگائی۔۔۔ بہت زور سے اچھلے۔

"کمال ہے فاروق۔۔۔ بلکہ داد دینا پڑتی ہے فاروق کو"۔ وہ گڑبڑا کر بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ ایسا کیا کیا ہے فاروق نے؟" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"بس جل گئے۔۔۔ مجھے ذرا سی داد ملتے بھی نہیں دیکھ سکتے"۔ فاروق نے تلملا کر کہا۔

"اوہو۔۔۔ کوئی بات بھی تو ہو داد کی"۔

"ابا جان خود کہہ رہے ہیں کہ داد دینی چاہیے"۔

"ہاں بھئی۔۔۔ اس میں شک نہیں۔۔۔ فاروق نے ایک بہت بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے"۔

"تو۔۔۔ دیکھو۔۔۔ تم لوگ بھی"۔ یہ کہہ کر انہوں نے عینک خان رحمان کی طرف بڑھا دی۔

پھر تو جس نے بھی عینک آنکھوں سے لگائی۔۔۔ اچھلتا چلا گیا۔۔۔ آخر میں باری آئی پروفیسر داؤد کی۔۔۔ وہ بولے۔

"میری تو یہ ایجاد ہے۔۔۔ لیکن افسوس۔۔۔ میرے ذہن سے نکل

ہی گئی تھی۔۔۔ فاروق نے گویا اس کی یاد تازہ کر دی۔۔۔ لیکن اس عینک کے ذریعے صرف دیوار کے پار دیکھا جا سکتا ہے۔۔۔ جب کہ یہاں حویلی موجود ہی نہیں ہے"۔

"آپ عینک لگا کر تو دیکھیں انکل"۔ فاروق بولا۔

انہوں نے عینک لے کر آنکھوں سے لگائی۔۔۔ پھر نظر دوڑائی۔

"ہم۔۔۔ مجھے تو کچھ بھی نظر نہیں آ رہا"۔

"اوپر کی طرف دیکھیں۔۔۔ جس جگہ حویلی تھی۔۔۔ اس جگہ سے نیچے اوپر"۔

انہوں نے اوپر دیکھا۔۔۔ اور پھر ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "وہاں حویلی موجود تھی۔۔۔ یوں لگتا تھا جیسے ہوا میں لٹک رہی ہو"۔

"کمال ہے۔۔۔ یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔۔۔ حویلی فضا میں لٹک رہی ہے۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ ایک ہول کے ذریعے ہو چیزیں غائب کی جاتی ہیں۔۔۔ وہ وہیں کچھ اوپر موجود ہوتی ہیں۔۔۔ لیکن ایک ہول میں ہونے کی وجہ سے ہم اس کو دیکھ نہیں سکتے۔۔۔ البتہ اس عینک نے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔۔۔ حیرت ہے۔۔۔ کمال ہے۔۔۔ فاروق۔۔۔ اس بار کے کیس کا سہرا میں تمہارے سر باندھوں گا"۔ پروفیسر داؤد نے چلانے کے انداز میں کہا۔

"ہم۔۔۔ ہم۔۔۔ میں نے کیا کہا ہے انکل؟" اس نے بوکھلا کر کہا۔

"یہ پوچھو۔۔۔ تم نے کیا نہیں کیا"۔

"پہلے پھر۔۔۔ یہ بتا دیں۔۔۔ میں نے کیا نہیں کیا؟" اس نے بے چارگی کے عالم میں کہا۔

انہوں نے مسکرا دیا۔

"اب سوال یہ ہے کہ ہم اس اونچائی پر جا کر اس حویلی میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں"۔ خان رحمان بولے۔

"اس کا تجربہ کرنا ہو گا۔۔۔ چلو بھائی انسانی سیڑھی۔۔۔ اوپری سیڑھی پر چڑھ جائے گی"۔

"یہ تو ایسا لگتا ہے۔۔۔ جیسے ہم کوئی جادو کا کھیل دیکھ رہے ہیں"۔ کسی کی آواز ابھری۔

"ہاں! یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ چلو سیڑھی"۔ انسپکٹر جمشید پرجوش انداز میں بولے۔

جلدی جلدی سیڑھی بنائی گئی۔۔۔ فاروق کو اس بنانے کے عمل سے الگ رکھا گیا۔۔۔ جب سیڑھی مکمل ہو گئی تو انسپکٹر جمشید نے اس سے کہا۔

"چلو فاروق سیڑھی پر چڑھ جاؤ۔۔۔ اس کے بعد ہم اس کو شروع کریں گے"۔

"جی بہتر۔۔۔ لیکن میں کروں گا کیا؟"

"پہلے تم اوپر تو چڑھ جاؤ بھئی"۔ پروفیسر داؤد بے تابانہ بولے۔

فاروق چڑھ گیا۔۔۔ اب سیڑھی اوپر اٹھنے لگی۔۔۔ یہاں تک کہ

سب سے اوپر والے بھی اٹھ گئے۔۔۔ اب فاروق اٹھا۔۔۔ عینک اس
فاروق کی آنکھوں پر تھی۔

"حویلی نظر آ رہی ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی ہاں بالکل۔۔۔ نظر آ رہی ہے۔۔۔ اور آپ کو"۔ اس نے
پوچھا۔

"ہمیں بھلا کیسے نظر آ سکتی ہے؟۔۔۔ عینک صرف ایک ہے"۔
پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہ۔۔۔ تو پھر۔۔۔ آپ لے لیں"۔ اس نے گھبرا کر کہا۔

"ارے نہیں بھئی۔۔۔ سب سے اوپر تم ہو۔۔۔ دیکھو۔۔۔ تمہارا
ہاتھ اس کے دروازے تک پہنچا ہے یا نہیں"۔

"ج۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ میں تو دروازے کے بالکل قریب کھڑا ہوں"۔

"دروازہ کھلا ہے یا بند ہے؟"

"بند ہے"۔ اس نے کہا۔

"دستک دو۔۔۔ یا اس پر دباؤ ڈالو۔۔۔ اور اگر کھل جائے تو بے
دھڑک اندر داخل ہو جاؤ۔۔۔ تمہارے پیچھے ہم بھی آتے ہیں"۔ انسپکٹر
جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"جی بہتر۔۔۔ اس نے کہا اور دروازے کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر
دوسرے سے دستک دے ڈالی۔۔۔ ساتھ ہی دباؤ بھی ڈالا۔۔۔ لیکن دروازہ
اندر سے بند تھا۔۔۔ تاہم دستک کی آواز ان سب نے سنی۔

شاید ہم اپنی زندگی کے حیرت انگیز ترین دور میں داخل ہو
رہے ہیں"۔ خان رحمان کی آواز سنائی دی۔

"لیکن افسوس! ہم حویلی کو دیکھ نہیں سکتے"۔

"اور فاروق۔۔۔ تم نے جب کہ دروازے کو پکڑ لیا ہے۔۔۔ کیا
تمہیں بھی حویلی نظر آ رہی ہے"۔

"ہم۔۔۔ میں نے دیکھا نہیں"۔

"ارے تو دیکھو نا۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ اس سے پہلے دیکھ لو کہ کوئی
اندر کھولنے کے لیے آ جائے"۔

"جی بہتر"۔ اس نے کہا اور ایک ہاتھ کو دروازے سے پکڑے
ہوئے دوسرے سے اس نے عینک اتاری۔۔۔ حویلی نظروں سے فوراً
غائب ہو گئی۔

"غ۔۔۔ غائب۔۔۔ غائب ہو گئی"۔

"اور دروازہ۔۔۔ اس پر تم تمہارا ہاتھ ہے نا"۔

"ہاں بالکل۔۔۔ دروازہ اب بھی میرے ہاتھ میں ہے"۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ تم عینک پہن لو"۔

"جی بہتر"۔ اس نے کہا اور عینک آنکھوں سے لگا لی۔۔۔ اسے
پھر سے نظر آنے لگی۔۔۔ ایسے میں دروازہ کھلا اور چولی کی آواز
سنائی دی۔

"کک۔۔۔ کون؟"

"یہ ہم ہیں جناب۔۔۔ آپ کو شاید یاد نہیں رہا۔۔۔ ہم آپ سے
پہلے بھی مل چکے ہیں"۔

"اوہ مالک۔۔۔ تم۔۔۔ تم یہاں بھی آ پہنچے۔۔۔ یعنی خان
کے دروازے پر۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔۔۔ مسٹر رانگ۔۔۔ یہ کیا
ہے۔۔۔ آپ کہاں ہیں۔۔۔ یہ لوگ تو الٹ دیں گے ہمارے نظام کو"۔

رانگ نمبر کی طرف سے انہیں کوئی جواب سنائی نہ دیا۔

"چولی صاحب۔۔۔ ہمارے لیے کیا حکم ہے"۔

"حویلی میں آنا ہو تو آ جائیں۔۔۔ لیکن یہاں ذمہ تمہارا ہو
یہاں آپ کی ملاقات پروفیسر میکانی سے بھی ہو سکتی ہے۔۔۔ کچھ
سکتی ہے۔۔۔ کچھ اور بھی رانگ نمبر کے وفادار یہاں موجود ہیں۔۔۔ لیکن
اس حویلی میں آ کر کچھ بھی نہیں کر سکو گے۔۔۔ یہ تمہارے لیے
ناگھر ہو گا"۔

"تو کیا ہوا۔۔۔ ہم بے بسی سے جی لگا لیں گے"۔ آفتاب کی
لڑائی۔

"یہاں وقت رکا ہوا ہے۔۔۔ نہ تمہیں بھوک لگے گی نہ پیاس
نہ تمہاری عقل کام کرے گی۔۔۔ نہ تم کچھ سوچ سکو گے۔۔۔ نہ کچھ
سمجھ سکو گے۔۔۔ نہ تمہیں یہ بات یاد رہ جائے گی کہ تم کون ہو۔
تھے۔۔۔ کیا کرتے تھے۔۔۔ کیا کرنا چاہتے تھے۔۔۔ اس جگہ کہاں
تھے۔۔۔ لہٰذا یہاں آ کر تم کیا کرو گے"۔

"لیکن تم یہ سب باتیں کیسے کر رہے ہو۔۔۔ تم کیسے سوچ سکتے
ہو"۔

"میری بات اور ہے۔۔۔ میں بلیک ہول سے باہر ہوں"۔ اس نے
کہا۔

"تم تو کیسے باہر ہو۔۔۔ اور کیوں باہر ہو؟"

"مسٹر رانگ نمبر کی مرضی۔۔۔ میں کیا کر سکتا ہوں"۔

"ہم اوپر ضرور آئیں گے۔۔۔ اور دیکھیں گے کہ کیا کر سکتے ہیں،
کیا نہیں"۔

"تب پھر آ جاؤ"۔

"کیا خیال ہے ابا جان۔۔۔ میرے لیے کیا حکم ہے"۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ چلے جاؤ۔۔۔ ہم بھی تمہارے پیچھے آ رہے
ہیں"۔

"جو حکم"۔ اس نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔۔۔ چولی نے اسے
خود داخل ہونے دیا۔

"انکل۔۔۔ آپ اپنی رسی اچھال دیں۔۔۔ میں یہاں کسی پیڑ سے
باندھ دوں گا۔۔۔ اس طرح آپ سب اوپر آ سکیں گے"۔ فاروق نے
کہا۔

"اوہ ہاں! یہ ٹھیک رہے گا"۔

منور علی خان نے رسی اوپر اچھال دی۔۔۔ جلد ہی وہ رسی کے

ذریعے حویلی میں داخل ہو گئے۔۔۔ چولی نے دروازہ بند کر دیا۔

"ارے یہ کیا۔۔۔ ہم تو سب کچھ سوچ سکتے ہیں۔۔۔ دیکھ بھال سکتے ہیں"۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ مسٹر چولی۔۔۔ تم جھوٹ بول رہے تھے"۔

"نہیں! میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔۔۔ لیکن میں کچھ نہیں سمجھ سکا۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔۔۔ اس کا جواب تو مسٹر رانگ نمبر ہی دے سکتے ہیں"۔

"گویا اس وقت ہم اس حویلی کے ذریعے فضا میں لٹکے ہوئے ہیں۔۔۔ عجیب سا لگ رہا ہے"۔

"ہاں عجیب ضرور لگ رہا ہے۔۔۔ مگر برا نہیں لگ رہا ہے۔۔۔ اور پھر ہم زمین سے زیادہ اونچائی پر بھی نہیں ہیں۔۔۔ ہم چاہیں تو چھلانگیں بھی لگا سکتے ہیں"۔

"تت۔۔۔ تو۔۔۔ کیا۔۔۔ جب خنڈا شہر غائب ہوا تھا۔۔۔ اس وقت یہ اسی جگہ سے کچھ اوپر موجود تھا"۔

"بالکل یہی بات ہے"۔

"لیکن۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ نظر کیوں نہیں آ رہا تھا۔۔۔ اور یہ حویلی بھی ہمیں کیوں نظر نہیں آ رہی تھی"۔

"میں سائنس دان نہیں ہوں۔۔۔ رانگ نمبر سائنس دان ہیں"۔

"اور کیا پروفیسر سیلانی ہی رانگ نمبر ہیں؟"

"میں نہیں معلوم۔۔۔ رانگ نمبر کون ہے۔۔۔ ہم تو بس پروفیسر سیلانی کو جانتے ہیں۔۔۔ رانگ نمبر کو آج تک نہیں دیکھا۔۔۔ اگر پروفیسر سیلانی رانگ نمبر ہیں تو بھی یہ بات مجھے نہیں معلوم"۔

"مسٹر چولی۔۔۔ کیا تمہارا اور دامن کا کوئی ساتھ ہے"۔ ایسے میں فاروق بول اٹھا۔

"کیا مطلب۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ میں سمجھ نہیں سکا"۔ اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ارے! ہم رسی تو دروازے سے لٹکی ہی چھوڑ آئے ہیں"۔

"کیا!!!" چولی نے چونک کر کہا اور پھر اس نے خوف کے عالم میں دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔۔۔ وہ بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔۔۔ چولی نے دروازے پر پہنچ کر اس کو کھول ڈالا۔۔۔ اور نیچے جھک کر دیکھا۔ واقعی رسی لٹکی ہوئی تھی۔

"اس رسی کو اوپر کھینچ لیجیے"۔ اس نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"کیوں۔۔۔ کیا بات ہے"۔

"اس طرح تو کوئی بھی اوپر آ سکتا ہے۔۔۔ اور مسٹر رانگ نمبر نے یہ اجازت صرف آپ کے لیے دی تھی۔۔۔ ورنہ میں حویلی کا دروازہ نہ کھولتا"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ آپ خود رسی کو اٹھا لیں"۔ فاروق نے فوراً کہا۔ چولی رسی کو پکڑنے کے لیے جھکا۔۔۔ لیکن عین اس لمحے فاروق نے اسے نیچے دھکا دے دیا۔

☆○☆

راٹور

"کیا مطلب۔۔۔ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا نے حیران ہو کر کہا۔

"مطلب یہ کہ آپ کے علاوہ آپ کے ساتھی بھی دن کے وقت یہیں ہی آئے تھے"۔

"ہم۔۔۔ میرے ساتھی۔۔۔ وہ کب آئے تھے؟"

"آپ تو انہیں یہیں چھوڑ گئے تھے۔۔۔ پھر آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ آپ آئے تھے"۔

"وہ ہاں! لیکن میں نے یہ جملہ آپ کی بات سن کر کہا ہے"۔ کامران مرزا نے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ آپ اچانک چلے گئے تھے۔۔۔ پھر آپ کے ساتھی بھی حویلی سے نکلے تھے۔۔۔ اور ان کے جانے کے بعد میں نے دیکھا حویلی غائب ہو گئی تھی۔۔۔ میں حیرت زدہ رہ گئی۔۔۔ اب حویلی کی جگہ میدان تھا۔۔۔ لیکن پھر مجھے خنڈا کے غائب ہونے والی بات یاد آئی۔۔۔ اور دوسری سب باتیں بھی یاد آ گئیں۔۔۔ تب میں نے جان لیا

کہ یہ وہی چکر ہے۔ رانگ نمبر والا۔ اس کے بعد کچھ کے
واپس آ گئے۔ اور اس کے بعد میں جو منظر دیکھا۔ اس جیسا
نے شاید اپنی زندگی میں نہ کبھی دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکوں گی۔"
"اور وہ منظر کیا تھا؟" وہ حیران ہو کر بولے۔
"پہلے وہ سب جمع ہو کر ایک دوسرے کے اوپر چڑھ
اس جگہ پہنچ گئے۔ جہاں حویلی کا دروازہ تھا۔ پھر انہوں نے ایک
انوکھی حرکت کی۔"
"اور وہ کیا؟"
"انہوں نے فضا میں ایک رسی اچھالی۔ اور کیا آپ یقین
کریں گے۔ وہ رسی اوپر کہیں جا کر اٹک گئی۔ وہ اس رسی کے ذریعے
کہیں غائب ہو گئے۔"
"یہ۔ یہ کیا بات ہوئی؟"
"یہ تو خود میں بھی نہیں جانتی کہ یہ کیا بات ہوئی؟"
"اچھا خیر۔ آپ نے واقعی بہت قیمتی باتیں بتائی ہیں۔ یہ
اپنا معاوضہ۔" انہوں نے چند بوٹے کر نسی نوٹ نکال کر اس کے
رکھ دیئے۔
"شکریہ۔ بہت بہت شکریہ۔" اس نے خوش ہو کر کہا۔
وہ جانے کے لیے اٹھے ہی تھے کہ دھڑام سے کر
نے ٹانگ اڑائی تھی۔ وہ اٹھے۔ اس کی طرف مڑے۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟"
"مذاق۔ مجھے مذاق کی عادت ہے۔"
"اچھا خیر۔ کوئی بات نہیں مذاق کی بات کا کیا برا ماننا۔" یہ کہہ
کر انہوں نے پھر قدم اٹھایا۔ اچانک اس عورت نے پھر ٹانگ
اڑائی۔ لیکن اس بار انسپکٹر کامران مرزا صاف بچ گئے۔ پہلے وہ بے
خبر تھے۔ اب ہوشیار تھے۔ لہٰذا اچھل کر دوسری طرف چلے گئے۔
اور اس کی طرف مڑتے ہوئے بولے۔
"بس یا اور مذاق باقی ہے۔"
"بس۔ بہت کافی ہو گیا۔ آپ مذاق پر فوراً لگتے ہیں۔" اس
نے جھلا کر کہا۔
"تب پھر۔ یہ غصہ کیسا؟" انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔
"غصہ۔ نہیں تو۔ مجھے کیوں کرنا بھلا غصہ۔" اس نے جھلا کر
کہا۔
"اچھا خیر۔ نہیں آ رہا ہو گا آپ کو غصہ۔ میں چلا۔ آپ کا
شکریہ۔"
اب وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے۔ ایسے میں ان کے
اوپر ایک جال آ گرا۔ اور وہ اس میں الجھ گئے۔
"کیا یہ بھی مذاق کا کوئی حصہ ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے
ہنوشوار انداز میں کہا۔

"نہیں۔ یہ سنجیدگی کا ایک حصہ ہے۔ اب تم یہاں سے نہیں
ہو۔" عورت غرائی۔
"ابھی ابھی تو آپ آپ کہہ کر بات کر رہی تھیں۔ اب اچانک
تم پر اتر آئیں۔" وہ حیران رہ گئے۔
"ہاں! اتر آئی۔ ابھی تو میں نہ جانے کس کس چیز پر اتر آؤں
گی۔"
"ضرور اتریں۔ میرا کیا جاتا ہے۔ لیکن مجھے جانے دیں۔"
"انسپکٹر کامران مرزا۔ تم نے پرانے زمانے کی جادوئی کہانیاں تو
پڑھی ہیں۔ جس میں جن بھوت یا چڑیلیں آدمیوں کو قید کر لیا کرتے
تھے۔"
"اچھا تو پھر۔" وہ بولے۔ ساتھ ہی انہوں نے جال سے نکلنے
کی کوشش جاری رکھی۔ اس نے بھی یہ بات نوٹ کر لی۔ لیکن کچھ
نہ بولی۔
"سمجھ لو۔ میں ایک چڑیل ہوں۔ اور میں نے تمہیں یہاں قید
کر لیا ہے۔"
"لیکن کس لیے۔ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو۔"
"جو چاہتی ہوں۔ بتا نہیں سکتی۔ ابھی تمہارے باقی ساتھی بھی
ادھر سے گزریں گے۔ اس وقت میں انہیں بھی بہت قیمتی باتیں بتانے
کے لیے روکوں گی۔"

"جن نہیں۔" وہ بولے اور پھر جال توڑنے کے لیے پورا زور
لگانے لگے۔
"نہیں توڑ سکتا انسپکٹر کامران مرزا۔ مجھے رانوٹا کہتے ہیں۔"
"رانوٹا۔ کون رانوٹا۔"
رانگ نمبر کی ایک معمولی سی خادمہ۔ رانگ نمبر کو تم لوگ
سمجھ کیا ہو۔ وہ اس دنیا کا سب سے بڑا لیڈر ہے۔ اس کے پاس
طاقتیں ہیں۔ پوری دنیا پر حکومت کرنا اس کے بائیں
ہاتھ کا کھیل ہے۔"
"غلط۔ بالکل غلط۔" انسپکٹر کامران مرزا چلا اٹھے۔
"کیا غلط۔ میری کون سی بات غلط لگی۔" اس نے منہ بنایا۔
"یہ کہ پوری دنیا پر حکومت کرنا اس کا بائیں ہاتھ کا کھیل
ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ انشارجہ سے کیوں مدد مانگتا۔ جبرائیل، اجبال اور
نوریں اس کی مدد کے لیے بھیجے جاتے۔"
"اسے ان کی مدد کی بالکل ضرورت نہیں تھی۔ لیکن تم لوگوں
کو بتانے کے لیے ان کی مدد لینا پڑی۔ دراصل اس کے دماغ میں
یہ بات بیٹھ گئی ہے۔ اور وہ یہ کہ تم لوگ بہت خطرناک ہو۔ ہم
سب ہماری کوشش کر چکے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اس کے دماغ سے
یہ بات نکال دیں۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔"
"تمہارے ماہرین بھی یہ کام نہ کر سکے؟"

"ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔۔۔ کہ ہم اور ہمارے ماہر
سب مل کر اس کے ذہن سے یہ وہم نہیں نکال سکے۔۔۔ یہاں تک
کہ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔

"یہاں تک کہ کیا؟" انہوں نے فوراً کہا۔

"یہاں تک کہ ہپناٹزم کے ذریعے بھی یہ کوشش کر لی گئی
لیکن ہپناٹسٹ کی کوششیں بے کار گئیں۔۔۔ اس کا دماغ حد سے زیادہ
طاقتور ہے۔۔۔ وہ اس کو اپنے اثر میں نہیں لا سکا۔۔۔ بڑے سے بڑا ہپناٹسٹ
کا ماہر بھی نہیں لا سکا۔۔۔ اور اس طرح یہ کوشش بے کار گئی۔۔۔ وہ
دماغ کا دماغ میں ہی رہ گیا۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے جگہ جگہ مجھے
پہرے دار بٹھا رکھے ہیں۔۔۔ جو تم لوگوں کی ہر کوشش ناکام بنا دیں
گے۔"

"اوہ۔۔۔ تو یہ بات بھی ہے"۔

"صرف یہی بات نہیں۔۔۔ اس جیسی ہزارہا باتیں ہیں"۔

"تب پھر تم بھی ایک بات کان کھول کر سن لو۔۔۔ تم نے اپنا ہم
راز تو بتایا ہی نہیں"۔

"ہاں! یہی نام ہے میرا۔۔۔ تو پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟"

"مطلب یہ کہ راز تو ناں۔۔۔ اس کا وہم اسے لے ڈوبے گا۔۔۔ وہ بغیر
ہی ہاتھوں مارا جائے گا"۔

"ایسا محسوس تو نہیں ہوتا۔۔۔ کیونکہ جس قدر طاقت وہ بن

تم لوگ تو اس کے مقابلے میں کچھ بھی نظر نہیں آتے"۔ اس
نے غرا کر کہا۔

"خیر چھوڑو۔۔۔ اور یہ بتاؤ۔۔۔ ابھی تم نے جو کہانی سنائی تھی۔۔۔ وہ
کس حد تک درست تھی"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے الجھن کے عالم میں
کہا۔

"سو فیصد درست۔۔۔ لیکن اگر مجھے اندازہ ہوتا کہ تم اس کہانی
سے کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہو تو ہرگز نہ سناتی' مطلب یہ کہ وہ کہانی
تمہارے کسی کام نہیں آئے گی"۔

"تب پھر مجھے جانے دو۔۔۔ جب میں یا ہم رانگ نمبر کا کچھ بگاڑ
نہیں سکتے۔۔۔ اور نہ یہ کہانی میرے کام آ سکتی ہے تو مجھے یہاں روکنے کی
کیا ضرورت ہے؟"

"ضرورت ہے۔۔۔ یہ کہ مسٹر رانگ نمبر کا وہم ایسا کرا رہا ہے۔۔۔
اس میں ذاتی طور پر کوئی ضرورت نہیں سمجھتی"۔

"خیر۔۔۔ اب جو کرنا ہے کرو۔۔۔ میں کچھ نہیں کہوں گا"۔ یہ کہہ
کر وہ ایک بار پھر دروازے کی طرف بڑھے۔۔۔ لیکن تیسری بار کرنے سے
پہلے انہوں نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کی ٹانگ کی لپیٹ میں نہ
آ سکے"۔

"اوہ انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ تم تو میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔۔۔
رانگ نمبر تو بہت دور کی بات ہے"۔

"دور کی بات کو نزدیک کی بات بنتے کیا دیر لگتی ہے"۔
مسکرائے اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جال کو وہ توڑ چکے تھے۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ تم جا سکتے ہو۔۔۔ اب میں نہیں روکوں گی"۔ ان
نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

وہ احتیاط سے دروازے کی طرف بڑھے۔۔۔ اس بار راشوتا
حرکت نہ کی۔۔۔ یہاں تک کہ وہ دروازے تک پہنچ گئے۔۔۔ اب
انہوں نے دروازے کو کھولنا چاہا تو وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔۔۔ انہوں
نے پورا زور لگایا۔۔۔ لیکن دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا تھا۔۔۔ اور اس
مضبوطی سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اس سے سر ٹکرانا بے وقوفی
ہو گا۔۔۔ وہ راشوتا کی طرف بڑھے۔

"تم کچھ بھی کر لو۔۔۔ میں نکل جاؤں گا"۔

"یہ کام کس نے ہے۔۔۔ وہ تین بار ٹانگ اڑایا تو میرا ذہن تھا
ورنہ میں ایک ہی بار میں ایسا وار کر سکتی تھی کہ تم بالکل بے بس
جاتے۔۔۔ اور پھر نہ اٹھ سکتے۔۔۔ لیکن اس طرح مزا کیا خاک آتا۔۔۔ ہم
چاہتے ہیں' ساتھ ساتھ ذرا ذرا مزا بھی آتا رہے"۔

"اچھا۔۔۔ تو کیا۔۔۔ تم بھی جیرال' اجلال اور راٹور کی ساتھی ہو"

"ہاں! میں ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔۔۔ ویسے اللہ کا شکر ہے
کہ میں راٹور کی بہن ہوں"۔

"کیا!!!" ان کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

"ہاں! اور پگال میں میرا حکم کس طرح چلتا ہے۔۔۔ یہ صرف
پگال میں ہی دیکھا جا سکتا ہے۔۔۔ اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔۔۔ پگال کا
خدا بھی میرے سامنے کھڑا ہوا کانپتا ہے"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" انسپکٹر کامران مرزا نے بوکھلا کر کہا۔

"ہونے کو اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا"۔ اس نے کہا۔

وہ ایک بار پھر چونکے۔

"تو تم ہم سے اس حد تک واقف ہو"۔

"ایک ایک رگ سے واقف ہوں۔۔۔ لیکن اس سے پہلے تم
لوگوں کی طرف توجہ دینے کا موقع نہیں ملا تھا۔۔۔ اب ملا ہے موقع تو
بہت اچھی طرح توجہ دے رہی ہوں"۔

"رانگ نمبر نے یہ اپنے حق میں اچھا نہیں کیا"۔ انسپکٹر کامران
مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

"کیا اچھا نہیں کیا؟"

"تم لوگوں کو بلا کر۔۔۔ اب اس کا سارا کھیل آخر کار تم لوگوں
کے ہاتھوں میں چلا جائے گا اور وہ صفر بن کر رہ جائے گا اور اس بات کا
امکان اسے اس وقت ہو گا جب وہ سب کچھ لٹا چکا ہو گا"۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ کہ۔۔۔ آخر کار اس کے منصوبے پر تم لوگ قبضہ کر لو گے
اور حکومت بھی تم لوگوں کی ہو گی۔۔۔ رانگ نمبر بے کار ہو کر رہ جائے

گے۔ یا تمہارے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔۔۔ فی الحال اس کا مقصد میرا مطلب ہے۔۔۔ فارمولا شاید تم لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے اور تم اس کو سمجھ نہیں پا رہے کہ اس نے بلیک ہول کیسے تیار کر لیا ہے"۔

"بس فضول باتوں میں کیا رکھا ہے۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا تم اپنی بات کرو"۔

"میں اس عمارت سے باہر جا رہا ہوں۔۔۔ روک سکو تو روک لو"۔ انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

"روکنے کی ضرورت نہیں۔۔۔ تم باہر نہیں جا سکتے"۔

"اچھی بات ہے"۔ انہوں نے کہا اور اچانک ایک سمت میں دوڑ لگا دی۔۔۔ اس طرف دراصل سیڑھیاں تھیں اور وہ پہلے ہی سیڑھیاں دیکھ چکے تھے۔

"ارے ارے۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ چھت بہت اونچی ہے۔۔۔ کوئی انسان اتنی اونچائی سے چھلانگ نہیں لگا سکتا۔۔۔ اور اگر لگا بھی لو گے۔۔۔ اور اپنے پیروں پر کھڑے ہو بھی جاؤ گے تو کیا ہے۔۔۔ باہر تمہارے دوست اس غرض کے لیے موجود ہیں"۔

"کس غرض کے لیے۔۔۔ انہوں نے بھاگتے بھاگتے پوچھا"۔

"تمہیں پکڑنے کے لیے"۔

"کوئی پروا نہیں"۔ وہ بولے اور سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔

بالآخر وہ آخری سیڑھی پر پہنچے۔۔۔ ان کی ٹھوڑی پر ایک مکا لگا۔۔۔ وہ چکرا کر گرے اور لڑھکتے ہوئے نیچے چلے آئے۔۔۔ بالکل اسی جگہ پر جہاں رانوٹا کھڑی تھی"۔

"میں چاہوں تو صرف ایک ٹھوکر اس وقت تمہارے دماغ پر رسید کر دوں اور تم اٹھ نہ سکو۔۔۔ لیکن پھر وہی مسئلہ ہمارا۔۔۔ ہمیں مزا نہیں آئے گا"۔

"اگر مزے کا اتنا ہی شوق ہے۔۔۔ تو پھر مجھے باہر کیوں نہیں جانے دیتے۔۔۔ کر لینے دیں ہمیں کوشش رائفل نمبر تک پہنچنے کی۔۔۔ جب ہم اس کے پاس پہنچ جائیں۔۔۔ اس وقت آپ لوگ دخل اندازی کر لیجیے گا"۔

"نہیں۔۔۔ ہمیں ہر موڑ پر روکنے کا حکم ہے تم لوگوں کو"۔ وہ سرد آواز میں بولی۔

"اور یہ اوپر کون تھا؟"

"ہو گا راٹور۔۔۔ یا پھر ابنارمل"۔ اس نے منہ بنایا۔

"اچھا تو میں ایک بار پھر جا رہا ہوں"۔

"کوئی اعتراض نہیں"۔ اس نے کندھے اچکائے۔

وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھنے کی بجائے۔۔۔ بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگے۔

"یہ کیا انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ اب پھر دروازے پر کوشش کرو

گے۔۔۔ نہیں ٹوٹنے کا تم سے"۔

انہوں نے کچھ نہ کہا۔۔۔ بیرونی دروازے تک پہنچ گئے۔۔۔ اور پھر یکایک سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی۔

"روکو۔۔۔ روکو۔۔۔ ضرور روکو"۔ اس نے قہقہہ لگایا۔

لیکن اچانک انہوں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا اور اب ان کا رخ رانوٹا کی طرف تھا۔۔۔ رانوٹا کو عین اس وقت احساس ہوا۔۔۔ جب انہوں نے یک دم اپنا رخ تبدیل کیا تھا۔۔۔ اور پھر ان کا جسم رانوٹا کے جسم سے عجیب انداز سے ٹکرایا۔۔۔ ان کے جسم کا دایاں پہلو اس کے بیچ سے ٹکرایا۔۔۔ وہ دھڑام سے گری۔۔۔ ادھر انسپکٹر کامران مرزا کو محسوس ہوا جیسے ان کا جسم کسی پتھر سے ٹکرایا۔۔۔ وہ بھی الٹ کر گرے اور ساکت ہو گئے۔

"بہت خوب۔۔۔ مگر لاجواب تھی"۔ انہوں نے راٹور کی آواز سنی۔

شوخ انداز میں مسکراتا ہوا نیچے اتر رہا تھا۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اٹھنے کی کوشش کی۔۔۔ وہ اس کے نزدیک آنے سے پہلے اٹھنا چاہتے تھے۔۔۔ لیکن نہ اٹھ سکے۔۔۔ دو تین بار کوشش کی۔۔۔ لیکن پھر فرش پر ڈھیر ہو گئے۔۔۔ ایسے میں راٹور ان کے سر پر پہنچ گیا۔۔۔ اس نے اپنا ایک پاؤں ان کے سینے پر رکھ دیا اور سرد آواز میں بولا۔

"اب ذرا اٹھ کر دکھانا انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ میں مان جاؤں گا

انسپکٹر کامران مرزا نے اٹھنے کے لیے زور لگایا۔۔۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے جلدی جلدی پاؤں سے پاؤں اتارنے کی کوشش کی۔۔۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ راٹور نے قہقہہ لگایا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اب تم جو کرنا چاہتے ہو کر گزرو"۔

انہوں نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔۔۔ راٹور زور سے ہنسا اور یکایک انسپکٹر کامران مرزا کی لات حرکت میں آئی۔

☆○☆

اف

"ارے! یہ کیا کیا؟" محمود، آصف وغیرہ چلا اٹھے۔ لیکن چلانے والوں کا ساتھ انسپکٹر جمشید نے نہ دیا۔

"مم... میں نے اسے نیچے گرا دیا۔ وہ دیکھو... چولی نیچے بے ہوش پڑا ہے"۔ فاروق نے نیچے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ... وہ ہمیں کیوں نظر نہیں آیا"۔

"اوہ... وہ اس عینک کے بغیر نظر نہیں آئے گا"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا پھر انہوں نے فوراً عینک فاروق کی آنکھوں پر سے اتاری اور اپنی آنکھوں پر لگا کر نیچے دیکھا۔

"ہاں! واقعی... چولی نیچے پڑا ہے... اور بے حس ہے۔ لو پہلی اگرچہ اس قدر زیادہ نہیں ہے... لیکن شاید چولی کا سر زمین سے ٹکرا گیا ہے"۔

"اب... اب ہم کیا کریں؟"

"یہ حویلی اب ہمارے قبضے میں ہے... پروفیسر سیلانی کی حویلی۔ وہ بھی فضا میں لٹکی ہوئی حویلی... یہ بات کس قدر عجیب ہے۔ کی

...ف ہے... کس قدر سنسنی خیز ہے"۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔

"سوال یہ ہے کہ اب ہم کیا کریں؟"

"دروازہ بند کر دو... اب ہم اس حویلی کا آزادانہ جائزہ لیں گے"۔ انسپکٹر جمشید پرجوش انداز میں بولے۔

"کیوں... کیا تم مجھے بھول گئے"۔

"انہوں نے پروفیسر سیلانی کی آواز سنی... اور پھر وہ ان کے سامنے آگیا۔ غالباً اب تک کہیں دور چھپا ان کی باتیں سنتا رہا تھا۔

"فاروق دروازہ بند نہ کرنا"۔ انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

"جی بہتر... نہیں کرتا"۔

"بات ہے بھی ٹھیک"۔ سیلانی ہنسا۔

"ٹھیک... کون... کون سی بات سنکل ایلانی"۔

"کیا کہا تم نے... سنکل ایلانی"۔

"وہ میرا مطلب تھا... انکل سیلانی"۔

"اور وہ بات کون سی ٹھیک تھی"۔ محسن نے گویا یاد دلایا۔

"یہ کہ دروازہ بند نہ کرنا... آخر کو فرار ہونے کا راستا بھی تو ...ہیے"۔

"اور ہم کیوں ہوں گے فرار"۔

"آخر تم مار کھا کر فرار ہونے کی ہی سوچو گے"۔

"ارے میاں جاؤ... بہت دیکھے ہیں... مار کھلانے والے... وقت اپنی فکر کریں"۔ شوکی نے ہانک لگائی۔

اچانک اس نے شوکی پر چھلانگ لگا دی... شوکی کی چیخ نکل گئی... وہ کچھ اس بے ڈھب انداز میں اپنی جگہ سے بھڑک کر ہٹا کہ آفتاب سے ٹکرا گیا... دونوں دھڑام سے گرے، لیکن ان کے گرنے کا فائدہ یہ ہوا سیلانی ان کے اوپر سے گزر کر خان رحمان سے جا ٹکرایا۔ خان رحمان بھی اس حد تک چوکنے نہیں تھے... نہ انہیں یہ اندازہ تھا کہ وہ اچانک چھلانگ لگا دے گا... وہ بھی دھڑام سے گرے... اور ساتھ ہی چلائے۔

"ارے باپ رے... جمشید"۔

"یار میں کیوں ہوتا تمہارا باپ"۔ انسپکٹر جمشید جھلا کر بولے۔

"لو بھئی جمشید... یہ آدمی... اس کا جسم... بہت سخت ہے... چاقو لے لو... محمود سے... نہیں تو یہ سب کا بھرتہ بنا دے گا"۔

"چلو کوئی بات نہیں انکل... کھانے کے تو کام آئے ہو"۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"لیکن... کس کے کام آئے گا"۔ فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

"ہمارے اور کس کے"۔

"احمق کہیں کے... ہمارا ہی بھرتہ ہمارے ہی کس طرح کام آئے گا"۔ محمود نے جل کر کہا۔

"یہ تو وہی بات ہو گئی... ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں"۔

"ہو اور سنو... یہ بات کس طرح ہو گئی... ارے بھئی... بات تو ...ہ گئی... ہمارا جوتا ہمارے ہی سر... کیوں انکل؟" آصف نے فوراً ...

"چپ نہیں... میں اس وقت اردو کی کلاس نہیں لے رہا"۔ ...جمشید جل گئے۔

"لیکن آپ ہم میں بڑے تو ہیں... فیصلہ تو کر سکتے ہیں"۔ محسن ...

"سیلانی کی طرف توجہ دو... ورنہ مخلوات کی پلٹنی بن کر رہ ...ئی"۔ وہ غرائے۔

انہیں یوں لگا جیسے سب کے سب ہوش میں آگئے ہوں... اور ...اس کے مقابلے میں ٹوٹ گئے... ایک دائرے میں کھڑے ہو ...ے... دائرے کے درمیان آگیا۔

"آؤ... آؤ... مجھ پر حملہ کرو... بڑھ چڑھ کر حملہ کرو"۔ اس ...دونوں ہاتھ ہلائے۔

"ہاں... لیکن بڑھ چڑھ کر کس طرح حملہ کریں"۔ فاروق بوکھلا ...

"ٹھیک... کیا بات ہے... کیا تمہیں بڑھ چڑھ کر حملہ کرنا نہیں ...؟ کہو تو اسے گھور لو۔

"تن نہیں۔۔۔ پہلے تم کو بلبلہ چڑھ گی۔۔۔ پھر میں کر کے رکھوں گا بلبلہ چڑھ کر"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ انہیں ایسے میں بھی مذاق کی سوجھ رہی ہے"۔ منور علی خان نے بھنا کر کہا۔

"آہا۔۔۔ بہت دیر بعد آواز کی اکل آئی"۔ رفعت نے خوش ہو کر کہا۔

"لو اور سنو۔۔۔ آواز کی اکل"۔

"یہ کیا۔۔۔ عورتوں کی طرح باتیں بگھارنے لگے۔۔۔ مجھ پر حملہ کرو"۔

"اس سے پہلے کہ ہم حملہ کریں۔۔۔ ایک بات بتا دیں"۔ ایسے میں آصف کی آواز ابھری۔

"اور وہ کیا۔۔۔ بلکہ ایک کیا۔۔۔ تم دس باتیں پوچھو"۔

"فی الحال۔۔۔ ایک ہی کافی ہے۔۔۔ جب دس باتیں پوچھنے کی ضرورت محسوس ہو گی۔۔۔ اس وقت دس پوچھیں گے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ پوچھو"۔

"کیا تم ہی رانگ نمبر ہو"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ ہم۔۔۔ میں۔۔۔ اور رانگ نمبر۔۔۔ وہ تو بہت بڑی چیز ہیں۔۔۔ میں تو ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔۔۔ کیوں مذاق اڑاتے ہیں۔۔۔ ویسے بھی یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے نا۔۔۔ یہ

مقابلے کا۔۔۔ اب جب کہ تم یہاں تک آ ہی گئے ہو تو پھر دو ہاتھ ہی ہو جائیں"۔

"یہاں تک کیا مطلب۔۔۔ کیا یہ مسٹر رانگ نمبر کا ہیڈ کوارٹر ہے"۔

"ہیڈ کوارٹر تو خیر نہیں۔۔۔ تم اسے ایک شاخ کہہ سکتے ہو"۔

"تب پھر تو مزا آ جائے گا۔۔۔ شاخ کو تو کم از کم تباہ کریں گے"۔

"آؤ آؤ۔۔۔ ابھی پتا چل جائے گا۔۔۔ تم کتنے پانی میں ہو"۔

"بہت بہتر۔۔۔ میں پہل کرنے لگا ہوں"۔

یہ کہہ کر فاروق لوٹ لگا گیا۔۔۔ اور لڑھک کر اس کی ٹانگوں کے پاس پہنچ گیا۔۔۔ دوسرے ہی لمحے اس کے دونوں ہاتھ اس کی پنڈلیوں کی ہڈیوں پر لگے۔۔۔ لیکن وہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹا۔۔۔ البتہ اس کی گردن کا اتنا فائدہ ہوا کہ اس کی توجہ پوری طرح فاروق کی طرف ہو گئی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر محمود نے اپنی ایڑی سے چاقو نکال لیا۔

"تم لوگ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہو۔۔۔ ایک طرف ہٹ جاؤ۔۔۔ میں کر لیتا ہوں اس سے دو دو ہاتھ"۔ انسپکٹر جمشید پرسکون آواز میں بولے۔ یہ انہیں ایک اشارہ تھا۔۔۔ اس اشارہ کو سب سے پہلے فرزانہ نے سمجھا۔ لہٰذا وہ بول اٹھی۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ ہم ایک طرف ہٹ جاتے ہیں۔۔۔ آپ اس سے

دو یا چار چار ہاتھ کر لیں۔۔۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔

"شکریہ فرزانہ"۔

"اور یہ لیجئے ابا جان"۔ محمود بولا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے چاقو ان کی طرف اچھال دیا۔۔۔ انہوں نے چاقو دبوچ لیا اور پھر اس کا بٹن دبا دیا۔۔۔ چاقو ہلکی سی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

سیلانی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسی آواز تھی؟"

"محمود کے چاقو کی آواز تھی۔۔۔ یہ رہا میرے ہاتھ میں"۔

"ارے! اتنا ننھا سا چاقو۔۔۔ یہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے بھلا"۔

"میں اسی چاقو سے تمہیں تگنی کا ناچ نچاؤں گا"۔ وہ ہنسے۔

"اکل کیا ضروری ہے کہ تگنی کا ناچ ہی نچائیں۔۔۔ چوگنی کا نچا لیں"۔ آفتاب نے منہ بنایا۔

"گھبراؤ نہیں۔۔۔ آج تمہاری تمام حسرتیں پوری ہو جائیں گی"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو تیزی سے گردش دینا شروع کیا۔

"جو بھی میرے ہاتھ یا پیر کی زد میں آئے گا۔۔۔ وہ ڈھیر ہو جائے گا۔۔۔ پھر نہ کہنا خبر نہ ہوئی"۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ یوں مزا نہیں آئے گا"۔ ایسے میں انسپکٹر

نے آواز سنائی دی۔

"تب پھر جیسے مزا آتا ہے۔۔۔ کر لیں۔۔۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں"۔

"صرف میں اور آپ لڑتے ہیں۔۔۔ باقی لوگ تماشا دیکھیں۔۔۔ کیا مجھے چاقو استعمال کرنے کی اجازت ہے"۔

"ہمارا جو کرنا ہے۔۔۔ اب تم سب کی موت آ گئی ہے۔۔۔ تم کر لیجئے"۔

"ہم نے تو سنا تھا۔۔۔ ہمیں زندہ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے"۔ آصف نے بلند انداز میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ رانگ نمبر نے ابغال اور راٹور سے اتفاق نہیں کیا۔۔۔ لیکن ضرور تم سب کو زندہ رکھنے کے حق میں ہیں۔۔۔ لیکن مسٹر رانگ کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں۔۔۔ خاص طور پر اس وقت جو صورت حال پیش آ گئی ہے' اس کی وجہ سے بھی کیونکہ رانگ نمبر سوچ نہیں سکتا تھا کہ تم لوگ ہوا میں لٹکتی حویلی میں بھی آ نکلے ہو۔۔۔ اور تم لوگ آ گئے۔۔۔ لہٰذا فوری طور پر رانگ نمبر کو اپنا فیصلہ سنانا ہے کہ تم لوگوں کو ختم کر دیا جائے"۔

"لیکن اس کے لیے اس قدر کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بس ہمیں چپکے سے کسی بلیک ہول میں بند کر دیں اور اس بلیک ہول کو اڑا کر دیں"۔

"نہیں۔۔۔ سب لوگ تمہاری موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ
چاہتے ہیں"۔

"لیکن یہاں۔۔۔ سب لوگ کہاں؟" انسپکٹر جمشید نے بڑا سا منہ
بنایا۔

"سب لوگ یہیں ہیں۔۔۔ نظریں اٹھا کر دیکھو۔۔۔ اس ہال میں
گیلریاں ہیں چاروں طرف"۔

اب انہوں نے نظریں اٹھائیں۔۔۔ پہلی گیلری میں انہیں خالی
کرسی نظر آئی۔۔۔ شاید اس کرسی پر ابقال تھا۔۔۔ دوسری گیلری میں
پروفیسر داؤد بیٹھے نظر آئے۔۔۔ انہیں دیکھ کر وہ زور سے اچھل ہی
پڑے۔

"ارے۔۔۔ پروفیسر صاحب آپ"۔ خان رحمان چلائے۔

پروفیسر داؤد نے انہیں کوئی جواب نہ دیا۔۔۔ انہیں یوں محسوس
ہوا جیسے انہوں نے ان کی آواز سنی تک نہیں۔

"یہ کیا بات۔۔۔ یہ میری آواز کیوں نہیں سن رہے"۔

"یہ اس وقت ایک طرح سے بلیک ہول میں ہیں اور باہر بھی۔۔۔
آنکھوں سے دیکھنے کے لحاظ سے تو یہ باہر ہیں اور کچھ کہنے کے لحاظ سے
یہ قید میں ہیں۔۔۔ یہ اس لڑائی کو دیکھیں گے۔۔۔ سمجھیں گے۔۔۔ لیکن نہ
تو کچھ کر سکیں گے اور نہ کچھ کہہ سکیں گے"۔

"اوہ!!" ان کے منہ سے نکلا۔

اب انہوں نے تیسری اور چوتھی گیلری کی طرف دیکھا۔۔۔ وہ بھی
تھیں۔
"ایک خالی کرسی تو سمجھ میں آتی ہے۔۔۔ اس لیے کہ اس پر مسٹر
ہوں گے۔۔۔ لیکن اس تیسری اور چوتھی خالی کرسی کی سمجھ نہیں
ان پر کسے بیٹھنا ہے۔۔۔ اور کیا مسٹر رانگ نمبر اور راٹور"۔
شاہد جلدی جلدی بولے۔

"نہیں انسپکٹر جمشید۔۔۔ تمہارا یہ اندازہ آخر کار غلط ہو گیا۔۔۔ اس
ایک اور ہستی آنے والی ہے۔۔۔ مسٹر راٹور کے ساتھ"۔

"کک۔۔۔ کیا مسٹر جیرال"۔

"نہیں۔۔۔ وہ تمہارا ساتھی بن چکا تھا۔۔۔ لہٰذا مسٹر رانگ نمبر نے
بلیک ہول میں بند کر دیا"۔

"لیکن اگر پروفیسر داؤد کو یہاں لایا جا سکتا ہے۔۔۔ تو انہیں کیوں
لایا جا سکتا"۔ انسپکٹر جمشید نے اعتراض کیا۔

"مسٹر رانگ نمبر۔۔۔ آپ نے انسپکٹر جمشید کا اعتراض سنا"۔

"ہاں سنا۔۔۔ میں جیرال کو بھی لا رہا ہوں۔۔۔ لیکن اسی حالت میں
پروفیسر ہیں"۔

"چلیے یہی سہی"۔

اور پھر صرف ایک منٹ بعد انہیں جیرال پروفیسر داؤد کے ساتھ
گیلری پر نظر آیا"۔

"مسٹر جیرال۔۔۔ آپ کا کیا حال ہے؟" آصف نے بلند آواز
کہا۔

اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔۔۔ وہ کچھ کہے
سیلانی ٹھیک کہہ رہا ہے"۔

"اور ایک اور ہستی جو آنے والی تھی؟"

"وہ بھی بس آتی ہو گی۔۔۔ کسی وقت بھی وہ آپ کو اس کرسی
نظر آئے گی"۔

"اس ہستی کا نام کیا ہے؟"

"بتانا ضرور نہیں۔۔۔ پھر بھی جب وہ آ جائے گی تو بتا دیا جائے
گا"۔ سیلانی نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ تو کیا اب لڑائی شروع کی جائے"۔

"ہاں۔۔۔ شروع کریں"۔

انسپکٹر جمشید نے چاقو والا ہاتھ اوپر اٹھایا۔۔۔ اور اس کی طرف
لپکے، انداز ایسا تھا جیسے چاقو سے حملہ کرنا چاہتے ہوں۔۔۔ لیکن
اچانک وہ مڑے اور اس گیلری کی سیڑھیوں تک جا پہنچے۔

"ارے ارے۔۔۔ یہ کیا؟" سیلانی ان کی طرف بھاگا۔

"خبردار۔۔۔ روکو اسے"۔ انسپکٹر جمشید گرجے۔

ان کے جسموں میں بجلی سی کوند گئی۔۔۔ وہ بلا کی تیزی سے
دوڑے اور سیلانی کے راستے میں آ گئے۔۔۔ ادھر سیلانی بہت گھبرایا

میں دکھائی دے رہا تھا۔ شاید اسے انسپکٹر جمشید کا گیلری کی طرف مڑنا
پسند نہیں آیا تھا۔۔۔ اس کے چہرے پر شدید گھبراہٹ بھی طاری تھی۔۔۔
لہٰذا جونہی وہ اس کے راستے میں آئے۔۔۔ اس نے ہاتھ گھما دیے۔۔۔
اس کا پہلا ہاتھ فرزانہ کے کندھے پر پڑا۔ کیونکہ سب سے پہلے وہی
زد میں آئی تھی۔۔۔ ساتھ ہی دوسرا ہاتھ فرحت کے جبڑے پر پڑا۔۔۔ دونوں
لڑکھڑا گئیں۔۔۔ ان کے گرتے ہی رفعت اور شوکی نس کے سامنے آ
گئے۔ اس نے پھر ہاتھ گھمائے۔۔۔ لیکن اس وقت تک رفعت اور
شوکی اس کے انداز کو دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا وہ اس کا وار بچانے کے
لیے دائیں بائیں لڑھک گئے۔۔۔ اور اس کے کے سیدھ میں نکل
گئے۔ ایسے میں منور علی خان اس کی کمر کی طرف بڑھے۔۔۔ ان کے
ہاتھ میں ایک عجیب سا اوزار تھا۔۔۔ اور وہ لوہے کا تھا۔۔۔ اس پر ایک
ہینڈل لگا تھا۔۔۔ اوزار کو ہینڈل سے پکڑے۔۔۔ وہ عین اس کی کمر تک پہنچ
گئے۔۔۔ اس کی توجہ فرزانہ اور شوکی کی طرف تھی۔۔۔ لیکن وہ ایک ہی
وقت میں دونوں پر وار نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ لیکن ان کے ادھر ادھر ہو
جانے کی وجہ سے اب اس کا سیڑھیوں تک جانے کا راستہ صاف تھا۔۔۔
لہٰذا وہ انہیں بھول کر سیڑھیوں کی طرف لپکا۔۔۔ ایسے میں منور علی خان
کا اوزار اس کی کمر پر لگا۔۔۔ وہ تڑپ کر مڑا، اس کے منہ سے چیخ نکل
گئی۔۔۔ اور پھر وہ کمر کے بل گرا۔۔۔ اس رخ سے گرنے کی وجہ سے
اوزار فرش سے ٹکرایا اور اس کے جسم میں اور دھنس گیا۔۔۔ اس کے

حد سے ایک لوہ دل دوز چیخ نکل گئی۔

اس کے ساتھ ہی منور علی خان کا دوسرا ہاتھ حرکت میں آیا۔ اس ہاتھ میں ان کی کلہاڑی دبی تھی۔ اور پھر وہ رسی اس کی چرخی کے گرد لپٹتی چلی گئی۔ ٹانگوں کے بعد باری آئی باقی جسم کی۔ جونہی وہاں سے اچھی طرح جکڑ کر فارغ ہوئے۔ انہوں نے پروفیسر داؤد کی تواضع کی۔

"اف میرے خدا! یہ کیا ہو رہا ہے"۔

☆○☆

ملاقات کر لیں

ان کی لات رانوٹا کی کمر پر لگی اور وہ منہ کے بل الٹ گیا۔ ایسے میں انہوں نے رانوٹا کو اٹھتے دیکھا۔ انہوں نے فوراً ہی اس کی طرف چھلانگ لگائی۔ لیکن وہ فوراً ایک طرف ہٹ گئی۔ اس سے اس قدر تیزی کی امید انہیں ایک فیصد بھی نہیں تھی۔ وہ تو اس خیال میں تھے کہ وہ ان کے ہاتھوں چوٹ کھا چکی ہے۔ رانوٹا شوخ انداز میں ہنسی۔

"انسپکٹر کامران مرزا تم بڑے پھنسے۔ ساتھی تمہارے ساتھ ہیں نہیں۔ ہم میں سے کسی ایک سے بھی مقابلہ تمہارے بس کا روگ نہیں۔ بیک وقت دونوں سے مقابلہ تو تم کیا کرو گے"۔

"اور ابھی تھوڑی دیر پہلے کیا ہوا تم دونوں کے ساتھ"۔ وہ مسکرائے۔ انداز میں ذرا بھی گھبراہٹ نہیں تھی۔

"ہمیں تو تمہاری لڑائی کا انداز دیکھنا چاہتی تھی۔ اور رانوٹا میری طرف متوجہ ہو گیا تھا کہ تمہارا وار چل گیا۔ اب ہم دونوں سنبھل گئے ہیں اور تمہیں پیس ڈالنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ لیکن ہم

تمہیں پورا پورا موقع دینا چاہتے ہیں"۔ رانوٹا مسکرا کر بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"تم اس وقت ہمارے درمیان میں ہو۔ ہم دونوں ایک ساتھ تمہاری طرف دوڑیں گے۔ ایک ہی وقت میں تمہارے جسم سے ٹکرائیں گے۔ اور بس۔۔۔ وہ لمحہ تمہاری زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔ کیونکہ آج تک ہمارے اس وار سے کوئی نہیں بچ سکا۔ ہم بھائی بہن کا یہ وار پورے بنگال میں مشہور ہے۔ اور اس سے بڑے بڑے غنڈے کھاتے ہیں۔ ایک نامی گرامی پہلوان ہمارے مقابلے میں اترا تھا۔ اس کا ڈیل ڈول تم سے چار گنا تو ضرور ہو گا۔ کہنے لگا۔ مجھے پیس کر دکھاؤ۔ تب مانوں۔ لیکن وہ بے چارہ مانتا کیسے"۔ رانوٹا کہتے کہتے رک گیا۔

"کیوں۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"بھئی جونہی ہم نے دوڑ لگائی۔ اس سے ٹکرائے۔ وہ بے چارہ درمیان میں پچک کر رہ گیا۔ اور سوکھی لکڑی کی طرح گرا۔ بنگال کے چوک میں اس کی پچکی ہوئی اور سوکھی ہوئی لاش کئی دن تک لٹکی رہی تھی۔ جب بو ناقابل برداشت ہو گئی۔ تب اس کو دفن کیا گیا"۔

"مطلب یہ کہ اب تم مجھے پیس ڈالنے کے لیے تیار ہو"۔

"ہاں! اب تم لوگ حد درجے خطرناک ہو گئے ہو۔ رانگ نمبر

تمہیں زندہ نہیں دیکھ سکتا۔ اگرچہ ہم تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے حق میں نہیں ہیں۔ لیکن مسٹر رانگ نمبر سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ کام ان کی ہدایت کے مطابق کرنا پڑ رہا ہے"۔

"کوئی بات نہیں۔ مجھے کوئی افسوس نہیں۔ آپ اپنا کام کریں۔ ہم اپنا کریں گے۔ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے"۔

"اچھی بات ہے۔ چلو رانوٹا۔ تیار ہو جاؤ۔ ہمیں اس طرح بھاگنا ہے کہ یہ کسی طرف سے بھی نکل نہ پائے۔ اور اس کے بعد ہمیں گیلری میں جانا ہے۔ وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہے۔ وہاں پہنچ کر ہم انہیں خبر سنائیں گے کہ انسپکٹر کامران مرزا کا کانٹا کم از کم ہم نکال آئے ہیں"۔

"گیلری۔ کیا مطلب؟"

"یہاں سے کچھ فاصلے پر تمہارے ساتھیوں کے ساتھ بھی اس وقت زندگی اور موت کی ہولناک جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اس لیے کہ رانگ نمبر اب تم میں کسی ایک کو بھی زندہ دیکھنا پسند نہیں کرتا"۔

"نن نہیں"۔ وہ خوف زدہ انداز میں بولے۔

"بس۔ انسپکٹر کامران مرزا ڈر گئے۔ ابھی تم کہہ رہے تھے کہ موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے"۔

"بالکل یہی بات ہے"۔

"بچوں کی موت اور زندگی کا سوال جب آتا ہے۔ تو
پریشان ہو جاتے ہیں۔ یہ تو قدرتی بات ہے۔ ویسے میری ایک
ہے۔ یہ کہ کیوں نہ ہم بھی اسی گیلری میں چلیں۔ وہیں ہم کچھ
کر لیں گے"۔

"ٹھیک ہے۔ چلو"۔

"ہم لے جانے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ایک شرط پر"۔
مسکرایا۔

"اور وہ کیا؟"

"پہلے آپ ہمیں یہ بتا دیں کہ آپ اپنے گھر کیوں گئے تھے
ہمیں صرف یہاں تک معلوم ہے کہ آپ حویلی سے نکل کر سیدھے
اپنے شہر پہنچے تھے۔ اور پھر اپنے گھر۔ وہاں جا کر آپ نے کیا کیا
اگر آپ صرف اتنا بتا دیں تو ہم آپ کو وہاں لے چلیں گے"۔

"افسوس! یہ بات میں تمہیں اس وقت نہیں بتا سکتا۔ اس
آنے پر ضرور بتا دوں گا"۔

"وقت۔ وقت کب آئے گا۔ وقت تو ختم ہو رہا ہے"۔

"حد ہو گئی۔ بھئی کس کا وقت ختم ہو رہا ہے۔ یہ بات
اس قدر یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو"۔

"تمہارا وقت ختم ہو رہا ہے۔ ادھر ہم نے دوڑ لگائی۔ ادھر
گئے"۔

تو پھر تو"۔ وہ بولے۔

"اس کا مطلب ہے۔ آپ نہیں بتائیں گے"۔ رانوٹا نے تلملا
کر کہا۔

"بتانے کی بات ہو تو بتاؤں نا۔ لیکن تم لوگ یہ بات کیوں
معلوم نہیں کر سکے۔ ہر اہم مقام پر تم لوگوں نے ٹی وی کیمرے لگا
دیے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے پورے ملک کی اہم جگہوں پر کیمرے
نصب کر دیے گئے ہوں"۔

"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں۔ لیکن آپ کے گھر کے صحن
میں کیمرہ موجود ہے۔ لائبریری میں نہیں"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"افسوس! یہ آپ کی غلطی ہے۔ میری نہیں۔ بہرحال میں
نہیں بتاؤں گا کہ میں وہاں کیوں گیا تھا"۔

"اور کیا۔ جس مقصد کے لیے گئے۔ وہ پورا ہوا"۔

"ہاں! اللہ کی مہربانی ہے"۔

"یہی وجہ تھی کہ آپ کو یہاں بلایا گیا۔ ہم چاہتے تھے کہ جب
تک آپ سے بات نہ کر لیں، اس وقت تک آپ کی ملاقات اپنے
ساتھیوں سے نہ ہونے پائے۔ تاکہ آپ انہیں وہ بات نہ بتا سکیں"۔

"کوئی بات نہیں۔ زندگی رہی تو میں انہیں وہ بات بتا دوں
گا۔ لیکن نہ بتا سکا تو ایک بات آپ بھی لکھ لیں"۔

"ہماری یادداشت کمزور نہیں"۔ رانوٹا بولی۔

"میری موت کی صورت میں انسپکٹر جمشید وہاں جائیں گے
وہ چیز دیکھ لیں گے، جو میں دیکھ کر آیا ہوں"۔ انہوں نے جلدی سے
کہا۔

"ہم انہیں جانے ہی کب دیں گے۔ پہلے ہی ان کا بھی
نکال دیا جائے گا"۔

"اچھی بات ہے۔ آؤ رانوٹا یہ صاحب نہیں اٹھیں گے
تو لگائیں"۔

"او کے۔ ایک دو تین"۔ رانوٹا نے کہا۔

دونوں نے ایک ساتھ ان کی طرف دوڑ لگا دی۔ انسپکٹر
مرزا پوری طرح ہوشیار تھے۔ اور بالکل چوکنے۔ وہ یہ بھی جانتے
تھے۔ کہ جس پہلو سے بھی وہ اچھلیں گے۔ یہ دونوں ہوائی
رخ تبدیل کر کے انہیں لپیٹ میں لے لیں گے۔ لیکن بجلی
دوران وہ سوچ چکے تھے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ادھر ادھر یا
طرف چھلانگ لگانے کی صورت میں صرف اور صرف موت تھی
لیکن انہوں نے ایک بالکل انوکھا فیصلہ کیا تھا۔

جونہی دونوں کے جسم انہیں اپنے جسم سے ٹکراتے نظر آئے
انہوں نے خود کو فرش پر گرا دیا اور فرش سے گویا چپک گئے۔

ادھر ایک زوردار دھماکا ہوا۔ کیونکہ دو طاقتور جسم آپس
ٹکرائے تھے۔ ٹکرا کر وہ [illegible]

ہی انسپکٹر کامران مرزا نے چھلانگ لگائی اور سیدھے ہو گئے۔ انہوں
نے دیکھا۔ ان کے دونوں دشمن بالکل ساکت پڑے تھے۔ ان کے
پاس وقت بہت کم تھا۔ ان سے الجھنے کی بجائے۔ وہ اپنے ساتھیوں
تک پہنچنا چاہتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے دوڑ لگا دی۔ لیکن دروازے کی
طرف نہیں۔ بلکہ زینے کی طرف۔

"ارے ارے۔ یہ کیا بھئی۔ دروازہ تو اس طرف ہے"۔
رانوٹا چلایا۔

"تو تمہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا تم چاہتے ہو۔
میں اپنے ساتھیوں تک پہنچ جاؤں"۔ وہ مسکرائے۔

"نن۔ نہیں"۔ رانوٹا ہکلایا۔

"تب پھر۔ کیوں بتا رہے ہو کہ دروازہ اس طرف نہیں ہے۔
اس کا مطلب میں سمجھتا ہوں۔ دروازے کی طرف سے جا کر میں
حویلی تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن چھت کے ذریعے میں حویلی تک جا
سکتا ہوں۔ رانوٹا کی باتوں سے میں اتنا تو سمجھ ہی گیا ہوں کہ اس وقت
دونوں عمارتیں ایک ہیں اور ایک سے دوسری تک جا سکتے ہیں"۔

"نن نہیں"۔ رانوٹا نے خوف زدہ آواز منہ سے نکالی۔

"کیوں! کیا ہوا۔ کیا سٹی گم ہو گئی؟"

"رانگ نمبر کا وہم غلط نہیں۔ تم لوگوں کے بارے میں جو نہ

ہے۔ میں نے رانوٹا کو منع کیا تھا۔ کہ آپ کو آواز نہ دے۔ جہاں جاتے ہیں' جانے دے۔ لیکن یہ نہیں مانی' کہنے لگی۔ میں ان کے ملک میں آئی ہے۔ ایک ایک سے ملاقات کرے گی۔ میں دیکھے گی کہ کون کتنے پانی میں ہے"۔

"مطلب یہ کہ ابھی انہوں نے صرف مجھ سے دو دو باتیں کی ہیں۔ اور کسی سے نہیں"۔

"ہاں! یہ آپ لوگوں میں سے آپ سے اس کی پہلی ملاقات ہے۔ اور میرا خیال ہے۔ اس نے اب تک بہت کچھ اندازہ لگا لیا ہو گا۔ کیوں رانوٹا"۔ رانور اس کی طرف مڑا۔

"ہاں! میں غلطی پر تھی۔ ان میں کوئی بات ضرور ہے"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

انسپکٹر کامران مرزا اس وقت تک سیڑھیوں کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے رانور نے ایک بہت لمبی چھلانگ لگائی تھی اور ان سے ٹکرا گیا۔ وہ اوندھے منہ گرے۔ انہیں بھی رانور سے اتنی لمبی چھلانگ کی امید نہیں تھی۔ اگرچہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ رانور ایک چھلاوا ہے۔

"انسپکٹر کامران مرزا۔ میں تمہیں یہ سیڑھیاں نہیں چڑھنے دوں گا"۔ رانور ہنسا۔

ایسے میں رانوٹا بلا کی رفتار سے دوڑتی ہوئی ان کے پاس سے

نکل گئی۔

"مجھے اجلاس میں شرکت کرنا ہے۔ تمہارا بھی وہاں انتظار ہو رہا ہے۔ لیکن میں ان لوگوں کو بتا دوں گا کہ تم مصروف ہو۔ اس سے فارغ ہو کر ہی آنا"۔

"او کے۔ یہ اب نہیں بچے گا"۔ وہ بولا۔

رانوٹا تیزی سے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اچانک انسپکٹر کامران مرزا کا ہاتھ حرکت میں آیا۔ اور اس کی کمر پر کوئی چیز لگی۔ پہلے وہ اوندھے منہ گری۔ پھر اٹھی اور پیٹ پکڑ کر جھک گئی۔ رانور نے دیکھا۔ اس کی کمر پر لگنے والی چیز انسپکٹر کامران مرزا کا جوتا تھا۔

"کیوں۔ کیسی رہی"۔ وہ مسکرائے۔

اسی حالت میں رانوٹا پھر بھاگی۔ لیکن اس سے پہلے کہ انسپکٹر کامران مرزا دوسرا جوتا اس پر کھینچ مارتے۔ رانور ایک بار پھر ان سے ٹکرا گیا اور وہ دھب سے گرے۔

"چلو۔ رانوٹا۔ موقع اچھا ہے"۔

"او کے۔ شکریہ"۔ اس نے شوخ انداز میں کہا اور چڑھتی چلی گئی۔

انسپکٹر کامران مرزا نے اسے جاتے دیکھا اور اداس انداز میں مسکرائے۔

"خیر کوئی بات نہیں۔ حویلی میں پکڑ لوں گا"۔

"وہاں تو پہلے ہی آپ کے ساتھی موجود ہیں"۔ رانور نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"میں ڈکتا ہوں۔ ہم بھی وہیں چلے چلتے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہیں۔ آپ وہاں نہیں جا سکتے۔ جب تک ہمیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا کہ آپ اپنے گھر کیا کرنے گئے تھے' اس وقت تک آپ کو جانے کی اجازت نہیں دی جا سکتی"۔

"جیسے آپ کی مرضی۔ میں یہی بہتر سمجھتا تھا۔ ہم ہوں سب کے سامنے ہو"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

"نہیں۔ رانوٹا وہاں جا چکی ہے۔ اب ہم اور آپ یہاں اکیلے ہیں۔ یہ موت کی جنگ ہو گی۔ اس جنگ کو موت اور زندگی کی جنگ کہنا بھی غلط ہو گا۔ کیونکہ یہ موت کی صورت میں ہی لکھی ہے"۔ رانور نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کا مطلب ہے۔ آپ کی یا میری موت کی صورت میں"۔

"نہیں صرف اور صرف آپ کی موت"۔ وہ ہنسا۔

"خیر خیر اللہ مالک ہے۔ اگر اس نے ایسا ہی لکھ دیا تو میں کون ہوتا ہوں۔ روکنے والا۔ آئیے۔ وہ دو ہاتھ کر لیں۔ اور ذرا جلدی' اس لیے کہ میں اس طرف جانے کے لیے بری طرح بے چین

ہوں۔ ویسے یہ راستہ کیسے بند کیا ہے؟"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ رانگ نمبر کے لیے۔ میں دونوں دیواروں کے درمیان ایک بلیک ہول بچھا دیا ہے"۔

"کیا کہا۔ بلیک ہول بچھا دیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا چونکے۔

"ہاں اور کیا"۔

"یہ ہو گئی۔ کل آپ کہیں گے۔ اس نے ایک عدد ایٹم بم اڑا دیا۔ ایک بچھا لیا۔ ایک کھا لیا"۔ انہوں نے جھلا کر کہا۔

"نہیں۔ کھانے کے کام تو نہیں آ سکے گا۔ ہاں اڑانے اور بچھانے کے کام آ سکتا ہے"۔ وہ ہنسا۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ فرش پر گر کر لڑھکا اور اس قدر تیزی سے ان کی طرف آیا کہ وہ سنبھل نہ سکے۔ اور اس کے ساتھ خود بھی لڑھکنے لگے۔ بلکہ لڑھک کیا گئے۔ لڑھکتے چلے گئے۔ اور دیوار سے ٹکرا کر رکے۔ اگر آگے دیوار نہ آ جاتی تو شاید ابھی اور لڑھکتے رہتے۔

"یہ لڑھکا کیسا لگا انسپکٹر کامران مرزا؟"

"اچھا لگا"۔ وہ مسکرائے۔

"ابھی اور اچھا لگے گا۔ یہ لیں۔ میں آپ کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر دیوار پر مارنے لگا ہوں۔ بالکل اسی طرح ہم انسپکٹر کو مارتے ہیں۔ ہم نے بھی سیکھ لیا ہے۔ اور اس وقت کو سیکھنے میں

مجھے کافی وقت لگا۔ بہت محنت کرنا پڑی۔ خیر فائدہ ہو گیا۔ اسے میں بھاری بھرکم شخص کو بھی آسانی سے اٹھا سکتا ہوں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ عجیب پہلو سے حرکت میں آیا اور وہ اس کے ہاتھوں پر اوپر اٹھتے چلے گئے۔ یوں بھی انہوں نے اس کی اس حرکت سے بچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"یہ کیا۔ آپ نے بچنے کے لیے ہاتھ پیر نہیں مارے"۔ راشد کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ضرورت نہیں سمجھی۔ ضرورت سمجھی تو ہاتھ پیر ماروں گا"۔ وہ پرسکون آواز میں بولے۔

"اب آپ اس قابل نہیں رہ جائیں گے۔ دیوار سے آپ اس قدر زور سے ٹکرائیں گے کہ پھر اٹھ نہیں سکیں گے۔ اور اس کے بعد میں آپ کا گلا آسانی سے گھونٹ لوں گا جب تک آپ کی موت کا اطمینان نہیں ہو جائے گا۔ میں اس وقت تک گردن پر سے ہاتھ نہیں ہٹاؤں گا"۔

"آپ باتیں زیادہ کرتے ہیں۔۔۔ اور کام کم"۔ انہوں نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ بات میں نے بھی محسوس کی ہے۔۔۔ اور ایسا صرف آپ لوگوں کے بچوں کی وجہ سے ہوا ہے۔۔۔ ان کی باتیں سن سن کر میں بھی باتونی ہو گیا ہوں"۔

"میں انہیں ڈانٹوں گا"۔

"عالم بالا میں ڈانٹنے کا موقع اب نہیں مل سکے گا۔ میں نے اب تک جتنے لوگوں کو اس طرح اٹھا کر دیوار پر دے مارا ہے۔ ان میں سے ایک بھی نہیں بچا"۔

"اوہو اچھا۔ ارے باپ رے۔ آپ نے یہ بات پہلے کیوں نہ بتائی"۔ وہ گھبرا کر بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ اگر ہم میں یہ بات پہلے بتا دیتا تو آپ کیا کر لیتے"۔

"میں کوشش کرتا کہ آپ مجھے اپنے ہاتھوں پر نہ اٹھا سکیں"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ خیر یہ لیں۔۔۔ اپنے اللہ سے ملاقات کریں"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے انہیں دیوار پر دے مارا۔

☆○☆

مم۔۔۔ فف

"ہائیں یہ کیا۔۔۔ یہ آواز تو اپنے پروفیسر انکل کی ہے"۔ فاروق کی آواز میں حیرت کی جھلک تھی۔

"ہاں! جو اب تک گونگے بنے بیٹھے تھے۔۔۔ اور کیا مسٹر جمال تب بھی بول سکتے ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کیوں نہیں"۔

"لیکن اچانک یہ کیسے ہو گیا۔ مسٹر سیلانی کے جکڑے جانے کے فوراً بعد ہی یہ کیسے ہو گیا؟" خان رحمان نے کہا۔

"لیکن صرف اس کے جسم سے رسیاں ہی تو باندھی گئی ہیں۔ لہٰذا یہ سارا کچھ کیسے الٹ پلٹ ہو سکتا ہے"۔

"کیوں مسٹر سیلانی۔ کیا آپ اس بات کا جواب دیں گے"۔

سیلانی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"ارے بھئی مسٹر سیلانی۔ ہم آپ سے بات کر رہے ہیں۔ تو بولیں۔ آپ کہاں ہیں"۔ آفتاب نے برا سا منہ بنایا۔

"عجیب احمق ہو۔ سامنے تو پڑا ہے سیلانی"۔ فاروق نے حد

بھلا۔ "میں عجیب ہوں یا غریب۔ تمہیں اس سے کیا"۔ وہ شوخ آواز میں پکارا۔

"ہاں یہ تو خیر ہے۔۔۔ اچھا میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس کا مطلب بس یہی کہوں گا۔ تم عجیب احمق نہیں ہو۔۔۔ اور بس۔۔۔ باقی رہی بات غریب احمق ہونے کی۔ یا عقل سے پیدل ہونے کی۔۔۔ تو اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

"اچھا تم خاموش تو رہ سکتے ہو کہ نہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"اوہ ہاں! ضرور کیوں نہیں۔ یہ کون سی مشکل بات ہے۔۔۔ لیجیے۔۔۔ میں ہو جاتا ہوں خاموش۔۔۔ اب جب آپ کو میری آواز سننے کی ضرورت محسوس ہو۔۔۔ مجھے بتا دیجیے گا"۔

"او کے۔۔۔ بتا دیں گے۔ اب خدا کے لیے خاموش ہو جاؤ"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ سبھی میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔۔۔ ارے مم۔۔۔ مگر۔۔۔ فف"۔ فاروق ہکلایا۔

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔ فف۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

"یہ تم خاموش ہوئے ہو"۔ انسپکٹر جمشید نے اسے سرد نظروں

سے گھورا۔ وہ نظریں اسے کچھ کہتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ کچھ کہنا
اس کے والد کیا کہنا چاہتے ہیں۔

"ہاں مسٹر سیلانی۔ اب آپ کیا کہتے ہیں۔ کیا آپ کی ایڈوا
پر چوٹ آئی ہے"۔ آصف نے تلملائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہم۔ مارا گیا۔ بے چارہ سیلانی تو"۔ آفتاب بولا۔

"کیا مطلب۔ یہ تم نے کیا کہا۔ مارا گیا"۔ آصف نے اسے
گھورا۔

"تو اور کیا۔ اپنا نام مسٹر سیلانی سن کر یہ کیسے زندہ رہ سکے
گا۔ تجربہ کر لیں۔ آنکھیں تک نہیں جھپک رہا۔ میں کافی دیر سے
اسے تکے جا رہا ہوں"۔

"بری بات ہے۔ مسٹر سیلانی۔ کم از کم آپ کو پلکیں تو جھپکنی
چاہیے۔ اور کوئی چیز جھپکیں نہ جھپکیں"۔ تھمن کی آواز ابھری۔

"حد ہو گئی۔ انسان کے جسم پر پلکوں کے علاوہ کوئی اور حد
بھی ہے۔ جو جھپکا جائے"۔ آصف نے اسے گھورا۔

"ہپ۔ پتا نہیں"۔

باری باری وہ سب اٹھ چکے تھے۔ صرف پروفیسر سیلانی نہیں
اٹھا تھا۔

"یہ تو ایسا لگتا ہے۔ جیسے مردوں سے شرط باندھ کر لیٹے ہیں۔
ارے میاں پروفیسر سیلانی صاحب۔ کیا بالکل ہی سیل ہو گئے؟" محمود

نے جھلا کر کہا۔

"یہ کیا کہا۔ سیل گئے ہوں۔ یہ انسان ہے۔ کوئی مکان نہیں
کہ سیل ہو گیا ہو"۔

"لیکن کیسا انسان ہے۔ ذرا سا گرا اور پھر آنکھیں جھپکنا تک
بھول گیا۔ ہے کوئی تک۔ کچھ اور نہیں بھول سکتا تھا"۔ فاروق سے
رہا نہ گیا۔

"تم پھر بولے"۔ انسپکٹر جمشید جھلا کر اس کی طرف مڑے۔

"وقت ضائع نہ کرو دوستو۔ یہ مر چکا ہے"۔

انہوں نے پروفیسر داؤد کی آواز سنی۔ وہ ایک ایک کر کے
سیڑھیاں اتر رہے تھے اور ان کے پیچھے ہی جیرال چلا آ رہا تھا۔ اس
کے چہرے پر اداس مسکراہٹ تھی۔

"کیا کہا۔ یہ۔ یہ مر چکا ہے"۔

"ہاں! یہی اس کیس کا سب سے عجیب پہلو ہے۔ جونہی یہ
مرا۔ ہم آزاد ہو گئے۔ بولنے کے قابل ہو گئے۔ ہاتھ پیر چلانے کے
قابل ہو گئے۔ آخر یہ کیسے ہو گیا۔ ایسا تو ہم نے صرف اور صرف
جادو کی کہانیوں میں بچپن میں پڑھا تھا۔ ان کہانیوں کا جادوگر جونہی
مرتا تھا۔ سب کچھ اصل حالت میں آ جاتا تھا۔ اور جادوگری پاش
پاش ہو جاتی تھی۔ ہر چیز ختم۔ لیکن یہ سائنس کا دور ہے۔ اور
مسٹر رانگ نمبر نے بلیک ہول کوئی جادو کے ذریعے نہیں۔ سائنسی

تجربات کے بل پر ایجاد کیے ہیں۔ لہٰذا اس وقت یہ خوفناک حقیقت
ہے کہ اس کے مرتے ہی۔ ہم لوگ بولنے، چلنے اور پھرنے کے قابل
کیسے ہو گئے۔ کون دے گا اس سوال کا جواب؟"

"میں دوں گا۔ جمشید۔ میں"۔ انہوں نے پروفیسر داؤد کی آواز
سنی۔

"چلیے شکر ہے۔ کوئی تو موجود ہے ہم میں۔ جو جواب دے
سکتا ہے"۔

اتنے میں پروفیسر سیڑھیاں اتر کر ان کے پاس آ گئے۔ انہوں
نے پہلے سیلانی کو دیکھا۔ اس کی نبض ٹٹولی۔ آنکھوں پر سے پردے
اٹھا کر پتلیوں کو غور سے دیکھا اور پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑے
ہوئے۔

"نہیں جمشید۔ اس میں زندگی کے آثار نہیں ہیں"۔

"لیکن اس کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میرا
منصوبہ کو تو اب بیگال آگے بڑھائے گا"۔ انہوں نے ایک آواز
سنی۔ چونک کر دیکھا تو چھت کی طرف سے کوئی گیلری کی طرف بڑھ
رہا تھا۔

انہوں نے دیکھا۔ وہ ایک عورت تھی۔ گیلری کی ایک کرسی
خود بخود ہلی۔

"آپ بیٹھے رہیں مسٹر اقبال۔ میرے لیے اٹھنے کی ضرورت
نہیں"۔ عورت کی آواز سنائی دی۔

"آپ کون ہیں۔ اور آسمان سے کس طرح ٹپک پڑیں؟"
جمال کی بانچھ کھلی آواز سنائی دی۔

"ارے!" عورت زور سے چیخی۔ پھر اس نے خالی کرسی کی
طرف منہ کر کے سرگوشی کی۔ آواز ان تک نہ پہنچ سکی۔

"یہ آپ مسٹر اقبال سے کیا کھسر پھسر کر رہی ہیں۔ ہم جانتے
ہیں اس کرسی پر مسٹر اقبال تشریف فرما ہیں"۔

"میں نے انہیں ایک بات بتائی ہے۔ اب میں اپنا تعارف خود
کراتی ہوں۔ مجھے رانوتا کہتے ہیں"۔

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید چلائے۔

ان کے چلانے کی وجہ سے دوسرے حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

"آپ۔ آپ اس قدر حیرت زدہ کیوں ہیں۔ کیا آپ اسے
جانتے ہیں؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ میری معلومات کی بنیاد پر یہ رانوتا کی بہن
ہے۔ اور جاف کی ایک بہت بڑی عہدیدار ہے۔ اس سے بیگال کا
رنگ گھبراتا ہے۔ حیرت ہے۔ یہ یہاں ہمارے ملک میں کیا
کرنے آئی ہے"۔

"تمہارے ملک میں نہیں۔ ہمارے ملک میں۔ اب بہت جلد
ساری دنیا پر بیگال کی حکومت ہو گی"۔ رانوتا نے منہ بنایا۔

"آپ نے ساتھ میں انشارجہ کا نام کیوں نہیں لیا"۔ شوکی بولا۔

"اور پروفیسر سیلانی کے مرتے ہی۔۔۔ حالات یک دم کہاں سے
گئے۔ کیا یہ کوئی جادوگر تھا؟"

"نہیں دنیا کا عظیم ترین سائنس دان۔۔۔ جس نے تحقیق
کرنے والے بلیک ہولز پر ایک مدت تک تجربات کیے۔۔۔ برمودا
ٹرائی اینگل کے سلسلے میں۔۔۔ بلیک ہولز کا ذکر بار بار کیا۔۔۔ یعنی ماہر
سائنس دانوں نے یہ اندازے لگائے کہ برمودا پر جو جہاز غائب
ہو جاتے ہیں۔۔۔ وہ ضرور کسی بلیک ہول میں چلے جاتے ہیں۔۔۔ بلیک
ہول کیا ہیں۔۔۔ آپ لوگ انہیں سیارے کہہ لیں۔۔۔ لیکن ایسے
سیارے۔۔۔ کہ جس میں کوئی چیز بھی چلی جائے، اس کے لیے وقت رک
جاتا ہے۔۔۔ وہ ہوش و حواس سے فارغ ہو جاتا ہے۔۔۔ ایک طرح سے
ساکن ہو جاتا ہے۔۔۔ اب چاہے وہ اس بلیک ہول میں سو سال رہے۔۔۔
اسی طرح رہے گا۔۔۔ اور سو سال بعد اگر بلیک ہول اسے باہر پھینک
دے تو اسے ہرگز ہرگز یہ بات معلوم نہیں ہو گی۔۔۔ اس کی گھڑی بالکل
وہی وقت بتا رہی ہو گی۔۔۔ جس وقت کہ بلیک ہول نے اسے اچک لیا
تھا۔۔۔ بلیک ہولز میں پھنس جانے والے لوگ یا تو واپس نہیں آتے۔۔۔
آتے ہیں تو ان کی دماغی حالت درست نہیں رہ جاتی۔۔۔ دماغی حالت اگر
درست ہو گی تو وہ کچھ بتانے کے قابل نہیں ہوتا۔۔۔ مطلب یہ کہ اسے
بالکل کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں رہا ہے۔۔۔ اس قسم کا ذکر ہمیں ملتا
ہے برمودا ٹرائی اینگل کے بارے میں لیکن یہ سب تو قدرتی طور پر

رانگ نمبر نے تو دراصل یہ سوچا تھا کہ کیا وہ کوئی مصنوعی بلیک
ہول پیدا کر سکتا ہے۔۔۔ وہ ایک بہترین سائنس دان تھا۔۔۔ اس خیال پر
سوچنے لگا تو بس اسی پر کام کرتا چلا گیا۔۔۔ اس پر ایک دھن سوار ہو
گئی۔۔۔ اس نے بلیک ہول اور برمودا کے بارے میں تمام تر معلومات
جمع کیں۔۔۔ ان کا بغور مطالعہ کیا۔۔۔ خلا کا مطالعہ کیا۔۔۔ اسلامی کتب کا
مطالعہ بھی کیا۔۔۔ جن میں اس قسم کے واقعات پائے گئے کہ کچھ لوگ
زمین میں سو گئے۔۔۔ جب وہ جاگے تو تین سو کے قریب سال گزر چکے
تھے۔۔۔ لیکن انہیں یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ ابھی سوئے ہوں۔۔۔ اس
طرح وہ غار بھی ایک قسم کا بلیک ہول تھا۔۔۔ وہ تو خدا کی قدرت
کا کرشمہ تھا۔۔۔ لیکن رانگ نمبر نے یہ سوچنا شروع کیا۔۔۔ کیا وہ ایسی
چیز ایجاد کر سکتا ہے۔۔۔ اس نے مختلف لمحوں پر تجربات کیے۔۔۔
چیزوں کو غائب کرنے کے تجربات کیے۔۔۔ یعنی آنکھوں کے سامنے سے
چیزیں کس طرح غائب کی جا سکتی ہیں۔۔۔ اسے ابھال کے بارے میں بھی
معلوم تھا۔۔۔ اس نے اس پر بھی غور کیا کہ ابھال دو سروں کو نظر کیوں
آتے۔۔۔ انسان کی آنکھوں سے جو لہریں نکلتی ہیں۔۔۔ جن کے پلٹنے پر
انسان اس چیز کو دیکھتا ہے۔۔۔ وہ لہریں ابھال کے جسم سے ٹکرا کر واپس
نہیں آتیں۔۔۔ اس نے اس پر تجربات کیے۔۔۔ اس نے لہروں کو
جذب کرنے کے تجربات کیے۔۔۔ لیکن صرف لہروں کو جذب کرنے سے
بلیک ہول نہیں بنتے تھے۔۔۔ کیونکہ اس طرح غائب ہونے والی چیز

ساری تفصیل ریکارڈ کرتا چلا گیا۔۔۔ رانوٹا کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ
سب کچھ ریکارڈ ہو رہا ہے۔

"اور آخر کار کیا؟" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

رانوٹا کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔۔۔ یوں جیسے وہ نیند سے جاگی
ہو۔۔۔ پھر اس نے کانپ کر کہا۔

"اف خدا۔۔۔ میں آپ کو کیا کچھ بتا گئی۔۔۔ نن نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔
راز کی یہ باتیں کسی کو نہیں بتائی جا سکتیں۔۔۔ رانگ نمبر نے بہت سختی
سے ہدایت کر رکھی ہے"۔

"لیکن اب تو آپ بتا گئیں۔۔۔ مہربانی فرما کر صرف اتنا اور بتا
دیں۔۔۔ آخر کار کیا ہوا؟"

"نہیں۔۔۔ نہیں بتاؤں گی"۔

اس نے چیخ کر کہا اور پھر چھلانگ لگا دی۔۔۔ اس کی یہ چھلانگ
بالکل چھلاوے جیسی چھلانگ تھی۔۔۔ بالکل رانور کے انداز کی۔

☆○☆

حقیقت میں تو وہیں رہتی تھی۔۔۔ واقعتاً غائب نہیں ہوتی تھی۔۔۔ اسے
چاہتا تھا۔۔۔ جو بھی واقعتاً غائب ہو جایا کریں۔۔۔ وہ بھی اس طرح کہ
چیزیں ساکت ہو جائیں۔۔۔ وقت ان پر ٹھہر جائے۔۔۔ اس نے پہلے بالکل
ننھی ننھی چیزوں کو غائب کرنے کے تجربات کیے۔۔۔ اپنی پوری صلاحیت
طاقت صرف کی۔۔۔ آخر کار وہ ایسی لہریں ایجاد کرنے میں کامیاب ہو
گیا۔۔۔ جن کی مدد سے وہ ان چیزوں کو غائب کر سکتا تھا۔۔۔ لیکن ان
چیزیں رہتی وہیں تھیں۔۔۔ اب اس نے ان چیزوں کو اس جگہ سے ہٹا کر
کسی اور جگہ منتقل کرنے کے لیے تجربات کیے۔۔۔ لمحوں میں وہ طاقت
پیدا کی کہ ساتھ میں وہ اس چیز کو اٹھا بھی لیں۔۔۔ ایسا اس نے بگولوں پر
غور کرنے کے بعد کامیابی حاصل کی۔۔۔ اس نے غور کیا کہ جب کوئی
انسان بگولوں میں گھر جائے تو بگولے اس کو اپنے ساتھ گردش دیتے
ہیں۔۔۔ اس قدر گردش دیتے ہیں۔۔۔ اس قدر گردش دیتے ہیں کہ وہ
نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔۔۔ حالانکہ بگولا نظر آ رہا ہوتا ہے۔
لیکن پھر بگولا بھی کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔۔۔ اور اس انسان کو دور
بہت دور کہیں پھینک دیتا ہے۔۔۔ اب اس انسان کو بگولے میں گزارے
ہوئے لمحات یاد نہیں رہتے۔۔۔ کیونکہ اس کا دماغ گھوم گیا ہوتا ہے۔۔۔ وہ
پاگل سا ہو جاتا ہے۔۔۔ کس۔۔۔ سیلانی۔۔۔ نن۔۔۔ رانگ نمبر نے بگولوں
پر بھی تجربات کیے۔۔۔ اور آخر کار"۔

رانوٹا کہتی چلی گئی۔۔۔ اور انسپکٹر جمشید کا خودکار ٹیپ ریکارڈر پر

رومال بمقابلہ خنجر

راڈور کے لیے وہ لمحہ شاید بہت زیادہ بوکھلا دینے والا تھا جب اس نے انسپکٹر کامران مرزا کو دیوار سے ٹکرا کر اپنی طرف اسی رفتار سے آتے دیکھا اور پھر ان کا جسم پوری قوت سے اس سے ٹکرایا۔ وہ چاروں خانے چت گرا اور یہ اور بات ہے کہ اس نے اٹھنے میں دیر نہ لگائی۔ اسے اٹھتے دیکھ کر انسپکٹر کامران مرزا مسکرا دیے۔

"کیسی رہی؟"

"حیرت انگیز"۔ راڈور نے تعریف کی۔

"اور میرے لیے آپ کا اٹھ کھڑے ہونا حیرت انگیز ہے۔ خیر پھر سہی"۔

"ضرور کیوں نہیں۔۔۔ لیکن اب میرے پاس وقت نہیں رہا۔ مجھے فوراً باقی لوگوں کے پاس پہنچنا ہے۔۔۔ لہٰذا"۔

یہ کہہ کر اس نے فوراً جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک عجیب قسم کا پستول نکال لیا۔

"بہت خوب! تو اب آپ اس پر اتر آئے۔۔۔ تب پھر مجھے بھی

"روکا کس نے ہے"۔ اس نے بے فکری کے عالم میں کہا۔

"اوہ! اس کا مطلب ہے۔ آپ نے بلٹ پروف لباس پہن رکھا ہے"۔

"ہرگز نہیں۔۔۔ میں ان چیزوں کا عادی نہیں"۔ وہ ہنسا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے اپنا پستول نکال لیا۔۔۔ دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے پر فائر کیا۔۔۔ دونوں کی گولیاں آپس میں ٹکرائیں اور دونوں ہنسے۔

"بہت خوب! مان گیا میں بھی آپ کو"۔

"کم آپ بھی نہیں ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"افسوس! اس لڑائی کو دیکھنے والا کوئی نہیں"۔ راڈور نے حسرت بھرے انداز میں کہا۔

"اسی لیے تو کہتا ہوں۔۔۔ وہیں چلتے ہیں۔۔۔ جہاں سب ہیں"۔

"نہیں۔۔۔ میں آپ کو وہاں نہیں جانے دوں گا۔ لیکن پہلے آپ یہ بتائیں۔۔۔ آپ گھر کس لیے گئے تھے"۔

"نہیں بتاؤں گا" وہ جھلا اٹھے۔

"تب میں بھی نہیں جانے دوں گا"۔

"کوشش کرو۔۔۔ میں جا رہا ہوں۔۔۔ روک سکتے ہیں تو روک لیں"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے سیڑھیوں کی طرف چھلانگ

۔۔۔ ادھر راڈور نے ان پر فائر کیا۔۔۔ وہ فوراً گرے اور پلٹتے ہوئے راڈور پر فائر کیا۔۔۔ وہ اچھل پڑا۔۔۔ اور گولی اس کے پیچھے سے نکل گئی۔ ساتھ ہی انسپکٹر کامران مرزا نے فائر کیا۔۔۔ ادھر سے راڈور نے فائر کیا۔ دونوں بلا کی رفتار سے ادھر سے ادھر ہوئے اور گولیاں ضائع ہو گئیں۔

"ایسا لگتا ہے۔۔۔ جیسے گولیوں سے ہم فیصلہ نہیں کر پائیں گے"۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ جب تک گولیاں ختم نہیں ہو جاتیں۔۔۔ اس وقت تک تو آزمائیں گے"۔

"دونوں نے ایک ساتھ نشانہ لیا۔۔۔ اور فائر کر دیا۔۔۔ دونوں ایک ساتھ اچھلے اور گولیاں دیواروں پر لگیں۔۔۔ بہت سا پلستر اکھڑ گیا۔ اب راڈور نے انہیں مہلت نہ دی۔۔۔ پھر ایک گولی داغ دی۔۔۔ انہوں نے خود کو فرش پر گرا دیا۔۔۔ گولی اوپر سے نکل گئی۔۔۔ ساتھ ہی انہوں نے بھی فائر کیا۔ ان کی یہ گولی راڈور کے پستول کی نال پر لگی۔۔۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی طرف دیکھا۔۔۔ اس کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

"اب آپ کیا کریں گے؟"

"خود کو آپ کی گولیاں سے بچاؤں گا۔۔۔ اور یہ میرے لیے کوئی مشکل نہیں ہو گا"۔

"کوشش کرو۔۔۔ میں بھی آج نشانہ بازی کا بہترین مظاہرہ کروں گا"۔

انسپکٹر کامران مرزا نے رکے بغیر لگاتار فائر کیے۔ راڈور گرتا ہوا جگہ بدل کر رہا تھا۔۔۔ وہ دھک سے رہ گئے۔ ان کی ایک بھی گولی اس کے نہ لگی اور پستول خالی ہو گیا۔

"ہوتا ہے۔۔۔ ایسا بھی ہوتا ہے"۔ راڈور ہنسا۔

"ہاں واقعی۔۔۔ ایسا ہوتا ہے"۔ وہ مسکرائے۔

"اب میرے پاس ایک خنجر ہے۔۔۔ زہر میں بجھا ہوا خنجر۔۔۔ اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو"۔

"ہاں ہاں کوئی حرج نہیں۔۔۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے۔۔۔ آپ آزمائیں۔۔۔ جو میرے پاس ہے میں نکال لیتا ہوں"۔

"کوئی اعتراض نہیں"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی راڈور کے ہاتھ میں ایک خوفناک خنجر نظر آیا۔۔۔ وہ بالکل سیدھا تھا۔۔۔ لیکن اس کا پھل بالکل نیلا تھا۔۔۔ ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے جیب سے ایک رومال نکالا اور اس کا ایک سرا انگلی پر لپیٹ لیا۔۔۔ باقی رومال اب ان کی انگلی سے لٹک رہا تھا۔

"یہ کیا خنجر کے مقابلہ میں رومال"۔ راڈور ہنسا۔

"ہاں خنجر بمقابلہ رومال"۔

"بھئی واہ۔۔۔ اسے کہتے ہیں کاری گری"۔

یہ کہہ کر راڈور خنجر والا ہاتھ لہراتا ہوا ان کی طرف گویا اڑتے ہوئے آیا۔۔۔ ادھر انہوں نے رومال گھمانا شروع کیا۔۔۔ رومال ان کے

ہاتھ میں اس طرح مجسم ہو گیا تھا۔

"ارے یہ کیا۔ رومال مجسم کس طرح ہو رہا ہے"۔

میں نے ایک سرد لہجے کی ایک چھوٹی سی کہانی یاد کی رومال

"ہوں اچھا۔ ایک لوہے کی مٹھی سی کوئی شے نمودار ہو گی"

"ہوں آپ نے کہا ہے۔ جس وقت سے آپ لوہا چبائیں گے"

"لیکن میرے ہاتھ میں زہر آلود خنجر ہے۔ اس سے ذرا سی رال بھی آپ کے جسم پر آ گئی تو آپ پانی بن کر بہہ جائیں گے"۔

"ہوں یہ کوئی اگر آپ کے سر پر لگ گئی تو آپ سر کٹا کر رہ جائیں گے۔ ایک بار آپ جیت گئے تو اٹھنے میں بھی نہیں دوں گا۔ اچھا حافظ" وہ بولے۔

"اف مالک! میں بھی پاگل ہوں۔ باتیں بنانے جا رہا ہوں۔ اب کہ میں تو آپ کو فوراً موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں"۔

"تو کر دو بلا کی رفتار سے آگے بڑھا۔ اس کا خنجر والا ہاتھ اٹھا ہوا تھا۔ انہیں یوں لگا جیسے اب وہ اس کے وار سے بچ نہیں سکیں گے۔ کیونکہ اس وقت وہ کمرے کے ایک کونے میں تھے اور اوجھل ہونے کے لیے اب ان کے پاس کوئی جگہ نہیں بچی تھی۔ لیکن اس

[illegible] کی رالور ان پر آ چکا۔ وہ لوٹ لگا گئے۔ اور اس طرح [illegible] کر اس کی ٹانگوں سے جا ٹکرائے۔ اس حالت میں اس کے [illegible] کی وجہ سے انہیں محض تھا کہ کہیں خنجر ان کے جسم سے نہ چھو [illegible] اس کے لیے انہوں نے فوراً اس جگہ سے بھی آگے کی طرف [illegible] لگائی۔ اور دھڑام سے گرے۔ ساتھ ہی انہوں نے رومال کا وار [illegible] کے سر پر کر دیا۔ اور یہ وار انہوں نے نیچے لیٹے لیٹے کیا۔ رالور کے [illegible] سے ایک چیخ نکل گئی۔ انسپکٹر کامران مرزا اچھل کر کھڑے ہو [illegible] اور رومال کا دوسرا وار کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ یہی ان کی [illegible] تھی۔ وہ رالور کو بے ہوش خیال کر بیٹھے۔ لیکن اس چوٹ کا اس نے زیادہ اثر نہیں لیا تھا۔ لہٰذا وہ جھلا کر پلٹا اور خنجر والا ہاتھ [illegible] انداز میں گھما ڈالا۔ کامران مرزا اگر کمان کی طرح نہ مڑ جاتے تو وہ خنجر ان کا پیٹ چاک کر چکا تھا۔ لیکن اس وار سے بچنے کی صورت میں وہ دھم سے گرے۔ اور ساتھ ہی رالور نے ان پر چھلانگ لگا دی۔ انہیں یوں لگا جیسے کوئی پہاڑ ان پر آ گرا ہو۔ ایسی حالت میں رومال بھی ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

اور پھر انہوں نے دیکھا۔ رالور ان پر چڑھا ہوا تھا۔ خنجر والا ہاتھ اس بلا کی رفتار سے نیچے آ رہا تھا۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ دونوں ہاتھ اس کا وار روکنے کے لیے اٹھا دیے۔ رالور کی کلائی ان کے دونوں ہاتھوں میں آ گئی۔ اور اس نے بھی خنجر والے ہاتھ کا زور

بڑھانے کے لیے اپنا دوسرا ہاتھ اس ہاتھ پر جما دیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے نیچے کی طرف زور لگا رہا تھا۔ تاکہ خنجر ان کے گلے پر خراش ڈال دے۔ جب کہ انسپکٹر کامران مرزا کے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھ کو روکے ہوئے تھے۔ اور اوپر کی طرف زور لگا رہے تھے۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا نے محسوس کیا۔ پورا زور لگانے کے باوجود رالور کا ہاتھ نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ اور ان کے ہاتھ کمزور پڑتے جا رہے تھے۔

"او انسپکٹر کامران مرزا۔ تم تو گئے کام سے"۔

انسپکٹر کامران مرزا نے بھی یہ بات محسوس کی۔ انہوں نے اپنی تمام قوت سمیٹ کر دونوں ہاتھوں کی طرف لانے کی کوشش شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خنجر کا نیچے آنا کچھ دیر کے لیے رک گیا۔ لیکن ایسا بھی زیادہ دیر تک نہ ہو سکا۔ دو منٹ بعد ہی پھر خنجر نیچے آنے لگا۔

"میں نے کہا نا۔ انسپکٹر کامران مرزا۔ تم تو گئے کام سے"۔

"اللہ مالک ہے"۔ وہ بولے۔

"ابھی یہ کہنے کی سکت ہے تم میں"۔ اس نے جھنجھلا کر کہا۔

"یہ تو میں مرتے وقت بھی کہنا پسند کروں گا"۔

"تم مسلمانوں کی یہ بات مجھے بہت غصہ دلاتی ہے۔ جب دیکھو۔ اللہ مالک ہے۔ اللہ مالک ہے"۔ رالور نے جل بھن کر کہا۔

"مالک ہے ہی وہی"۔

"ہنہہ۔ پکارو اپنے مالک کو۔ اب دیکھتا ہوں نا۔ کیسے وہ تمہیں مجھ سے چھڑواتا ہے۔ سنو انسپکٹر کامران مرزا۔ اس کائنات میں کسی خدا کا کوئی وجود نہیں ہے۔ یہ سب انسان کی سوچی ہوئی باتیں ہیں"۔

"تم ان لمحات میں مجھ سے میرا دین نہیں چھین سکتے۔ موت کے حوالے کر سکتے ہو"۔ کامران مرزا بولے۔

"آ گئے نا۔ غرور میں اور یہی چیز۔ تمہیں لے بیٹھے گی۔ انسپکٹر کامران مرزا"۔

"کیا مطلب؟" وہ زور سے چونکے۔

"میں نے مسلمانوں کی کسی کتاب میں ایک واقعہ پڑھا تھا۔ تمہارے کوئی بزرگ تھے، نام تو اب میں جانتا نہیں۔ واقعہ کے مطابق بات کر رہا ہوں۔ ورنہ مجھے ایسے واقعات بھی بالکل فرضی لگتے ہیں۔ یا تو ان بزرگ کو شیطان نے بھٹکانا چاہا۔ آسمان سے لے کر زمین تک ایک روشنی سی طاری کر دی۔ بزرگ نے سوچا۔ شاید یہ اللہ کا ان پر انعام ہے۔ پھر خیال آیا کہ کہیں یہ شیطانی کمال نہ ہو۔ انہوں نے اول والا قوۃ پڑھا تو روشنی غائب ہو گئی۔ ساتھ ہی شیطان کی آواز ہال دی، تو اپنے علم کی وجہ سے آج مجھ سے بچ گیا۔ اس پر بزرگ نے کہا۔ اپنے علم کی وجہ سے نہیں۔ اپنے اللہ کی مہربانی سے بچ گیا۔ یہ بھی تیرا دھوکا ہے کہ میں اپنے علم کی وجہ سے بچ گیا۔ یہ تو

قادر ہے۔ اب آپ اپنے الفاظ پر غور کریں۔ آپ نے کہا کہ میں
ان حالات میں بھی آپ کا دین آپ سے نہیں چھین سکتا۔ آپ نے
یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دین کی حفاظت فرمائے"۔

"ہاں واقعی۔ مسٹر راٹور۔ ایک غیر مسلم۔ بلکہ ایک ملحد
ہوتے ہوئے بھی آپ نے بہت کام کی بات بتائی۔ آپ کا شکریہ
اس لئے میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔ ان حالات میں ایک بالکل نیا
خیال میرے ذہن سے نکل گیا۔ تو مجھے اس سے اور میرے دین کو
بچانے والا ہے۔ میری کوئی طاقت نہیں"۔

"وقت تیرے کی۔ میں نے بھی کیا باتیں شروع کر دیں۔
حالانکہ مجھے بہت جلدی ہے۔ انسپکٹر کامران مرزا۔ خنجر اور نیچے آ
گیا۔ اب میں تمہاری گردن سے صرف ایک انچ اوپر ہوں۔ اور
ایک انچ کا فاصلہ بھی آخر طے ہو ہی جائے گا۔ موت کیسی محسوس ہو
رہی ہے"۔

"اس میں شک نہیں۔ موت بہت خوفناک ہے۔ اللہ اس کی
سختی سے بچائے۔ موت تو بہرحال آ کر رہے گی۔ لیکن اگر ہم سختی
سے نکال جاتے ہیں تو یہ سراسر اس کا انعام اور احسان ہو گا"۔

"جب کرنے لگے ہو۔ مرتے ہوئے انسان جیسی باتیں۔ اپنے
ساتھیوں کو کوئی پیغام دینا ہو تو میں حاضر ہوں۔ یہ فرض ضرور پورا
کروں گا۔ ہاں شرط یہ ہے کہ میرے وہاں جانے تک وہ زندہ ہوں"۔

نے جلدی جلدی کہا۔

"مرے تو کیا۔ ان کے گرد بھی موت کا جال پھیلایا جا چکا
ہے"۔

"ہاں! ان سب کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ ہو چکا
ہے پہلے اور پروگرام تھا۔ لیکن اب مسٹر رانگ نمبر کوئی خطرہ مول
لینے پر تیار نہیں ہیں"۔

"خدا اپنا رحم فرمائے۔ خیر۔ آپ ان سے کہہ دیجئے گا کہ۔۔۔"
رک گئے۔

"کہہ دیجئے گا کہ۔۔۔ کیا کہہ دیجئے گا"۔ راٹور بولا۔

"یہ کہ۔ اپنا کام جاری رکھیں۔ کسی کے مر جانے سے کوئی
فرق نہیں پڑتا۔ کام جاری رہنا چاہیے بس"۔

"اچھی بات ہے۔ آپ کا پیغام پہنچا دیا جائے گا اور خنجر اور
نیچے آ گیا ہے۔ نصف انچ کا فاصلہ رہ گیا ہے"۔

"کوئی بات نہیں"۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک بار اور پورا زور
لگایا۔ چند سیکنڈ کے لیے خنجر والا ہاتھ نیچے ہونا رک گیا۔ اور پھر خنجر
پھر نیچے آ گیا۔ انہیں نوک جلد کو چھوتی محسوس ہوئی۔ وہ اپنی
تمام قوت ہاتھوں میں سمیٹ لائے۔ اللہ کو یاد کیا۔ اور عین اس
وقت راٹور کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اس کے ہاتھ ڈھیلے پڑ
گئے۔ ساتھ ہی ایک اور چیخ اس کے منہ سے نکلی اور اس کا جسم ان

کے اوپر سے لڑھک گیا۔

"انہوں نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا۔ فرزانہ ہاتھ
کھڑی لیے لمبے سانس لے رہی تھی۔ اور اس نے ایک ہاتھ میں
پستول ہال کی طرف سے پکڑ رکھا تھا۔ اور دوسرے میں راٹور کا خنجر
تھا"۔ اس نے خنجر اس کے ہاتھ سے نکال لیا تھا۔

"شکریہ فرزانہ۔ بہت ٹھیک وقت پر آئیں"۔

"ہمیں فوراً حویلی میں جانا ہے۔ آیئے چلیں"۔

"اس کا کام اب تمام ہی کرنا بہتر ہے۔۔۔ ورنہ یہ پھر آ گئے گا۔
اتار دو فرزانہ اس کا خنجر اسی کے جسم میں"۔

"بہت بہتر"۔ وہ بولی۔

اس نے خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور راٹور کی گردن پر دے مارا۔
گردن کٹتی چلی گئی۔ ایک لمحے کے لیے وہ تڑپا اور ساکت ہو گیا۔
اب وہ اوپر کی طرف دوڑے۔ پھر فرزانہ ایک جھٹکے سے رکی۔

"ارے! یہ کیا؟"

"کیا ہوا؟"

"حویلی واپس آ گئی زمین پر۔ اب وہ فضا میں نہیں ہے۔ ا
اب ہمیں دروازے کی طرف سے جانا ہو گا"۔

"تو چلو پھر۔ یہ خنجر مجھے دے دو"۔

وہ دوڑتے ہوئے نیچے آ گئے۔ راٹور ہوں کا توں پڑا تھا۔

کی گردن سے خون اب بھی تیزی سے نکل رہا تھا۔ خود کو اس کے
خون سے بچاتے ہوئے وہ باہر نکلے اور حویلی کی طرف دوڑ پڑے۔
درمیانی فاصلہ بہت تھوڑا تھا۔ لہٰذا اس لیے وہ جلدی دروازے تک
پہنچ گئے۔ دروازہ تھا بھی کھلا۔ لہٰذا وہ فوراً اندر داخل ہو گئے۔ اور
پھر فرزانہ نے اس ہال کا رخ کیا۔ جس میں سارا ڈرامہ ہو رہا تھا۔
انسپکٹر کامران مرزا اس کے پیچھے تھے۔

ہال کے دروازے پر پہنچتے ہی انہیں ایک زور کا جھٹکا لگا۔
آنکھوں میں خوف ہی خوف سما گیا۔

☆○☆

چیخ سنو

انسپکٹر جمشید نے پوری کوشش کی کہ اس کی چھلانگ کی لو
نہ آئیں۔ انہوں نے دائیں طرف چھلانگ بھی لگائی۔ اور
لگائی اور اس یقین کے ساتھ لگائی کہ وہ اس کی پھیٹ سے
گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سب نے دیکھا۔ فضا میں ہی رانو
اپنا رخ تبدیل کر لیا تھا۔ اس کے جسم کو ایک جھٹکا اور
ہو گیا۔ اب اتنا وقت بھی نہیں بچا تھا کہ انسپکٹر جمشید بھی
چھلانگ لگا سکتے۔ لہٰذا اس کا جسم ان سے ٹکرایا اور اس بری
ٹکرایا کہ وہ دیوار سے جا ٹکرائے۔ پھر فرش پر گرے۔ رانو
اچھلی اور ان کے پیٹ پر آ کر گری۔ ان کی چیخ نکل گئی اور
ساکت ہو گئے۔ رانو نا قابل فہم انداز میں ان کی طرف مڑی۔

"یہ انجام تو ہوا انسپکٹر جمشید کا۔ تم لوگ تو ہو کیا۔ ا
کرتے دیکھ کر تم تو یونہی حوصلہ ہار بیٹھے ہو گے"۔

"یہ کام ہم نے سیکھا نہیں"۔ محمود مسکرایا۔

"کون سا کام؟" اس نے چونک کر کہا۔

"یہی حوصلہ ہارنے کا۔ کوئی ہم سے سوال بھی کرانا چاہے
بھی نہیں کرتے"۔ فاروق مسکرایا۔

"ہاں! ہم ہمیشہ حوصلہ جیتتے ہیں"۔ آفتاب بولا۔

"اچھی بات ہے۔ آج تم لوگوں کی جیت بھی ہار میں بدل
جائے گی"۔

"دیکھا جائے گا"۔ محسن کی آواز سنائی دی۔

"واہ بھئی۔ یہ بے چاری بھی کیا یاد کرے گی۔ ذرا ہو جائے
ترکیب نمبر تین"۔

"ہیں" رانو نا نے قہقہہ لگایا۔

"یہ قہقہہ کس خوشی میں؟" آصف نے منہ بنایا۔

"اس خوشی میں کہ تم ترکیب نمبر تین آزما لو گے۔ اور میں
ترکیب نمبر چودہ"۔ وہ پھر ہنسی۔

"ہائیں۔ کیا مطلب۔ یہ کیا بات ہوئی۔ ایسی بات تو ہم نے
پہلے سنی نہ پڑھی"۔

"اب سن لو۔ پڑھ بھی لو۔ سبق یاد کرنے کی طرح پڑھ
لڑکی ترکیب نمبر ۱۳ کے مقابلے میں میں ترکیب نمبر ۱۴ کام میں لاؤں
گی"۔

"اور وہ کیا ہے؟" محمود بولا۔

"میں کیوں بتاؤں"۔ وہ مسکرائی۔

"یہ ناانصافی ہے۔ اور اگر اس وقت مقابلہ میں
ہوتے تو ہرگز ناانصافی نہ کرتے"۔

"جرال۔ یہاں موجود ہیں تو سہی"۔ رانو نا نے حیران ہو
کہا۔

"آپ کو شاید معلوم نہیں"۔ محمود مسکرایا۔

"کیا معلوم نہیں؟" وہ چونکی۔

"مسٹر جرال اس کیس میں اب آپ کے ساتھی نہیں رہے"۔

"ہائیں۔ یہ کیا۔ مسٹر جرال۔ یہ میں نے کیا سنا ہے۔
جرال"۔

"میں اپنے اصول قربان نہیں کر سکتا۔ اپنے آپ کو یا
فائدے کو قربان کر سکتا ہوں"۔

"لیکن اس مہم میں آپ سب لوگ میرے ماتحت ہیں۔
تک کہ رانو بھی۔ اگرچہ وہ میرا بڑا بھائی ہے۔ لیکن پھر بھی اور
میں وہ بھی میرا پابند نہیں"۔

"میں نہیں کروں گا یہ مہم۔ اس مہم میں مجھے اپنے اصول
خون ہوتا نظر آتا ہے"۔

"تو پھر تمہیں بھی میرے ہاتھوں مرنا پڑے گا"۔

"مقابلہ کیے بغیر میں مرنا پسند نہیں کروں گا"۔ وہ مسکرا

"اچھا۔ تم اور مجھ سے مقابلہ کرو گے"۔

"تم صرف ایک عورت ہی تو ہو۔ جرال کو کیا جانو"۔ اس نے
منہ بنایا۔

"اچھی بات ہے۔ اب یہ عورت تمہیں سبق سکھائے گی"۔

"پہلے اس ننھی فوج سے نمٹ لو۔ یہی تمہیں تگنی کا ناچ
نچانے کے لیے کافی ہے"۔ جرال ہنسا۔

"ارے یہ۔ ان کی کیا بات ہے۔ انہیں تو میں ابھی جھٹک
دوں گی۔ اپنی ترکیب نمبر ۱۳ سے"۔

"اچھی بات ہے۔ جھٹک کر دکھائیں پھر"۔ جرال ہنسا۔

"محترمہ رانو نا۔ برا نہ مانئے گا۔ میں بھی کچھ کہنا چاہتا
ہوں"۔ ایسے میں ابطال کی آواز سنائی دی۔

"آہا مسٹر ابطال۔ آپ کی تو میں بس آواز ہی سن سکتی ہوں۔
نہ جانے آپ کیسے ہوں گے"۔

"مجھے ان لوگوں نے ایک بار دیکھا ہے۔ ان سے پوچھ لیں"۔

"کیوں بھئی مسٹر ابطال آپ لوگوں کو کیسے لگے تھے"۔ رانو نا ان
کی طرف مڑی۔

"لیکن آپ یہ کیوں پوچھنا چاہتی ہیں"۔

"آخر ذہن میں سوال تو پیدا ہوتا ہے نا۔ کہ یہ کیسے ہوں
گے"۔

"شکل صورت کے لحاظ سے اچھے ہیں۔ لیکن ہم سے دشمنی

کے لحاظ سے کافی حد تک خراب"۔ آصف بولا۔

"آپ نے یہ نہیں بتایا کہ جب آپ آئیں تھیں تو آپ کس بات پر چونکی تھیں"۔

"اوہ۔۔۔ ہاں یاد آیا۔۔۔ دراصل میں فرزانہ کو غائب پا کر چونکی تھی"۔

"حیرت ہے۔۔۔ آپ ہم میں سے نہیں ہیں۔۔۔ پھر بھی ہم پر ایک نظر ڈالتے ہی آپ نے جان لیا کہ فرزانہ ہم میں نہیں ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں بس! میں ایسی ہی باتوں کے لیے مشہور ہوں"۔ وہ مسکرائی۔

اس وقت تک وہ اس کے گرد ایک دائرے کی صورت میں کھڑے ہو چکے تھے۔۔۔ وہ ان کے دائرے کو دیکھ کر طنزیہ انداز میں ہنس رہی تھی۔۔۔ جیسے کوئی چھوٹے بچوں کی بے وقوفیوں پر ہنستا ہے۔

"چلو آؤ۔۔۔ کرو مجھ پر وار مختلف سمتوں سے۔۔۔ کوئی میرا بازو پکڑے۔۔۔ کوئی بال پکڑے۔۔۔ کوئی میری گردن سے لپٹ جائے۔۔۔ کوئی میری ایک ٹانگ اور کوئی دوسری ٹانگ پکڑے۔۔۔ لپٹ جاؤ سب مل کر مجھ سے۔۔۔ یہی ہے نہ وہ تمہاری ترکیب نمبر ۱۳"۔

"ارے باپ رے۔۔۔ ان محترمہ کو تو ہر بات معلوم ہے"۔ فاروق بوکھلا اٹھا۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ ہمیں بھاگ دوڑ کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔۔۔ یہ تو خود ہی دعوت دے رہی ہیں کہ پکڑ لو۔۔۔ جس طرح پکڑنا ہے"۔ آصف بولا۔

"ہاں ہاں! میں دعوت دے رہی ہوں۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ ورنہ پھر میں شروع ہو جاؤں گی۔۔۔ اور تمہاری ترکیب نمبر ۱۳ دھری کی دھری رہ جائے گی"۔

"ہوشیار دوستو۔۔۔ یہ صاحبہ بلاوجہ چالاک بننے کی کوشش کر رہی ہیں۔۔۔ اور ہمارے ذہنوں میں یہ بات پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں جیسے ہم ان کے مقابلے میں بالکل صفر ہوں۔۔۔ لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں۔۔۔ ان میں ایسی کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم انہیں لوہے کے چنے چبوا دیں گے ان شاء اللہ"۔ فرحت نے جلدی جلدی کہا۔

"بلکہ دن میں تارے دکھا دیں گے"۔ رفعت مسکرائی۔

"میں تو چھٹی کا دودھ یاد دلانے کی کوشش کروں گا"۔ کھمن نے منہ بنایا۔

"کک۔۔۔ کیا کہا دودھ"۔ پروفیسر داؤد نے بوکھلا کر کہا۔

"کک۔۔۔ کیوں۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ آپ دودھ کے نام پر بوکھلا کیوں گئے"۔

"ذرا سوچو۔۔۔ غور کرو۔۔۔ ہم کب سے بھوکے ہیں۔۔۔ ہم نے کب سے کچھ نہیں کھایا پیا"۔

"لیکن انکل۔۔۔ میں نے لفظ چھٹی کا دودھ بولا تھا۔۔۔ صرف دودھ نہیں"۔

"تو کیا ہوا۔۔۔ اس میں دودھ تو شامل ہے نا"۔

"اچھا خیر۔۔۔ ان شاء اللہ بہت جلد آپ کے کھانے کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں"۔ خان رحمان نے انہیں دلاسا دیا۔

"کہاں سے ہو جائے گا۔۔۔ یہاں دور دور تک کھانے کی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی"۔

"یہ لیجیے انکل۔۔۔ ایسے میں شوکی نے جیب سے کوئی چیز نکال کر ان کی طرف بڑھا دی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ ٹافی"۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"جی ہاں! لیکن یہ عام ٹافی نہیں۔۔۔ خاص ٹافی ہے۔۔۔ بھوک غائب کر دینے والی ٹافی۔۔۔ آپ کی اپنی تیار کردہ ٹافی۔۔۔ جو آپ نے ایسے موقعوں کے لیے تیار کی تھی۔۔۔ لیکن شاید اس بار آپ یہ ٹافی جیب میں رکھنا بھول گئے"۔

"ہاں! بھول گیا"۔ وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"لیکن بھئی شوکی"۔ آصف نے کچھ کہنا چاہا۔

"اوہو۔۔۔ آخر ہو کیا گیا ہے تم لوگوں کو۔۔۔ بات ہو رہی تھی لڑائی کی۔۔۔ اور ہم لے بیٹھے ٹافی کی بات کو۔۔۔ بس ٹھیک ہے۔۔۔ آؤ لڑائی پکڑیں۔

ٹافی سے ان کی بھوک کچھ دیر کے لیے غائب ہو جائے گی"۔ فرحت نے جلدی کر کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔ لاؤ ٹافی ہی دے دو اور تم لڑائی کی طرف توجہ دو"۔ پروفیسر داؤد بولے۔۔۔ اور پھر انہوں نے شوکی سے ٹافی لے لی۔

"ہاں تو آپ کیا کہہ رہی تھیں مس ہانوٹا"۔ کھمن کی آواز ابھری۔

"ہانوٹا نہیں۔۔۔ رانوٹا"۔ اس نے منہ بنایا۔

"اوہ ہاں۔۔۔ دراصل یہ ہماری پہلی ملاقات ہے نا۔۔۔ مسٹر شانور سے چونکہ ہم بار بار مل چکے ہیں اس لیے ان کا نام غلط نہیں لیتے"۔

"واہ۔۔۔ مان گئی بھئی تمہیں۔۔۔ لیکن میں اس قسم کی فضول باتوں پر وقت ضائع کرنے کی عادی نہیں ہوں۔۔۔ سمجھے جناب۔۔۔ اب لڑائی شروع کرنا ہے تو کریں۔۔۔ ورنہ میں اپنی کارروائی شروع کرتی ہوں"۔

"ضرور کیوں نہیں"۔

محمود نے اس کا ایک بازو، آصف نے دوسرا پکڑ لیا۔۔۔ اسی طرح فاروق اور آفتاب نے ایک ایک ٹانگ پکڑ لی۔۔۔ فرحت اچھلی اور اس کی گردن سے لٹک گئی۔۔۔ یہ کام فرزانہ کا تھا۔۔۔ لیکن وہ اس وقت تھی ہی نہیں۔۔۔ رفعت آگے بڑھی اور اس کے لمبے بال دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیے۔۔۔ باقی ساتھی کھڑے یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کریں۔۔۔ اسے کہاں پکڑیں۔

"بس تم فی الحال لڑائی دیکھو۔۔۔ ہم میں سے کوئی اگر چوٹ کھا کر گرے تو اس کی جگہ لینے کی فوراً کوشش کرنا"۔ محمود نے کہا۔

"او کے"۔ شوکی نے کہا۔

"بس۔ کر لیا مجھے قابو"۔ رانوٹا ہنسی۔

"ہاں کر چکے۔۔۔ اب آپ اپنی ترکیب نمبر ۳ کا میدان میں لائیں۔۔۔ پتا تو چلے۔۔۔ وہ ہے کیا"۔

"اچھا۔۔۔ لو۔۔۔ سنبھلو۔۔۔ خوب مضبوطی سے پکڑو مجھے"۔ اس نے للکارا۔

"انہوں نے گرفت اور مضبوط کر لی۔۔۔ لیکن اچانک رانوٹا کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلیں۔۔۔ انہیں یوں لگا جیسے ان کے پیروں کے نیچے کوئی جانور کلبلا رہا ہے۔۔۔ انہوں نے بوکھلا کر رانوٹا کو چھوڑ دیا۔

"بس۔۔۔ ہو گئے الگ۔۔۔ ایک ہلکی سی آواز سے۔۔۔ ابھی تو میں نے منہ سے خوفناک قسم کی آواز نہیں نکالی۔۔۔ ورنہ تو تم لوگوں کے پتے پانی ہو جاتے"۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا تھا"۔ محمود نے کانپ کر کہا۔

"ابھی بتاتی ہوں تمہیں یہ کیا تھا"۔ یہ کہہ کر اس نے محمود کی طرف منہ کر کے ایک زوردار آواز نکالی۔۔۔ اس آواز میں جانے کیا تھا۔۔۔ [illegible]

"یہ۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ محمود۔۔۔ اس نے تو تمہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا"۔ آصف چلا اٹھا۔

"ہاں۔۔۔ اس نے ہم۔۔۔ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگایا اور میں دیوار سے ٹکرا گیا۔۔۔ بھلا ایسا ہو سکتا ہے"۔ محمود نے لرزتی اور کانپتی آواز میں کہا۔

"عین اس وقت اس نے آصف کی طرف رخ کیا۔۔۔ منہ سے ایک بھیانک آواز نکالی۔۔۔ اور وہ زور سے اچھلا اور فرش پر دھم سے گرا۔ اس کے منہ سے مارے خوف کے چیخ نکل گئی۔

"پکڑ لو۔۔۔ پکڑ لو"۔ فرحت چلائی۔

"پکڑ لو۔۔۔ پکڑ لو۔۔۔ کیا پکڑ لو" رفعت نے جھلا کر کہا۔

"ایک دوسرے کا ہاتھ سب مضبوطی سے پکڑ لو۔۔۔ اس صورت میں ہم نہیں اچھل سکیں گے"۔

"اوہ ہاں۔۔۔ واقعی"۔ آفتاب بولا۔

انہوں نے جلدی جلدی ایک دوسرے کو پکڑ لیا۔۔۔ اور خوب مضبوطی سے پکڑ لیا۔

"اب آواز نکالیے گا ذرا۔۔۔ لیکن زیادہ خوفناک نہیں۔۔۔ بس ہلکی سی آواز اور بہت کم خوفناک"۔ شوکی نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"اچھا"۔ وہ مسکرائی۔۔۔ اور پھر اس نے ہلکی سی آواز نکالی۔۔۔ ان [illegible]

"[illegible] ہے۔۔۔ اگر یہ کیسی آوازیں ہیں۔۔۔ میں تو انہیں کے خیال سے ہی ڈر گیا۔ ایسا کیوں لگتا ہے جیسے پیروں کے نیچے کوئی جانور آ گیا ہو"۔

"میں تو انہیں کے لیے میں نے بہت مشق کی ہے۔۔۔ میں نے بڑے بڑے سورما اور بڑے سے بڑے جانور کو اچھل جانے پر مجبور کر دیا ہوں"۔

"خیر یہ رحم فرمائیے۔۔۔ اب کیا ہو گا۔۔۔ ہماری ترکیب نمبر ۳ کی کیا خاک میں"۔ افلاطی کی آواز سنائی دی۔

"ہونا کیا ہے۔۔۔ ان کے ہاتھوں ہمارا ٹھیک تیار ہو گا"۔ افلاطی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"[illegible] ارے باپ رے"۔ پروفیسر داؤد نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"اوہ پھر منہ سے کھانے کی چیز کا نام نکل گیا۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ اس بات پر پابندی ہونی چاہیے کہ ہم میں سے کسی کے منہ سے کھانے کی کسی چیز کا نام نہ نکلا کرے"۔ آصف نے منہ بنایا۔

"لیکن۔۔۔ پروفیسر انکل۔۔۔ وہ بلی۔۔۔ کیوں نہیں کھائی آپ نے"۔

"یہ سوچ کر رکھ لی۔۔۔ کہ شاید اس سے بھی زیادہ بھوک کا عالم آ جائے"۔ وہ مسکرائے۔

"آپ نے اچھا کیا۔۔۔ فی الحال تو ہم آپ کے لیے ٹھیک کا انتظام نہیں کر سکتے۔۔۔ آپ ذرا صبر کریں۔۔۔ اس لیے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے"۔

"وہ تو میٹھے پر ہوتا ہو گا۔۔۔ اب تک مل نہیں جاتا۔۔۔ اس بلی کو۔۔۔ اس وقت تک اس کے ٹکڑے ہونے کا بھی کیا فائدہ"۔ انہوں نے منہ بنایا۔

ان کی بات پر انہیں اس حالت میں بھی ہنسی آ گئی۔

"اب تمہارا اپنی ترکیب نمبر ۳ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ تو فوت ہو گئی"۔ آصف نے سر تو ہلایا۔

"اب تم کیا کرو گے"۔ رانوٹا بولی۔

"مار کھائیں گے آپ کے ہاتھ سے اور کیا کریں گے"۔

"لیکن آج بات صرف مار کھانے پر ختم نہیں ہو جائے گی۔۔۔ ہم آپ لوگوں کا قصہ پورا کرنے کے لیے ختم کر دیں گے"۔

"مجبوری ہے۔۔۔ اب ہم کر ہی کیا سکتے ہیں"۔

"میں ایک چیخ مارنے لگی ہوں۔۔۔ وہ چیخ آپ سب کو مکمل طور پر بے ہوش کر دے گی۔۔۔ بے ہوشی کی حالت میں ہم آپ لوگوں کو بہت آسانی سے ذبح کر سکیں گے۔۔۔ کر دیں گے جسم سے الگ کرنے کے بعد ہم اس پر تھیسس کریں گے کہ آپ لوگوں کا کام تمام ہو گیا ہے"۔

"ٹھیک ہے"۔ محمود نے سر تو ہلایا۔

تو پھر چلو سنو۔"

یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کانوں پر رکھے اور [illegible]

بے منہ کھولا۔

☆○☆

آواز کی مار

انہوں نے دیکھا۔ ہال میں انسپکٹر جمشید اور باقی سب لوگ بیٹھے پڑے تھے۔ رانوٹا ان کے درمیان قہقہے انداز میں چل رہی تھی۔ ایسے میں اس نے کہا۔

"مسٹر اقبال۔ میرے پاس خنجر نہیں۔ یہ کام تم انجام دے دو۔ ان سب کو ذبح کر دو۔ اور مسٹر جنرل کو بھی"۔

اب انہوں نے دیکھا۔ بے ہوش ہونے والوں میں جنرل بھی موجود تھا۔

"میرے پاس خنجر ہے۔ میں ابھی چند منٹ میں ان کی گردنیں الگ کیے دیتا ہوں۔ پھر ہمارے اس منصوبے میں یہ رکاوٹ نہیں بن سکیں گے"۔

انسپکٹر کامران مرزا اور فرزانہ کے رنگ اڑ گئے۔ اچانک انسپکٹر کامران مرزا کے منہ سے بلند آواز میں یہ الفاظ نکلے۔

"لیکن۔ ابھی ہم دو باقی ہیں۔ پہلے ہمیں بے ہوش کر لیں"۔

وہ چونک کر دروازے کی طرف مڑے۔ پھر رانوٹا بری طرح

اچھل۔

"ہوں۔ اور راٹور کہاں ہیں؟"

"اس سے پہلے کہ تم انہیں ذبح کرو۔ پہلے اس کی خبر سنو۔" انسپکٹر کامران مرزا ٹھہری ہوئی آواز میں بولے۔

"کیا کہنا چاہتے ہیں انسپکٹر کامران مرزا"۔ اس نے الجھن سے [illegible] کام میں کہا۔

"یہ کہ دیکھ لیں۔ پھر ہمارے ساتھیوں کی طرف توجہ دیں"۔ وہ بولے۔

رانوٹا نے تماشا دروازے کی طرف دوڑ پڑی۔ اقبال [illegible] بارے میں وہ جان نہ سکے۔ کہ اس نے بھی دوڑ لگائی یا نہیں۔ [illegible] ہوئی رانوٹا دروازے سے لگنے لگی۔ انسپکٹر کامران مرزا نے اپنی [illegible] آگے بڑھا دی۔ وہ اوندھے منہ گری۔ ساتھ ہی انسپکٹر کامران [illegible] نے اس کی کمر پر چھلانگ لگائی۔ لیکن عین اس وقت رانوٹا کے [illegible] سے عجیب سی آواز نکلی۔ انہیں یوں گا جیسے ان کے مکان کے [illegible] کوئی زندہ جانور آ گیا ہے۔ وہ بھڑک کر دور جا گرے۔ اور رانوٹا [illegible] اٹھ کر بھاگی۔ ساتھ ہی فرزانہ کی کمر پر ایک لات لگی۔ وہ اوندھے منہ گری۔ صاف ظاہر تھا۔ اس کی کمر پر لات اقبال نے ماری تھی۔ گویا وہ دونوں دوسرے مکان کی طرف دوڑے جا رہے تھے۔

فرزانہ اٹھی۔ جلدی انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

[illegible] کے پیچھے جاتا ہوں"۔

"لیکن انکل۔ آپ ان دونوں سے نہیں لڑ سکیں گے۔ اول تو [illegible] کم نہیں۔ اوپر سے اقبال۔ جو نظر نہیں آتا"۔

"تم فکر نہ کرو۔ سب سے پہلے اپنے ابا جان کو ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔ ہم سب بہت بڑے خطرے میں ہیں۔ یہ واقعی ہمیں جان سے مارنا چاہتے ہیں"۔

"اوہ۔ اس طرف جنرل بھی بے ہوش پڑا ہے"۔

"اس لیے کہ اب وہ ان کا ساتھی نہیں رہا۔ میں ان کے پیچھے جاتا ہوں۔ تم انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرو"۔

"اصل مسئلہ اقبال کا ہے۔ ارے ہم اس عینک کو بھول ہی گئے۔ کم از کم ہمیں اس عینک کے ذریعے اقبال کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے"۔

"ابھی تو اقبال یہاں ہے ہی نہیں۔ جب آئے گا کوشش کر لینا"۔

یہ کہہ کر انہوں نے رانوٹا والے گھر کی طرف دوڑ لگا دی۔ فرزانہ فوراً انسپکٹر جمشید کی طرف بڑھی۔

"ابا جان۔ ہوش میں آئیں۔ ورنہ ہم سب"۔

"شش۔ شش"۔ اس نے ان کی آواز سنی۔

فرزانہ اچھل پڑی۔

"کک۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ آپ ہوش میں ہیں"۔

"ہوش ابھی آیا ہوں۔۔۔ تمہارے جھوٹ سے شکوک ہو گئے ہیں۔ پہلے۔۔۔ میں نے تم دونوں کی باتیں سنی ہیں۔۔۔ مجھے بے ہوشی کے انداز میں پڑا رہنے دو۔۔۔ باقی لوگوں کو جلدی جلدی ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔۔۔ اور ہاں۔۔۔ ذرا جلدی سے مجھے فاروق کی جیب سے ایک ریوالور نکال کر دے دو"۔

"ریوالور۔۔۔ جلدی سے۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی جیب سے کوئی چیز جلدی سے مل جائے"۔

"جلدی کرو فرزانہ۔۔۔ رانوٹا وہاں نہیں ٹھہرے گی۔۔۔ ممکن ہے کامران مرزا نے رانوٹا کا کام تمام کر دیا ہے"۔

"ہیں۔۔۔ جی ہاں! رانوٹا مار جا چکا ہے"۔ اس نے فوراً کہا۔

"تب وہ وہاں نہیں رکے گی"۔

"آپ پریشان نہ ہوں۔۔۔ انکل ان کے پیچھے گئے ہیں"۔

"اور انکل بھی رانوٹا کے ساتھ ہے۔۔۔ رہنے۔۔۔ جلدی کرو۔۔۔ میں چلا اٹھے۔

فرزانہ نے گھبراہٹ کے عالم میں فاروق کی جیب میں ہاتھ ڈال دیا۔۔۔ فاروق نیند کی حالت میں چلا اٹھا۔

"چوں۔۔۔ چوں۔۔۔ یہ کون ہے۔۔۔ جو ہمارے گھر میں تمہارا ہاتھ ہے"۔

"حیرت ہے۔۔۔ ادھر میں نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا۔۔۔ ادھر اس نے خواب میں کوئی چور دیکھ لیا"۔ فرزانہ بولی۔

"خواب میں دیکھ رہی ہو گی تم۔۔۔ ہاتھ باہر نکالو۔۔۔ تم سے تو ریوالور تک بھی نہیں نکلے گا"۔

"یہ رہا ریوالور"۔ فرزانہ بولی اور ہاتھ باہر نکال لیا۔۔۔ اس کے ہاتھ میں وہ عینک تھی۔۔۔ جس کے ذریعے انہوں نے حویلی کو دیکھ لیا تھا۔

"حیرت ہے۔۔۔ تم عینک کو ریوالور کہہ رہی ہو"۔ یہ کہہ کر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال دیا اور ریوالور نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔۔۔ اس نے ریوالور تھما دی اور بولی۔

"پروفیسر انکل کے پاس وہ گن ضرور ہو گا جس کے ذریعے وہ بے ہوشی کی کم و کم موجودگی محسوس کر لیتے ہیں"۔

"تم ان کی بھی بھتیجی نکلی نا۔۔۔ یا انہیں ہوش میں لے آؤ"۔ فاروق مسکرایا۔

"اور تم۔۔۔ فاروق تم کیا کر رہے ہو۔۔۔ جلدی جلدی انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کرو۔۔۔ لیکن جو ہوش میں آ جائے۔۔۔ وہ لیٹا اسی طرح رہے۔۔۔ جیسے ابھی تک بے ہوش ہو۔۔۔ پھر موقع محل دیکھ کر وار کر سکیں گے۔۔۔ دراصل میں پہلے ابھل سے ٹکرانا چاہتا ہوں"۔

میں اس وقت انہوں نے دوڑتے قدموں کی آواز سنی۔۔۔ نظریں اٹھائیں۔۔۔ تو رانوٹا چلی آ رہی تھی۔۔۔ اس کے چہرے پر خون سوار تھا۔۔۔

آنکھیں لال بھبوکا ہو رہی تھیں۔۔۔ آتے ہی اس نے کہا۔

"کہاں گئے انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ انہوں نے میرے بھائی کو مار ڈالا۔۔۔ اب وہ میرے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتے۔۔۔ ہائے کہاں گئے۔۔۔ بولو کہیں گے۔۔۔ سامنے آئیں نا"۔

"وہ تو آپ کے پیچھے گئے تھے"۔ فرزانہ نے فوراً کہا۔

"نن نہیں۔۔۔ نہیں تو"۔

"اس کا مطلب ہے۔۔۔ وہ وہیں رہ گئے۔۔۔ یا پھر"۔ فرزانہ کہتے کہتے رک گئی۔

"یا پھر کیا؟" وہ پھاڑ کھانے کے انداز میں بولی۔

"یا پھر مسٹر ابھل سے بھڑ گئے ہوں گے۔۔۔ وہ بھی تو آپ کے ساتھ گئے تھے نا"۔ یہ کہتے ہوئے فرزانہ نے عینک آنکھوں پر لگا لی۔

"مسٹر ابھل۔۔۔ آپ میرے سامنے ہیں نا"۔

"ہاں بالکل۔۔۔ مجھے انسپکٹر کامران مرزا وہاں نظر نہیں آئے"۔ ابھل کی آواز سنائی دی۔۔۔ لیکن فرزانہ کو اس عینک سے وہ نظر نہ آیا۔

"خیر۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔ وہ بھی آ جائیں گے"۔

"میں ان کا خون پینا چاہتی ہوں"۔ وہ چلائی۔

"ارے باپ رے۔۔۔ تو آپ بھی آدم خور ہیں"۔

"ہاں ہوں۔۔۔ تم جیسوں کے لیے میں آدم خور ہی ہوں"۔ اس نے بھنا کر کہا۔

اچانک کمرے میں عجیب سی آواز ابھری۔

"پس۔۔۔ سی پس۔۔۔ ہیہ۔۔۔ ہیہ"۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسی آوازیں ہیں۔۔۔ ارے۔۔۔ یہاں۔۔۔ یہاں ابھی انسپکٹر جمشید لیٹے ہوئے تھے"۔ اس نے بوکھلا کر کہا اور کمرے میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں۔۔۔ اس کی اپنی کمر کی طرف انسپکٹر جمشید عجیب سی حالت میں کھڑے نظر آئے۔

"اوہ۔۔۔ تو آپ ہوش میں آ گئے۔۔۔ اور آپ پیچھے سے مجھ پر وار کرنا چاہتے تھے۔۔۔ لیکن یہ تو کوئی بہادری نہیں ہے"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں"۔ وہ مسکرائے۔

"اور یہ آپ کھڑے کس طرح ہے؟"

"یہ شاید آپ کی آواز کا اثر ہے"۔

"نہیں۔۔۔ میری آواز انسانی جسموں کو ٹیڑھا میڑھا نہیں کرتیں۔۔۔ اور آپ کا جسم تو ہل بھی رہا ہے"۔

"شش۔۔۔ شاید مجھ پر کپکپی طاری ہو گئی ہے۔۔۔ اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ وہ بولے۔

"یہ انسپکٹر کامران مرزا کہاں رہ گئے۔۔۔ اوہ شاید۔۔۔ وہ بھی چھپ کر وار کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔۔۔ مسٹر ابھل آپ ذرا جا کر انہیں دیکھیں اور جہاں بھی چھپے ہوں۔۔۔ انہیں گھسیٹ لائیں"۔

ہو گئے"۔ اقبال کی آواز ابھری۔۔۔ اور پھر دوسرے قدموں کی آواز سنائی دی۔

"انسپکٹر جمشید۔۔۔ آخر یہ کیا مذاق ہے۔۔۔ آپ سامنے کیوں نہیں آ جاتے"۔

"آپ کی آوازیں"۔ وہ قدرے کانپ کر بولے۔

"غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ میری آوازیں آدمی کو بے ہوش کر سکتی ہیں"۔

"مم۔۔۔ میں کیا کر سکتا ہوں"۔ وہ بولے۔

"اور یہ آپ ہانپ کیوں رہے ہیں۔۔۔ جیسے دوڑ کر آ رہے ہوں"۔

"بس۔۔۔ بس"۔ وہ جلدی سے بولے۔

"بس بس۔۔۔ کیا۔۔۔ انسپکٹر جمشید آپ کوئی چال چلنے کے خواہش ہیں۔۔۔ لیکن میری ایک آواز آپ کی ہر چال کا جواب ثابت ہو گی"۔

"چال کا جواب۔۔۔ یہ۔۔۔ تو کسی غافل کا کام ہو سکتا ہے"۔ غالب کی آواز ابھری۔

"اوہ۔۔۔ تو فاروق کو بھی ہوش آ گیا"۔ رانوتا چونکی۔

"صرف مجھے ہی نہیں۔۔۔ میرے ایک دو اور ساتھیوں کو بھی"۔ فاروق نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ تم سب تو میری ایک آواز کی مار ہو۔۔۔ اس

سے ہوش تو ہی میں طرح بتا سکتے ہیں کہ وہ بے ہوش ہیں"۔

"ہاں اچھا۔۔۔ واقعی۔۔۔ خیر چھوڑو۔۔۔ جلدی سے ہوش میں آ جاؤ۔۔۔ سزا کی شروع ہونے والا ہے۔۔۔ کانوں میں انگلیاں ٹھونس دو"۔

"جی۔۔۔ کیا فرمایا کانوں میں انگلیاں ٹھونس دوں"۔

"ہاں! اس وقت ہمارے پاس اور کوئی ایسی چیز نہیں جو ہم کانوں میں ٹھونس سکیں"۔

میں اس لمحے دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔۔۔ ایسے میں جیرال کو ان سب نے دروازے کی طرف ایک لمبی چھلانگ لگاتے دیکھا۔

"ارے ارے۔۔۔ یہ کیا مسٹر جیرال"۔

جیرال بری طرح رانوتا سے ٹکرایا۔۔۔ ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔۔۔ دونوں دور جا کر گرے۔۔۔ ساتھ ہی جیرال نے رانوتا کا گلا دبوچ لیا۔

"اب نکال کر دکھاؤ آوازیں"۔ وہ غرایا۔

"بہت خوب مسٹر جیرال۔۔۔ آج تو آپ نے پرانی دوستی کا حق ادا کر دیا"۔

"دوستی کا نہیں۔۔۔ دشمنی کا۔۔۔ میری آپ لوگوں سے کوئی دوستی نہیں ہے۔۔۔ میں آپ لوگوں کا دشمن ہوں۔۔۔ اور دشمن رہوں گا۔۔۔ بلکہ ایک جہاد ہے۔۔۔ بالاصول دشمن"۔

"چھوڑ دو۔۔۔ چھوڑ دو۔۔۔ ورنہ تمہاری موت بہت عبرت ناک ہو

گی مسٹر جیرال"۔

"موت تو اب تمہاری عبرت ناک ہو گی"۔

"آپ لوگ ناک لفظ کا استعمال کچھ زیادہ کر رہے ہیں"۔ جیرال کی آواز سنائی دی۔

"تم لوگوں سے بعد میں نمٹوں گی۔۔۔ پہلے ذرا اسے تو مزا چکھا دوں"۔

اور پھر نہ جانے کیا ہوا۔۔۔ جیرال کے جسم سے خون کا فوارہ نکلنے لگا۔۔۔ رانوتا نے اس کا پیٹ نوچ لیا تھا۔۔۔ اب انہوں نے وہ ہولناک منظر دیکھا۔۔۔ اس کے ناخنوں سے خون اور گوشت کے ریشے ٹپک رہے تھے۔۔۔ اس کے ناخن بہت لمبے تھے۔۔۔ اور ان ناخنوں سے اس نے جیرال کا پیٹ چاک کر کے رکھ دیا تھا۔۔۔ وہ سب کانپ گئے۔۔۔ اس قدر خوفناک اور ہولناک منظر انہوں نے بہت کم دیکھے ہوں گے"۔

جیرال کے منہ سے غرغراہٹ کی آواز نکلی۔

"اف ظالم۔۔۔ یہ کیا کیا"۔ اس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"ہم غداروں کو ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں"۔ رانوتا بولی۔

جیرال کے ہاتھ اس کے گلے پر سے ہٹتے چلے گئے۔۔۔ پھر وہ الٹ کر گرا اور بری طرح تڑپنے لگا۔۔۔ ایسے میں اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا۔

"انسپکٹر جمشید۔۔۔ میرا۔۔۔ میرا انتقام اس سے ضرور۔۔۔ ضرور

ہوگا۔ اسے زندہ واپس نہ جانے دینا۔ ورنہ یہ تم لوگوں کے لیے
تمہارے ملک کے لیے بہت بڑا خطرہ ثابت ہوگی۔ اور رہی بات زاکو
کی۔ تو۔۔۔ تو۔۔۔"۔

اپنے میں رانوٹا نے جیب میں سے پستول نکالا اور تین گولیاں
جرنل کے سر میں اتار دیں۔ اس کا جسم ساکت ہو گیا۔

وہ سب سکتے میں آ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جنرل
اس طرح مارا جائے گا۔

"اور اب تم بھی ہاتھ اوپر اٹھا دو۔ بلکہ ہاتھ کیا اوپر اٹھا
لے۔ میں ساتھ میں تم لوگوں کو بھی بھون ڈالتی ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے پھر ٹریگر دبا دیا۔ اس نے انسپکٹر جمشید کا نشانہ
لیا تھا۔

☆○☆

رانوٹا

انسپکٹر جمشید ہوا میں اڑتے نظر آئے۔ یہاں تک کہ اس کا
پستول خالی ہو گیا۔

"اب اپنا پستول اپنے سر پر مار لو مس رانوٹا"۔ انسپکٹر جمشید
نے کہا۔

"اپنے سر پر کیوں۔ تمہارے سر پر کیوں نہیں؟"۔

یہ کہہ کر اس نے پستول بھی کھینچ مارا۔ ایسے میں فرحت اپنی
جگہ سے اچھلی۔ اور رانوٹا کی گردن سے لٹک گئی۔ ساتھ ہی اس نے
اپنے بازو پوری طرح جکڑ لیے۔ اس کی کوشش تھی کہ رانوٹا کی گردن
اس حد تک دبا دے کہ اس کے حلق سے آواز نہ نکل سکے۔ اور
جب آواز نہیں نکل سکے گی تو ان کے لیے بے ہوش ہونے کا کوئی خطرہ
نہیں رہ جائے گا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ گردن پر دباؤ بڑھاتی۔
رانوٹا نے منہ سے آواز نکالی اور اس نے بلبلا کر گردن چھوڑ دی۔
ساتھ ہی وہ فرش پر گر پڑی۔

"کسی اور میں ہمت ہے تو آئے اور مجھے پکڑ لے"۔

سب اپنی جگہ سے رہے۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف قدم
اٹھانے لگے۔

"میں تعاقب کروں گا"۔

"ایک گولی کی مار ہو انسپکٹر جمشید"۔

"بہت بڑی بھول میں مبتلا ہو مس رانوٹا"۔ وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب۔ آپ اپنے بھائی کو گنوا چکی ہیں۔ جنرل اپنے
ہی ملک کا تھا آپ کا۔ اور وہ بھی مارا گیا۔ اب رہ گئیں صرف
آپ"۔

"آپ بھول رہے ہیں انسپکٹر جمشید"۔

"کیا بھول رہا ہوں۔ وضاحت کر دیں ذرا"۔ انہوں نے
پرسکون لہجے میں کہا۔

"یہ کہ ابھی میرے ساتھی مسٹر اقبال موجود ہیں۔ جو نظر نہیں
آ رہے"۔

"اچھا۔ تو مسٹر اقبال کی بات کر رہی ہیں"۔ انہوں نے
مذاق اڑانے کے انداز میں کہا۔

"بالکل"۔ وہ بولی۔

"مجھے افسوس ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"افسوس ہے۔ لیکن کس بات پر"۔

اچانک فرحت نے ان کی رانوٹا کی طرف چھلانگ لگائی۔ اور
اس کی کمر پر سر کی ٹکر دے ماری۔

رانوٹا اوندھے منہ گری۔ شاید اس لیے کہ وہ اس وقت مکمل
طور پر بے دھیان تھی۔ لیکن اس نے اٹھنے میں ذرا بھی دیر نہ
لگائی۔ غصے میں آ کر اس نے الٹا ہاتھ گھمایا۔ اس کا یہ ہاتھ فرحت
کے گال پر لگا۔ فرحت کے منہ سے ایک دل دوز چیخ نکلی۔

"اف۔ میرے گال پر آگ سی لگ گئی ہے۔ اس کے ہاتھ
میں یا آگ"۔ وہ چلائی۔ پھر وہ گال پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"اگر پھر ایسی حرکت کی تو پورا جسم آگ کی طرح جلنے لگے گا"۔
وہ غرائی۔

"کیوں۔ آپ آگ کی بنی ہوئی ہیں"۔ محسن نے ڈرے
ڈرے انداز میں کہا۔

"میں آگ کی بنی ہوئی نہیں ہوں۔ بلکہ آگ ہوں آگ۔ جلا
کر راکھ کر دوں گی۔ ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے"۔

"بہت کچھ دیکھ چکے ہیں۔ جو باقی ہے۔ وہ بھی دیکھ لیں
گے"۔ اشفاق کنکنایا۔

"حد ہو گئی۔ بات کیا ہو رہی تھی۔ اور کیا ہونے لگی۔
ارے میں اپنے ساتھی اقبال کی بات کر رہی تھی۔ انسپکٹر جمشید آپ
کس بات پر افسوس ظاہر کر رہے تھے"۔

"اسی بات پر"۔ وہ بولے۔

"کیا کہا۔ اسی بات پر۔۔۔ لیکن کس بات پر"۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"آپ سمجھتی کیوں نہیں"۔ اخلاق نے جھلا کر کہا۔

"کچھ پتا بھی تو چلے۔ آخر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں"۔

"صرف اور صرف یہ کہ مسٹر ابطال اب آپ کے ساتھی نہیں رہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا کہا!!!" وہ چلا اٹھی۔۔۔ باقی لوگ بھی چلا اٹھے۔

"یہ آپ نے کیا کہا ابا جان"۔ محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"تو کیا وہ بھی جیرال کی طرح غدار ہو گئے ہیں"۔

"نہیں۔۔۔ جیرال کی طرح نہیں۔۔۔ بلکہ وہ میرے ہاتھوں مارے گئے ہیں"۔

"کیا!!!" رانوٹا کے منہ سے نکلا۔

ان سب کے منہ مارے حیرت کے کھل گئے۔۔۔ یہ خبر صرف رانوٹا کے لیے ہی حیرت انگیز نہیں تھی۔۔۔ بلکہ ان سب کے لیے بھی چونکا دینے والی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔۔۔ میں نے آپ کو ایسا کرتے نہیں دیکھا"۔ رانوٹا کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"جب آپ اور ابطال دوسری عمارت سے اس عمارت میں داخل ہوئے تھے۔۔۔ اس وقت مسٹر ابطال آپ کے پیچھے تھے۔۔۔ تھے نا"۔

"ہاں! اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"اس وقت میں بھی آپ کی کمر پر پہنچ گیا تھا۔۔۔ بس میں نے اندازے سے ابطال کی گردن دبوچ لی۔۔۔ آپ کو وہ آوازیں یاد ہیں۔۔۔ جس سی۔۔۔ ہمم۔۔۔ ہمم۔۔۔ وہ آوازیں ابطال کے حلق سے نکل رہی تھیں۔۔۔ آپ یہ خیال کر رہی تھیں کہ آوازیں میرے حلق سے نکل رہی ہیں۔۔۔ اس وقت میں عجیب و غریب حالت میں کھڑا نظر آیا تھا آپ کو۔۔۔ آپ نے کہا بھی تھا کہ آپ یہ کھڑے کس طرح ہیں۔۔۔ میرے بدن میں کپکپی بھی آپ نے محسوس کی تھی۔۔۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ابطال آخری دموں پر تھا۔۔۔ اور آزاد ہونے کے لیے اپنا پورا زور لگا رہا تھا۔۔۔ ادھر اس کے گلے کو قابو میں رکھنے کے لیے مجھے سخت مشکل پیش آ رہی تھی۔۔۔ لیکن آخر کار ابطال نے دم توڑ دیا۔

"غلط۔۔۔ بالکل غلط۔۔۔ میں نے ان لمحات میں مسٹر ابطال کو آواز دی تھی۔۔۔ کہ مسٹر ابطال آپ یہیں ہیں نا۔۔۔ تو انہوں نے کہا تھا۔۔۔ ہاں! میں یہیں ہوں"۔ اس نے جلدی جلدی کہا۔

"وہ تو آپ اب بھی ان کی آواز سن سکتی ہیں۔۔۔ لیجیے۔۔۔ سنیں۔۔۔ ہاں میں یہیں ہوں"۔ انہوں نے یہ الفاظ ابطال کی آواز میں

کہے۔

"کیا مطلب؟" رانوٹا چلائی۔

"ہاں! وہ آواز میری تھی۔۔۔ ابطال تو اس وقت زندگی اور موت کی کشمکش سے دوچار تھا۔۔۔ اور ایسا صرف اس لیے کیا گیا کہ آپ لوگ بھی اس بار ہمیں موت کے گھاٹ اتارنے پر تل گئے تھے۔۔۔ اب میدان میں صرف اور صرف آپ رہ گئیں ہیں مس رانوٹا"۔

"اور میں تم سب کے لیے بہت کافی ہوں"۔

"یہ بھی ابھی پتا چل جائے گا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"ہم سب کے خلاف کیا حربہ اختیار کرنے کا ارادہ ہے"۔

"اپنی آواز کا ہتھیار استعمال کروں گی۔

"تب پھر میں آپ کو دعوت دیتا ہوں۔۔۔ سب سے پہلے آپ اپنی آواز استعمال کریں"۔

"شوں۔۔۔ اگر بے ہوش ہونے کا اتنا ہی شوق ہے تو یہ لیں"۔ یہ کہہ کر اس نے منہ سے آواز نکالی۔۔۔ لیکن اس سے پہلے انسپکٹر جمشید کے ہاتھ اپنے کانوں کی طرف جا چکے تھے۔۔۔ انہیں اس کے بقیہ کی آواز ہی نہ سنائی دی۔۔۔ فقط وہ وہاں کے وہاں کھڑے رہے۔۔۔ نہ گرے۔۔۔ اور نہ بے ہوش ہوئے۔

رانوٹا کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔۔۔ اس نے ایک بار اور کوشش

کی۔۔۔ لیکن کچھ نہ ہوا۔

"کیوں۔۔۔ کہاں گئی آپ کی آواز؟"

"ہم۔۔۔ میں ان پر بھی آواز آزماؤں گی"۔ وہ غرائی۔

"شوں۔۔۔ کیوں نہیں"۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"رانوٹا نے محمود کی طرف دیکھا اور منہ سے آواز نکالی۔۔۔ لیکن وہ بھی بے ہوش نہ ہوا۔

"حیرت ہے۔۔۔ یہ کیا ہو گیا"۔

"کچھ بھی نہیں۔۔۔ بس ہم نے اپنے کان بند کر لیے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تب پھر مجھ سے باتیں کیسے کر رہے ہیں"۔

"آپ کا کیا خیال ہے کیا ہم آپ کی آواز سن کر جواب دے رہے ہیں"۔

"تب پھر؟" وہ چونک کر بولی۔

"ہم اشاراتی زبان سمجھنے کے ماہر ہیں۔۔۔ خود بھی اکثر اشاروں میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔۔۔ آپ جو بات کہہ رہی ہیں۔۔۔ وہ ہم اشارات کی مدد سے سمجھ رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں۔۔۔ ورنہ ہم نے اپنے کان بالکل بند کر رکھے ہیں"۔

"لیکن کیسے؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم میں ایک صاحب ہیں۔۔۔ ان کا نام فاروق ہے۔۔۔ آپ کو

اس کی جیب کے بارے میں کچھ معلوم ہے"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں! قدوس کی جیب میں لوٹ پاٹ چیزیں بھری رہتی ہیں۔"

"ہیں۔ آج اس کی لوٹ پاٹ چیزیں ہمارے کام آ گئی ہیں۔ اس کی ریوالور کے کانوں میں پھنسی ہوئی ہے۔ باقی چیزیں دو سپاہیوں کے ہم لئی ہیں۔ کچھ دو سپاہیوں کی جیبوں سے بھی اس قسم کی چیزیں مل گئی ہیں۔"

"ہوں۔ اب میں سمجھی۔۔۔ خیر۔ تم نے میرا یہ قصہ پاک کر دیا۔ لیکن تم مجھے طاقت میں بھی کم نہیں پاؤ گے۔ اگرچہ میں ہاتھ بہت کم چلاتی ہوں۔ لیکن جب چلاتی ہوں۔ خوب چلاتی ہوں۔ بڑے بڑے میرے اس کمال کا لوہا مان چکے ہیں۔ اور آج تم بھی مان لو گے۔"

"چلو مان لیں گے۔ ہمارا کیا جاتا ہے"۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"ہائیں! یہ تم کیا کہہ رہے ہو"۔ آصف نے اسے گھورا۔

"کیا۔ کیوں۔ کیا میں کچھ غلط کہہ گیا ہوں"۔

"کچھ نہیں۔ بہت زیادہ غلط۔ دشمن کا لوہا ماننے کی بات کر رہے ہو اور خوشی کا اظہار بھی کر رہے ہو"۔

"کیا میرے کان بند ہیں نا۔ شاید میں کوئی اشارہ غلط کر گیا"۔

"راموں مارا جا چکا۔ جمال بے چارہ ختم ہو گیا۔ اقبال بھی بازی کی بازی ہار گیا۔ ایک تم رہ گئے۔ اور تم سے پہلے پروفیسر بھی مر چکا ہے۔ اب تو یہ بات واضح ہو جانی چاہیے کہ کیا پروفیسر ہی رانگ نمبر تھا؟"

"ہاں! اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا"۔

"اور اس کے غار مولے پر کام بگاڑ میں ہو رہا ہے"۔

"بالکل یہی بات ہے"۔ وہ مسکرائی۔

"مطلب یہ ہوا کہ ہم تمہیں بھی مار دیں۔ تب بھی۔ جیت ہماری نہیں ہو گی"۔

"بالکل۔ اس کیس میں تو کسی صورت جیت تمہاری نہیں ہو گی۔ ہار ہی ہار ہے۔ اور اب تو تم لوگوں کے لیے یوں بھی غلامی کا دور آنے کو ہے"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے۔

"بہرحال غلامی کا دور تو بعد میں آئے گا۔ تم تو اس سے پہلے ہی موت کا مزا چکھ لو گے۔ لو۔ میرا وار روکو۔ تم سب مل کر۔ پوری اجازت ہے"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا جسم پھرکی کی طرح گھومنے لگا۔۔۔ وہ اس قدر تیزی سے گھومی۔۔۔ اس قدر تیزی سے کہ جسم قریب قریب نظر آنا بند ہو گیا۔ لیکن وہ تھی ان کے درمیان

"ایک طرف ہٹ جائیں۔۔۔ یہ تو صرف میری ایک رسی کی ہے"۔ ایسے میں انہوں نے منور علی خان کی آواز سنی۔ وہ ان کی طرف ہو گئے۔

"ہاں واقعی ہمیں دیواروں سے لگ کر کھڑے ہو جانا چاہیے۔ اب ایک طرف یہ گھومے گی۔۔۔ دوسری طرف اکمل کی رسی گھومے گی"۔ محمود خوش ہو گیا۔

دوسری طرف منور علی خان۔۔۔ رسی ہاتھ میں لئے پیچھے ہٹے اور اس کے بل نکال رہے تھے۔۔۔ پھر اس کے سرے پر بندھا ہوا گولا گھمانے لگے۔ لیکن ابھی وہ اونچائی پر تھا۔۔۔ اچانک آگے کو جھکے اور رانوٹا کے جسم سے لپٹتا چلا گیا۔۔۔ یہاں تک کہ اس کی گردش رک گئی۔ رانوٹا انہیں نظر آنے لگی۔۔۔ وہ گھومتے گھومتے آخر رک گئی تھی۔

"اس رسی کے علاوہ بھی منور علی خان اگر تمہارے پاس کچھ اور چیزیں ہیں تو وہ بھی میرے جسم کے گرد کس دو۔۔۔ پھر نہ کہنا حسرت دل میں رہ گئی۔ میں آج تم لوگوں کو خوب خوب موقع دینا چاہتی ہو۔

"تم رسی کو ہی توڑ کر دکھا دو۔۔۔ میرے خیال میں تو تم اس رسی کی گرفت میں آ چکی ہو"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ یہ لو۔۔۔ میں صرف ایک زوردار سانس لے لوں"۔

اس نے ہوا سی سانس اندر کھینچا۔ ہوا کو خوب پھیپھڑوں میں بھرا۔ رسی آواز کے ساتھ ٹوٹی اور اس طرح ٹوٹی کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

ان کی آنکھیں مارے حیرت اور خوشی کے پھیل گئیں۔۔۔ منور علی خان تو چلا اٹھے۔

"اف مالک۔۔۔ کیا اس عورت میں ہاتھی اور گینڈے سے بھی زیادہ طاقت ہے۔۔۔ کیونکہ یہ رسی ہاتھیوں اور گینڈوں سے بھی نہیں ٹوٹتی"۔

"ہاں منور علی خان۔۔۔ تم نے ٹھیک کہا۔ ابھی تم میری طاقت کا مظاہرہ دیکھ ہی لو گے۔۔۔ کوئی ہے۔۔۔ جو میرے مقابلے پر آئے۔۔۔ جسے اپنی طاقت کا گھمنڈ ہے۔۔۔ وہ آگے آئے"۔ اس نے للکار کر کہا۔

کوئی بھی آگے نہ آیا تو وہ ہنسی۔

"بس۔۔۔ ہو گئی ساری طاقت۔۔۔ ساری بہادری"۔

"یہ بات نہیں محترمہ نارونا"۔ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"تب پھر۔۔۔ کیا بات ہے؟"

"ہم گھمنڈ نہیں کرتے کسی بھی چیز پر۔۔۔ اور آپ نے یہ کہا ہے کہ جس میں گھمنڈ ہے۔۔۔ وہ آگے آ جائے"۔

"خیر۔۔۔ میں اور طرح کہتی ہوں۔۔۔ اس سے پہلے کہ میں سب کی چٹنی بنا کر رکھ دوں۔۔۔ کوئی مجھ سے زور آزمائی کرنا چاہے تو آگے آ سکتا

[illegible] تم نے [illegible] اس نے گھور کر کہا۔

"اس بات کو چھوڑیں۔ ہمارے بارے میں گفتگو [illegible] اختیار کرتے نہیں لگتے"۔

"ہاں یار واقعی۔ میں بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ اجازت ہو تو ذرا بیٹھ جاؤں۔ اس کمرے کے اس کونے میں"۔ پروفیسر داؤد جھکے جھکے انداز میں بولے۔

"آپ چاہیں تو اس کمرے کے اس کونے میں بھی بیٹھ سکتے ہیں"۔ فاروق مسکرایا۔

"لل۔۔۔ لیکن میں اس کمرے میں کمرہ کہاں سے لاؤں۔۔۔ اس وقت تو ہمارے پاس ایک کمرہ ہے"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

"یہ تم لوگوں نے کیا اوٹ پٹانگ باتیں شروع کر دیں"۔ رانوٹا نے جھنجلا کر کہا۔

"کیوں۔۔۔ کیا آپ کو پتا نہیں"۔ آصف نے کہا۔

"کیا پتا نہیں"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"جب آپ کو ہمارے بارے میں ہر بات معلوم ہے تو پھر یہ بات بھی تو معلوم ہو گی کہ ہم ایسے موقعوں پر اوٹ پٹانگ باتیں ضرور کرتے ہیں۔۔۔ اور آج آپ کو راز کی بات بتا دوں"۔ آصف نے جلدی جلدی کہا۔

"راز کی بات۔۔۔ جلدی بتاؤ"۔

"[illegible] کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ میرا دماغ [illegible] ہو گیا تھا کہ [illegible] بیٹھا"۔

"لیکن بھائی جان۔۔۔ ایسے موقعوں پر دماغ چلنے سے [illegible] چاہیے۔۔۔ یہ آپ کا فرض ہے"۔ اشفاق نے فوراً کہا۔

"ہاں لگے بھی۔۔۔ تم ہمارے کان کاٹنے کی کوشش میں [illegible] لیکن یہ کان ہمارے آزمائے ہوئے ہیں"۔ آصف ہنسا۔

"لیجئے۔۔۔ ذرا سنئے۔۔۔ کان آزمائے ہوئے ہیں۔۔۔ [illegible] آزمائے ہوئے بیٹھے چلے آ رہے تھے"۔

"[illegible] ہو گئی۔۔۔ بات کیا ہو رہی تھی۔۔۔ اور کیا ہونے لگی۔۔۔ [illegible] بات چاہو گے میرا دماغ"۔ رانوٹا نے پاؤں پٹخے۔

"بالکل یہی بات ہے"۔ محمود نے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ [illegible] جا کے رفعت کے۔

"تمہارے ہاتھ کی آنکھیں کمزور ہو چلی ہیں۔۔۔ [illegible] ۔۔۔ یا پھر۔۔۔ چہرے والی آنکھیں ہاتھوں پر لگوا لو۔۔۔ اور [illegible] چہرے پر"۔

"مشورے کا شکریہ۔۔۔ مس نادونا۔۔۔ [illegible] نہیں۔۔۔ [illegible] شاید یہ بھی۔۔۔ ارے ہاں یاد آیا۔۔۔ مس انوٹا۔۔۔ ہاں تو میں [illegible] آپ کا شکریہ"۔

"شکریہ۔۔۔ لیکن کس بات کا؟"

"یہ تو آپ مجھے بھی یاد نہیں کہ کس بات کا شکریہ۔۔۔ بہرحال [illegible] جس بات کا بھی میں آپ کا شکریہ سمجھ لیں"۔

"تم لوگ یوں باز نہیں آؤ گے۔۔۔ میں حرکت میں آ رہی [illegible] مجھے کیا۔۔۔ کوئی میرے مقابلے میں نہیں آ سکتا۔۔۔ نہ آئے"۔ اس [illegible] نے جھنجلا کر کہا۔

"ایک منٹ مس رانوٹا"۔

ایک آواز ابھری۔

☆○☆

انسپکٹر جمشید کا اندازہ

ان سب نے چونک کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔۔۔ لیکن کوئی نہ سمجھ سکا کہ کون بولا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کون بولا تھا"۔ آفتاب نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"یہ۔۔۔ میں ہوں۔۔۔ جیرال کی روح"۔ کمرے میں آواز پھر گونجی۔

رانوٹا نے فوراً آواز کی سمت دیکھا۔۔۔ لیکن اس طرف تو انسپکٹر جمشید کھڑے تھے۔

"آواز جیرال کی ہی تھی۔۔۔ تو کیا۔۔۔ وہ زندہ ہے"۔ رانوٹا نے سرسراتی آواز منہ سے نکالی۔

"کیا بات کرتی ہیں مس پراٹھا۔۔۔ یہ رہے مردہ جیرال بے چارے"۔ رفعت نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! یہ مر چکا ہے"۔

"لیکن روح کبھی نہیں مرتی"۔ کمرے میں آواز گونجی۔۔۔ اس بار

آواز دوسری طرف سے آئی تھی۔

"ارے ہائیں۔۔۔ آخر تم کون ہو۔۔۔ سامنے آکر بات کرو"۔ رانوٹا نے چلا کر کہا۔

"دماغ چل گیا ہے تمہارا۔۔۔ میں سامنے ہی تو موجود ہوں۔۔۔ لو مجھے چھو لو۔۔۔ پکڑ کر دیکھو۔۔۔ تم مجھے محسوس کر سکو گی۔۔۔ آگے بڑھو۔۔۔ اگر میں تمہیں نظر نہیں آ رہا تو اس میں میرا کیا قصور"۔

"لیکن تم میرے سامنے مردہ پڑے ہو"۔

"میں نے کہا نا۔۔۔ روحیں نہیں مرتیں"۔

"تب پھر روحوں کو چھوا بھی نہیں جا سکتا"۔ رانوٹا نے تلملا کر کہا۔

"میں نئے دور کی روح ہوں۔۔۔ آپ مجھے چھو کر دیکھ سکتی ہیں"۔

"اوہ اچھا"۔ وہ حیرت زدہ سی آگے بڑھی۔۔۔ دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔۔۔ اور پھر اوندھے منہ گری۔۔۔ کیونکہ پیچھے سے فرزانہ نے یک دم اس کی دونوں ٹانگیں ٹخنوں سے پکڑ کر گھسیٹ لی تھیں۔

"دبوچ لو اسے۔۔۔ اب یہ اٹھنے نہ پائے"۔ فرزانہ چلائی۔

بس پھر کیا تھا۔۔۔ سب اس کے جسم سے چمٹ گئے۔۔۔ رفعت تو اس کی کمر پر اچھلنے کودنے لگی۔

"یہ ڈانس کا کون سا وقت ہے"۔ محمود نے اسے گھورا۔

"یہی تو وقت ہے ڈانس کا"۔ وہ مسکرائی۔

"اچھا تو پھر باری باری۔۔۔ اب میری باری ہے"۔

"ہاں کیوں نہیں۔۔۔ آ جاؤ"۔ یہ کہہ کر رفعت نیچے اتر گئی۔۔۔ ابھی محمود اس کی کمر پر چڑھا ہی تھا کہ اس نے کروٹ لی۔۔۔ اسے بکنے والے اس کے ساتھ اٹھے۔۔۔ اور اب وہ ایک طرح اس کے نیچے دب گئے۔۔۔ چھ ادھر ادھر مڑ گئے۔۔۔ جو اس سے چمٹ نہیں سکے۔۔۔ اور چمٹ اس لیے نہیں سکے تھے کہ انہیں چمٹنے کی جگہ نہیں مل سکی تھی۔

"ارے! یہ کیا ہوا؟"

"میں نے کہا تھا نا یہ ڈانس کا وقت نہیں ہے"۔ محمود مسکرایا۔

"اور میں نے کہا تھا۔۔۔ یہی تو ڈانس کا وقت ہے۔۔۔ دیکھ لو۔۔۔ میری بات ثابت ہو گئی۔۔۔ جب تک میں اس کی کمر پر ڈانس کرتی رہی۔۔۔ یہ صاحبہ چپ چاپ لیٹی رہیں۔۔۔ شاید۔۔۔" رفعت کہتے کہتے رک گئی۔

"شاید کیا؟"

"شاید ڈانس کے مزے لے رہی تھی۔

"اوہ ہاں! واقعی۔۔۔ خیر اگر یہ بات ہے تو ہم سب اس کے جسم پر"۔

"خاموش۔۔۔ اب میں تمہارا وہ حال کروں گی کہ لوگ مثالیں دیا

کریں گے"۔

"لگے۔۔۔ کون سے لوگ۔۔۔ یہاں تو صرف ہم ہیں یا آپ ہیں۔۔۔ اگر مثالیں ہی دلوانا ہے تو پھر بہتر ہو گا۔ یہ مقابلہ شہر کے چوک میں کرایا جائے"۔

"نہیں۔۔۔ شہر کے چوک سے کسی جگہ بہتر ہے"۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ باتیں بہت ہو گئیں۔۔۔ اب ذرا کچھ عملی کام بھی کر لیا جائے"۔

"ارے۔۔۔ مگر۔۔۔ وہ جیرال کی آواز"۔ رانوٹا کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"وہ بے چارے جیرال کی روح۔۔۔ وہ آپ جانیں۔۔۔ ہمارا تو اس کی روح سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ نہ کوئی جھگڑا رہا ہے۔۔۔ کہ وہ ہم سے انتقام لینے پر اتر آئے"۔

"یوں بھی روحیں انتقام تو لے سکتی ہیں شاید۔۔۔ لیکن کم از کم انتقام لینے پر اتر نہیں سکتیں۔۔۔ آخر وہ روحیں ہیں۔۔۔ کوئی گھسیارے نہیں کہ اتر آئیں"۔

"اف توبہ"۔ انسپکٹر جمشید نے تلملا کر کہا۔

"اوہو۔۔۔ ابا جان۔۔۔ آخر آپ کیا چاہتے ہیں۔۔۔ کیا ہم اپنے ہونٹوں کو تالا لگا لیں۔۔۔ لیکن یہ بہت خطرناک ہو گا"۔ فاروق نے بڑی جلدی کہا۔

"یہ خطرناک ہو گا"۔ آفتاب کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہونٹوں پر تالے لگانا اور کیا۔۔۔ صرف اور صرف یہی تو بات ہو رہی ہے"۔

"ہوں اچھا۔۔۔ خیر۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ ہاں اچھا۔۔۔ واقعی"۔ آفتاب مزید بولا۔

"کچھ سمجھ میں آیا دوستو۔۔۔ ان صاحب نے کیا جملہ بولا ہے"۔ فاروق ہنسا۔

"ہماری سمجھ میں تو تمہارے جملے بھی نہیں آ رہے۔۔۔ اس کے تو کیا آئیں گے"۔ محمود نے برا سا منہ بنایا۔

"مان گئی بھئی۔۔۔ میں مان گئی۔۔۔ بلکہ ہار گئی"۔

"خدا کا شکر ہے۔۔۔ یہ میدان تو ہم نے صرف باتوں سے جیت لیا۔۔۔ سن لیا باجان۔۔۔ مس رانوٹا اپنی ہار کا اعلان کر رہی ہیں۔۔۔ اب تو آپ بھی ہماری باتوں کا لوہا مان جائیں"۔

"میں تو تمہاری باتوں کو فولاد تک ماننے کے لیے تیار ہوں"۔ وہ مسکرائے۔

"لیکن تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کیا مان گئی۔۔۔ کیا ہار گئی"۔ رانوٹا بھی مسکرائی۔۔۔ اس کی مسکراہٹ بھی عجیب بھیانک قسم کی تھی۔

"ضرور بتا دیں۔۔۔ ہم آپ کی باتیں بہت دلچسپی اور غور سے سن رہے ہیں"۔ آفتاب نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ سراسر الزام ہے"۔ رانوٹا نے گویا اعلان کیا۔

"کیا مطلب۔۔۔ آپ کون سے الزام کی بات کر رہی ہیں"۔

"یہ کہ تم لوگ میری باتیں بہت غور اور دلچسپی سے سن رہے ہو"۔ اس نے برا سا منہ بنایا۔

"لیکن یہ الزام کس طرح ہو گیا"۔

"اس طرح کہ میں تو باتیں کر ہی نہیں رہی۔۔۔ باتیں تو تم لوگ کر رہے ہو"۔

"الزام درست ہے۔۔۔ معافی مانگو بھئی"۔ انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

"اور اگر انہوں نے نہ دی"۔ فرحت جل کر بولی۔

"کیا نہ دی"۔

"معافی اور کیا؟" فرحت مسکرائی۔

"اف! میرا دماغ پگھل جائے گا"۔ رانوٹا چلا اٹھی۔

"تب ہمارا مسئلہ حل ہو جائے گا"۔ آفتاب گنگنایا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اب میں کچھ نہیں بولوں گی۔۔۔ صرف اور صرف اشارے چلاؤں گی۔۔۔ گویا اب میرے ہاتھ اور پیر بولیں گے۔۔۔ ہاں۔۔۔ اور پیر"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ اشفاق نے بوکھلا کر کہا۔۔۔ وہ باقاعدہ [illegible]

"کک۔۔۔ کیا ہوا"۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف مڑے۔

"ہم نے سنا تھا۔۔۔ ہاتھ پیر قیامت کے دن بولیں گے۔۔۔ یہ ابھی سے ہلانے پر تل گئیں"۔

"یہ تو خیر پتا نہیں۔۔۔ تلی ہیں یا نہیں"۔ خان رحمان نے منہ بنایا۔

"آپ مہربانی فرما کر ذرا پہلے تل جائیں۔۔۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے"۔ محمود نے کہا۔

"کیا دیکھو گے اس کے بعد؟"۔

"یہ کہ آپ کتنے پانی میں ہیں"۔

"اب بس۔۔۔ انتہا ہو گئی۔۔۔ میں نے سنا ضرور تھا کہ تم لوگ حد سے زیادہ باتیں بناتے ہو۔۔۔ لیکن آج تجربہ ہو گیا۔۔۔ کہ سنی ہوئی باتیں تو اس لحاظ سے بہت کم ہیں۔۔۔ تم تو ان باتوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہو"۔

"لیجیے۔۔۔ ہم باتوں سے آگے ہو گئے۔۔۔ ہے کوئی تک۔۔۔ ہم انسان ہیں یا بے جان چیزیں"۔

"میں اب نہیں بولوں گی۔۔۔ ہاں ہرگز نہیں بولوں گی"۔ رانوٹا نے چیخ کر کہا۔

"ہم آپ کا یہ دعویٰ بھی غلط ثابت کر دیں گے"۔ آفتاب ہنسا۔

"کک۔۔۔ کون سا دعویٰ"۔

"یہی کہ اب آپ کچھ نہیں بولیں گی۔۔۔ آپ کا تو رواں رواں [illegible] رہے گا"۔ آصف نے منہ بنایا۔

"خیر خیر۔۔۔ دیکھوں گی۔۔۔ کون میرے مقابلے پر آ رہا ہے"۔

"میں"۔ انہوں نے اخلاق کی آواز سنی۔

"اخلاق۔۔۔ اب بس۔۔۔ کافی ہو گیا مذاق"۔ انسپکٹر جمشید نے ہاتھ [illegible]

"جی۔۔۔ کیا فرمایا۔۔۔ کافی ہو گیا مذاق۔۔۔ لیکن میں نے کون سا [illegible] کیا ہے"۔

"یہ کہ تم رانوٹا کا مقابلہ کرو گے"۔

"یہ ٹھیک ہے۔۔۔ میں کروں گا اس کا مقابلہ۔۔۔ اور خوب کروں [illegible] آپ بھی مان جائیں گے اس بات کو"۔

اس کی آواز میں اس قدر سنجیدگی تھی۔۔۔ کہ وہ سب چونک [illegible] اور پھر اخلاق چند قدم آگے آ گیا۔

"مس رانوٹا۔۔۔ میرے خیال میں آپ نے ایسا لباس پہن رکھا [illegible] جس سے آپ کو چوٹ نہیں لگتی۔۔۔ اور یہ لباس سر سے لے کر [illegible] تک ہے"۔

"نہیں۔۔۔ یہ بالکل غلط ہے"۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"آپ مجھے ذرا اپنا پاؤں دکھائیں۔۔۔ میں ابھی ثابت کر دیتا [illegible]

"اور اگر نہ ثابت کر سکے۔۔۔ تو؟"

"تو جو چور کی سزا وہ آپ کی"۔ اس نے فوراً کہا۔

"یہی مطلب۔۔۔ میری کیوں۔۔۔ سزا تمہاری ہو گی"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

"چلئے جی۔۔۔ میری سہی۔۔۔ آپ پاؤں تو دکھائیں"۔

"لیکن تم پاؤں کیوں دیکھنا چاہتے ہو"۔

"فوری طور پر یہ جاننے کے لیے کہ پیروں پر لباس ہے یا نہیں۔۔۔ بعض لباس بالکل نظر نہیں آتے"۔

"اچھی بات ہے۔۔۔ یہاں بیٹھ جاؤ فرش پر"۔ اس نے ہنس کر کہا۔

اخلاق فرش پر بیٹھ گیا۔۔۔ رانوٹا نے نزدیک بیٹھنے کے بجائے پاؤں اس کی طرف بڑھا دیا۔۔۔ اس نے انگلی کی مدد سے اس کے پاؤں کے تلوؤں کو چھوا ہی تھا کہ رانوٹا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"کک۔۔۔ کیا ہوا؟" اخلاق گھبرا گیا۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ تمہیں کوئی لباس محسوس ہوا؟" اس نے فوراً پوچھا۔

"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔۔۔ میں یہ خیال کر بیٹھا"۔ اخلاق بولا۔

"نن۔۔۔ کوئی بات نہیں"۔ یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا دوستو۔۔۔ آخری بار ایک دوسرے کو دیکھ لو۔۔۔ گلے ملنا ہے۔۔۔ مل لو۔۔۔ پھر تو تم اپنے عقیدے کے مطابق قیامت کو ہی ملو گے"۔

"کک۔۔۔ کیوں۔۔۔ آپ کا کیا عقیدہ ہے"۔ اخلاق نے برا سا منہ بنایا۔

"میں مسلمان نہیں ہوں۔۔۔ بلکہ میرا کوئی مذہب نہیں ہے۔۔۔ اور میں یہ سمجھتی ہوں کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ بس آدمی گیا۔۔۔ قصہ ختم"۔

"ایک بات کہوں مسز رانوٹا"۔ انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"ضرور۔۔۔ کیوں نہیں"۔

"فرض کریں مس رانوٹا۔۔۔ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔۔۔ اس صورت میں تو ہم اور آپ ہو گئے برابر۔۔۔ مرنے کے بعد سب مٹی ہو جائیں گے۔۔۔ نہ آپ کو کوئی پریشانی ہو گی نہ ہمیں۔۔۔ ٹھیک ہے"۔

"ہاں! بالکل ٹھیک"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اور اگر غور کریں۔۔۔ فرض کیا مرنے کے بعد حساب کتاب ہے۔۔۔ جیسا کہ آپ نے ہماری کتب میں پڑھا ہو گا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہاں بالکل پڑھا ہے۔۔۔ بہت اچھی طرح پڑھا ہے"۔

"تب پھر۔۔۔ ہم نے تو اس حساب کتاب کی فکر کرتے ہوئے

زندگی گزاری ہو گی۔۔۔ اپنے اللہ کے احکامات پر عمل کیا ہو گا۔۔۔ ہم تو بچ جائیں گے۔۔۔ اور آپ لوگ۔۔۔ کیا خیال ہے۔۔۔ اس صورت میں آپ لوگ پھنس جائیں گے یا نہیں"۔

"ہاں! اس صورت میں ہم ضرور پھنس جائیں گے۔۔۔ لیکن ایسا ہو گا نہیں۔۔۔ اس لیے کہ حساب کتاب ہے ہی نہیں"۔

"جس طرح آپ کو یقین ہے کہ حساب کتاب نہیں ہو گا۔۔۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کو ماننے والے اس بات پر سو فیصد یقین رکھتے ہیں کہ حساب کتاب ہے"۔ وہ مسکرائے۔

رانوٹا لاجواب ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔۔۔ پھر چونک کر بولی۔

"یہ میں کن باتوں میں الجھ گئی۔۔۔ ارے۔۔۔ مجھے تو آپ سب کو ٹھکانے لگانا ہے"۔

"اس سے پہلے ہم چند سوالات کے جوابات چاہتے ہیں"۔

"اوہ اچھا۔۔۔ میں سمجھ گئی"۔ اس نے فوراً کہا۔

"آپ کیا سمجھ گئیں۔۔۔ ذرا ہمیں بھی تو بتا دیں"۔

"اب آپ رانگ نمبر کے بارے میں پوچھیں گے۔۔۔ تو یہ رہا رانگ نمبر"۔ اس نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"رانگ نمبر کے مرنے کے بعد۔۔۔ کیا اب آپ کو فارمولا آگے بڑھانے میں کوئی دقت نہیں ہو گی"۔

"نہیں۔۔۔ تمام تر تفصیلات ہماری حکومت معلوم کر چکی ہے۔۔۔

اور سائنس دان ان معلومات کو پوری طرح نوٹ کر چکے ہیں۔۔۔ ان صورت میں ناکامی کا سوال پیدا نہیں ہوتا"۔

"گویا اس کے بعد تمام دنیا پر حکومت پھر کی ہو گی"۔

"بالکل یہی بات ہے"۔ اس نے خوش ہو کر کہا۔

"اور بے چارے رانگ نمبر کو کیا ملا؟"

اس کی بدقسمتی۔۔۔ ہم کیا کر سکتے ہیں"۔

"لیکن میرا ایک اندازہ ہے"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟" وہ بولی۔

"یہ کہ اگر رانگ نمبر ہمارے ہاتھوں مارا نہ جاتا۔۔۔ تب بھی۔۔۔ آپ لوگوں کے ہاتھوں مارا جاتا"۔ وہ بولے۔

"کیا مطلب۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی؟"

فارمولا اس سے حاصل کرنے کے بعد بھلا آپ کو اس کی زندگی کی ضرورت ہونے لگی"۔ انہوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اچانک رانوٹا نے وحشیانہ انداز میں دانت نکالے۔۔۔ اور ان سب کی جان گم ہو گئی۔

☆○☆

آخری خواہش

رات نکالنے کی وجہ سے اس کی شکل اس قدر بھیانک نظر آئی کہ انسپکٹر جمشید تک لرز گئے۔ اچانک اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا اور اس طرح اس کی خوفناکی میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ بری طرح کانپنے لگے۔ پھر اس نے منہ کھول دیا۔ اس کے دانت کسی ڈریکولا کی طرح کے نظر آئے۔ انہیں یوں لگا جیسے ان سے خون ٹپک رہا ہو۔ اور پھر وہ اوپر کی طرف اچھلے۔ اس کے پاؤں اوپر اٹھتے چلے گئے۔ یہاں تک اس کا سر چھت کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے اپنے سر کو چھت سے بچانے کی کے لیے ہاتھ اوپر اٹھا لیے تھے۔ اب وہ نیچے آئی۔ ایسے میں اس نے خود کو چکر بھی دیا۔ لہٰذا چکراتی ہوئی ان پر لگی گرنے۔ وہ ادھر ادھر بھڑک کر بچے اور دیواروں سے چپک گئے۔ وہ سیدھی فرش پر آ کر گری۔ ساتھ ہی اس کا جسم گھومتا نظر آیا۔ اور اس وقت اس کا قہقہہ گونجا۔

"ہاہا۔ ہاہا۔ دیکھو انسپکٹر جمشید۔ میرا کمال دیکھو۔ یہ کمال تم نے پہلے شاید نہیں دیکھا ہو گا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ تم یہ

کمال آخری بار دیکھ رہے ہو"۔

"چلو کوئی بات نہیں۔۔۔ دیکھ تو لیا۔۔۔ لیکن بھرکی کی طرح گھومنے کا کیا فائدہ۔۔۔ کچھ کام دکھاؤ"۔

"اب یہ بھرکی۔۔۔ ہی تو کام دکھائے گی"۔

"اوہو اچھا"۔ فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

بھرکی پھر اس قدر تیزی ہو گئی کہ نظر آنا بند ہو گئی۔۔۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہے تھے۔۔۔ اچانک ایک لات شوکی کے پیٹ پر لگی۔ وہ پہلے دہرا ہوا۔۔۔ پھر اوندھے منہ گر گیا۔۔۔ اس کا جسم بالکل ساکت ہو گیا۔۔۔ ابھی وہ شوکی کو گرتے دیکھ پائے تھے کہ آفتاب گرا۔۔۔ اس کے منہ سے بھیانک آواز نکلی تھی۔

اسی طرح وہ باری باری گرتے چلے گئے۔۔۔ دراصل انہیں یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ وہ کس طرف گئی اور کس طرف آئی۔۔۔ جب کوئی گرتا تھا' اس وقت پتا چلتا تھا۔

"اچانک خان رحمان کے سر پر لات لگی۔۔۔ وہ غرا کر گرے۔۔۔ اسی وقت منور علی خان کے بلبلانے کی آواز سنائی دی۔۔۔ اس کے بعد میدان میں صرف انسپکٹر جمشید رہ گئے۔

"اور اب۔۔۔ انسپکٹر جمشید۔۔۔ صرف آپ بچے ہیں۔۔۔ آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے"۔

"میں تیار ہوں۔۔۔ تمہارے استقبال کے لیے"۔

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ ایک پاؤں پر گھومتے نظر آئے۔

"ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ کیا۔۔۔ آپ بھی گھومنے لگے"۔

"کیا کیا جائے مجبوری ہے۔۔۔ گھومتے آدمی سے گھومتا آدمی ہی لڑ سکتا ہے"۔ انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"جی بھر کر گھوم لیں۔۔۔ پھر موقع نہیں ملے گا۔۔۔ آپ کے یہ ساتھی۔۔۔ اب نہیں اٹھ سکیں گے۔۔۔ کیونکہ جب تک ان میں اٹھنے کی طاقت آئے گی۔۔۔ میں ان کا کام تمام کر چکی ہوں گی"۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے"۔ انہوں نے فوراً کہا۔

اچانک انہوں نے گھومتے گھومتے رانوٹا پر چھلانگ لگا دی۔

دو گھومے جسم آپس میں ٹکرائے اور اس زور سے ٹکرائے کہ مخالف سمتوں میں جا کر دیواروں سے ٹکرا گئے۔۔۔ دونوں فرش پر گرے اور ساکن ہو گئے۔۔۔ ایسے میں انسپکٹر کامران مرزا کی آواز سنائی دی۔

"مجھے اسی لمحے کا انتظار تھا"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ دروازے میں نمودار ہو گئے۔۔۔ اور مسکراتے ہوئے رانوٹا کی طرف بڑھنے لگے۔

"کیا مطلب ابا جان؟" آفتاب نے چونک کر کہا۔

"میں سوچتا رہا تھا۔۔۔ آخری لمحات میں انسپکٹر جمشید ضرور کوئی کام دکھائیں گے۔۔۔ لیکن کام دکھانے کی صورت میں شاید خود بھی بے بس ہو جائیں گے اور اس وقت کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تو اٹھ نہ سکیں اور

رانوٹا اٹھ جائے۔۔۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر ہم لوگ کسی کام سے' لہٰذا میں اس وقت اندر آیا ہوں۔۔۔ اب میں رانوٹا کو اٹھنے نہیں دوں گا"۔

"اٹھنے تو اس وقت نہیں دیں گے جب میرے نزدیک آئیں گے"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے منہ سے وہی عجیب و غریب آواز نکالی۔۔۔ لیکن نہ تو انسپکٹر کامران مرزا اچھلے نہ بے ہوش ہوئے۔ اس لیے کہ انہوں نے اپنے کان بند کر رکھے تھے۔

"یہ کیا کہا۔۔۔ میں ان الفاظ کا مطلب نہیں سمجھا"۔ انہوں نے حیران ہو کر کہا۔

"اوہ۔۔۔ تو اس وقت آپ بھی اشاراتی زبان میں بات کر رہے ہیں"۔

"ہاں! میں نے کان بند کر رکھے ہیں۔

"وہ نہیں"۔ رانوٹا چلائی۔

"اب کیا خیال ہے۔۔۔ میں نزدیک آ سکتا ہوں یا نہیں"۔

"اگر اپنا انجام خطرناک دیکھنا ہے تو ضرور نزدیک آ جائیں۔۔۔ رانوٹا وہ چیز نہیں۔۔۔ جس پر کوئی ہاتھ ڈال سکے"۔

"تم اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ چکی ہو۔۔۔ رانوٹا۔۔۔ کیا یہ لوگ معمولی تھے۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ راٹو۔۔۔ ابقال۔۔۔ اور جرال تو خیر مارا گیا تمہارے ہاتھوں گیا ہے"۔

"نہیں۔۔۔ یہ لوگ معمولی نہیں تھے۔۔۔ ان سے پہلے جو لوگ

تمہارے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔۔۔ مثلاً جی موف۔۔۔ لی کاف۔۔۔ کالی آگ۔۔۔ جیتال وغیرہ۔۔۔ یہ سب لوگ معمولی نہیں تھے۔۔۔ لیکن۔۔۔ میں ان سب سے عجیب ہوں۔۔۔ خیر آپ آگے آ جائیں۔۔۔ اندازہ ہو جائے گا۔ میں۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا آپ سے زور آزمائی کرنے کے لیے تیار ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

"مجھے افسوس ہے۔۔۔ میں زور آزمائی نہیں کر سکتا"۔

"کیوں۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی"۔

"یہ بات اس طرح ہوئی کہ ہم مسلمان لوگ غیر عورت کو نہیں چھو سکتے"۔

"اور لڑائی میں کیا ہو گا"۔

"لاتوں اور مکوں سے وار کرنا اور بات ہے۔۔۔ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر زور آزمائی کرنا اور بات ہے"۔

"اوکے"۔ یہ کہہ کر وہ اچھلی اور ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔۔۔ یہ دیکھ کر سب گھبرا گئے۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا بھی دھک سے رہ گئے۔۔۔ وہ تو اس خیال میں تھے کہ وہ گر گئی ہے اور اب اسے اٹھنے نہیں دیں گے"۔

"کیوں۔۔۔ حواس باختہ ہو گئے انسپکٹر کامران مرزا"۔

"نہیں۔۔۔ باختہ حواس ہوا ہوں"۔ انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"اپنے بچوں کے انداز میں باتیں کرو گے اب۔۔۔ لیکن اطلاعاً ... ہے کہ میرے پاس وقت نہیں ہے۔۔۔ میں تو بس اب اس کھیل کو ... کر رہی ہوں"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ میں ایک ... سے پھل والا چاقو نظر آیا۔

"ارے یہ کیا۔۔۔ یہ تو محمود کا چاقو ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا ...

"ہاں! اس کے لات رسید کرتے وقت اس کے جوتے۔۔۔ کی ... سے چاقو نکال لینا میرے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا"۔

"ممکن نہیں" وہ حیران رہ گئے۔

کیونکہ ایسی حالت میں چاقو نکالنا قریب قریب ناممکن تھا۔

"تب تو آپ بہت بڑی جیب کتری بھی ہیں"۔ کھسن نے برا سا ... بنایا۔

"یہ سن کر حیرت ہوئی"۔ رانوٹا نے واقعی حیران ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"میں پہلے اپنے ملک کی ایک جیب کتری ہی تھی۔۔۔ لوگوں کی ... لاتی تھی۔۔۔ میں اس کام میں اس قدر ماہر ہو گئی کہ بڑے بڑے ... کی جیبیں کاٹ ڈالیں۔۔۔ آخر پکڑی گئی۔۔۔ لیکن۔۔۔ لیکن جاف ... نے مجھے چھڑا لیا اور اپنی تنظیم میں شامل ہونے کی دعوت ... میں شامل ہو گئی۔۔۔ وہ دن اور آج کا دن میں جاف کے لیے کام

کر رہی ہوں"۔

"ممکن نہیں"۔ وہ بکلائے۔

"اور جاف میں شامل ہونے کے بعد میرے جسم کو عجیب و غریب ورزشیں کرائی گئیں۔۔۔ غذائیں کھلائی گئیں۔۔۔ جسم پر ان گنت ادویات کی مالشیں کی گئیں۔۔۔ لہٰذا اب میرا جسم چوٹ پروف ہے"۔

"کیا مطلب؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"مطلب یہ کہ چوٹ نہیں لگتی۔۔۔ چاہے تو تم مجھے لوہے کے ڈنڈے سے مارو"۔

"کک۔۔۔ کیا سر پر بھی چوٹ نہیں لگے گی"۔

"نہیں۔۔۔ سر بھی بہت پکا ہو چکا ہے۔۔۔ پھر میں بہت سی ایسی آوازیں نکال سکتی ہوں جن کو سن کر دوسرے یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کے پیروں کے نیچے کوئی زندہ جانور آ گیا ہے۔۔۔ میرے اس فن کا توڑ تو خیر تم لوگوں نے فوراً ہی کر لیا۔۔۔ جو کہ دوسرے نہیں کر سکے۔۔۔ یہ بات بہرحال ماننا پڑتی ہے۔۔۔ کہ تم لوگ بہت عجیب ہو اور تمہیں مارتے ہوئے مجھے افسوس ضرور ہو گا' اس لیے کہ پھر ایسے دشمن نہیں ملیں گے"۔

"تو پھر نہ ماریں نا"۔ آفتاب نے ننھے بچوں کے انداز میں کہا۔ اور وہ مسکرانے لگے۔

"انسپکٹر کامران مرزا۔۔۔ اب آپ کی باری ہے۔۔۔ یہ سب تو اب

... "اس سے پہلے کہ آپ ہم سب کا کام تمام کریں۔۔۔ میری ... آخری خواہش پوری کر دیں۔ ایسے میں رفعت کی آواز سنائی ... سب نے اس کی طرف گردنیں گھما دیں۔۔۔ وہ جاننے کے لیے ... بے چین ہو گئے تھے کہ آخر وہ کیا آخری خواہش بتاتی ہے"۔

"آخری خواہش"۔ وہ چونک اٹھی۔

"ہاں آخری خواہش"۔ وہ مسکرائی۔

"اور وہ کیا؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے اپنے پاؤں چھونے دیں"۔

"ہپ۔۔۔ پاؤں چھونے دوں۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی"۔ اس نے ... ہو کر کہا۔

"یہ تم نے کیا کہا رفعت۔۔۔ دماغ تو نہیں چل گیا۔۔۔ تم اس ملک ... کے پاؤں چھوؤ گی"۔ شوکی چلایا۔

"ہاں! انہوں نے ہماری بہت مدد کی ہے۔۔۔ لہٰذا میں ان کے ... چھونا چاہتی ہوں۔۔۔ مرنے سے پہلے یہ میری آخری خواہش ہے"۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا۔۔۔ مس رانوٹا۔۔۔ آپ اپنا کام ... کریں"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"نہیں۔۔۔ میں اس کی آخری خواہش پوری کروں گی"۔ رانوٹا کی ... گرائی آواز سنائی دی۔

"لیجئے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کا بھی دماغ چل گیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں۔۔۔ میرا دماغ نہیں چلا۔۔۔ آپ لوگ مجھے بہت پسند آئے ہیں۔۔۔ میں چاہتی تھی۔۔۔ دو چار اور مہمات میں ہمارا ٹکراؤ ہوتا۔۔۔ لیکن رانگ نمبر کے حکم نے مجھے مجبور کر دیا۔۔۔ وہ آپ لوگوں کو کسی طرح بھی کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں"۔

"کوئی بات نہیں۔۔۔ ہم اس سے زندگی کی بھیک نہیں مانگتے۔۔۔ اس لیے کہ زندگی اور موت تو اس کے ہاتھ میں ہے ہی نہیں"۔

"یہ لو رفعت۔۔۔ تم میرے پاؤں چھو لو"۔

وہ یک دم رفعت کے پاس آ گئی۔

"مہربانی فرما کر۔۔۔ اپنا پاؤں اوپر اٹھائیں"۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"میں پاؤں اس صورت میں چھو سکتی ہوں۔۔۔ گرنے سے میرے جسم کی عجیب حالت ہے"۔

"اچھا خیر۔۔۔ یہ لو"۔ اس نے کہا اور پیر اٹھا دیا۔

رفعت نے دونوں ہاتھ آگے بڑھائے اور اس کا پیر تھام لیا۔۔۔ ساتھ ہی اس کے پاؤں کے تلوے میں گدگدی کر ڈالی۔

"یہ کیا کر رہی ہو۔۔۔ پاؤں پکڑ رہی ہو یا گدگدی کر رہی ہو۔۔۔ مجھے اس سے کچھ نہیں ہو گا۔۔۔ میں رانو نہیں ہوں۔۔۔ رانوٹا ہوں"۔

"تب پھر۔۔۔ جب اتفاق سے آپ کا پیر چھوا تھا۔۔۔ آپ اس لیے گھبرا گئی تھیں"۔ رفعت نے حیرت کے عالم میں کہا۔

"اوہ۔۔۔ اوہ"۔ ان کے منہ سے نکلا۔

"رفعت۔۔۔ تم نے واقعی ایک اہم بات کی طرف توجہ دلائی۔۔۔ انہوں۔۔۔ ان کا وہ گھبرانا گدگدی کی وجہ سے نہیں تھا"۔ انہوں انسپکٹر جمشید کی آواز سنی۔

"خدا کا شکر ہے۔۔۔ آپ بھی بولنے کے قابل ہوئے"۔

"بولنے کے قابل بہت پہلے ہو چکا تھا۔۔۔ لیکن میں تم لوگوں کی سنتا رہا۔۔۔ بولنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی"۔

"تب پھر۔۔۔ یہ اس وقت گھبرائی کیوں تھیں"۔ رفعت نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ دیکھنا ہو گا۔۔۔ سوچنا ہو گا۔۔۔ ویسے اگر مس رانوٹا خود یہ بتا دیں تو کیا ہی بات ہے"۔

"میں گھبرائی ہی نہیں تھی۔۔۔ یہ تو صرف آپ لوگوں کا وہم ہے"۔ اس نے منہ بنایا۔۔۔ پھر چاقو والا ہاتھ موڑتے ہوئے اس نے کہا۔

"وقت بہت ضائع کر لیا۔۔۔ اب میں جانا چاہتی ہوں۔۔۔ لہٰذا اس سے پہلے انسپکٹر کامران مرزا کو دوسری دنیا کے سفر پر روانہ ہونا پڑے گا"۔

"خیر مبارک۔۔۔ شکریہ"۔ وہ مسکرائے۔

اس کا چاقو والا ہاتھ بجلی کی تیزی سے چلنے لگا۔۔۔ لیکن انسپکٹر کامران مرزا دور کھڑے نظر آئے۔

"تم بھول رہی ہو مس رانوٹا۔۔۔ ابھی تک میں تمہاری لاعلمی کا فائدہ اٹھانے سے محفوظ ہوں جب کہ ان سب کو تم وہ چوٹ لگا چکی ہو"۔ انہوں نے نفرت زدہ انداز میں کہا۔

"نہیں۔۔۔ میں بھولی نہیں۔۔۔ لیکن تم میرے ایک ہاتھ کی زد میں ہو۔۔۔ اس وقت تک تمہارا بچ جانا بھی اس وجہ سے تھا کہ میں تمہارے انداز کو دیکھنا چاہتی تھی۔۔۔ سو میں نے دیکھ لیا' اب تم میرے ہاتھ سے نہیں بچ سکو گے"۔

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی۔۔۔ پھر یکا یک۔۔۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی۔۔۔ اور ان کے اوپر گرتی محسوس ہوئی۔۔۔ انسپکٹر کامران مرزا نے بھی یہ بات محسوس کر لی۔۔۔ اچانک انہوں نے اوپر کی طرف چھلانگ لگائی۔۔۔ دونوں کے جسم فضا میں ٹکرائے۔۔۔ اور دھڑام سے گرے۔۔۔ اس بار انسپکٹر کامران مرزا کو شدید چوٹ محسوس ہوئی۔۔۔ کچھ اس لیے کہ رانوٹا کے پاؤں ان کے سر سے ٹکرائے تھے۔۔۔ لہٰذا وہ دھم سے گرے۔۔۔ اور ساکت ہو گئے۔

"یہ ہے تمہارا انجام انسپکٹر کامران مرزا"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ ان کے سینے پر چڑھ گئی۔۔۔ اور چاقو والا ہاتھ بلند کر لیا۔۔۔ ہر کی

اس کا چاقو والا ہاتھ ان کے دل کی طرف آیا۔۔۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں کو بلند کر لیا۔۔۔ رانوٹا کی کلائی ان کے ہاتھوں میں آ گئی۔۔۔ اب وہ پیچھے کی طرف زور لگانے لگی۔۔۔ وہ بچے لیٹے ہوئے اس کے ہاتھوں کو اوپر کی طرف کرنے لگے۔

سب کی نظریں بھی ان کے ہاتھوں پر جم کر رہ گئیں۔۔۔ منظر بہت خوفناک تھا۔۔۔ ایسے میں اچانک رانوٹا کے منہ سے چیخ نکل گئی۔۔۔ اس کے ہاتھ سے چاقو گر گیا۔۔۔ اور وہ خوف زدہ انداز میں چلائی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں"۔

☆○☆

بات کیا ہے

وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ کہاں تو رانوٹا بہت بلند چیخ کر بات
رہی تھی۔ اور ان سب کو ختم کرنے کے درپے تھی۔ کہاں وہ
زدہ انداز میں نہیں نہیں کر رہی تھی۔ انہوں نے آنکھیں
پھاڑ کر دیکھا۔ آفتاب اس کی کمر سے لپٹا ہوا تھا اور نہ جانے
رہا تھا کہ وہ خوف کے عالم میں نہیں نہیں کر رہی تھی۔ اور چاقو
اس کے ہاتھ سے گر گیا تھا۔

"کک۔ کیا ہوا مس رانوٹا"۔ آفتاب نے طنزیہ انداز میں کہا

"ہہ۔ مجھے چھوڑ دو۔ میں۔ میں اپنے ملک جانے کے لیے
تیار ہوں۔ رانگ نمبر کھیل سے بالکل الگ ہونے کے لیے تیار
ہوں۔ ہر تم کہو۔ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ چھوڑ دو۔ مجھے
چھوڑ۔ چھوڑو"۔ یہ الفاظ کہتے کہتے ۔۔۔ اس کی گردن ڈھلک گئی۔
یوں جیسے دم نکل گیا ہو۔

"ارے۔ یہ کیا۔ کیا یہ مر گئی ہے"۔ وہ سب چلائے۔

"نہیں۔ صرف بے ہوش ہوئی ہے"۔ آفتاب مسکرایا۔

"پہلی بات تو یہ کہ یہ اب بھی اتنی ہی خطرناک ہے۔ ہوش
ہوش میں آئے گی۔ ہم سب کو الٹ پلٹ کر رکھ دے گی۔ لہٰذا پہلے
اس کو قابو میں رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے"۔ منور علی خان نے کہا۔

"اس کی آپ فکر نہ کریں۔ میرا ہاتھ اب بھی اس کی کمر کی
ہڈی پر ہے"۔ آفتاب مسکرایا۔

"آخر اس کی کمر کی ہڈی پر کیا بات ہے"۔ پروفیسر داؤد نے
حیران ہو کر کہا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ انکل"۔ آفتاب نے کہا۔

"فرزانہ۔ رفعت۔ فرحت۔ تم دیکھو۔ ہم ایک طرف ہٹ
جاتے ہیں۔ آخر کو یہ ایک عورت ہے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

اور پھر وہ ایک طرف ہٹ گئے۔ رفعت نے اس کی کمر پر سے
لباس ہٹایا۔ اور پھر چونک اٹھی۔ فرحت اور فرزانہ بھی اچھل
پڑیں۔ ہڈی میں ایک کیل نظر آئی تھی۔ ان کے منہ سے ایک ساتھ
نکلا۔

"ارے یہ کیا۔ ہڈی میں کیل"۔

"اس کیل کو پکڑے رہو۔ رانوٹا ہمارے قابو میں ہو گی۔ منور
علی خان ایک باریک ترین اور مضبوط ترین ڈوری اپنے شکاری تھیلے میں
سے نکال سکتے ہیں"۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ میرا تھیلا اور ہے کس مرض کی دوا"۔

"لیکن۔ بھئی۔ تم نے کیا کیا"۔

"صرف اور صرف عقل استعمال کی۔ اور آنکھیں بھی"۔ ان
نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"وضاحت کرو بھئی۔ جہاں تک عقل اور آنکھوں کا استعمال
ہے۔ وہ تو رفعت نے بھی استعمال کی ہے۔ لیکن۔ اس وقت اس کا
گھبرانا گدگدی کی وجہ سے نہیں تھا۔ لہٰذا رفعت کو غلط سمجھی ہوئی
تھی۔ لیکن تم نے کیا کیا"۔

"دراصل اتفاق جس وقت اس کے پاس ٹہل رہا تھا۔ اس
وقت اس کا ہاتھ انجانے میں اس کے کندھے کی ہڈی کے نچلے حصے سے
لگ گیا تھا۔ سب اس وقت یہی سمجھے تھے کہ وہ پیروں میں گدگدی کی
وجہ سے گھبرائی ہے۔ لہٰذا رفعت نے اس داؤ کو استعمال کیا۔ لیکن
رانوٹا پر گدگدی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس وقت مجھے یاد آیا۔ میں نے
اتفاق کا دوسرا ہاتھ صاف طور پر اس کے کندھے کی ہڈی سے ٹکراتے
دیکھا تھا"۔

"تب پھر۔ آخر اس کے کندھے کی ہڈی پر ایسی کیا بات ہے کہ
یہ یوں یک دم بے ہوش ہو گئی"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے مارے حیرت
کے کہا۔

"یہ تو اب دیکھنا پڑے گا"۔

"لل۔ لیکن کیسے؟"۔

"مسکرائے

اور پھر انہوں نے فوراً ڈوری نکال دی۔ اس کیل سے ڈوری کو
باندھا گیا۔ ڈوری کا دوسرا سرا انسپکٹر کامران مرزا نے اپنی انگلی پر لپیٹ
لیا۔

"حیرت ہے۔ ایک باریک سی ڈوری سے یہ تو تبدیل ہو گئی۔
ہم کتنا بڑا۔ جسمانی لحاظ سے حد درجے طاقت ور اور قابو آ گئی ایک
ڈوری سے۔ یہ سب تو بہت ہی عجیب لگتا ہے"۔

"عجیب واقعی ہے۔ لیکن اس میں ہمارا کیا قصور"۔ فاروق
مسکرایا۔

"سب نے اسے گھور کر دیکھا۔ جیسے کہ رہے ہوں۔ کوئی
ضرورت تھی اس جملے کی۔

"حیرت ہے۔ سب مجھے گھورنے لگے۔ اور رانوٹا کو بالکل
بھول گئے۔ جو کسی وقت بھی چھلاوا ثابت ہو سکتی ہے"۔ فاروق نے
برا سا منہ بنایا۔

"اوہ ہاں۔ مس رانوٹا۔ فی الحال تو یہ بے ہوش ہے۔ ہوش
میں آئے گی تو بات کریں گے۔ اور دیکھیں گے کہ اب یہ کیا کرتی
ہے"۔

"ہوں اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کیسے ہو گیا۔ ان صاحب کے
جسم میں آخر کیل کہاں سے آ گئی۔ وہ بھی ہڈی میں۔ اور اس میں

ں قدر تکلیف کے ہاتھ لگ جائے تو اس کی جان پر بن جاتی ہے۔ آنے سے پہلے اس نے اس کیل کا انتظام کیوں نہ کیا"۔

"یہ تو یہ ہوش میں آنے پر ہی بتا سکے گی"۔ پروفیسر داؤد بولے۔

آخر رانوٹا نے آنکھیں کھول دیں۔۔۔ اس نے چاروں طرف آنکھیں گھمائیں۔۔۔ اس کی نظر اس ڈوری پر پڑی۔۔۔ جو اس کیل سے باندھی گئی تھی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا؟"۔ مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

"آپ کو اس قدر باریک ڈوری سے کسی جانور کی طرح بھی باندھا جا سکتا ہے۔۔۔ یہ تو ہم نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا' لیکن یہ کیل کا کیا چکر ہے"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

"ہاں۔۔۔ کیل"۔ اس نے سرد آہ بھری۔

"یہ کیل میری زندگی کے لیے عذاب بن گئی ہے"۔

"یہ آپ کے جسم میں لگی کیسے؟"

"میں نے بچپن میں یہ کیل کھائی تھی"۔

"کک۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ کیل کھائی تھی۔۔۔ کیوں آپ کو کھانے کو اور کچھ نہیں ملا تھا"۔ شوکی کے لہجے میں حیرت تھی۔

سب لوگ مسکرا دیے۔

"یہ بات نہیں۔۔۔ بس کہیں سے میں نے یہ کیل اٹھا لی اور کھا لی۔۔۔ اب وہ جسم کے اندر تھی۔۔۔ کسی ڈاکٹر نے میرے والد کو بتایا کہ

اس کے پاس ایک دوا ہے۔۔۔ اس دوا سے کیل جلد کے ذریعے بغیر تکلیف کے نکل آئے گی۔۔۔ اور بچی آپریشن سے بچ جائے گی۔۔۔ مجھے وہ دوائی کھلائی گئی۔۔۔ اس کے بعد یہ کیل اس ہڈی میں سے نکلنے لگی۔۔۔ لیکن اس کا نوکیلا والا حصہ پھر بھی اندر رہ گیا"۔

"تو کیا ہوا۔۔۔ اب آپریشن کے ذریعے اس کو نکلوا دیں۔

"ڈاکٹر کہتے ہیں اس طرح ہڈی میں جو سوراخ ہے وہ پر نہیں ہو گا۔۔۔ جس سے میری موت واقع ہو جائے گی"۔

"بات کچھ جڑی نہیں۔۔۔ آپ سفید جھوٹ بول رہی ہیں۔۔۔ اس کیل کو آپ کے جسم میں خود فٹ کیا گیا ہے۔۔۔ اور اس کا خاص مقصد ہے"۔ پروفیسر داؤد نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

رانوٹا کے چہرے پر حیرت کی بجلی کوند گئی۔۔۔ پھر اس نے گھبرا کر کہا۔

"نن نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں"۔

"ایسی ہی کوئی بات ہے۔۔۔ لیکن آپ بتا نہیں رہیں۔۔۔ لیکن آپ کو کیل کا راز بتانا ہی ہو گا"۔

"کیل کا راز"۔ فاروق کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"ہاں! ہم جانتے ہیں۔۔۔ یہ کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا۔۔۔ ایسے نام اب پرانی بات لگتی ہیں۔۔۔ اب تو مصنف لوگ بہت انوکھے قسم کے نام رکھتے ہیں ناولوں کے"۔ آفتاب نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"شکریہ! میں بھی یہی کہنے والا تھا"۔ فاروق مسکرایا۔

"بات ہو رہی تھی کیل کی"۔

"ہو ہاں کیل۔۔۔ ہاں تو مس رانوٹا۔۔۔ کیل کا راز تو بتانا ہو گا۔۔۔ اس قدر تکلیف دہ چیز کو جسم میں رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ یہ تو بتانا ہو گا۔ ورنہ ہم تمہیں اس ڈوری سے کھینچتے پھریں گے۔۔۔ اور سارے ملک میں گھمائیں گے۔۔۔ بلیک ہول کا کام جب شروع ہو گا۔۔۔ ہو گا' اس سے پہلے ہی تمہاری ایسی کی تیسی ہو جائے گی۔۔۔ دنیا میں تم کسی کو اپنا چہرہ تک دکھانے کے قابل نہیں رہ جاؤ گی"۔

"نن نہیں"۔ وہ مارے خوف کے کانپ گئی۔

"ہاں! تو ہو جائے۔۔۔ کیل کا راز"۔

"یہ۔۔۔ یہ کیل نہیں۔۔۔ جسم سے ابھرنے والی کوئی چیز ہے۔۔۔ ڈاکٹر آج تک سمجھ نہیں سکے"۔

"تو اس کو نکلوا کیوں نہیں دیا"۔ انسپکٹر جمشید نے برا سا منہ بنایا۔

"آپ اب بھی سفید جھوٹ بول رہی ہیں"۔

"نہیں۔۔۔ آپ ڈاکٹروں کی ٹیم بلا لیں۔۔۔ ان سے چیک کرا لیں۔۔۔ یہ چیز ہڈی سے نکلنے والی کوئی چیز ہے"۔

"ہو ہو تو آپ نے آپریشن کے ذریعے اس کو نکلوا کیوں نہیں دیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے جھلا کر کہا۔

"ایک بار۔۔۔ میں تو دس بار آپریشن کرا چکی ہوں"۔

"تب پھر؟"

"جس دن آپریشن کراتی ہوں۔۔۔ اسی دن شام کو اتنا ہی کیل پھر باہر نکل آتا ہے"۔

"اوہ!!!" ان کے منہ سے نکلا۔

"ڈاکٹر دوائیں لگا لگا کر تھک گئے"۔

"تو اس کے اوپر کوئی خول وغیرہ لگوایا جا سکتا تھا۔۔۔ جس سے آپ کو تکلیف نہ ہو"۔

"خول لگا ہوا تھا۔۔۔ اس لڑائی کے دوران وہ اتر گیا۔۔۔ اور ایسے میں پھر سے نہیں لگا سکتی تھی نا"۔

"خول کہاں ہے؟" آصف بولا۔

"ر۔۔۔ خول۔۔۔ نن نہیں"۔ وہ لرز گئی۔

"خول یہیں کہیں ہے۔۔۔ تلاش کرو"۔ انسپکٹر جمشید چلائے۔

ان سب نے کمرے کے فرش پر نظریں دوڑانا شروع کیا۔۔۔ آخر ننھی سی ٹوپی نما چیز انہیں نظر آ گئی۔

"کیا یہی ہے"۔ آصف نے اس کو اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اف مالک! اب کیا ہو گا۔۔۔ میں نے تو سوچا تھا۔۔۔ ہو نہی موقع ملے گا۔۔۔ اس کو اٹھا کر چھپا لوں گی۔۔۔ اور پھر تم لوگوں کی مرمت شروع

کر دوں گی۔۔۔ آوازوں والا ہتھیار پہلے ہی بیکار ہو چکا ہے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا ہو گیا۔ کیا رانگ نمبر ہی دوست کہتا تھا"۔

"کیا کہتا تھا۔ کیا مطلب؟" وہ سب چونک اٹھے۔

"ہاں! وہ بے چارہ بھی مردہ پڑا ہے۔۔۔ تم نے سب کو ختم کر دیا۔۔۔ وہ کہتا تھا۔ تم بہت خطرناک ہو۔۔۔ اتنے کہ انشارجہ اور بیگال مل کر بھی یہ بات نہیں سوچ سکتے۔۔۔ کہ تم کس حد تک خطرناک ہو۔۔۔ اس لیے وہ تم سے بہت زیادہ گھبراتا تھا۔ اور بعد میں تو اس نے اپنا فیصلہ سنا دیا تھا کہ بس تم لوگوں کو ہر حال میں ختم کر دیا جائے۔۔۔ اس کا کہنا تھا کہ جب تک تم لوگوں کو بالکل ختم نہیں کر دیا جاتا۔۔۔ اس وقت تک وہ سکون کا سانس نہیں لے سکتا۔۔۔ اس کا خیال درست تھا۔۔۔ ہم سب نے تم لوگوں کے بارے میں بالکل غلط اندازے قائم کیے تھے۔۔۔ اتنے بڑے بڑے جاسوس تم لوگوں کے ہاتھوں بلاوجہ نہیں مارے گئے۔ یا ثلث کھا گئے۔۔۔ جاسوسوں کی ایک فہرست ہے میرے ذہن میں۔۔۔ آج میزانی چاہ رہا ہے۔۔۔ میں ان کے نام گنوا دوں۔۔۔ لو تم بھی سن لو۔ شاید تمہیں تو ان سب کے نام یاد بھی نہ ہوں۔۔۔ لیکن ہمارے ہاں تو ہر چیز کمپیوٹر میں ریکارڈ ہو جاتی ہے۔۔۔ سب سے پہلے تمہارے مقابلے میں بیرونی جاسوس جنرال آیا تھا۔۔۔ پھر کالی آنکھ۔۔۔ جیتال۔۔۔ انانیہ۔۔۔ اوبو۔۔۔ گمانا۔۔۔ برائٹ ڈے۔۔۔ سلائر۔۔۔ اف بلائنڈ کنگ جیسے کو تم نے نہیں چھوڑا۔۔۔ روعل۔۔۔ شیلاک' لیونا۔۔۔ سی مون۔۔۔ ارے

ب دے۔۔۔ ہم لوگ تو اب تک سی مون کی موت کو یاد کر کے کانپ
تے ہیں۔۔۔ اشارہ۔۔۔ مارکوش۔۔۔ مقانگ۔۔۔ سی مونسٹر۔ سی کھٹ۔۔۔
یان۔۔۔ زرمونسٹر۔۔۔ بلیک ٹنگ۔۔۔ اور اب ابھال۔۔۔ راٹور۔۔۔ اور۔۔۔"
ور کے آگے کچھ نہ کہہ سکی۔۔۔ یک دم خاموش ہو گئی۔

"اور آپ خود۔۔۔ اب آپ کی باری ہے"۔

"ہاں شاید"۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"لیکن ہمیں آپ کو ہلاک کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ آپ تو
ے لیے بالکل بے ضرر ہیں۔۔۔ کھونٹے سے بندھی ہوئی ایک بلی کی
ح ہیں۔۔۔ آپ کو تو ہم اپنے چڑیاں گھر میں رکھیں گے"۔ فاروق نے
ری جلدی کہا۔

"سن رہے ہیں آپ انسپکٹر جمشید"۔ اس نے جلا کر کہا۔

"بری بات ہے فاروق۔۔۔ ہم انہیں بہت خاص احتیاط سے اپنی
ین جیل میں رکھیں گے"۔

"لیکن کیا فائدہ۔۔۔ کتنا عرصہ رکھ سکو گے"۔ وہ مسکرائی۔

"کیوں۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ رکھ کیوں نہیں سکیں گے"۔

"اس لیے کہ آخر کار۔۔۔ اب انشارجہ بلیک ہول کا تجربہ مکمل کر
لے گا۔۔۔ رانگ نمبر اس کو مکمل نہیں کر سکا تھا۔۔۔ اس میں نقص رہ
گیا۔ اب اس نقص کو دور کرنے میں کتنا وقت لگ جائے گا"۔

"یہ بات نہیں ہے"۔ ایسے میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"ہی۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔ یہ بات نہیں ہے۔۔۔ لیکن کون سی بات نہیں ہے۔۔۔ پہلے تو آپ اس بات کی وضاحت کریں"۔ آفتاب نے جلدی جلدی کہا۔ باقی لوگ بھی حیرت زدہ نظر آئے۔

"ہم آپ کی بات کا مطلب واقعی نہیں سمجھ سکے انکل"۔ فرحت نے بوکھلا کر کہا۔

"میں وضاحت کیے دیتا ہوں۔۔۔ اس وقت تک ہم یہ سنتے چلے آ رہے ہیں کہ رانگ نمبر چونکہ تجربے کو مکمل نہیں کر سکا تھا۔۔۔ اور اس میں بہت بڑا نقص رہ گیا تھا اور وہ یہ کہ اندھیرے میں وہ اس پر عمل نہیں کر سکتا تھا۔۔۔ لہٰذا اس نے انشارجہ سے رابطہ کیا۔۔۔ اور اپنے فارمولے کا سودا ان سے کر لیا۔۔۔ لہٰذا اسی لیے ادھر سے اس کی مدد کے لیے جنرال' ابھال۔۔۔ راٹور اور رانوٹا کو بھیجا گیا"۔

"ہی ہاں! بالکل یہی بات ہے"۔ کئی آوازیں ابھریں۔

"اور میں کہتا ہوں۔۔۔ بات یہ نہیں ہے"۔

"تب پھر بات کیا ہے؟" پروفیسر داؤد چلا اٹھے۔

"مس رانوٹا۔۔۔ انہیں بتا دیں۔۔۔ بات کیا ہے"۔

"ہم۔۔۔ میں بتا دوں۔۔۔ بات کیا ہے"۔ اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہاں! بس۔۔۔ آپ بتا دیں"۔

"لیکن کیا بتا دوں"۔ وہ بولی۔

"یہ کہ رانگ نمبر نے اپنا فارمولا انشارجہ کے حوالے ہرگز نہیں کیا تھا"۔

"کیا!!!"

وہ سب ایک ساتھ بولے اور ان کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔

☆○☆

اعلان

کمرے میں ادھر ادھر خون پھیلا ہوا تھا۔۔۔ کچھ کے زخموں سے اب تک خون رس رہا تھا۔۔۔ پروفیسر سیلانی اور جنرل کی لاشیں انہیں نظر آ رہی تھیں۔۔۔ جب کہ وہاں ابقال کی لاش بھی موجود تھی۔۔۔ اور رانو تو بری طرح میں مردہ پڑا تھا۔۔۔ بس ایک رانوٹا بچی تھی۔۔۔ اس کا بھی اس وقت مارے ہڈی کی تکلیف کے برا حال تھا۔

"آپ نے۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ انسپکٹر جمشید؟" اس کی آواز بہت دور کسی ویرانے سے آتی محسوس ہوئی۔

"میں نے یہ کہا ہے کہ رانگ نمبر نے انشارجہ کے حوالے اپنا فارمولا ہرگز نہیں کیا تھا"۔

"اف مالک۔۔۔ آخر یہ اندازہ آپ نے کس طرح لگا لیا"۔

"اس لیے کہ میں اندازے لگا ہی لیا کرتا ہوں۔۔۔ یہ میرے لیے کوئی نئی بات نہیں"۔

"لیکن کم از کم یہ اندازہ لگا لینا میرے لیے بہت انوکھی بات ہے۔ اس بات کا علم تو کسی کو بھی نہیں۔۔۔ یہاں تک کہ مجھے بھی

ہے۔۔۔ مجھے بھی یہی معلوم ہے۔۔۔ کہ رانگ نمبر نے بیگال اور انشارجہ اپنا فارمولا دے دیا ہے اور وہ مل کر اس کا نقص دور کریں گے۔ اس میں رانگ نمبر صرف برصغیر پر حکومت کرے گا۔۔۔ باقی ساری دنیا حکومت ان دونوں ملکوں کی ہو گی"۔

"یہ بات نہیں۔۔۔ آپ پسند کریں تو اسی وقت اپنے ملک سے رابطہ کر کے پوچھ لیں"۔ انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"ہوں۔۔۔ لیکن پہلے آپ وضاحت کر دیں۔۔۔ آخر آپ یہ کیسے کہتے ہیں"۔

"رانگ نمبر کو فارمولے کا نقص دور کرنے کے لیے مہلت درکار ہے۔۔۔ ادھر وہ ہم سے بہت خوف زدہ تھا۔۔۔ اس نے سوچا۔۔۔ ہمیں ابقال وغیرہ میں الجھا دے۔۔۔ اور خود اپنا کام کرتا رہے۔ لہٰذا اس نے انشارجہ اور بیگال سے رابطہ کیا۔۔۔ اپنے بارے میں بتایا۔۔۔ ان حکومتیں پہلے ہی بلیک ہول حکومت کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ ان کی تو راتوں کی نیند اڑی ہوئی تھی۔۔۔ اس نے ان سے کہا۔ اگر وہ اس وقت اس کی مدد کریں تو وہ بھی بعد میں انشارجہ اور بیگال کو اپنا غلام نہیں بنائے گا۔۔۔ باقی ساری دنیا پر ضرور حکومت کرے گا۔ لیکن ان پر نہیں۔۔۔ ان دونوں ملکوں کو یہ سودا بھی سستا محسوس ہوا۔ انہوں نے فوراً آپ لوگوں کو اس کی مدد کے لیے بھیج دیا"۔

"ممکن نہیں۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ ہم اتنی سی بات کے لیے ہرگز

ادھر نہیں آ سکتے تھے"۔ رانوٹا چلائی۔

"بیگال ٹھیک۔۔۔ بیگال اور انشارجہ کو بھی یہ بات معلوم تھی۔۔۔ کہ آپ لوگ اتنی سی بات کے لیے نہیں جائیں گے۔ انکار کر دیں گے۔ لہٰذا وجہ بتا دی گئی۔۔۔ اور وہ یہ کہ رانگ نمبر نے فارمولا ان کے حوالے کر دیا ہے۔ اس کا نقص دور کرنے کے لیے انہیں مہلت درکار ہے۔ لہٰذا انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو ان کے ملک میں ہی الجھائے رکھنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ آپ لوگ ادھر آ گئے"۔

"میں ایسا نہیں سوچ سکتی"۔

"تب پھر رابطہ کریں اپنے ملک میں"۔

"ہوں ہاں"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی جیب سے ایک ننھا سا ٹرانسمیٹر نکالا۔ اس کے چند بٹن دبائے۔ تو اس میں ٹوں ٹوں کی آواز ابھرنے لگی۔ آخر کسی نے کہا۔

"یس مس رانوٹا"۔

"انسپکٹر جمشید کا کہنا ہے۔ کہ رانگ نمبر نے آپ کے حوالے کوئی فارمولا نہیں کیا"۔

"وہاں یہ اس نے کیسے سوچ لیا"۔

"میں نہیں جانتی"۔

"مس کا خیال ٹھیک ہے۔ بات یہی ہے۔ لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم تو آزاد رہیں گے۔ رانگ نمبر کی غلامی سے یہ

کہیں بہتر ہے کہ ہم اس کے دوستوں کی طرح اس دنیا میں رہیں"۔

"رانگ نمبر مارا جا چکا ہے"۔

"مانیا نہیں"۔

"اور ابقال۔۔۔ جنرل اور رانو بھی"۔

"ممکن نہیں۔۔۔ نہیں"۔

"اور اب میری باری ہے۔ لیکن شاید یہ مجھے زندہ رکھنا چاہتے ہیں"۔

"یہ ہم کیا سن رہے ہیں؟"

"جو میں کہہ رہی ہوں"۔ رانوٹا نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں! بات ہے تو یہی"۔ دوسری طرف سے کہا گیا۔

"خیر۔۔۔ اب میں اس کیس کو مکمل کر دوں گی۔۔۔ میں انہیں یہیں روک دوں گی"۔

"بہت خوب۔۔۔ مس رانوٹا۔۔۔ ہمیں آپ سے یہی امید ہے۔۔۔ آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں"۔

"نہیں۔۔۔ میں دیکھ لوں گی انہیں"۔ اس نے غرا کر کہا اور سیٹ آف کر دیا۔

"حیرت ہے۔۔۔ انسپکٹر جمشید۔۔۔ تمہارا اندازہ درست نکلا"۔ اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"اور تم نے انہیں بتایا نہیں کہ تم بھی ہمارے چنگل میں آ چکی

ہوتا۔

"اس طرح کام خراب ہو جاتا۔۔۔ وہ فوری طور مدد کے لیے اپنے جاسوسوں کو بھیج دیتے اور میں ماری جاتی"۔

"بہت خوب! آپ عقل مند بھی ہیں"۔

"ان کے جاسوسوں کے آنے سے یہ ماری جاتیں۔۔۔ اور یہ عقل مند بھی ہیں۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی جمشید"۔ خان رحمان نے حیران ہو کر کہا۔

"یہی ان کی آمد سے یہاں معاملہ گڑبڑ ہو جاتا"۔

"خیر۔۔۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام ختم۔۔۔ کیس بھی ختم"۔

"جی۔۔۔ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔۔۔ کیس کیسے ختم۔۔۔ آخر رانگ نمبر یہ سب کچھ کہاں کرتا تھا۔۔۔ اس کی تجربہ گاہ کہاں گئی؟"

"اوہ ہاں! یہ بات ابھی باقی ہے۔۔۔ مس رانوٹا۔۔۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اس کی تجربہ گاہ کہاں ہے؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں۔۔۔ اس نے تو تجربہ گاہ کی تو کبھی ہوا تک نہیں لگوائی"۔

"پھر آپ نے یہ کیسے کہہ دیا کہ پروفیسر سیلانی ہی رانگ نمبر تھا"۔

"اس لیے کہ یہاں اس ملک میں ہم سے رابطہ اسی نے کیا تھا۔۔۔ بنگال اور انشارجہ کو اس نے ہی پیغام دیا تھا کہ ان کے جاسوسوں سے وہ خود رابطہ کرے گا"۔

"ہوں۔۔۔ خیر۔۔۔ ہم بھی یہی سمجھتے ہیں کہ پروفیسر سیلانی ہی رانگ نمبر تھا۔۔۔ محمود۔۔۔ آصف۔۔۔ ذرا اس کے لباس کی تلاشی لو۔۔۔ اور دیکھو۔۔۔ کمر و غیرہ پر تو کچھ نہیں بندھا ہوا"۔

"جی بہتر"۔

انہوں نے اس کی تلاشی لی۔۔۔ اور پھر کپڑوں کے نیچے کمر سے چپکے ہوئے بہت سے آلات اتار کر ان کے سامنے رکھ دیے۔

"اف مالک۔۔۔ یہ کیا ہے۔۔۔ کیا یہ اپنی تجربہ گاہ ساتھ ساتھ لیے پھرتا تھا"۔ پروفیسر داؤد نے چلا کر کہا۔

"جی نہیں۔۔۔ تجربہ گاہ کا ایک حصہ"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے کہا۔

"پروفیسر صاحب۔۔۔ ان آلات کی مدد سے یہ کسی وقت بھی ایک زوہ بلیک ہول سے کام لے سکتا تھا۔۔۔ دوسرے یہ کہ ذہنی آلات کی مدد سے یہ اپنی تجربہ گاہ تک جاتا تھا۔۔۔ اور آتا تھا"۔

"حیرت ہے جمشید۔۔۔ تم تو میرے بھی کان کاٹ رہے ہو"۔

"نن نہیں۔۔۔ تو انکل"۔ فاروق نے بوکھلا کر کہا اور اپنے کان ٹٹولنے لگا۔

"بچہ بغل میں، ڈھنڈورا شہر میں، اسی کو تو کہتے ہیں۔ کان انکل کے کاٹنے کی بات ہو رہی ہے۔۔۔ اور کانوں کو چھو کر یہ اپنے دیکھ رہے ہیں۔۔۔ ہے کوئی تک"۔ آفتاب نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تک کی بات یہاں کہاں سے لائیں"۔ محسن بول پڑا۔

"جمشید۔۔۔ وہ مارا۔۔۔ تم بہت بڑے سائنس دان ہو"۔

"جی۔۔۔ یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ جمشید وہ مارا۔۔۔ تم بہت بڑے سائنس دان ہو"۔

"ہاں! بالکل ٹھیک۔۔۔ ان آلات کی مدد سے ہم اس تجربہ گاہ کا دروازہ کھول سکتے ہیں"۔

"اوہ۔۔۔ کیا واقعی۔۔۔ تو پھر کھولیے نا"۔

انہوں نے آلات کا جلو جائزہ لیا اور پھر ایک بٹن دبا دیا۔۔۔ کچھ نہیں ہوا۔۔۔ اب انہوں نے سوچ سمجھ کر دوسرا بٹن دبایا۔۔۔ اچانک ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔

"دیکھو جاگ۔۔۔ یہ آواز کہاں سنائی دی ہے"۔

"باہر کی طرف دیوار۔۔۔ جلد ہی ان کی آوازیں ابھری۔

"زینے کے پیچھے دیوار میں راستہ کھلا ہے۔۔۔ سیڑھیاں نیچے جا رہی ہیں"۔

"تو۔۔۔ تو پھر چلیں"۔ پروفیسر بولے۔

"اور مس رانوٹا کا کیا کریں؟"

"انہیں ساتھ لے چلنا ہو گا۔۔۔ ورنہ یہ فرار ہونے کی کوشش کریں گی"۔

"نہیں۔۔۔ اب میں کیا کروں گی فرار ہو کر۔۔۔ ویسے میں خود بھی

اس تجربہ گاہ کو دیکھنا چاہتی ہوں"۔ رانوٹا مسکرائی۔

"آیئے پھر۔۔۔ لیکن اگر آپ نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو ہم بہت بڑے وہ ہیں۔۔۔ یعنی جن سے رانگ نمبر کو بھی ڈر لگتا تھا"۔ محمود نے سرد آواز منہ سے نکالی۔

"ہاں یہی بات ہے۔۔۔ میں کچھ نہیں کروں گی۔۔۔ اب کچھ کرنے کے لیے رہ بھی کیا گیا ہے۔۔۔ ہم اس فارمولے پر کام نہیں کر سکیں گے"۔ اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔

اور پھر وہ سب اس تہ خانے میں اترے۔۔۔ دوسرا لمحہ حیرت ہی حیرت کا تھا۔۔۔ نیچے ایک بہت شان دار ہال تھا۔۔۔ اور پورا ہال سائنسی آلات سے بھرا پڑا تھا۔

"اف مالک۔۔۔ اس قدر بڑی تجربہ گاہ۔۔۔ اتنے بڑے آلات۔۔۔ یہ رانگ نمبر کیا چیز تھا"۔ پروفیسر داؤد نے کانپ کر کہا۔

"آدم خور"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی۔۔۔ کیا کہا۔۔۔ آدم خور"۔

"ہاں آدم خور تھا"۔ انہوں نے کہا۔

"آدم خور سائنس دان"۔ محمود نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ تو واقعی کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے"۔ فاروق نے کانپ کر کہا۔

"لیکن اس میں کانپنے کی کیا بات ہے۔۔۔ وہ تو اب مر چکا ہے"۔

آصف نے منہ بنایا۔

"ہاں بھئی واقعی۔ اب ذرا سے۔ ارے انکل۔۔۔ آپ کیا کہہ رہے تھے کہ وہ آدم خور تھا۔ تو پھر اتنا بڑا سائنس دان کس طرح بن گیا؟"

"سائنس دان وہ پہلے ہی تھا۔۔۔ اور شروع سے ہی بڑا سائنس دان تھا۔ لیکن اس نے خود کو چھپا کر رکھا۔۔۔ اپنے بارے میں یا اپنی ایجادات کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا۔۔۔ بس تجربات کرتا رہا۔۔۔ اور اپنی کامیابیوں کو چھپاتا رہا۔۔۔ پھر اسے آدم خوری کی لت پڑ گئی۔۔۔ اور وہ سوچنے لگا۔۔۔ کوئی ایسی جگہ ہو جیسے کوئی جزیرہ۔۔۔ جہاں وہ انسان کو قید کر کے رکھا کرے۔۔۔ اور جب چاہے۔۔۔ ان میں سے کسی کو پکڑ کر کھا لیا کرے۔۔۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے بھی اس کو دیکھ دیکھ کر آدم خور بن گئے گویا پورا گروہ آدم خوروں کا بن گیا۔۔۔ وہ لوگوں کو پکڑ لیتے۔۔۔ یا بہلا پھسلا کر حویلی میں رات کی تاریکی میں لے آتے اور ذبح کر ڈالتے۔۔۔ ادھر پروفیسر سیالانی کسی ایسی جگہ اور ایجاد کے چکر میں تھا۔۔۔ جس کے ذریعے وہ اپنا کام بغیر دخل چلا سکے۔۔۔ اور آخر کار وہ انجانے میں ایک بلیک ہول ایجاد کر بیٹھا۔۔۔ وہ کوئی خفیہ جگہ ایجاد کرنے کے چکر میں تھا۔۔۔ جس میں اپنے شکار قید کر کے رکھ سکتا۔۔۔ ایسی خفیہ جگہ اس نے لہروں کے ذریعے خفیہ بنانے کی کوشش شروع کیں۔۔۔ لیکن ایک دن اچانک لہروں کا ایک بگولہ تیار ہو گیا۔۔۔ اس نے تجربے

کے طور پر اس بگولے کو ایک قیدی پر کر دیا تو وہ اس کی نظروں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔۔۔ مارے حیرت کے اس کا برا حال ہو گیا۔ اپنے آلات کی مدد سے اس نے بگولے کی رفتار کم کی تو وہی اس میں نظر آنے لگا۔۔۔ ورنہ پہلے تو بگولہ بھی دکھائی دینا بند ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے محسوس کیا کہ بگولہ کوئی کو لے کر اوپر اٹھ گیا تھا۔۔۔ اب اس نے بے جان چیزوں پر تجربات کیے۔۔۔ بے جان چیزیں بھی غائب ہو گئیں۔۔۔ اب اس کی حیرت بڑھ گئی۔۔۔ غیر ارادی طور پر ایک حیرت انگیز چیز اس کے ہاتھوں ایجاد ہو گئی تھی۔۔۔ اس نے آہستہ آہستہ اس پر کام شروع کیا۔۔۔ اس بات کو مکمل طور پر راز میں رکھا۔۔۔ اپنے علاوہ اس نے کسی کو بھنک بھی نہ پڑنے دی۔۔۔ یہاں تک کہ ایک دن اسے معلوم ہو گیا کہ فضا میں جس قسم کے بلیک ہول کا ذکر وہ سائنس کی کتابوں میں پڑھ چکا ہے۔۔۔ اس قسم کا ایک بلیک ہول وہ ایجاد کر بیٹھا ہے۔۔۔ بس پھر کیا تھا۔۔۔ اس نے چیزوں کو غائب کرنے کے تجربات شروع کیے۔۔۔ اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت اور بڑھ گئی کہ بڑی بڑی چیزیں بھی وہ غائب کر سکتا ہے۔۔۔ آہستہ آہستہ اس نے بڑی سے بڑی چیزوں پر تجربات شروع کیے۔۔۔ اسے ہر قدم پر حیرت انگیز کامیابی ہوئی۔۔۔ اور پھر ایک دن وہ ایک عمارت غائب کرنے کا تجربہ کر بیٹھا۔۔۔ وہ لہروں کی طاقت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔۔۔ لہروں نے ایک عمارت کو اٹھا کر فضا میں دنگا دیا تھا۔۔۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔۔۔ آخر کار اس نے

اپنے تجربات کا دائرہ اور وسیع کر دیا وہ برابر تجربات کرتا رہا کرتا رہا۔۔۔ اور کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرتا رہا۔۔۔ وہ چاہتا تو پوری دنیا میں تہلکہ مچا سکتا تھا۔۔۔ دنیا اس کی ایجاد خریدنے کے لیے ٹوٹ پڑتی۔۔۔ لیکن وہ کہہ رہا کہ نہیں۔۔۔ اس کی ایجاد اس کے ملک کے لیے ہے۔۔۔ لیکن اس نے یہ اعلان نہ کیا۔۔۔ ایجاد کو چھپائے رہا۔۔۔ پھر تلوق کو اس کے ذریعے تنگ کرنے لگا۔۔۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا" وہ کہانی تو آپ سب کو معلوم ہی ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ اب تو یہ کہانی ہی ختم ہو گئی۔۔۔ تجربہ گاہ پر اب پروفیسر داؤد کام کریں گے اور بلیک ہول والا فارمولا دریافت کرنے کی کوشش کریں گے۔۔۔ کیا خیال ہے آپ کا"۔

"بالکل ٹھیک ہے۔۔۔ ل ابھی ہم آرام کریں گے۔۔۔ اس کیس نے بری طرح تھکا دیا ہے"۔

"اور رانو کو سرکاری مہمان بنا کر ساتھ لے جائیں گے"۔ فاروقی مسکرایا۔

اس طرح ان کی واپسی دارالحکومت میں ہوئی۔۔۔ دنیا بھر کے اخباری رپورٹر ان پر ٹوٹ پڑے۔۔۔ اور پھر اگلے دن کے اخبارات نے تو پوری دنیا میں ہل چل مچا دی۔۔۔ صدر صاحب نے ریڈیو اور ٹی وی پر قوم سے خطاب کیا۔۔۔ جس میں ان سب کا ذکر کیا اور کہا کہ قوم کے یہ ہیرو اور ان کے کارنامے ہمیشہ زندہ رہیں گے۔۔۔ ساتھ ہی انہوں نے اعلان کیا۔

"ان کے اعزاز میں ایک عالمی دعوت دی جا رہی ہے جس میں دنیا بھر کے ممالک کے اہم لوگ شرکت کریں گے"۔

وہ یہ اعلان سن کر دھک سے رہ گئے۔

☆○☆

تحریر سے تحریر

بینکوئٹ ہال میں ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام کیا جا رہا تھا۔۔۔ اس میں دنیا بھر کے ملکوں کے رہنما شرکت کرنے والے تھے۔۔۔ اس دعوت کے خاص مہمان انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز تھے۔۔۔ ان کے دوست بھی شریک ہو رہے تھے۔۔۔ خاص مہمانوں میں پروفیسر داؤد، خان رحمان اور منور علی خان بھی شامل تھے۔۔۔ یہی نہیں۔۔۔ ڈی ایس ایم کو بھی خاص مہمانوں کے ساتھ ہی بلایا گیا تھا۔

کچھ اور لوگوں کو بھی دعوت دی گئی تھی۔۔۔ ان میں سرکاری لوگ بھی تھے اور غیر سرکاری بھی۔۔۔ انسپکٹر جمشید، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کے تمام عزیز، رشتے دار اور پرانے اور نئے دوست بھی آ رہے تھے۔۔۔ بہرحال اس تقریب کے دولہا یہی لوگ تھے۔

بہت بڑے پیمانے پر تیاریاں ہو رہی تھیں۔۔۔ اس دوران اخبارات میں بس انہی کے چرچے تھے۔۔۔ بہت دھوم دھام سے خبریں شائع ہو رہی تھیں۔۔۔ ابھی تک رانگ نمبر اور اس کے غیر ملکی ساتھیوں سے مقابلوں کی تفصیلات بتائی جا رہی تھیں۔۔۔ لوگ ان خبروں کو بہت

جوش و خروش سے پڑھ رہے تھے۔۔۔ ساتھ ہی اس تقریب کی بھی خبریں شائع ہو رہی تھیں۔۔۔ لوگوں کو اس تقریب کا بھی بہت انتظار تھا۔۔۔ کچھ اور خاص باتیں بھی بتائیں گئیں۔۔۔ جو اس کیس کے بارے میں کسی کے علم میں نہیں۔۔۔ لوگوں کو دراصل ان باتوں کے سننے کا انتظار بہت شدید تھا۔۔۔ اور وہ بری طرح بے چین تھے۔

آخر خدا خدا کر کے وہ دن آ گیا۔۔۔ تقریب شام ۶ بجے شروع ہونا تھی اور رات کے بارہ بجے تک جاری رہنا تھی۔۔۔ داخلہ دعوت نامے کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔ ہر کوئی اپنا دعوت نامہ ساتھ لایا تھا۔۔۔ اگر کوئی بھول آیا تھا تو اسے لانے کے لیے واپس جانا پڑا۔۔۔ کیونکہ یہ ہدایت بھی انسپکٹر جمشید کی ہی تھی۔۔۔ کہ بغیر کارڈ کے کوئی اندر نہ داخل ہو۔

پانچ بجے تک مہمانوں کی آمد و رفت جاری رہی۔۔۔ آخر پانچ بجے تمام مہمان آ گئے تو عمارت کے دروازے اندر سے بند کر دیے گئے اور پروگرام شروع ہوا۔۔۔ پہلے تمام مہمانوں کی طرف سے شریف الطبع کی گئی۔۔۔ ایسے میں صدر صاحب سٹیج پر چڑھے مائیکروفون پر ان کی آواز ابھری۔

"خواتین و حضرات۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔ کھانے پینے کا پروگرام تو بارہ بجے تک جاری رہے گا۔۔۔ کیوں نہ پہلے ہم سب اپنی۔۔۔ بلکہ

پورے ملک کے لوگوں کی۔۔۔ بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کی بے چینی دور کر لیں۔۔۔ واضح رہے کہ یہ پروگرام پوری دنیا میں دکھایا جا رہا ہے"۔

صدر صاحب کے اس اعلان پر حضرات نے ایک آواز ہو کر کہا۔

"بہت خوب۔۔۔ بہت خوب"۔

"کیا سب یہی چاہتے ہیں"۔

"بالکل۔۔۔ بالکل۔۔۔ بلکہ ہم تو چاہتے ہیں۔۔۔ یہ ساری تفصیل سنائیں"۔

"بالکل ٹھیک۔۔۔ ہم سب یہی چاہتے ہیں۔۔۔ ہماری قوم کے یہ ہیروز سٹیج پر آ جائیں۔۔۔ ان کے لیے یہاں صوفے سیٹ بچھے ہیں۔۔۔ سب صوفوں کے سامنے مائک لگے ہیں۔۔۔ ان میں سے ہر ایک جس وقت چاہے۔۔۔ جہاں سے چاہے تفصیل شروع کر سکتے ہیں۔۔۔ اور درمیان میں جہاں کسی دوسرے کے بیان کی ضرورت محسوس ہو گی۔۔۔ بات ادھر سے ادھر ہوتی رہے گی۔۔۔ یہ تمام انتظامات ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔۔۔ اور پوری عمارت کے ہر گوشے میں آواز بالکل صاف صاف پہنچے گی۔۔۔ ہر شخص جہاں تشریف فرما ہے یا وہ جہاں اٹھ کر جانا چاہے۔۔۔ مختصر کے الفاظ اس تک پہنچیں گے"۔ یہ الفاظ آئی جی صاحب نے ادا کیے۔

"بہت خوب۔۔۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔۔۔ اپنے ہیروز کو دیکھنے

کے لیے بری طرح بے تاب ہیں"۔

اب انہیں اٹھ کر سٹیج کی طرف چلنا پڑا۔۔۔ ایسے میں بے تحاشا تالیاں گونج اٹھیں۔۔۔ تالیوں کی گونج میں وہ آگے بڑھتے رہے۔۔۔ تالیوں کا شور بڑھتا ہی چلا گیا۔۔۔ کوئی اور ہوتا تو یہ شور اسے بہت اچھا لگتا۔۔۔ لیکن۔۔۔ انہیں تالیوں کی گونج پسند نہیں تھی۔۔۔ ان کے سٹیج پر آ کر صوفوں پر بیٹھ جانے کے بعد بھی لوگوں کا جوش کم نہ ہوا اور گونج برقرار رہی۔۔۔ آخرکار انسپکٹر جمشید کو اٹھنا پڑا، ان کی آواز مائک میں گونجی۔

"خواتین و حضرات۔۔۔ اب بس کریں۔۔۔ بہت تالیاں ہو چکیں"۔

تالیاں یک لخت رک گئیں۔۔۔ ان کی آواز پھر ابھری۔

"اسلام میں تالیاں بجانا پسندیدہ عمل نہیں ہے۔۔۔ آپ وعدہ کریں۔۔۔ آئندہ پرہیز کریں گے"۔

"اوہ۔۔۔ ہمیں یہ بات معلوم نہیں تھی۔۔۔ خیر۔۔۔ ہم آئندہ تالیاں نہیں بجائیں گے۔۔۔ آپ تفصیلات شروع کریں"۔

"اس کام کے آغاز کے لیے میں انسپکٹر کامران مرزا سے درخواست کروں گا۔۔۔ وہ شروع کریں"۔ انہوں نے کہا۔

"کیوں! آپ کیوں نہیں؟"

"اس کی ضرورت ہے۔۔۔ بس آپ شروع کریں"۔

"بہت بہتر۔۔۔ خواتین و حضرات۔۔۔ ہماری طرف سے یہ کہانی

اس وقت شروع ہوئی۔ جب پروفیسر سجاد عرفانی صاحب سفر کر کے میرے گھر آئے اور انہوں نے ہم سے ملاقات کی۔ آج کی اس دعوت میں وہ سب حضرات بھی تشریف فرما ہیں۔ جن کا اس کیس سے تھوڑا بہت بھی تعلق ہے۔ لہٰذا پروفیسر سجاد عرفانی صاحب بھی یہاں ضرور موجود ہوں گے۔ میں نے غلط تو نہیں کہا۔ پروفیسر صاحب آپ صاحبان میں موجود ہیں یا"۔

"ہاں! میں یہ رہا"۔ ایک طرف سے پروفیسر سجاد عرفانی صاحب کی آواز ابھری۔ انہوں نے اٹھ کر خود کو دکھایا بھی۔

"بہت خوب! تو پروفیسر سجاد عرفانی صاحب میرے ہاں آئے اور انہوں نے بتایا کہ ان کی تجربہ گاہ کے آلات نے کام کرنا بند کر دیا ہے۔ جب کہ آلات بالکل ٹھیک ہیں۔ ان میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ ضرور کسی دشمن کی سازش ہے۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ ان کے شہر چلا۔ ان کی تجربہ گاہ کا معائنہ کیا۔ وہاں ایک آلے میں ایک ہیرا تھا۔ بہت بڑا ہیرا"۔

"ہیرا!" سب لوگوں کے منہ سے نکلا' کیونکہ اخبارات میں آنے والی کہانیوں میں بہت سی باتوں کا ذکر نہیں تھا۔

"ہاں۔ ہیرا"۔

اور پھر وہ تفصیلات بتاتے چلے گئے۔ آخر پروفیسر سیلانی تک ذکر پہنچا۔ کبھی کبھی کا کچھ حصہ انسپکٹر جمشید کو بتانا پڑا تو کبھی انسپکٹر کامران

مرزا کو۔۔۔ اور کبھی درمیان میں چھوٹی بارنی کو۔۔۔ اس طرح کہانی مکمل ہوتی چلی گئی۔۔۔ آخر میں انسپکٹر جمشید بولے۔

"اور اس طرح حضرات۔۔۔ یہ کیس ختم ہوا۔ بڑے تین مجرم مارے گئے۔ رانوتا اب تک ہمارے قبضے میں ہے۔۔۔ تجربہ گاہ پر اب پروفیسر داؤد صاحب کام کر رہے ہیں اور امید ہے کہ بہت جلد ان شاء اللہ بلیک ہول تیار کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔۔۔ اگر وہ کامیاب ہو گئے۔۔۔ تو۔۔۔ ہمارا ملک ان سے پوری دنیا کو غلام نہیں بنائے گا۔۔۔ بلکہ دنیا کی فلاح اور بہبود کا کام لے گا"۔

ایک بار پھر غیر ارادی طور پر لوگوں نے تالیاں بجا دیں۔۔۔ لیکن پھر اچانک انہیں تالیوں والی بات یاد آ گئی اور تالیوں کا گلا درمیان میں ہی گھٹ گیا۔۔۔ ایسے میں ایک آواز ابھری۔

"حضراتین و خوات۔۔۔ کیا آپ نے یہ کہانی غور سے سنی ہے۔۔۔ اخبارات بغور پڑھے ہیں"۔

سب نے دیکھا۔۔۔ یہ آواز فاروق کی تھی۔

"یہ تو بعد کی بات ہے۔۔۔ پہلے تو یہ بتایا جائے۔۔۔ یہ حضراتین اور خوات کیا ہوتا ہے؟" صدر صاحب نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ معاف کیجئے گا۔۔۔ یہ الفاظ ذرا اپنی جگہ تبدیل کر گئے۔۔۔ ہاں تو حضرات و خواتین"۔

"پھر الٹ پلٹ کر دیا"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

"پھر کیسے الٹ پلٹ کر دیا"۔ فاروق نے اسے گھورا۔

"تم نے حضرات و خواتین کہا ہے۔ جب کہ پوری دنیا میں خواتین و حضرات کہا جاتا ہے"۔

"اگر پوری دنیا میں کوئی غلط بات ہو رہی ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہم بھی وہ غلطی کریں"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

"غلطی۔۔۔ کیسی غلطی۔۔۔ یہاں کسی غلطی کا کیا کام؟" کمسن نے چونک کر کہا۔

"پوری دنیا میں خواتین و حضرات کہا جاتا ہے۔۔۔ یعنی عورتوں کا نام پہلے لیا جاتا ہے۔ مردوں کا بعد میں۔۔۔ جب کہ اسلام نے مردوں کو پہلے اور عورتوں کو بعد میں پکارا۔۔۔ اور مردوں کو حاکم بنایا ہے۔۔۔ لہٰذا پہلے حضرات پھر خواتین"۔

"بہت خوب! یہ نکتہ شاید پوری دنیا میں آج تک کسی نہیں اٹھایا۔ ہمیں بہت پسند آیا"۔ بہت سے لوگ ملی جلی آوازوں میں بول اٹھے۔

"لیکن خواتین کو شاید یہ میری بات بری لگی ہو"۔ فاروق نے کہا۔

"نہیں نہیں۔۔۔ ہمیں اپنا دین زیادہ عزیز ہے۔۔۔ جب دین نے ایک بات بتائی ہے تو اس میں برا کیا ماننا"۔ کئی عورتیں بولیں۔

"شکریہ شکریہ۔۔۔ بلکہ میں تو لگے ہاتھوں یہ بھی کہتا چلوں کہ جو

قوم اپنا حکمران کسی عورت کو چن لیتی ہے۔۔۔ وہ جہاد زیادہ ہوتی ہے۔ یہ بات بھی ہمارے مذہب میں ہے۔

"ہمیں اس میں بھی کوئی شک نہیں۔۔۔ ممکن بات ہو رہی تھی۔ کہانی کی۔۔۔ ہم نے کہانی کو بہت غور سے سنا ہے"۔

"جب کہ ہمارا دعویٰ ہے۔ کہ آپ لوگوں نے کہانی کو اتنے غور سے نہیں سنا۔ جتنے غور سے سننا چاہیے تھا"۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا مطلب؟" ان گنت چونکی ہوئی آوازیں ابھریں۔

"مطلب یہ کہ۔۔۔ خیر۔۔۔ کہانی جو سنائی گئی۔۔۔ ساتھ ساتھ ریکارڈ ہوتی رہی ہے۔۔۔ ایک بار پھر اس کی ریکارڈنگ آپ کو سنائی جاتی ہے۔۔۔ اگرچہ اس میں وقت لگے گا۔۔۔ لیکن بارنی بھی تو رات کے بارہ بجے تک ہے۔۔۔ لہٰذا سنئے اور غور سے سنیں"۔

ٹیپ ریکارڈر سے کہانی گونجنے لگی۔۔۔ سب لوگ اس بات بہت غور سے سن رہے تھے۔۔۔ پہلی بار واقعی انہوں نے کہانی اتنے غور سے نہیں سنی تھی۔۔۔ اور آخر کہانی ایک بار پھر ختم ہو گئی۔ فاروق ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔۔۔ ایسے میں اس کی نظر فرزانہ کی جگہ پر پڑی۔۔۔ آفتاب تھی۔۔۔ فاروق مسکرایا۔۔۔ کیونکہ یہ اس کی خاص عادت تھی۔

"آپ نے کہانی ایک بار پھر سنی۔۔۔ اس بات آپ نے نہایت غور سے سنی۔۔۔ کیا خیال ہے۔۔۔ کیا آپ کے ذہنوں میں کوئی سوال

کو جانتے۔ وہ یہاں تک کہہ کر رک گیا۔

سب لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔۔۔ پھر ایک صاحب اٹھے۔

"جی ہاں! میرے ذہن میں ایک سوال ابھرا ہے۔۔۔ اور میرا خیال ہے۔ یہ سوال اور بھی بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں ابھرا ہو گا۔ لیکن وہ بیان نہیں کر پائے۔۔۔ اب جیسے ہی میں اس سوال کا ذکر کروں گا۔ تو بہت سے لوگ کہہ اٹھیں گے۔۔۔ کہ ہاں واقعی یہ سوال تو ہمارے ذہنوں میں بھی ابھرا تھا۔۔۔ اور ایسا ہوتا ہے۔۔۔ ہوتا ہے نا"۔ اس نے فاروق کی طرف دیکھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔۔۔ اپنا سوال بتائیں"۔

"جب آپ لوگوں کی جنگ ہو رہی تھی تو اس وقت عین لڑائی کے وقت انسپکٹر کامران مرزا وہاں سے چلے گئے تھے؟"

"ہو ہاں واقعی۔۔۔ یہ سوال ہمارے ذہنوں میں بھی ابھرا تھا۔۔۔ یہ کہاں چلے گئے تھے"۔

"یہ وہاں سے سیدھے ہوائی جہاز کے ذریعے اپنے گھر گئے تھے"۔ فاروق مسکرایا۔

"لیکن کیوں۔۔۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا۔۔۔ عین لڑائی کے وقت بھلا کوئی گھر چلا جاتا ہے"۔

"انہیں اس لڑائی سے بھی زیادہ ضروری کام یاد آ گیا تھا"۔

فاروق نے کہا۔

"اور وہ کام کیا تھا؟"

"لڑائی کے دوران ہم نے آپ حضرات کو بتایا ہے کہ ہمیں مجرم نے ایک خط اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجا تھا۔ ہم نے اس کی تحریر کی بہت لوگوں کی تحریر سے ملا کر دیکھی تھی۔۔۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی کی تحریر اس تحریر سے نہیں مل سکتی تھی۔۔۔ لیکن"۔ فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"لیکن کیا۔۔۔ آپ رک کیوں گئے"۔

"یہ اس کی پرانی عادت ہے"۔ آفتاب پکارا۔

اور تمام لوگ مسکرانے لگے۔

"ہاں جناب۔۔۔ آفتاب نے بالکل ٹھیک کہا۔۔۔ یہ میری پرانی عادت ہے۔۔۔ اور اس کی نئی"۔

اس پر ایک قہقہہ لگا۔ آفتاب کا منہ پھول گیا۔

"اصل بات رہ گئی۔۔۔ مجرم کی طرف سے آپ لوگوں کو ایک خط ملا تھا۔۔۔ اور آپ نے تحریر سے بہت سے لوگوں کی تحریریں ملا کر دیکھی تھیں۔۔۔ لیکن کسی کی تحریر اس خط کی تحریر سے نہیں ملی تھی۔۔۔ سوال نے یہ تھا کہ انسپکٹر کامران مرزا عین لڑائی کے دوران اپنے گھر کیوں گئے تھے؟"

"ہاں! میں اسی سوال کا جواب دینے والا ہوں۔۔۔ آپ پریشان نہ

ہوں"۔

"نہیں جی۔۔۔ ہم پریشان تو نہیں ہیں۔۔۔ ہاں ہم بے چین ضرور ہیں۔۔۔ آپ ذرا سسپنس کم کریں"۔

"سسپنس اگر ختم کر دیا تو مزا کیا آئے گا"۔

"اوہ۔۔۔ خیر۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی"۔

"ہاں۔۔۔ میں کہہ رہا تھا۔۔۔ کسی شخص کی تحریر اس خط کی تحریر سے نہ ملی۔۔۔ لیکن اچانک انکل کامران مرزا کو ایک بات یاد آئی"۔

"اوہ۔۔۔ وہ کیا؟" سب ایک ساتھ بولے۔

"یہ کہ۔۔۔ اس تحریر سے ملتی جلتی تحریر انہوں نے کہیں دیکھی ہے"۔

"حیرت ہے۔۔۔ یہ بات یاد آنے سے تو تعلق نہیں رکھتی"۔ کسی نے کہا۔

"ہم جیسے لوگوں سے ضرور تعلق رکھتی ہے۔۔۔ بس انہوں نے وہاں سے دوڑ لگا دی۔۔۔ ہوائی اڈے پر پہنچے۔۔۔ ایک سپیشل طیارہ لے کر اپنے شہر پہنچے۔۔۔ وہاں سے گھر گئے۔۔۔ اور لائبریری میں گھس گئے"۔

"اچھا تو پھر"۔ کئی بے چین آوازیں ابھریں۔

"وہاں انہوں نے مختلف لوگوں کی تحریریں اس خط سے ملانا شروع کیں۔۔۔ اپنے دوستوں کے خطوط سے۔۔۔ سرکاری خطوط۔۔۔ مختلف فائلوں سے۔۔۔ ان کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔۔۔ ان کا دل بار بار کہہ

رہا تھا۔۔۔ کہ ایسی تحریر انہوں نے دیکھی ضرور ہے۔۔۔ ان کا جسم پسینے سے بھیگتا جا رہا تھا۔۔۔ کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کو موت کے منہ میں چھوڑ کر نکل آئے تھے۔۔۔ اب اگر وہ تحریر بھی انہیں نہ ملتی تو انہیں بہت افسوس ہوتا۔۔۔ وہ تلاش کرتے چلے گئے۔۔۔ تحریر سے تحریر ملاتے چلے گئے۔۔۔ اور آخر کار"۔ فاروق ایک بار پھر رک گیا۔

"اور آخر کار کیا؟۔۔۔ آپ ایک بار پھر رک گئے"۔

"اوہ۔۔۔ معاف کیجئے گا۔۔۔ یہ میری بہت پرانی عادت ہے۔۔۔ اور آفتاب کی نئی"۔ وہ مسکرایا۔

"یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟" آفتاب نے بھنا کر کہا۔

"اوہ۔۔۔ معافی چاہتا ہوں۔۔۔ ہاں تو آخر کار انہیں وہ تحریر مل گئی"۔

"کیا کہا۔۔۔ تحریر مل گئی"۔ سب ایک ساتھ چلا اٹھے۔

عین اس وقت بھرے مجمع میں سے ایک صاحب اٹھے اور سامعوں کے درمیان سے نکل کر ایک سمت میں جانے لگے۔۔۔ اس طرف ہاتھ روم تھے۔۔۔ لیکن ان کے سامنے کوئی آ کھڑا ہوا۔

☆○☆

ہاہاہا... نہیں نہیں نہیں

اس طرف کسی کی توجہ نہیں تھی... ان صاحب نے چونک کر اپنے سامنے دیکھا... فرزانہ وہاں کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"آپ اپنی سیٹ پر تشریف رکھئے"۔

اچانک ایک چاقو فرزانہ کی طرف تیر کی طرح آیا... لیکن وہ پہلے ہی ہوشیار تھی... لہٰذا دائیں طرف سرک گئی... چاقو والا ہاتھ آگے نکل گیا... فرزانہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... چاقو والے ہاتھ پر اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی دے ماری... لیکن اسے اس وقت حیرانی ہوئی... جب چاقو اس کے ہاتھ سے ٹکرا نہ نظر نہ آیا... اس نے چاقو کا دوسرا وار فوراً ہی کیا... لیکن فرزانہ جھکائی دے گئی... اس وقت تک آس پاس کے لوگ اس طرف متوجہ ہو چکے تھے... اور خوف زدہ ہو گئے تھے... ایسے میں سٹیج سے انسپکٹر جمشید گویا اڑتے ہوئے آئے... ادھر وہ شخص چاقو کا تیسرا وار کرنے کے لیے پر تول چکا تھا... فرزانہ تیار ہی تھی... تیسرا وار اس نے اس کے کندھے پر کیا... فرزانہ نے پینترا بدلا... چاقو کی نوک اس کی قمیص کو چاک کرتی چلی گئی... ایسے میں اس شخص کی کمر

پر ایک لات لگی... اوہ اوندھے منہ گرا... اور پھر انسپکٹر جمشید نے اس کا چاقو والا ہاتھ پکڑ لیا... انہوں نے پورا زور لگایا... لیکن چاقو اس کے ہاتھ سے نہ نکلا... انہیں بہت حیرت ہوئی... کہ اس شخص میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی... انہوں نے دو تین جھٹکے اور مارے... لیکن چاقو نہ گرا... اب انہوں نے اپنے الٹے ہاتھ کی ہڈی اس کی کھوپڑی پر ماری... اب بھی کچھ نہ ہوا... اب تو وہ پریشان ہو گئے... آخر انہوں نے اپنی سیدھی انگلیاں اس کی آنکھوں میں بھونک دیں... یہ وار خطرناک ترین تھا... اس کی دونوں آنکھیں پھوٹ گئیں... وہ گر تڑپنے لگا... چاقو والا ہاتھ اب تک انسپکٹر جمشید کے ہاتھ میں تھا... اب چاقو اس کے ہاتھ سے گر گیا... فرزانہ نے چاقو اٹھا لیا۔

"یہ... یہ کون ہے؟" صدر صاحب چلائے۔

"اگر یہ بتا دیا تو یہاں طوفان آ جائے گا"۔ انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"کیا مطلب؟" صدر صاحب اور دوسرے چلائے۔

"میں اسے سٹیج پر لاتا ہوں... اس شخص کی تحریر انسپکٹر کامران مرزا کو اپنی لائبریری میں ملی تھی"۔

"لیکن یہ کون ہے... ہم نے تو آج تک اس شکل و صورت کے آدمی کو نہیں دیکھا"۔

"اب دیکھ لیں"۔ محمود نے فوراً کہا۔

"لیکن ایک بالکل انجان آدمی اس دعوت میں کس طرح آ گیا... یہاں تو سب واقف لوگ ہیں... سب کے سب جانے پہچانے ہیں... کیوں حاضرین... ان صاحب کو آپ میں سے کچھ لوگ جانتے ہیں"۔

اس وقت تک انسپکٹر جمشید اسے گھسیٹتے ہوئے سٹیج پر لا چکے تھے اور سیدھا کھڑا کرنے کے لیے پر تول چکا تھا... اس کی دونوں آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا۔

"خون صاف کیا جائے... ایسے کیا پتا چلے گا"۔ کسی نے کہا۔

ایک رومال سے اس کا چہرہ صاف کیا گیا... لیکن آنکھوں سے تو خون اب بھی نکل رہا تھا... تاہم لوگوں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا۔

"ہم اسے نہیں پہچانتے... نہ جانے یہ کون ہے"۔

"تب پھر یہ اس دعوت میں کیسے آ گیا"۔ صدر صاحب بولے۔

"یہ جب دعوت میں آیا تھا تو اپنے اصل چہرے کے ساتھ آیا تھا... اب جب یہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر جانے لگا تو اس نے میک اپ کر لیا... ریڈی میڈ میک اپ"۔ وہ بولے۔

"کیا!!!" وہ چلائے۔

"ہاں جناب... یہ اس وقت میک اپ میں ہے... میں ابھی اس کا میک اپ اتار دوں گا... آپ پہلے یہ بات جان لیں کہ یہی وہ شخص ہے... جس کے خط کی تحریر اس خط سے مل گئی جو ہمیں مسٹر رانگ نمبر

نے لکھا تھا"۔

"کیا مطلب... یہ کیا بات ہوئی... اس کا مطلب تو پھر یہی ہوا کہ یہ رانگ نمبر ہے... جب کہ آپ نے اپنی کہانی میں ہمیں بتایا ہے کہ رانگ نمبر آپ لوگوں کے ہاتھوں وہیں مر گیا تھا"۔

"جو مر گیا... وہ پروفیسر سیلانی مشہور تھا... لیکن رانگ نمبر نہیں تھا... تاہم اس وقت وہ رانگ نمبر کے روپ میں ہی تھا... مطلب یہ کہ رانگ نمبر نے اسے آگے کر دیا تھا... تاکہ ہم اسے رانگ نمبر خیال کریں"۔

"اوہ اوہ" اب تو سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے... آنکھیں اپنی کی پھٹی رہ گئیں... اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"یہ... یہ ہم نے کیا سنا ہے... اس روز جو مارا گیا... وہ رانگ نمبر نہیں تھا"۔

"جی نہیں... رانگ نمبر یہ رہا... میرے ہاتھ میں"۔

"کیا... کیا"۔ لوگ چلائے۔

"آپ لوگ جس قدر بھی حیران ہوں... کم ہے... لہٰذا خوب پیٹ بھر کر حیران ہو لیں... ہمیں کوئی اعتراض نہیں"۔ فاروق کی شوخ آواز ابھری۔

"جی ہاں! اگر کسی صاحب کے پاس حیرت کا سٹاک نہ ہو تو ہم سے لے لیں"۔

"لیکن۔۔۔ آخر۔۔۔ یہ۔۔۔ کیسے ہو سکتا ہے؟" بے شمار آوازیں ابھریں۔

"یہ ہو سکتا ہے نہیں۔۔۔ واقعی ہے۔۔۔ یہی مسٹر رانگ نمبر ہیں۔۔۔ لیکن اس وقت یہ ایک عام آدمی ہیں۔۔۔ اس وقت اگر یہ رانگ نمبر ہوتے تو ہم ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔۔۔ یہ تو ہم سب کو کر دیتے ایک ہول میں بند"۔

"اوہ۔۔۔ نہیں"۔ لوگ مارے خوف کے چلائے۔

"یہاں آنے سے پہلے۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔ یہاں داخل ہونے سے پہلے ان کی تلاشی لی گئی تھی۔۔۔ تاکہ کوئی نقصان دہ چیز اندر نہ لا سکے۔۔۔ جب ان صاحب کی تلاشی لی گئی تو ان کی کمر کے ساتھ کچھ آلات بندھے ہوئے تھے"۔

"کیا۔۔۔ آلات بندھے ہوئے تھے؟"

"ہاں۔۔۔ ننھا منا بلیک ہول فوری طور پر تیار کرنے کا سامان یہ صاحب ہر وقت ساتھ رکھتے ہیں"۔

"لیکن کیوں؟" کئی لوگ مارے حیرت کے چلائے۔

"اس لیے کہ تلاشی کے دوران ان آلات کا تسمہ بلیڈ سے اس حد تک کاٹ دیا گیا تھا کہ بس وہ ذرا سا اٹکا رہ جائے۔۔۔ دعوت کے دوران میں نے وہ تسمہ غیر محسوس طور پر بالکل الگ کر دیا اور آلات گھاس پر گر گئے"۔

"اوہ۔۔۔ اور انہیں پتا نہیں چلا"۔

"پتا چل گیا تھا۔۔۔ لیکن یہ سب کے سامنے گھاس پر سے ان آلات کو اٹھا کر اپنی کمر پر نہیں باندھ سکتے تھے۔۔۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے خیال کیا تھا کہ تسمہ اتفاقیہ طور پر ٹوٹا ہے۔۔۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ جونہی موقع ملے گا۔۔۔ وہ آلات اٹھا کر پھر باندھ لیں گے۔۔۔ لیکن وہ لوگ انہیں یہ موقع کس طرح دے سکتے تھے۔۔۔ جنہوں نے تسمہ کاٹا تھا۔۔۔ لہٰذا فرحت نے فوراً وہ وہاں سے پار کر دیا۔۔۔ اور اب وہ کسی نامعلوم جگہ پر ہے"۔

"اوہ۔۔۔ بہت خوب۔۔۔ اس کا مطلب ہے۔۔۔ یہ شخص واقعی رانگ نمبر ہے"۔ صدر صاحب نے مارے حیرت کے کہا۔

"بالکل! اس میں تو ایک فیصد بھی شک نہیں ہے"۔

"تو پھر یہ کون ہے؟"

"ہاں! یہ سوال بہت مزے کا ہے۔۔۔ کہ یہ کون ہے۔۔۔ اس بار دراصل ہم کسی غیر ملکی سازش کا شکار نہیں ہوئے۔۔۔ یہ اپنے ہی ملک کا ہے۔۔۔ لیکن سائنس میں اس نے قدر ترقی کی۔۔۔ اس قدر ترقی کی کہ شکارجہ جیسا ملک بھی نہیں پہنچ سکا اس تک۔۔۔ اور بلیک ہول کی بات سامنے آ جانے کے باوجود۔۔۔ وہ بھی تک بلیک ہول ایجاد نہیں کر سکا"۔

"اب مجمع بہت بے چین ہو گیا ہے۔۔۔ لہٰذا نقاب کشائی ہو جانی چاہیے"۔ آفتاب کی شوخ آواز لہرائی۔

میں اس لمحے رانگ نمبر بری طرح اچھلا اور ان کی گرفت سے نکل کر دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔۔۔ لیکن راستے میں رفعت پہلے ہی موجود تھی۔۔۔ اس نے اپنی ٹانگ اڑا دی۔۔۔ وہ اوندھے منہ گرا، لیکن حیرت انگیز پھرتی سے اچھلا، سیدھا کھڑا ہوا اور پھر دوڑ پڑا۔۔۔ عین اس وقت اس کی کمر پر کسی نے لات رسید کر دی۔۔۔ یہ شوکی تھا۔۔۔ انہیں بہت حیرت ہوئی۔۔۔ شوکی اور ایسا کام کر جائے۔۔۔ لیکن انہیں پھر حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔ جب اسے پھر اٹھتے دیکھا۔۔۔ اور وہ دوڑا۔۔۔ ایک بار پھر وہ اوندھے منہ گرا۔۔۔ اس بار آصف اس کے سامنے تھے۔

"کب تک گرو گے۔۔۔ کب تک اٹھو گے۔۔۔ کب تک دوڑو گے"۔ آصف گنگنایا۔

اور یہ گنگناتا اسے لے کر بیٹھ گیا۔۔۔ رانگ نمبر نے جھلا کر اس پر وار کیا تھا۔۔۔ اس نے لیٹے لیٹے ایک چھلانگ لگائی تھی۔۔۔ اس کا سر آصف کے پیٹ میں لگا۔۔۔ آصف دہرا ہو گیا اور وہ اس کے اوپر سے ہوتا ہوا آگے نکل گیا۔۔۔ لیکن اب محمود اس کے سامنے تھے۔

"ہر قدم پر ایک چٹان ملے گی"۔ وہ مسکرایا۔

رانگ نمبر نے بھنچ کر ایک مکا اس کی پیشانی پر دے مارا۔۔۔ محمود پیچھے ہٹ گیا۔۔۔ مکا آگے نکل گیا۔۔۔ محمود نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ کر گھسیٹ لیں۔۔۔ وہ گرا۔۔۔ لیکن گرتے گرتے اپنی دونوں ٹانگیں چھڑا بھی گیا۔۔۔ اور وہ محمود کے پیٹ پر رسید بھی کر دیں۔۔۔ محمود بری

طرح ڈکرایا۔۔۔ اور گھاس پر گر کر تڑپنے لگا۔۔۔ لیکن اس وقت محمود کی طرف کون توجہ دیتا۔۔۔ رانگ نمبر اس وقت ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر ہاتھ میں نہیں آ سکتا تھا، پھر تو وہ بلیک ہول میں چلا جاتا۔۔۔ اور بلیک ہول میں وہ کر بلیک ہول کا نقص دور کرتا رہتا۔۔۔ یہ غلطی اس سے ہو چکی تھی کہ یہاں آ گیا تھا۔۔۔ جب کہ وہ ان لوگوں سے اتنا خوف زدہ بھی تھا۔۔۔ لیکن اس نے سوچا تھا۔۔۔ اب تو ان لوگوں نے اپنے خیال میں رانگ نمبر کو ہلاک کر دیا ہے۔۔۔ اب اس کے لیے کیا خطرہ رہ گیا۔۔۔ بس وہ اس خیال کے چکر میں آ گیا۔۔۔ اور یہی چیز اس کے لیے خطرناک ثابت ہو گئی۔۔۔ اس نے شاید خواب میں بھی نہیں سوچا ہو گا کہ انسپکٹر کامران مرزا اس کی کوئی تحریر اپنی لائبریری میں تلاش کر لیں گے اور جان جائیں گے۔۔۔ اصل مجرم کون ہے"۔

جونہی محمود گرا۔۔۔ فاروق اس کے سامنے آ گیا۔

"ابھی دروازہ بہت دور ہے۔۔۔ مطلب یہ کہ ہنوز دلی دور است۔۔۔ اور دروازے تک ہم لوگوں کی ایک لائن لگ چکی ہے۔۔۔ اب باری باری تم سے ٹکرانے کی حسرت پوری کرے گی۔۔۔ اور اگر تم ہم جیسے چھوٹے کرداروں کو گراتے چلے گئے۔۔۔ تب بھی آگے جا کر تمہاری ملاقات بڑوں سے ہو گی۔۔۔ اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا۔۔۔ بہتر یہی ہے کہ ہتھیار ڈال دو"۔

"حد ہو گئی۔۔۔ اس کے پاس ہتھیار کہاں ہیں۔۔۔ جو یہ ڈال

دے"۔ فرحت کی آواز ابھری۔

"اس کے ساتھ ہی فاروق کے کندھے پر پڑا۔ فاروق نے بچنے کی کوشش کی۔۔۔ لیکن پھر بھی ترچھا وار کندھے پر لگ گیا۔۔۔ یہ ترچھا وار بھی اسے دن میں تارے دکھا گیا۔۔۔ تاہم وہ گرا نہیں۔۔۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔۔۔ سر کی ٹکر اس کے پیٹ میں دے ماری۔۔۔ رائفل نمبر لڑکھڑا گیا۔۔۔ اور لگا گرنے۔۔۔ فاروق یہ دیکھ کر خوش ہو گیا۔۔۔ اور دوسری ٹکر دے ماری۔۔۔ لیکن اس وقت تک وہ سیدھا ہو گیا تھا۔۔۔ لہٰذا بہت اونچا اچھلا۔۔۔ فاروق اس کے نیچے سے نکل گیا اور آگے جا گرا۔۔۔ لیکن گرا نہیں سیدھا جا کھڑا ہوا۔۔۔ جہاں فرحت موجود تھی۔۔۔ فرحت مسکرائی۔

"شاید تم نے ہم میں سے ہر ایک کا ایک آدھ ہاتھ کھانے کی قسم کھائی ہے"۔

"کھانے کی قسم کھائی ہے۔۔۔ ذرا سے جملے میں دو بار کھانے کا لفظ ارے باپ رے"۔ پروفیسر داؤد بوکھلا گئے۔

"لگ گئی انہیں تو بھوک۔۔۔ ارے ہم۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے"۔ آفتاب چلا اٹھا۔

"کیا کیسے ہو سکتا ہے؟" خان رحمان بولے۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔۔۔ لوگ کھا پی رہے تھے۔۔۔ آپ بھی کھانے پینے والوں میں شامل تھے۔۔۔ پھر اس قدر جلد آپ کو بھوک لگ

گئی"۔ یہ کہتے ہوئے آصف نے اس پر چھلانگ لگا دی اور منہ کے بل گرا کیونکہ وہ آگے نکل چکا تھا۔

"مم۔۔۔ میں نہیں کھا رہا تھا"۔ وہ بوکھلا اٹھے۔

"تب پھر۔۔۔ آپ کیا کر رہے تھے"۔ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔۔۔ کیونکہ اس لڑائی کے موقع پر انہیں کھانے کا ذکر پسند نہیں آیا تھا۔

"میں ایک ایجاد کے بارے میں سوچ میں گم ہو گیا تھا"۔

"حیرت ہے"۔ مکھن کی آواز ابھری۔۔۔ ساتھ ہی اس کی کہنی پڑی پر رائفل نمبر کا مکا لگا۔۔۔ کیونکہ وہ عین اسی وقت اس کے سامنے آ گیا تھا جب اس نے کہا تھا۔۔۔ حیرت ہے۔

"اس بے چارے کی حیرت تو دور ہو گئی ہو گی۔۔۔ لہٰذا یہ پوچھنے کا کیا فائدہ کہ اسے کس بات پر حیرت تھی"۔ فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

اب وہ سب رائفل نمبر کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔۔۔ چوٹ کھا کر جو گر جاتا۔۔۔ جلد از جلد اٹھنے کی کوشش کرتا۔۔۔ یہاں تک کہ محمود بھی اٹھ چکا تھا۔۔۔ جس نے زبردست چوٹ پیٹ میں کھائی تھی۔

"لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں۔۔۔ کہ مجھے حیرت کس بات پر ہوئی"۔ مکھن نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا بھائی۔۔۔ بتا دو"۔ آفتاب مسکرایا۔

"پروفیسر انکل نے کہا ہے کہ یہ کسی ایجاد کے بارے میں سوچ میں گم ہو گئے تھے۔۔۔ تو مجھے حیرت اس بات پر ہوئی کہ حیرت ان میں گم کیوں نہ ہوئی"۔

"اوہ۔۔۔ بہت خوب صورت بات کہی۔۔۔ خیر۔۔۔ پہلے ذرا دو دو ہاتھ ہو جائیں۔۔۔ رائفل نمبر سے۔۔۔ پھر کر لیں گے باتیں"۔ منور علی خان بولے۔۔۔ ساتھ ہی ان کے ہاتھ میں ان کی شکاری رسی نظر آئی۔۔۔ وہ اس کو گھمانا شروع کر چکے تھے۔

"میرا خیال ہے۔۔۔ اور سب لوگ ہٹ جائیں۔۔۔ اس کے لیے تو ہماری یہ رسی کافی ہو جائے گی"۔ وہ بولے۔

"اچھے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ اگر صرف ایک رسی سے کام چل سکتا ہے تو ہم اپنی ہڈیاں پسلیاں کیوں کرائیں"۔ فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ ہڈیاں پسلیاں کیوں کرائیں۔۔۔ محاورۃً"۔ تو یہ ہے۔۔۔ ہڈی پسلی ایک ہوتا"۔

"جناب سب کی ہڈیاں پسلیاں ایک کیسے ہو سکتی ہیں"۔

"ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔۔۔ خیر۔۔۔ نہیں ہو سکتی ہوں گی۔۔۔ ارے۔۔۔ یہ بڑے صاحبان کہاں چلے گئے"۔

"بڑے صاحبان۔۔۔ منور علی خان اور پروفیسر صاحب بھی تمہیں چھوٹے صاحبان نظر آتے ہیں"۔ خان رحمان نے جھلا کر کہا۔

"نن نہیں۔۔۔ انکل"۔

"میرا ہم نہیں انکل نہیں ہے"۔

"اوہ اچھا جو نہیں انکل نہیں صاحب۔۔۔ شکریہ"۔ آفتاب بولا۔

"یہ کیا بات ہوئی"۔ انہوں نے آنکھیں نکالیں۔

"دست تحریر کی"۔ انہوں نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ پھیرا۔

"انکل۔۔۔ کہیں محمود کی روح میں آپ تو نہیں گھس گئے"۔ [illegible] بوکھلا اٹھا۔

"ہائیں کیا کہا؟"

"اوہ۔۔۔ الٹ کہہ گیا۔۔۔ کہیں آپ میں محمود کی روح تو نہیں [illegible] آئی"۔

"نہیں۔۔۔ لیکن یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔۔۔ اب ذرا منور علی [illegible] کی رسی کی کارکردگی دیکھو"۔ خان رحمان بولے۔

[illegible] رسی اب پوری رفتار سے گھوم رہی تھی۔۔۔ ایسے میں جونہی وہ رائفل نمبر کے ارد گرد سے ہٹے۔۔۔ رائفل نمبر گیٹ کی طرف دوڑا۔۔۔ ادھر وہ دوڑا۔۔۔ ادھر رسی اس کے جسم سے لپٹتی چلی گئی۔۔۔ اور [illegible] کے قابل اس کی لمبائی ختم ہوئی۔۔۔ اس کے جسم کو ایک جھٹکا لگا۔۔۔ ادھر منور علی خان کو بھی جھٹکا لگا۔

"نن نہیں سہ۔۔۔ گولی نہ چلائیے گا۔۔۔ ہم اسے زندہ پکڑیں [illegible] ہمارے بہت کام آئے گا"۔ ایسے میں محمود کی آواز گونج

انہی۔ انہوں نے چونک کر دیکھا۔ آئی جی صاحب اپنے پستول سے رائفل نمبر کا نشانہ لے چکے تھے۔ ادھر رسی اس کے گرد خوب اچھی طرح لپٹ چکی تھی۔ جبکہ رسی کا دوسرا سرا منور علی خان کے ہاتھ میں تھا۔ رائفل نمبر نے بھی رسی کو دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اچانک اس نے رسی کو جھٹکا مارا۔ منور علی خان اڑتے ہوئے اس کی طرف آئے۔ ساتھ ہی وہ اچھلا اور اپنے سر کی ٹکر ان کے سر پر دے ماری۔ منور علی خان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ رسی ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ اور رائفل نمبر رسی سمیت بھاگ کھڑا ہوا۔ منور علی خان کو گرتے دیکھ کر وہ دم بخود رہ گئے۔ اور سب کے سب اس کے پیچھے دوڑ پڑے۔ لیکن اس کی رفتار بھی بہت تیز تھی۔ درمیانی فاصلہ بڑھتا چلا گیا۔ سارے مہمان حیرت کے بت بنے اس لڑائی کو دیکھ رہے تھے اور وہ ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ان سب کی آنکھوں میں بے پناہ خوف بھی تھا۔ وہ ہوا کی رفتار سے اڑا جا رہا تھا کہ بری طرح اچھل کر گرا۔

اب سب نے دیکھا۔ دروازے کی طرف سے انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے اس کی طرف بلکہ عین اس کی سیدھ میں دوڑ لگائی تھی۔ نتیجہ یہ کہ دونوں ایک ہی وقت میں اس سے ٹکرائے۔ گرے وہ بھی تھے۔ اور پھر مجمع یہ دیکھ کر ساکت رہ گیا کہ رائفل نمبر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ جب کہ انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا ابھی تک

نہیں اٹھ سکے تھے۔ ہاں وہ اٹھنے کی کوشش ضرور کر رہے تھے۔

"میں تم دونوں کو موقع دوں گا۔ اچھی طرح اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ بے شک میں تم سے خوف زدہ رہا ہوں۔ لیکن میرا خوف ہر بار میرے آگے رہا ہے۔ لیکن اس ٹکر کے بعد میرا خوف دور ہو گیا ہے۔ تم تو میرے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہو۔ میری تو صرف ایک ٹکر تمہیں زمین پر گرانے میں کامیاب ہو گئی۔ اور اگر کہیں میں نے دو چار ایسی ٹکریں رسید کر دیں تو کیا ہو گا۔ یہ سوچ لو۔ لو اب مجھے روک لو۔ کس میں ہمت ہے روکنے کی۔ اوہ ہاں۔ ابھی ابھی کسی نے کہا تھا۔ آئی جی صاحب کو۔ فائرنگ نہ کرنا۔ ہم اسے زندہ پکڑیں گے۔ زندہ تو کیا۔ تم مجھے مردہ بھی نہیں پکڑ سکو گے۔ جتنی چاہے فائرنگ کر لو۔ میں چلا"۔

"اب کیا کہتے ہو جمشید۔ کروں فائر"۔

"کوئی فائدہ نہیں ہو گا سر۔ گولی الٹا آپ کو لگے گی"۔ انسپکٹر جمشید چلائے۔

"کیا مطلب؟" وہ سب ایک ساتھ بولے۔

"ہم سب بلاوجہ اچھل اچھل کر نہیں گر رہے۔ اس کے جسم کے گرد لہروں کا ایک جال ہے۔ وہ جال ہمیں اچھالتا ہے۔ اگرچہ ہم اسے بھی چوٹ لگانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں"۔

"اوہ۔ اوہ"۔ پروفیسر داؤد کی حیرت میں ڈوبی آواز ابھری۔ پھر

ان کا ہاتھ جیب میں رینگ گیا۔ اس میں سے ایک پستول نکلا۔ بالکل عام سا پستول۔

"ہاہا۔ پروفیسر داؤد۔ کیا سمجھا گئے ہیں شاید۔ اس عام سے پستول سے مجھ پر فائر کریں گے۔ اور خود موت کا شکار ہو جائیں گے"۔

"دیکھا جائے گا۔ میں فائر ضرور کروں گا"۔

"ہاہا۔ ضرور کرو۔ ضرور کرو"۔

"نہ کریں فائر پروفیسر صاحب"۔ انسپکٹر جمشید چلائے۔

لیکن اسی وقت انہوں نے ٹریگر دبا دیا۔

"ارے یہ کیا۔ نہ کوئی آواز۔ نہ دھماکا۔ یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا"۔ خان رحمان دھک سے رہ گئے۔ باقی کا بھی برا حال تھا۔

"دھماکا نہیں ہوا۔ نہ آواز آئی۔ لیکن اس کے جسم کے گرد سے لہروں کا جال ہٹ گیا ہے۔ تھوڑی دیر پہلے جب سب کھا پی رہے تھے۔ اپنی اسی ایجاد کے بارے میں تو سوچ رہا تھا کہ اس کا تجربہ بھی کر ہی لینا چاہیے۔ ہر قسم کی حفاظتی لہروں کا خاتمہ کرنے کے لیے ہی میں نے یہ پستول ایجاد کیا ہے"۔

"ارے۔ کیا واقعی؟"

"اگر یقین نہیں ہے تو اب اس پر چھلانگ لگاؤ جمشید۔ اندازہ ہو جائے گا"۔

دونوں نے بیک وقت اس پر چھلانگ لگائی۔ اور اسے چھاپ بیٹھے۔ ایسے میں اس کے منہ سے خوف کے مارے نکلا۔

"نن نہیں۔ نہیں۔ نہیں"۔

☆○☆

اللہ حافظ

اس کے منہ سے نکلنے والی چیخوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔

"ارے ارے اتنا میرے ابو ہے۔ کیا کرتے ہو۔ مجھ غریب کو رگیدے ڈالتے ہو۔ کامران مرزا یہ مذاق ختم کرو۔ یہ تو میں ہوں تمہارا بچپن کا دوست پروفیسر بھلا عرفانی۔ میں تو یونہی رانگ نمبر بننے کا ڈراما کر رہا تھا۔ اور تم سچ مچ مجھے رانگ نمبر خیال کر بیٹھے"۔

"کیا کہا"۔ بے شمار لوگ چلائے۔

"ڈراما تو اب کر رہے ہو میرے پرانے دوست۔ نئے دشمن"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب!" سب ایک آواز میں بولے۔

"یہی اصل مجرم ہے۔ پروفیسر سیانی کو تو اس نے رانگ نمبر کے طور پر آگے کر رکھا تھا۔ کیونکہ اس روز اسے اپنی شکست نظر آنے لگی تھی"۔

"تب پھر اس نے خود کو بلیک ہول میں کیوں مخفوظ نہ کر لیا"۔

"یہ اس خیال میں تھا کہ ہم اس کی اصل حیثیت سے بالکل بے

خبر ہیں۔ اور کبھی نہیں جان سکیں گے کہ یہ شخص رانگ نمبر ہے"۔

"تب پھر اب۔ اس کے چہرے سے میک اپ اتار دیں۔ تاکہ ہم سب کو اپنے کانوں پر یقین آ جائے"۔ فاروق نے پرجوش انداز میں کہا۔

"ضرور۔ کیوں نہیں۔ ارے۔ کیا کہا تم نے۔ کانوں پر یقین۔ اوہ آنکھوں پر یقین کہنا چاہتے تھے"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے مسکرا کر کہا۔

"جی نہیں۔ آپ کی آنکھوں کو دھوکا ہوا ہے۔ میں یہی کہنا چاہتا تھا۔ جو کہا ہے۔ تاکہ سب کو اپنے کانوں پر یقین آ جائے"۔

"اچھا بھائی۔ اوٹ پٹانگ باتیں نہ کرو"۔ وہ بولے۔

"اب تک ہم نے باتیں سنی ہیں۔ تو کانوں پر یقین آئے گا۔ اگر آنکھوں سے دیکھ لیا ہوتا تو آنکھوں پر یقین آتا"۔

"مان گئے بھئی تمہیں مان گئے۔ چلئے انکل۔ اٹھایئے پردہ"۔ انہوں نے برا سا منہ بنایا۔

"پردہ اٹھایئے۔ لیکن ڈراما تو ختم ہو چکا ہے۔ اب تو پردہ گرانا ہے۔ اس شخص پر"۔ آفتاب نے فوراً کہا۔

ادھر انسپکٹر کامران مرزا نے اس کے چہرے سے میک اپ نوچ دیا۔ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ جلدی جلدی پلک جھپک رہا تھا۔

"یقین مانو انسپکٹر کامران مرزا۔ میں مذاق کر رہا تھا"۔ اس نے کہا۔

"لیکن یہ مذاق اب تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔ وہ خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں۔ بس تم شوخی میں آ گئے اور خط اپنے ہاتھ سے لکھ بیٹھے۔ اور بھول گئے کہ کسی زمانے میں تم مجھے خط لکھتے رہے ہو۔ اور تم یہ بھی نہ سوچ سکے کہ میں ان خطوط کی تحریر کو بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اور جب تمہارا لکھا ہوا خط میرے سامنے آئے گا۔ میرا ذہن فوراً ان خطوط کی طرف جائے گا۔ تم تو کچھ بھی نہ سوچ سکے۔ بس تمہارے دل و دماغ پر تو ساری دنیا پر حکومت کرنے کا بھوت سوار تھا۔ لیکن تم ایک اور اہم ترین بات بھول گئے۔ اگر وہ بات تم نہ بھولے ہوتے تو آج یہ دن ہرگز نہ دیکھنا پڑتا"۔ یہاں تک کہہ کر انسپکٹر کامران مرزا خاموش ہو گئے۔

"اور وہ بات کیا؟" لوگ بولے۔

"یہ کہ ساری دنیا پر حکومت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اور وہی کر بھی سکتا ہے۔ یہ کسی اور کے بس کا روگ نہیں"۔

"ہوں۔ واقعی"۔ لوگ بولے۔

اس کا سر اور جھک گیا۔

"میرا خیال ہے۔ اس دعوت میں ہم نے اکرام کو بھی بلایا تھا۔ کیونکہ اس کی تو ضرورت پیش آنے کا ہمیں پہلے ہی پتا تھا"۔

انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

"لیں سر۔ میں یہاں موجود ہوں"۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی اکرام سامنے آ گیا اور اس نے مجرم کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں"۔

"لیکن۔ میرے دوست۔ اگر تم پروفیسر بلا صاحب کو یہ ڈراما بتاتے۔ اور یہ بلیک ہول بنانے میں اور اس سے کام لینے میں کامیاب ہو جاتیں تو ہم تمہاری بڑی مدد کرتے اور تمہاری سفارش کرتے"۔

"جی نہیں۔ شکریہ۔ قدرت میں نے سمجھ لیا تھا۔ میں اس سے کام لے سکتا تھا۔ میں کام نہیں لے سکا تو اور کوئی بھی نہیں لے سکے گا۔ پروفیسر بلا صاحب کی قیامت تک بلیک ہول ایجاد کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے"۔

"ارے نہیں بھئی۔ میرا قیامت تک جینے کا ارادہ ہی کم ہے"۔ انہوں نے گھبرا کر کہا۔

یہ اس لمحے مجرم تڑپ کر گرا اور ساکت ہو گیا۔

"ارے۔ یہ کیا"۔

وہ اس پر جھک گئے۔ لیکن اس کے جسم سے روح جدا ہو چکی تھی۔ وہ خودکشی کر چکا تھا۔ غالباً اس نے زہر کا کیپسول مدت پہلے اپنے منہ میں رکھ لیا تھا۔

"افسوس۔۔۔ اتنا قاتل آدمی بے موت مارا گیا"۔ انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

"ایک حرام موت۔۔۔ انکل"۔ فرزانہ کی آواز سنائی دی۔

"اور وہاں فرزانہ۔۔۔ بالکل ٹھیک۔۔۔ خودکشی کرنے والا مکمل طور پر حرام موت مرتا ہے۔۔۔ اور تم نے آج بھی بہت خوب کام دکھایا"۔

"چھوڑیئے انکل۔۔۔ اس بات کو۔۔۔ اب تو کان پک چکے ہیں۔۔۔ ایسی باتیں سن سن کر"۔ فرزانہ نے شرما کر کہا۔

"ارے باپ رے۔۔۔ کان پک گئے ہیں۔۔۔ یہاں کوئی ڈاکٹر صاحب ہیں"۔ آفتاب نے ہانک لگائی۔

"ہاں! جو ان کی عقل کا علاج کر سکیں۔۔۔ کیونکہ یہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کان پکنا محاورہ ہے"۔ فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اس طرح نہ گھورو۔۔۔ گھورنے پر پابندی نہ لگوا دینا"۔ محمود نے گھبرا کر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"اب یہاں۔۔۔ اس محفل میں یہ کون سوچے گا کہ یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ بس جو بات بھی ہوئی۔۔۔ جیسی بھی ہوئی۔۔۔ اور جس بنیاد پر بھی ہوئی۔۔۔ بس ہو گئی اور ٹھیک ہو گئی"۔ فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

"ذہن میں اور قینچی میں مجھے تو کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا"۔ محسن بولا۔

"حاضرین۔۔۔ کھانے پینے کا پروگرام پھر سے شروع کر لیں۔۔۔ کیونکہ اب ان کی یہ بے کار کی باتیں تو ختم ہوں گی نہیں۔۔۔ اور ہم انہیں اس وقت روکیں گے۔۔۔ کم از کم کیس سے فارغ ہونے کے بعد تو یہ اوٹ پٹانگ باتیں کر ہی سکتے ہیں"۔ انسپکٹر کامران مرزا نے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ لیکن کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

"شاید آپ میری بات سمجھ نہیں سکے"۔

"بالکل سمجھ گئے ہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔ ہم ان کی باتوں میں بہت لطف محسوس کر رہے ہیں۔۔۔ ایسا لطف جو اس دعوت میں نہیں آ رہا تھا۔۔۔ لہٰذا انہیں باتیں کرنے دیجئے۔۔۔ اور ہمیں سننے دیجئے۔۔۔ آپ کا کیا جاتا ہے"۔

"دعوت تیرے کی۔۔۔ کرو بھئی باتیں۔۔۔ ہم تو چلے۔۔۔ آیئے انسپکٹر کامران مرزا"۔

"ہاں چلیں"۔ وہ بولے۔

"آئیں پروفیسر صاحب۔۔۔ منور علی خان اور خان رحمان"۔ انسپکٹر جمشید بولے۔

لیکن وہ تینوں بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

"ہائیں۔۔۔ یہ کیا"۔ انسپکٹر جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"تم دونوں جاؤ۔۔۔ ہم بھی ان کی باتیں سنیں گے"۔ پروفیسر نے گھبرا کر کہا۔

"دعوت تیرے کی"۔

انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا نے ایک ساتھ کہا اور دونوں نے جلا کر اپنی رانوں پر ہاتھ بھی مارے۔

"ارے باپ رے۔۔۔ میں تو کیا کام ہے"۔ محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"لیکن کس کس کام ہے؟" محسن بے خیالی کے عالم میں بولا۔

"آیئے کامران مرزا۔۔۔ بھاگ چلیں۔۔۔ ورنہ ہم بھی باتوں کے طوفان میں گھر جائیں گے۔۔۔ باتوں کے سیاہ بادل بہت بری طرح امڈتے چلے آ رہے ہیں"۔ انسپکٹر جمشید نے خوف کے عالم میں کہا اور تیز تیز قدم اٹھاتے وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

"ہائیں۔۔۔ یہ کیا کر گئے ہیں۔۔۔ باتوں کے سیاہ بادل۔۔۔ ارے باپ رے۔۔۔ پھر تو ہمیں بھی بھاگ نکلنا چاہیے"۔ آصف نے بوکھلا کر کہا۔

وہ ایک ساتھ جو مختلف سمتوں میں بھاگے۔۔۔ تو بری طرح ایک دوسرے سے ٹکرائے اور وہیں آس پاس ہی ڈھیر ہو گئے۔۔۔ اور اس طرح گرے کہ ان میں اٹھنے کی سکت نہ رہ گئی۔۔۔ لڑائی بھڑائی نے انہیں پہلے ہی بہت تھکا دیا تھا۔۔۔ لہٰذا گھاس پر لیٹ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔

"یہ کیا۔۔۔ وہ باتیں کہاں گئیں"۔ مجمع میں سے کسی نے کہا۔

"اب ہم بہت تھک گئے ہیں۔۔۔ آپ لوگ دعوت کے بعد جب اپنے گھروں کو جائیں گے اور سو جائیں گے تو ہم آپ کے خوابوں میں آ کر باتیں سنا دیں گے۔۔۔ کیونکہ خواب میں آ کر باتیں سنانے سے ہم بھی نہیں تھکیں گے"۔

لوگ انہیں اس طرح گھورنے لگے جیسے وہ پاگل ہو گئے ہوں۔۔۔ انہوں نے اس طرح آنکھیں بند کر لیں۔۔۔ جیسے اب کھولیں گے ہی نہیں۔۔۔ ایسے میں محمود کی آواز سنائی دی۔

"اصل مسئلہ یہ ہے حاضرین۔۔۔ جب ہم سے کہا جاتا ہے کہ باتیں نہ کرو۔۔۔ تو ہمیں باتیں کرنے کی سوجھتی چلی جاتی ہے۔۔۔ اور جو کہا جاتا ہے۔۔۔ باتیں کرو۔۔۔ تو ہم سب کے دماغ ٹھپ ہو جاتے ہیں۔۔۔ لہٰذا آپ اور ہمارے بڑے لوگ اس وقت یہ کہتے کہ خبردار۔۔۔ ہم سے کوئی باتیں نہیں کرے گا۔۔۔ تب ہم کوئی نہ کوئی بات اگلتے جاتے۔۔۔ لہٰذا اب معذرت۔۔۔ ہم بہت تھک گئے ہیں۔۔۔ اس قدر تھک گئے ہیں کہ کچھ سوچنا بھی ہمارے لیے مشکل ہو رہا ہے۔۔۔ آپ سوچیں۔۔۔ کہ سوچنے میں کون سا محنت کرنا پڑتی ہے۔۔۔ کوئی زور لگانا پڑتا ہے۔۔۔ سوچ چکے آپ یا نہیں۔۔۔ اگر نہیں تو اور سوچ لیں۔۔۔ سوچ لیں۔۔۔ لیکن ہمیں تو آپ مہربانی فرما کر سوچنے پر بھی مجبور نہ کریں۔۔۔ لہٰذا السلام علیکم"۔

اور لوگ انہیں اس طرح گھور رہے تھے... جیسے وہ سب پاگل ہوں۔

☆○☆

خبردار

☆ آئندہ خاص نمبر صرف 2000 صفحات کا ہو گا۔

☆ ان شاء اللہ 20 جون کو شائع ہو گا۔

☆ اشتیاق احمد کی زندگی کا سب سے بڑا ناول۔

☆ اشتیاق احمد اپنا ریکارڈ خود ہی توڑنے پر تل گئے ہیں۔

☆ آج ہی 250 روپے کا منی آرڈر کر کے اپنی کاپی محفوظ کرا لیں۔

ورنہ پھر ہاتھ ملتے رہ جائیں گے 'خبردار' کا لفظ اوپر اسی لیے لکھا گیا ہے۔

باقی تفصیلات آئندہ

انداز پبلی کیشنز 3۔ علامہ مارکیٹ 'مہ آئے شاہ روڈ' سمانہ کالاں 'لاہور۔